تجلیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مولانا عامر عثمانی
فاضل دیوبند

ناشر و اسٹاکسٹ
حافظ عبید اللہ
0302-8186413
0336-9567303
نگران مکتبۃ الھدیٰ
میڈیسن مارکیٹ نیو اڈہ مردان

تجلّیاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مصنف

مولانا عامر عثمانی

فاضل دیو بند

مرتب

سید علی مطہر نقوی امروہوی

ناشر و اسٹاکسٹ حافظ عبید اللہ 0302-8186413 0336-9567303

نگران مکتبۃ الہدیٰ میڈیسن مارکیٹ نیواڈہ مردان

نام کتاب	تجلّیاتِ صحابہؓ
مصنف	مولانا عامر عثمانی فاضل دیوبند مدیر ماہ نامہ تجلی دیوبند
مرتب	سید علی مطہر نقوی امروہوی
طبع اول	۷۰۰ نومبر ۲۰۰۰ء
طبع ثانی	۱۱۰۰ جنوری ۲۰۰۳ء
طبع ثالث	۱۱۰۰ اکتوبر ۲۰۱۶ء
قیمت	430/- روپے

ناشر و اسٹاکسٹ حافظ عبید اللہ 0302-8186413 0336-9567303

نگران مکتبۃ الہدیٰ میڈیسن مارکیٹ نیواڈہ مردان

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ نمبر

انتساب اول

از: مصنف

یہ ناچیز بندہ اس شمارے کو
علم دین کی آبرو کے نام
منسوب کرتا ہے۔

(عامر عثمانیؒ)

معذرت

غلطی یہ ہوئی کہ راقم اپنا انتساب لکھنے سے عمل مصنف کے لکھے ہوئے انتساب سے بالکل لاعلم تھا، اگر اولاً مصنف کا تحریر کردہ انتساب نظر سے گذر جاتا تو ہرگز انتساب کی جسارت نہ کرتا، قارئین سے اس غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔

مرتب: سید علی مطہر نقوی امروہوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب ثانی

از: مرتب

محمد رسول اللہ والذین معہ (الایۃ)

میں مجموعہ ہذا کو چشم دید گواہان قرآن و خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتا ہوں، جو خصوصی ممدوح قرآن اور براہ راست نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد وفیض یافتہ ہونے کے علاوہ قرآن کریم اور تعلیمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل محافظ و ناقل اول ہیں، اور جن پر مکمل وغیرہ متزلزل اعتماد ہی قرآن و خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و اعتماد کی واحد ضمانت ہے، اور اس سے محرومی قرآن الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم تعلق کو مستلزم ہے۔

چند اقتباسات

''حقیقت میں احترام انبیاء یا احترام صحابہ اس کا نام نہیں ہے کہ اہم واقعات ثابتہ کی تکذیب یا تحریف کریں، بلکہ اس کا نام ہے کہ ان کی صحیح توجیہ و تاویل سامنے لائیں، جیسا کہ تمام علماء سلف کرتے رہے ہیں۔''

''اگر آنکھ کھول کر'' خلافت وملوکیت'' پڑھی جائے تو اس میں حضرت عثمان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ثابت کیا گیا کہ ان سے فکر واجتہاد کی غلطی ہوئی، اگر اس نوع کی غلطیوں پر بھی کوئی شیعہ یا رافضی طعنہ زن ہے تو بشوق ہوا کرے، اہل حق کی نشانی یہ نہیں ہے کہ طعنوں سے ڈر کر حقائق کی تکذیب کریں، اور ان صحابہؓ کو جو فرشتے نہیں تھے فرشتے باور کرانے پر تل جائیں۔''

''حیرت یہ ہے کہ شیعہ حضرات تو ابوبکرؓ وعمرؓ کو بھی غاصب خلافت اور بددین وغیرہ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں؟ ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کی صفائی پیش کرنے سے کیا ہوگا؟ یہ ایک فضول کام ہے، سچائیوں کو جھٹلانا اور واقعات ثابتہ کی الٹی سیدھی تاویلیں کرنا وقت اور انرجی کی بربادی ہے۔''

''ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ'' خلافت وملوکیت'' جیسی کتاب جس کا ایک ایک لفظ کسی اعلیٰ درجہ کی مشین کے پرزوں کی طرح ایک جگہ فٹ ہے۔۔۔۔۔''

''خلافت وملوکیت ایک قانونی نوع کی کتاب ہے، جذباتی خروش سے خالی، اس میں مصنف نے ایک ایک لفظ جانچ تول کر رکھا ہے، ضرورت سے زائد الفاظ کا اس میں کوئی کام نہیں۔''

''ہم چیلنج کرتے ہیں کہ'' خلافت وملوکیت'' میں کوئی بھی دعوی موضوع روایات سے ثابت نہیں کیا گیا۔''

''زیر بحث کتاب تو ایک ایسی قانونی کتاب ہے جس میں کوئی فقرہ کسی بھی جگہ زائد نہیں۔''

''خلافت وملوکیت'' وہ کتاب ہے جس میں کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں کی گئی ورق ورق تفصیلی حوالوں سے مزین ہے، اور تمام حوالوں سے مزین ہے، اور تمام حوالے ایسی ہی کتابوں کے ہیں جو اہل سنت علماء کے مابین مستند واول اور معروف ہیں۔

مصنف نے قرآن وسنت اور اہل سنت کے مستند ترین اسلاف کرام کی تشریحات اور سیکڑوں حوالوں کی روشنی میں یہ نہایت تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ ''خلافت وملوکیت'' میں مولانا مودودی کا ہ ردعوی اسلاف کی توضیحات کے عین مطابق ہے، اسلاف سے قطعاً مختلف نہیں، صحابہ کرامؓ کے منصب عالی کی وضاعت میں ''خلافت وملوکیت'' اسلاف کرام کی بالکل صحیح ترجمان ہے ۔(مرتب)

ان کتب کے منصفانہ اور حقیقت پسندانہ مطالعہ سے قارئین کے ذہنوں میں قدرتی طور پر جو سوالات جنم لیں گے، ان میں اولاً یہ ہے کہ:

(۱) اسلاف کو نظر انداز کر کے دین کی من مانی تعبیر کرنے کا حقیقتاً مجرم کون ہے؟ معترضین یا مولانا مودودی۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ ''جماعت اسلامی'' سے اجتناب وجنگ کی صورت میں پاکستان کو ''خلافت راشدہ'' سے محروم کر دینے کا اصل مجرم کون ہے؟ معترضین یا مولانا مودودی اور جماعت اسلامی۔

(۳) قرآن وسنت کی روشنی میں اعتراض میں وزن کتنا ہے۔

گذارشات

رب اشرح لی صدری و یسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی

جماعت اسلامی اور علماء کرام کے اتحاد کا راقم الحروف ہمیشہ متمنی وکوشاں رہا ہے، چنانچہ راقم کی طرف سے تالیف ہذا کی طباعت وتشہیر کا اصل محرک بھی یہی جذبہ خیر ہے، جماعت اسلامی اور علماء دیوبند کے اختلاف وتنازع ہی نے ارقم الحروف کے نزدیک پاکستان کو ''نظام اسلامی'' اور

"حکومت الیہ" سے محروم کیا ہے، اس کا صحیح فیصلہ کہ یہ تنازع درست ہے یا غلط فہمی اور حقیقت سے لاعلمی پر مبنی ہے، قارئین خود بعد مطالعہ کر سکیں گے، راقم الحروف کے نزدیک یہ امر کہ مولانا مودودی کی کتب حتیٰ کہ "تفہیم القرآن" تک سے مساجد کلیتاً خالی ہیں، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ خطباء وائمہ مساجد مولانا مودودی اور جماعت اسلامی سے بالعموم برہم ومجتنب رہتے ہیں، نہایت غم انگیز اور مایوس کن قومی سانحہ ہے، اگر خدانخواستہ آئندہ یہی صورت حال مستقلا رہی تو ممکن ہے کہ اسلامی نظام کا خواب کسی وقت بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے، جب کہ راقم کا پاکستان کے حصول میں اصل لالچ ومقصد ہی یہ تھا کہ نظام اسلامی کا خواب بجائے متحدہ ہند کے صرف مسلم اکثریت ہی کے ملک (پاکستان) میں ممکن ہوسکتا ہے اس لیے راقم اپنے زمانہ جوانی میں تحریک پاکستان کے آغاز ہی میں بحد دیوانگی پاکستان کا شیدائی وکوشاں تھا، اور اپنے وطن عزیز (امروہہ) میں علاوہ انفرادی ملاقاتوں کے، جب کبھی جلوس کی قیادت کا موقعہ مل جاتا تو اس میں راقم کا محبوب ترین نعرہ یہ تھا کہ:

پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالہ الا اللہ

مگر پاکستان کو وجود میں آئے زائد از پچاس سال کا طویل عرصہ گزر چکا، مگر تاہنوز مقصد وجود (اسلامی نظام) سے محرومی ہے، راقم اس محرومی کی سب سے بڑی وجہ یہی سمجھتا ہے کہ جو شخصیت اور پارٹی جدید وقدیم دونوں علوم سے باخبر ہے سب سے زیادہ اسلام کو بحیثیت نظام حیات سمجھنے اور جملہ امور حیات میں نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور بین الاقوامی معیار کے مطابق مثالی کردار اور صلاحیتوں کی بھی حامل وشہرت یافتہ ہے، مگر "پاک وہند" کے علماء کرام اس سے نالاں بلکہ مدمقابل ہیں۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

کاش کہ یہ دونوں متحد و یکجان ہو جائیں جیسا کہ ہونا چاہیے تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی قوت پاکستان کو "اسلامی نظام" وحکومت الہیہ سے محروم نہیں رکھ سکتی، دراصل پاکستان دورفاروقی کو واپس لانے کے لیے ہی وجود میں آیا تھا، عوام اور قائد اعظم دونوں اس جذبہ میں مشترکہ ہیں، فاروق

اعظمؒ سے قائداعظم کو گہری عقیدت تھی جیسا کہ ان کے شاگرد شریف الدین پیرزادہ صاحب نے نمائندہ جسارت کو انٹرویو دیتے ہوئے تاثر دیا ہے، وہ ''الفاروق'' کو خصوصاً زیرِ مطالعہ رکھتے تھے، راقم کے نزدیک فاروقی جاہ وجلال کی واپسی کی دورِ حاضر میں واحد صورت ہی یہ ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کو علماء کرام دین کی ترجمانی اور اخلاص وطلب میں اعتماد کی نظر سے دیکھنے لگیں، راقم کا خیال ہے کہ زیرِ نظر جیسی کتب علماء کرام اور اہل علم کو مولانا مودودی کے متعلق اپنے تصورات وتوہمات پر نظرِ ثانی کرنے پر مجبور کر دیں گی، مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے متعلق ازالہ شکوک اور دفع شبہات واعتراضات پر جماعت اسلامی نے توجہ نہ کر کے اپنے مقصد کو ازخود شدید نقصان پہنچایا ہے۔

اسی نقصان عظیم کے پیش نظر راقم الحروف نے اب پچاس سال کے بعد اس کی تلافی کا عزم کیا ہے، کاش کہ اللہ تعالیٰ اس عزم عالی کی تکمیل کی توفیق بخش دیں، زیرِ نظر جیسی مدلل ترین کتب کی اشاعت اسی جذبہ واحساس کے نتیجہ میں راقم کی دوسری خدمت ہے، اس سے قبل ''جماعت اسلامی کا جائزہ'' ہدیہ قارئین کیا جا چکا ہے، جو مخالف سے مخالف کو قریب لانے اور مطمئن کرنے میں نہایت مفید ونتیجہ خیز ثابت ہوا ہے۔

مولانا مودودی کے دینی مسائل پر ہزاروں فکر انگیز صفحات پر مشتمل لٹریچر میں ''خلافت و ملوکیت'' چونکہ سب سے زیادہ متنازعہ اور ہدف تنقید کتاب ہے، اور معترض علماء کے نزدیک تو مودودی صاحب اس میں (صحابہؓ) جیسے نہایت خطرناک جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، اس لئے راقم کے نزدیک اس ایمان سوز الزام کا دفاع سب سے مقدم تھا، اس لئے کہ پورا دین حتیٰ کہ قرآن کریم تک پر ایمان صحابہ پر مکمل اعتماد اور والہانہ عقیدت وتعلق پر منحصر ہے اس لئے کہ صرف صحابہ کرام ہی چشم دید گواہان قرآن وختم نبوت ہیں اس لئے صحابہؓ پر عدم اعتماد قرآن وسنت پر عدم اعتماد کو مستلزم ہے، دنیا میں کسی بھی اظہر من الشمس حقیقت وواقعہ کے مشتبہ اور ناقابل اعتبار باور کرانے کا سب سے زیادہ کارگر وموثر نسخہ ہی یہ ہے کہ اس واقعہ کے چشم دید گواہان کو مطعون اور مشتبہ بنا دیا جائے، مگر زیرِ نظر مجموعہ اس نتیجہ پر پہنچانے کیلئے بالکل کافی ہے کی مولانا مودودی پر یہ ایمان سوز الزام معترضین کی غلط فہمی یا لاعلمی پر مبنی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ اس گمراہ کن الزام کی تردید میں اسلاف اہل سنت کی واضح تحریرات کی روشنی [illegible] اہل [illegible] کو گراں ہے، اس کے علاوہ معترضین کو اس پہلو سے بھی صرف نظر نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر [illegible] تو امام اہلسنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا مناظر [illegible] گیلانی جیسے علم و بصیرت کے مستند تاریخی پہاڑوں کا اعتماد ہرگز مودودی صاحب کو حاصل نہ [illegible]

مجموعہ ہذا بجواب ''شواہد تقدس'' مولفہ مولانا محمد میاں صاحب سابق صدر جمیعتہ علماء ہند [illegible] مولانا عامر عثمانی ہے، مگر اس سے قبل ''خلافت وملوکیت'' کے رد میں جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کی [illegible] ''حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'' کا جواب موسومہ ''خلافت وملوکیت'' پر اعتراضات [illegible] ''مولفہ مولانا مودودی کے شاگرد رشید جسٹس ملک غلام علی، قارئین چند سال قبل مطالعہ میں [illegible] چکے ہیں، یہ مولانا عثمانی کے ایک ایک لفظ کا اسلاف کے آئینہ میں نہایت تفصیلی اور مسکت و جامع [illegible] ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ معترضین دونوں کتب کا بغور وانصاف آزادانہ جائزہ لے لیں، اور صرف [illegible] الٰہی کی خاطر اعتراف حق کے لئے اپنے ضمیر کو آمادہ کرلیں، غلطی کا ہر دو طرف امکان ہے، یاد [illegible] الٰہی ہر ایک کے مقابلہ میں حق پسندی وحق گوئی ام العبادات ہے، اساتذہ وشیوخ بھی اس [illegible] الٰہی کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں جبکہ ہمارے دیندار طبقہ کا عمومی مزاج اپنے اساتذہ شیوخ کیے [illegible] تقلید بن چکا ہے، جسکو اسلام پسند نہیں کرتا، اسلام تو انظر ماقال ولا تنظر الی من قال [illegible] ایا کہا جارہا ہے یہ مت دیکھو کہ کہنے والا کون ہے کہ اقائل ہے۔ کافر بھی اگر حق بات کہہ رہا [illegible] حق کہنا ہمارا اخروی فرض اور ذمہ داری ہے۔

راقم کے نزدیک مملکت خداداد پاکستان کو ''نظام الٰہی'' سے ہمکنار کرنے کی واحد صورت علماء [illegible] اور جماعت اسلامی کا شیر وشکر ہوتا ہے ورنہ بصورت دیگر ہر فرد کو اللہ کے حضور اپنا اپنا حساب [illegible] ہے ہر شخص اپنے اپنے علم وفہم کے مطابق اس اخروی ذمہ داری کا خود مکلف ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

پیکر حق مولانا محمد علی جوہرؒ کا یہ شعر ہر عقیدت مند قاری بلکہ ہر کلمہ گو کے دل و دماغ پر کنداں ہونا چاہیے خواہ وہ جماعت اسلامی سے متعلق ہو یا معترضین کا گرویدہ و فریفتہ ہو۔

نتیجہ بحث

(۱) ''خلافت وملوکیت'' توہین صحابہ کے داغ سے بالکل محفوظ ہے۔

(۲) مولانا مودودیؒ نے خلافت وملوکیت میں مستند روایات سے استدلال کیا ہے اور ان کا اسلاف کی روشنی میں وہی مفہوم ونتیجہ ہے جو مولانا مودودیؒ نے سمجھا اور تحریر فرمایا ہے۔

(۳) مولانا مودودی کا تمام تر استدلال اسلاف کرام کی روشنی میں ہے، حقیقتاً معترضین اسلاف کی حمایت سے محروم ہیں نہ کہ مولانا مودودیؒ۔

مولانا عامر عثمانیؒ

مولانا عامر عثمانی قابل ترین فضلاء ''دیوبند'' میں سے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ذہین ترین اور صف اول کے حق گو شاگرد اور الحب للہ والبغض للہ کا پیکر ہیں۔ آپ کے خاندان نے دارالعلوم کو ''دارالعلوم دیوبند'' بنانے میں ابتدائی دور میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، دور اول میں آپ کے تائے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مفتی عزیز الرحمٰن کے اسماء عالیہ سے دیوبند کی تاریخ سے باخبر کون ناواقف ہوسکتا ہے؟ دنیا میں ''دیوبند کا موجودہ مقام آپ کے خاندان کی مساعی و قربانیوں کا خاص طور پر مرہون منت ہے، شارح ''مسلم'' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے حقیقی چچا تھے۔

ظاہر ہے کہ مولانا عامر عثمانیؒ غیر معمولی ذہانت اور اعلیٰ علمی وقلمی صلاحیتوں کے علاوہ خاندانی عظمت و وجاہت کے نتیجہ میں بھی اپنے زمانہ تعلیم میں جملہ اساتذہ ''دیوبند'' کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہوں گے۔

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

تالیف ہذا صرف ''شواہد تقدس'' مولفہ مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ ہی کا جواب نہیں، بلکہ ''خلافت و ملوکیت'' کے مقابلہ میں لکھی جانیوالی دو مزید کتب ''امارت وصحابیت'' مولفہ مولانا علی احمد بنارسی اور

''ردسبائیت'' مولفہ مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ کا بھی نہایت عمدہ ومسکت جواب ہے، جسکو مولانا عامر عثانی نے بعد میں سپردِ قلم فرمایا، مجموعہ ہذا کے آخری صفحات کتب مذکورہ ہی سے جوابات پر مشتمل ہیں ، مذکورہ اضافہ نے مجموعہ ہذا کو جملہ طالبان حق وتحقیق کے لئے'' خلافت وملوکیت'' کی توثیق وتصدیق میں مزید دلائل کا پہاڑ اور مشعل ہدایت بنادیا ہے، قارئین کو حیرت ہوگی کہ جس طرح مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسے مشاہیر کی معتمد وممدوح خاص'' فاتح دنیا الحاد'' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے داعیان کفر والحاد کو ششدر رولا جواب کر کے رکھدیا، اسی طرح مولانا عامر عثانیؒ کے علم وقلم اور ذہانت نے بھی اہل علم متعجب کردیا ہے، مولانا مودودیؒ کے یہ الفاظ کہ'' مولانا عامر عثانیؒ میرے صبر کا میٹھا پھل ہیں'' کا ایک ایک لفظ عین حقیقت ہے۔

ایں سعادت بزور بازور نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشدہ

ان شاءاللہ

اگر بتوفیق الٰہی حسب ارادہ یہ سلسلہ اشاعت جاری رہاتو علماء کرام سے بعد وکشیدگی کی موجودہ شب تاریک جلد ان شاء اللہ صبح درخشاں میں تبدیل ہو جائیگی ،اور پاکستان اپنے جاہ وجلال میں جلد یا بہ دیر دور فاروقی کا منظر پیش کرتا نظر آئے گا جو اس کے باجود کا اصل مقصد ونتیجہ ہے۔

سید علی مطہر نقوی امروہوی

۲۱ رجب ۱۴۲۱ھ، ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز جمعہ

احوالِ واقعی

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلامِ آفتابم ہمہ ز افتاب گویم

ناظرین! سلام ورحمت۔ لیجئے تجلی کی بائیس سالہ عمر میں ایک ایسا وقت بھی آ گیا جب کہ پورا پرچہ الف سے یا تک ایک ہی مضمون سے پر ہے، اور پھر بھی بہت پنہ کہنے سے باقی رہ گیا ہے۔

ورق تمام ہوا داستان باقی ہے

یہ بندۂ عاصی سمجھ رہا تھا کہ ''شواہد تقدس'' کا جائزہ تیس چالیس صفحات میں ختم ہو جائے گا لیکن جب لکھنے بیٹھا تو دل نے کہا کہ صرف مولانا محمد میاں کے مسودات عالیہ کے آپریشن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہئیے، بلکہ ساتھ ساتھ، ایسا مواد بھی قارئین کرام کو دینا چاہئیے جو ان کی معلومات میں صحت مند اضافے کا باعث اور دینی رخ پر ان کے ذہن و قلب میں وسعت اور روشنی پیدا ہو، یہ خیال اچھا تھا یا برا، یہ فیصلہ تو آپ ہی کرسکتے ہیں، ناچیز نے بہر حال یہ کوشش کی

ہے کہ آپ کا قیمتی وقت محض ہاؤہو میں برباد نہ ہو' بلکہ اہم موضوعات پر کچھ بنیادی معلومات بھی حاصل فرماتے چلے جائیں، اس کوشش نے جائزے کو "دفتر" میں تبدیل کر دیا ہے اور اس دفتر کا بقیہ حصہ انشاء اللہ اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمالیں گے ،اگلا شمارہ بھی اس پیش نظر شمارے کی طرح ضخامت بڑھا کر پیش کرنے کا ارادہ ہے' اور یہ بھی توقع ہے کہ وہ اکتوبر میں یا پھر شروع نومبر میں اشاعت پذیر ہو جائے گا۔

آپ سوچیں گے بڑا لمبا طومار باندھا' ہم کہیں گے اتنا کچھ لکھ دینے کے باوجود یہ احساس باقی رہ گیا کہ بیشمار باتیں کہنے سے رہ گئی ہیں' بقول عامر مرحوم :

ہزار عنواں بدل بدل کر فسانہ عشق کہہ چکا ہوں
مگر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کچھ بھی کہا نہیں ہے

عشق کا مطلب جوان حضرات جو چاہیں لے لیں' مگر یہاں تو ایک محبوب خیالی کا معنوی پیکر نظروں کے سامنے ہے' نہ چہرہ نہ ہیولیٰ' نور ہی نور' جلوہ ہی جلوہ شاید اسی کی طرف حضرت جگر علیہ الرحمہ اشارہ کر گئے ہیں :

آئی جب ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

اک حسن بے جہت کی فضائے بسیط میں
اڑتی گئی مجھے بھی اڑاتی چلی گئی

اور جب یہ منزل بھی گذر گئی تو آخر کار "جگر" اس منزل آخر پر پہنچے، جہاں بس عشق ہی عشق تنہارہ گیا' یادِ محبوب بھی عشق کی سرمستیوں میں گم ہو گئی۔

اب میں ہوں اور عشق کی بیتابیاں جگر
اچھا ہوا وہ نیند کی ماتی چلی گئی

یہی بات ایک اور طرح بھی وہ کہہ گئے ہیں :

الفاظ وبیاں سب ختم ہوئے اب لفظ وبیاں کا کام نہیں
اب عشق ہے خود پیغام اپنا اب عشق کا کچھ پیغام نہیں

تو جناب اپنا خلاصہ عشق یہ ہے کہ :

زہے نصیب محبت! سما گئے دل میں
وہی جو وسعت کونین میں سما نہ سکے

اور اس کی مزید تلخیص کیجئے تو ڈاکٹر اقبال علیہ الرحمۃ کا بس ایک ہی شعر کافی ہوگا :

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستیوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

[illegible] ئی ہم آپ کو اس لئے سنا دیئے کہ آگے بڑے دقیق اور خشک علمی و تحقیقی [illegible] ث میں آپ کو سر کھپانا ہے' جہاں جہاں بوریت محسوس فرمانے لگیں چند [illegible] کر ان اشعار کو گنگنا لیں' اس طرح شاید پورا جائزہ حلق سے اتر ہی جائے

جیسا کہ عرض کیا، جائزہ اس شمارے میں پورا نہیں ہوا ہے' ابھی بڑی اہم [illegible] باقی ہیں' خصوصاً انبیاء علیہم السلام و صحابہؓ کے موضوع پر ہم ایسا مواد پیش [illegible] چاہتے ہیں کہ اسلام کا وہ ٹھیک ٹھیک عقیدہ برادران اسلام کے سامنے نکھر کر [illegible] جو افراط و تفریط کی دھند میں چھپتا جا رہا ہے' خصوصاً "خلافت و ملوکیت" [illegible] خلاف لکھی گئی تحریروں نے تو حقائق کو بالکل ہی مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

[illegible] سبائیت : (۱)

اس نام کی ایک کتاب کا حوالہ "شواہد تقدس" میں بھی ہے اور متعدد [illegible] نے بھی پچھلے ماہ کا اعلان دیکھنے کے بعد ہمیں توجہ دلائی ہے کہ اس کتاب [illegible] کیا جائے، ہماری نظر سے یہ نہیں گذری' "دیوبند" میں کہیں دستیاب نہ [illegible] واقعی یہ کوئی قابل ذکر کتاب ہے تو ہمیں کوئی صاحب مہیا فرما دیں' اس

(۱) [illegible] سبائیت" نہیں بلکہ "تجدید سبائیت" ہے۔ مرتب

سے شاید یہ فائدہ بھی ہو کہ پوری "خلافت و ملوکیت" کے بارے میں ہمارے خیالات کاغذ پر آجائیں "شواہد تقدس" کے جائزے میں تو بس ان عنوانات تک محدود رہا گیا ہے جنہیں مولانا محمد میاں صاحب نے چھیڑا ہے۔

تمام قارئین یہ ذہن نشین فرمالیں کہ اپنے اس پیش نظر جائزے سے متعلق ہم، ہر اعتراض یا اشتباہ کا جواب دینے کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں' لیکن دو شرطیں ہیں' ایک تو یہ کہ پہلے یہ جائزہ مکمل پڑھ لیا جائے' ابھی یہ ادھورا ہے، دوسرے یہ کہ اعتراض علمی ہو' یہ نہیں کہ مولانا محمد میاں کی طرح فضول منہ زوری شروع کردی جائے' اگر مثلاً کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ تم نے فلاں بات لکھ کر فلاں صحابی کی توہین کی ہے تو اسے ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت کرنی ہوگی کہ توہین اور تکریم کا معیار اس نے کہاں سے لیا ہے' یا مثلاً کوئی معترض، حدیث یا تاریخی روایت یا کسی فقیہ کا قول تعریضاً پیش کرتا ہے تو اسے مکمل حوالے کے ساتھ گفتگو کرنی ہوگی، ایسے لوگوں کو ہم کوئی جواب نہیں دیں گے' جو خالی عقلی گدّے بازی کریں گے یا غیر تحقیقی روایات اور بے سند خیالات سے اپنا اور ہمارا وقت برباد کریں گے' اگر قارئین اس شمارے کو بغور پڑھ کر اپنے تاثرات سے آگاہ فرمائیں تو ہمیں خوشی ہوگی' ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ خشک علمی جائزہ کہیں آپ لوگوں کو اکتاہٹ میں مبتلا نہ کردے۔ واللہ عاقبة الامور۔

ہوسکتا ہے بعض حضرات یہ اعتراض کریں کہ بھلا سارا پرچہ اسی ایک مضمون میں بھر دینے کی کیا ضرورت تھی' قسط وار چھاپتے رہتے' ہم اس کے جواب میں پھر ایک شعر پڑھیں گے' جس کا کہنے والا زندہ بھی ہے اور مرحوم بھی۔

یہ ایک رات ہے تیری اسے غنیمت جان
پھر اس کے بعد سحر ہو نہ ہو کسے معلوم!

کون گارنٹی لے سکتا ہے کہ ہم اگلے ماہ تک جئیں گے بھی' مر مرا گئے تو اکثر برادرانِ اسلام خواہ مخواہ "شواہد تقدس" کے ہاتھوں بیوقوف بنے رہیں گے' لہٰذا

ہمارے معمولات بدل کر "جائزہ" لکھ ڈالا ہے، جتنی جلد سارا کا سارا منظر عام پر آجائے اتنا ہی بہتر ہے۔

تجارتی نقطۂ نظر سے تو نفع بخش طریقہ یہ تھا کہ ہم کتاب چھاپ دیتے، "شواہد تقدس" ۲۶۴ صفحات کی ہے، قیمت چھ روپے، ہماری کتاب کم سے کم پانچ سو صفحات کی ہوتی، قیمت دس روپے لیکن اس طرح قاری کی جیب پر ایک الگ بوجھ پڑتا، اب وہ چار پانچ روپے میں چھوٹ جائیں گے اور وہ بھی مفت برابر، کیونکہ "تجلی" تو بہر حال انہیں خریدنا ہی تھا، اسے کہتے ہیں:

آم کے آم گٹھلیوں کے دام!

اثر کرے نہ کرے سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

آغازِ سخن

علمائے کرام کی خدمت میں

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للّٰہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللّٰہ ط ان اللّٰہ خبیر بما تعملون ۰ (سورہ مائدہ آیت ۸)

اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی، اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اے علمائے محترم! تم پر سلامتی ہو۔

قرآن کی اس آیت مقدسہ سے آغاز کلام کا منشاء اس حقیقت کبریٰ کی یاد تازہ کرتا ہے کہ آپ اور ہم سب کو آخر کار اسی خلاق اکبر کے حضور جانا ہے جس کی بارگاہ میں قیمت اگر کسی چیز کی ہے تو تقویٰ کی اور وزن کسی متاع کا ہے تو حق پرستی کا۔

آپ حضرات میں سے جن بزرگوں کو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے اختلاف ہے ان کی خدمت میں بندہ ناچیز کو یہ نہیں عرض کرنا کہ وہ اس اختلاف کو بالائے طاق رکھ دیں، دین و دیانت کی بنیادوں پر اختلاف رائے تو مومن کا طرۂ امتیاز ہے اور علم و تفقہ کے دائروں میں اختلافِ رائے کی بزم آرائیوں نے علم و فن

کی بہت خدمات انجام دی ہیں' لیکن ہمیں کہنا یہ ہے کہ اہلِ علم اور اصحاب تقویٰ کا اختلاف رائے ایسے لباس میں ظاہر ہونا چاہیئے جو علمی دیانت' بلندی فکر' وسعت نظر اور تہذیب و شائستگی کا نمائندہ ہو' ایسا نہ ہو کہ تہذیب اس پر ہنسے منقعہ اس پر نوحہ کرے' علم و تحقیق اس سے شرمندہ ہوں اور فہم و ذکا سینہ پیٹیں۔

اب تک جو کتابیں اور مضامین مولانا مودودی کے خلاف آتے رہے ہیں ان کا ذکر جانے دیجئے' آج ہم آپ کو اس تازہ کتاب کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ جس کا نام "شواہد تقدس" ہے اور جس کے مصنف ہمارے ہی دیوبندی مکتب فکر کے ترجمان مولانا محمد میاں صاحب ہیں' اس کتاب کے سو نسخے اس سال بطور انعام طلباء میں بھی تقسیم کیے گئے ہیں' ہمیں اس پر شکایت ہے' آپ دل پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمائیں کہ کیا اپنی اولاد کو آپ کوئی ایسی غذا استعمال کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں کہ جس کے بارے میں آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ زہریلی ہے یا صحت بخش' اگر آپ اولاد کو سڑی ہوئی مسموم چیزیں کھلانا ہرگز پسند نہیں کرتے تو کیا "طلبائے عزیز" آپ کی اور ہماری اولاد ہی کے درجے میں نہیں ہیں کہ ہم ان کو فکری غذا فراہم کرتے ہوئے اس سے بالکل بے نیاز ہو جائیں کہ اس غذا میں زہر ہے یا آبِ حیات' جراثیم ہیں یا حیاتین' "شواہد تقدس" ایک نئی کتاب تھی' آپ حضرات اگر کسی مستند عالم کو پہلے دکھلا لیتے کہ اسے پڑھ لو' اور بتاؤ کہ یہ علم اور اخلاص اور دیانت کے معیار پر پوری اترتی ہے یا نہیں' تو یہ عمل آپ کی ذمہ دارانہ شان کے عین مطابق ہوتا اور اللہ کے ہاں اس الزام سے بچ جاتے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کو' اپنے جگر گوشوں کو' ایک ایسی چیز دی جو ان کے ذہنوں میں بگاڑ' ان کے اخلاق میں کجی' ان کے فکری زاویوں میں گراوٹ اور ان کے علمی معیار میں پستی پیدا کرنے والی تھی، ناچیز خادم کے الفاظ سخت ہیں مگر آپ مشتعل ہونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے ان وضاحتوں کو ملاحظہ فرمالیں' جو اس کفش بردار نے "شواہد تقدس" کی تنقید میں پوری ذمہ داری اور علمی نواہ کے ساتھ

پیش کی ہیں' اس کے بعد بھی اگر آپ کا دیانتدارانہ فیصلہ یہی ہو کہ نالائق عامر بکواس کرتا ہے تو بے شک ہم سزا کے مستحق ہیں' صرف اتنا ضرور ملحوظ رکھ لیں کہ جس خالق و مالک کے حضور ہم سب کو بال بال کا حساب دینا ہے اس نے بلااستثناء ہر مومن کو یہ حکم دیا ہے :

یاایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهدآء لله ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین۔(النساء ۳۵)

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف سے اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا۔
(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اس کے بعد اگر حق کی گواہی دینے میں کسی صاحب ایمان کے زبان و قلم کو ذاتی وقار یا گروہی مفاد یا کسی کا عناد یا محبت حرکت میں آنے سے روک دے، تو ہم اسے رب ذی الجلال کا یہ قول فیصل یاد دلائیں گے کہ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولا۔

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ہم ایمانداری کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف مودودی کی مخالفت و موافقت کا نہیں' بلکہ علم و تحقیق کی آبرو کا ہے' دین و تفقہ کی حرمت کا ہے' دیوبندی مکتب فکر کی علمی ساکھ اور نیک نامی کا ہے۔ ہم ہرگز نہیں سمجھتے کہ تنقید کے ذیل میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حرف حرف پتھر کی لکیر ہے' ہم ایک بہت ہی کم استعداد کے بے بضاعت طالب علم ہیں' آپ اساتذہ کے مقابلے میں ہماری حیثیت ہی کیا؟ مگر آپ کی جوتیوں کے طفیل دو بول علم دین کے ہمارے بھی پیٹ میں پڑے ہیں' اور ہماری فہم کے مطابق احقاق حق اور ابطال باطل کی

ذمہ داری ہم پر بھی مالک نے ڈالی ہے' اس لئے جو کچھ صحیح سمجھا ہے حوالۂ قلم کر دیا ہے' اب یہ فیصلہ آپ ذی علم بزرگوں کو کرنا ہے کہ کہاں کہاں ہم نے ٹھوکر کھائی ہے اور کہاں کہاں راہِ مستقیم پر چلے ہیں۔

پیش نظر بحث میں ہم مندرجہ ذیل اکابرین کو جج بناتے ہیں' ججوں کی یہ جیوری اگر ہمارے قتل کا بھی فیصلہ دے گی تو ہم گردن جھکانے سے ہرگز گریز نہیں کریں گے۔

(۱) حکیم الملت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب "مہتمم دارالعلوم دیوبند"
(۲) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب
(۳) حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی
(۴) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی (محدث شہیر)
(۵) حضرت مولانا منظور نعمانی
(۶) حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی۔

ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے "مودودی کا مرید" کہا جا سکے' ان میں بعض تو مولانا مودودی سے اختلاف کے لئے معروف ہیں' ان کے بے حد قیمتی وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم بس اتنی تمنا کریں گے، کہ ایک نظر وہ پوری بحث پر ڈال لیں' اور پھر یہ فیصلہ دیں کہ "شواہد تقدس" کو علم و تحقیق اور خلوصِ فکر کے اعتبار سے ایک رسوا کن تصنیف قرار دینے میں ہم نے انصاف کیا ہے؟ یا ہمارے اعتراضات غلط ہیں؟۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ کوئی بھی اہم دعویٰ بلا سند نہ کریں' اور علمائے حق کے تمام ارشادات کو ہم نے ایسے حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جو ضرورت سمجھے، آسانی اصل سے ملا کر دیکھ لے، یہ بھی ہم نے ملحوظ رکھا ہے کہ علمی حوالوں کو صرف ان علماء کے دائرے تک محدود رکھیں' جن کو اکابرین

"دیوبند" بھی لائق استناد سمجھتے ہیں' ورنہ بہت سا قیمتی مواد دنیائے "مصر" و "عرب" کے عصری علماء کی تصانیف میں بھی ہمارے موقف کی تائید کرنے والا موجود تھا' لیکن اسے اسی لئے نظر انداز کر دیا کہ ہمارے دیوبندی علماء کے لئے اس کا لائق اعتنا ہونا مشتبہ ہے' ہمارے یہاں علم و تحقیق کے معاملہ میں بھی تقلیدی مزاج برابر تقویت حاصل کرتا جا رہا ہے' اور ہم محکم حقائق کو بھی محدود گروہی عینک سے دیکھنے لگے ہیں' اس کا نتیجہ ایک شدید اور مریض علمی تعصب اور تنگ نظری کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ پہلے یہ بات نہیں تھی' جب ہم اپنے مرحوم بزرگوں کی تحریریں پڑھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ان میں کتنا حقیقت پسندانہ توسع تھا' کتنا ضبط و تحمل تھا' کتنا جذبۂ انصاف تھا' مگر آج کتنی شدت و عصبیت ہے کتنی بے احتیاطی اور عجلت پسندی ہے' کتنی گرم مزاجی اور مغلوب الغضبی ہے' حالت بقول کسے یہ ہو گئی ہے کہ ؎

صوفی نے ہم پہ کفر کا فتویٰ لگا دیا
سگرٹ جلا رہے تھے چراغ مزار سے

اتنا گھٹیا شعر اس سنجیدہ معروضے میں ناگوار تو ضرور گذرے گا' مگر اس گھٹیا شعر نے تفنن کے پردے میں وہ کچھ کہہ دیا ہے جو شاید پوری نظم بھی نہ کہہ سکتی۔

یہ شمارہ "دارالعلوم" کی مجلس شوریٰ کے تمام ممبروں اور "دارالعلوم" کے تمام استادوں کو بھیجا جا رہا ہے تاکہ نہ دیکھ پانے کا عذر باقی نہ رہے۔

اس شمارے میں ہمارے مصادر و مآخذ

ہم نے کوشش کی ہے کہ کوئی دعویٰ بے دلیل نہ کریں' اور حوالوں کے لئے بھی ہم نے وہی کتابیں منتخب کی ہیں جن کا ہمارے دیوبندی حلقوں میں اعتبار ہے اور عموماً وہ "دارالعلوم" کے کتب خانے میں موجود ہیں' یہاں بس وہ کتابیں ذکر کی جا رہی ہیں جن سے جائزے کے اس حصہ اول میں فائدہ اٹھایا ہے' ہر ایک

…۔ سامنے صرف وہ صفحہ لکھ دیا گیا ہے جہاں پہلی بار اس کتاب کا حوالہ آیا ہے'
…۔ دوم میں (جو متصلاً آنے والا ہے) جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان کی
ا… ست وہیں پیش کی جائے گی۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سال وفات	صفحہ
١	تحفہ اثنا عشریہ (عربی۔ علی حواشیہ محب الدین الخطیب)	شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	١٢٣٩ھ	١٧
٢	ازالۃ الخفاء	حضرت شاہ ولی اللہؒ	١١٧٦ھ	٢٢
٣	صحیح بخاری شریف	امام بخاریؒ (ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل)	٢٥٦ھ	٢٦
٤	صحیح مسلم شریف	امام مسلمؒ (بن الحجاج القشیری)	٢٦١ھ	٢٩
٥	مشکوٰۃ شریف	شیخ ولی الدین خطیبؒ	٧٤٣ھ	
٦	ترمذی شریف	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	٢٧٩ھ	٢٩
٧	تفسیر روح المعانی	شہاب الدین سید محمود الآلوسیؒ	١٢٧٠ھ	٣٤
٨	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ العثمانیؒ	١٢٢٥ھ	٣٧
٩	جلالین شریف (از بقرہ تا سورۂ کہف جلال الدین م ٩١١ھ)			
	از کہف تا والناس	محمد بن احمد محلی الشافعیؒ	٨٦٤ھ	٣٨
١٠	حاشیۃ الجمل علی الجلالین	شیخ سلیمان الجملؒ	١١٦٩ھ	٣٨
١١	حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	شیخ احمد الصاویؒ	معلوم نہیں	٣٨
١٢	تفسیر ابن جریر	امام ابن جریر الطبریؒ	٣١٠ھ	٣٩
١٣	الاتقان فی علوم القرآن	حافظ جلال الدین سیوطیؒ	٩١١ھ	٣٩
١٤	تفسیر حقانی	مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ	١٣٣٥ھ	٣٩
١٥	تفسیر بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ	١٣٦٢ھ	٤٠
١٦	تنویر المقباس تفسیر ابن عباسؓ (الدر المنثور کے حاشیے پر)	حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ	٨١٧ھ	

۱۷	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ	۷۷۴ھ	۴۲
۱۸	تفسیر فتح البیان	علامہ صدیق بن حسن القنوجی البخاریؒ	۱۳۰۷ھ	۴۱
۱۹	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازیؒ	۶۰۶ھ	۴۲
۲۰	تفسیر ابن السعود	علامہ ابن السعودؒ	۹۵۱ھ	۴۲
۲۱	تفسیر خازن	علامہ خازن (علاؤ الدین علی بن محمدؒ)	۷۴۱ھ	۴۲
۲۲	تفسیر فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ (صاحب نیل الاوطار)	۱۲۵۰ھ	۴۲
۲۳	تفسیر بیضاوی	قاضی ناصر الدین بیضاویؒ	۷۹۱ھ	۴۲
۲۴	فی ظلال القرآن	سید قطب شہیدؒ (ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتٌ بل احیاء) زندہ جاوید		
۲۵	تفسیر جامع البیان	شیخ معین الدین ابن الشیخ صفی الدینؒ	۸۸۹ھ	۴۳
۲۶	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہؓ	ابن الاثیرؒ (ابو الحسن علی)	۶۳۰ھ	۴۳
۲۷	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحابؓ	حافظ ابن عبد البرؒ (ابو عمر)	۴۶۳ھ	۴۳
۲۸	الاصابہ فی تمییز الصحابہؓ	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ	۴۳
۲۹	شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ	شیخ محمد ابن عبد الباقی الزرقانیؒ (صاحب الزرقانی علی الموطا)	۱۱۲۲ھ	۴۳
۳۰	المنتقیٰ من منہاج الاعتدال (وہو مختصر "منہاج السنہ"۔ اختصرہ الحافظ ابو عبد اللہ الذہبی۔ متوفی ۷۴۸ھ)	امام ابن تیمیہؒ	۷۲۸ھ	
۳۱	تفسیر موضح القرآن	شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ	۱۲۳۰ھ	۴۶
۳۲	عمدۃ القاری شرح البخاری	قاضی بدر الدین عینی حنفیؒ	۸۵۵ھ	۵۰
۳۳	تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ	۵۱
۳۴	تفسیر روح البیان	شیخ اسمٰعیل حقی البروسویؒ	۱۱۳۷ھ	۵۳
۳۵	انساب الاشراف	بلاذری (احمد بن یحییٰ بن جابر البغدادیؒ)	۲۷۹ھ	۵۶
۳۶	اصح السیر	مولانا ابو البرکات عبد الرؤف داناپوریؒ	معلوم نہیں	۷۷
۳۷	خلفائے راشدین	امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقیؒ	۱۳۸۱ھ	۷۷

نمبر	کتاب / مصنف	سن وفات	صفحہ
۳۸	سیرت المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلوی (صاحب التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح)		۷۸
۳۹	ارشاد الساری شرح البخاری قسطلانیؒ (شیخ شہاب الدین احمد بن محمد) ۹۲۳ھ		۹۷
۴۰	الاحکام السلطانیہ امام ماوردیؒ (ابو الحسن علی بن محمد)	۴۵۰ھ	۱۰۵
۴۱	موطا امام مالکؒ امام دار الہجرہ امام مالکؒ	۱۷۹ھ	۱۰۶
۴۲	الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ محب الطبری	۶۹۴ھ	
۴۳	تاریخ الفخری (سن وفات معلوم نہ ہو سکا) ابن الطقطقی (محمد علی بن طباطبا) تاریخ پیدائش	۶۶۲ھ	۱۰۸
۴۴	الفاروقؒ مولانا شبلیؒ	۱۳۳۲ھ	۱۰۹
۴۵	تقریب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ	۱۱۱
۴۶	میزان الاعتدال حافظ ذہبیؒ (ابو عبد اللہ محمد بن عثمان)	۷۴۸ھ	۱۱۴
۴۷	البنایہ شرح الہدایہ قاضی بدر الدین عینی حنفیؒ	۸۵۵ھ	۱۱۵
۴۸	کتاب الضعفاء والمتروکین ابو عبد الرحمن احمد النسائیؒ	۳۰۳ھ	۱۱۶
۴۹	الرفع والتکمیل مولانا ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	۱۱۶
۵۰	تدریب الراوی شرح تقریب النواوی جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ	۱۱۷
۵۱	ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی (مختصر الجرجانی: سید الشریف الجرجانی متوفی ۸۱۶ھ) مولانا عبد الحیٔ لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	۱۱۷
۵۲	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی (کشف الاسرار: عبد العزیز البخاریؒ م ۷۳۰ھ) فخر الاسلام علی بن محمد بن عبد الکریم البزدویؒ حنفی	۴۸۰ھ	۱۱۷
۵۳	تاریخ ابن عساکر (مع المہذب تہذیب و تصحیح شیخ عبد القادر آفندی) ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعیؒ	۵۷۱ھ	۱۱۸
۵۴	طحاوی (شرح معانی الآثار) احمد بن محمد ابو جعفر الطحاویؒ	۳۲۱ھ	۱۱۹
۵۵	الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ (مع التعلیقات)		

	مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	
۵۶	فتح القدیر (شرح الہدایہ) شیخ کمال الدین ابن الہمام حنفیؒ	۸۶۱ھ	۱۲۱
۵۷	طبری (تاریخ الامم والملوک) ابو جعفر محمد بن جریر الطبریؒ	۳۱۰ھ	۱۲۲
۵۸	طبقات ابن سعدؒ محمد بن سعدؒ	۲۳۰ھ	۱۲۲
۵۹	کشف الاستار۔ حاشیہ در المختار۔		
	در مختار علاء الدین الحصکفی حنفی (محمد نظام الدین کیرانوی)	۱۰۸۸ھ	۱۲۳
۶۰	مسند امام احمد بن حنبلؒ ابو عبداللہ امام احمد بن حنبلؒ	۲۴۱ھ	۱۲۴
۶۱	العنایہ شرح الہدایہ ابو محمد محمود بن احمد العینیؒ	۸۵۵ھ	۱۲۴
۶۲	المبسوط شمس الائمہ سرخسی حنفیؒ	۴۸۳ھ	۱۲۴
۶۳	مقدمہ ابن صلاح تقی الدین بن صلاح الدین		
	عبدالرحمٰن الشہرزوریؒ	۶۴۳ھ	۱۳۱
۶۴	عقود اللآلی فی الاحادیث المسلسلۃ والعوالی		
	شمس الدین محمد جزریؒ	۸۳۳ھ	۱۳۲
۶۵	الکفایہ فی علم الروایۃ المحدث ابوبکر الخطیب بغدادیؒ	۴۶۳ھ	۱۳۳
۶۶	نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ جمال الدین الزیلعیؒ	۷۶۲ھ	۱۳۳

کتب لغات:

المنجد۔ معجم الوسط۔ لسان العرب۔ مصباح اللغات۔ القاموس الجدید۔ بیان اللسان۔

کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کے لئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

''خلافت وملوکیت'' کے رد میں لکھی ہوئی مولانا محمد میاں صاحب کی کتاب

شواھد تقدس

کا بھرپور جائزہ

معرکہ نور و ظلمت

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی معرکۃ الآراء کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے رد میں لکھی ہوئی مولانا محمد میاں صاحب کی تصنیف جلیل ''شواھد تقدس'' ہمارے سامنے ہے اس سے قبل کہ اس کے مندرجات پر ہم گفتگو کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا موصوف کا مختصر سا تعارف پیش خدمت کردیں۔

آپ ''جمعیت علمائے ہند'' کے ممتاز عمائدین میں سے ہیں اور ''دارالعلوم دیوبند'' کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی' علاوہ ازیں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور ''مدرسہ امینیہ دہلی'' میں شیخ الحدیث اور صدر مفتی ہونے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے۔

ان نمایاں اوصاف کو دیکھتے ہوئے ہماری یہ توقع بے محل نہیں تھی کہ مولانا مودودی سے جو بھی اختلاف آپ کو ہوگا اسے سنجیدہ اور باوقار علماء کی طرح حوالہ قلم فرمائیں گے' اندازِ گفتگو شائستہ ہوگا' دلائل محققانہ ہوں گے' لہجے میں شرافت و نجابت کی جھلک ہوگی' ایمان و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے اور بغض و تعصب کے مظاہروں سے اپنے قلم کو بچائے رکھیں گے۔

لیکن ہمیں بہت افسوس ہے کہ ان کی کتاب کے مطالعے نے اس توقع کو یکسر بے نتیجہ ثابت کر دیا' اور ہم نے دلی کرب کے ساتھ محسوس کیا کہ ان کی اس کتاب نے دین بیزار حلقوں کے لئے علماء سے سوءِ ظن کا ایک تازہ موقعہ فراہم کر دیا ہے' یہ کتاب اپنے اسلوب تحریر کے لحاظ سے بازاری نوع کی ہے' علم و تحقیق کے اعتبار سے اس میں طفلانہ کج بحثیوں اور صریح جہالتوں کے سوا کچھ نہیں ہے' لب و لہجے کا جہاں تک تعلق ہے مولانا نے قلم کی آبرو سے وہ برتاؤ کیا ہے جو آوارہ لوگ دوسروں کی بہو بیٹیوں سے کرتے ہیں' فہم و درایت اور فراست و تفقہ کی مٹی اس کتاب میں اس طرح پلید کی گئی ہے کہ وجدان کو متلی ہونے لگتی ہے۔ بے ایمانی اور علمی بد دیانتی کے ایسے ایسے نمونے اس میں ہیں کہ شاید ہی کسی اہل علم کے یہاں ان کے نظائر مل سکیں' جس ذہنی سطح پر یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ کم و بیش اس شخص کی ذہنی سطح کے مماثل ہے جس نے منہ پھاڑ کر کہا تھا کہ ''ابو حنیفہؒ کو فقط تین حدیثیں آتی تھیں اور وہ بھی انہیں ایک حجام سے ملی تھیں'' استدلال کے سلسلے میں مولانا متعدد جگہ تقریباً وہی کمال دکھا گئے ہیں' جو ابھی کچھ روز ہوئے روس کے ایک ''فقیہ'' نے یہ کہہ کر دکھایا تھا کہ ہمارے خلاباز خلاؤں میں گھوم آئے وہاں انہیں خدا نہیں ملا۔

قارئین ''تجلی'' جانتے ہیں کہ کسی پر بے دلیل الزام لگانا اور مبہم قدح کرنا ہماری عادت نہیں' ان سطور میں جو الزامات ہم مولانا پر لگا رہے ہیں ان میں سے ایک ایک کا ثبوت اگر ہم نہ پیش کریں تو ہر سزا ہمیں منظور' ایسا ثبوت جسے نقل و

عقل کی سخت سے سخت کسوٹی پر پرکھنے کی اجازت ہماری طرف سے عام ہے' جو حضرات مولانا مودودی یا ان کی کتاب "خلافت وملوکیت" سے اتفاق نہیں رکھتے' ان سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ہمارے جائزے کو ٹھنڈے دل و دماغ سے پڑھیں اور انصاف کریں کہ جو نہج و اسلوب مولانا محمد میاں طال عمرہ' نے جرح و قدح کا اختیار کیا ہے' وہ کس حد تک اس قابل ہے کہ کوئی متین و شریف آدمی اس کی تحسین کر سکے' یا کوئی صاحبِ علم اور صاحب ایمان اسے پسندیدہ تو کیا' گوارا ہی قرار دے سکے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی :

آگے بڑھنے سے پہلے ہم اپنے بہت ہی محترم بزرگ مولانا عبدالماجد دریابادی کا تذکرہ ضرور کریں گے' کیونکہ انہوں نے اپنے اخبار میں "شواہد تقدس" کا تعارف کرایا ہے' مولانا ممدوح سے راقم الحروف کو ایک خاص قسم کا روحانی و قلبی تعلق اس لئے بھی ہے کہ وہ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ارادتمندوں میں سے ہیں' اور راقم الحروف حضرت تھانویؒ کو متعدد اعتبار سے اپنے دور کا بہت بڑا مردِ مسلمان تصور کرتا ہے' اس تعلق خاطر سے ہٹ کر مولانا دریابادی کا علم و فضل بجائے خود ایک عظیم سبب ہے' ان کی عظمت و عقیدت کے دل پر نقش ہو جانے کا مگر موصوف کی بیش بہا تحریروں کو مسلسل پڑھتے رہنے کے بعد ایک عجیب و غریب احساس ہمارے اندر جاگزیں ہو چکا ہے کہ ان کی دو شخصیتیں ہیں' ایک نہایت وجیہ' طرار' بالغ نظر' بیدار مغز' ذی علم و ذی فہم اور دوسری بہت معصوم' سادہ لوح' مرنجامرنج' سہولت پسند' بے پروا اور جذباتی' یہ دونوں شخصیتیں کبھی کبھی خلط ملط ہو جاتی ہیں اور کبھی کبھی بالکل الگ الگ نظر آتی ہیں' ان کی حیثیت کچھ ایسی ہے جیسے ایک ہی کام کی دو شفٹوں میں کام کرنے والے دو جداگانہ آدمی۔

"شواہد تقدس" کا تعارف جب ہم نے پڑھا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ اس میں دونوں شخصیتوں کی جھلکیاں موجود ہیں' ہمارا مطلب سمجھنے کے لئے تعارف کے چند فقرے پڑھیئے:

......"محمد میاں صاحب اس روایتی ٹائپ کے مولوی نہیں مودودی صاحب ہی کی طرح کے "ماڈرن" قسم کے اہل قلم ہیں' اس لئے اب کے اکھاڑے میں جوڑ برابر کا ہے"۔(صدق جدید ۱۸ جون ۱۹۷۱ء)

یہ فقرے صریح طور پر مؤخر الذکر شخصیت کی نمائندگی کر رہے ہیں' کیونکہ کسی بھی ثقہ اور متین اہل علم سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک سنجیدہ علمی بحث کا ذکر اس کھلنڈرے انداز میں کرے گا' نہ کسی بالغ نظر اور ذی بصیرت ادیب و عالم سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ مولانا مودودی اور مولانا محمد میاں صاحب کو کسی بھی اعتبار سے "برابر کی جوڑی" قرار دے گا یہ تو کم وبیش ایسا ہی ہے جیسے شاہ ولی اللہؒ اور صوفی نذیر احمد کو یا امام غزالیؒ اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق کو' ایک ہی وزن دے دیا جائے' اسی لئے ہم نے ان فقروں کے آئینے میں مولانا ممدوح کی دوسری شخصیت کا جلوہ دیکھا' لیکن ایک اور فقرے نے ہمیں یہ حسن ظن دیا کہ پہلی شخصیت بھی اس "تعارف" سے دور نہیں گئی ہے' وہ فقرہ یہ ہے:

"کتاب مغز و روح سے قطع نظر اپنے اسلوب انشا اور اندازِ بیان کے لحاظ سے بھی پڑھنے کے لائق ہے۔" (حوالہ مذکور)

اس فقرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک ذمہ دار آدمی کی طرح مولانا نے کتاب کو کافی غور سے پڑھنے کے بعد تعارف سپرد قلم فرمایا ہے' چنانچہ "کتاب" کو ہاتھ میں لیتے ہوئے ہمارا قلب اشتیاق سے پُر تھا کہ اب ایک عمدہ چیز پڑھنے جا رہے ہیں لیکن ہماری حیرت اور افسوس کی کوئی انتہا نہ رہی جب پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر بادل ناخواستہ پہنچے کہ مولانا موصوف کے مذکورہ فقرے میں بھی

ان کی دوسری ہی شخصیت کار فرما ہے اور پہلی شخصیت کہیں دور جا سوئی ہے' یہ اس لئے کہ اس کتاب کو پڑھنے والا خواہ مولانا مودودی کا کتنا ہی مخالف ہو لیکن اگر وہ تھوڑا سا علم' تھوڑی سی سوجھ بوجھ اور تھوڑا سا مذاق سخن رکھتا ہے تو اسے اس کتاب میں ورق ورق پر جہالت' سفاہت' بد دیانتی اور کینہ توزی کے ایسے ایسے نمونے بلا کسی تجسس کے مل جائیں گے جو لا محالہ اس کی طبیعت کو بد مزا کر دیں گے' اور وہ لازماً اس ذہنی کرب میں گرفتار ہو گا کہ "شواہد تقدس" کا مصنف نہ اچھی اردو جانتا ہے' نہ عربی میں اسے دسترس حاصل ہے' نہ بحث و نظر کے مبادی تک سے وہ واقف ہے، نہ صدق و دیانت سے اسے کوئی دلچسپی ہے' نہ اس نے کچھ پڑھا ہے' یا پڑھا ہے تو بالکل بھلا دیا ہے نہ اسے شرم دنیا ہے نہ خوف آخرت حتیٰ کہ اسے یہ بھی خبر نہیں کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کے مضمرات کیا ہیں ؟۔

خدا ہم پر رحم کرے...... ہم نے مولانا محمد میاں صاحب پر بہت سے الزامات لگا دیئے...... مگر آپ ذرا صبر اور توجہ سے ہمارے جائزے کو پورا پڑھ لیں گے تو خواہ آپ مولانا مودودی کے مخالف اور مولانا محمد میاں کے جگری دوست ہی کیوں نہ ہوں' انشاء اللہ ثم انشاء اللہ آپ کو تسلیم کرنا ہو گا کہ ہمارے ایک ایک الزام کی عمارت دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ کی بنیادوں پر کھڑی ہے' ہم اپنی تائید و تصدیق میں ایسے علماء سلف و خلف کے حوالے لائیں گے جن کی ثقاہت و عظمت کا انکار ملت مسلمہ کا کوئی بھی دینی حلقہ نہیں کر سکتا۔

اہل علم سے گذارش :

ملک اور بیرون ملک کے تمام علماء سے جن میں مولانا دریابادی بھی یقیناً شامل ہیں ہم بہت ہی عاجزی' ادب اور لجاجت کے ساتھ گذارش کرتے ہیں کہ زبان و بیان' تحقیق و استدلال اور فکر و رائے کی جو غلطیاں ہم "شواہد تقدس" میں دکھانے جا رہے ہیں' اگر ہماری نشاندہی ذرا بھی غلط ہو' یا کہیں بھی ہم نے کوئی حوالہ غلط دیا ہو' یا کسی عربی عبارت کا ترجمہ غلط کیا ہو' یا کسی قسم کی جانبداری اور

تعصب سے ملوث ہوئے ہوں تو آپ کو علم و تحقیق کی آبرو کا واسطہ اور حق پسندی و عدل گستری کی قسم ہمیں ضرور متنبہ فرمائیں، ہم آپ کی تنبیہ و تصحیح کو بصد شکریہ "تجلی" میں چھاپیں گے اور احسان مند رہیں گے کہ آپ نے ہماری کوتاہیوں سے ہمیں آگاہ کیا۔

ہمارا موقف :

سب جانتے ہیں کہ مولانا مودودی سے ہمیں عقیدت ہے، ہم برابر ان کا دفاع کرتے رہتے ہیں، لیکن آج کی صحبت میں ہمارا موقف یہ نہیں ہے کہ موصوف کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے تمام مندرجات کی تائید کریں اور اس پر مصر ہوں کہ ان کی ہر ہر سطر لہجے، اسلوب اور مفہوم و مطالب کے لحاظ سے بے داغ ہے، بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ جو کچھ مولانا محمد میاں نے "شواہد تقدس" میں لکھا ہے اسے علم و تفقہ اور زبان و ادب اور کلام و منطق اور عقائد و افکار کے پہلوؤں سے پرکھیں اور یہ واضح کریں کہ بحث و اختلاف کا جو نمونہ بحیثیت مجموعی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ اس درجہ گھٹیا، مکروہ، جاہلانہ اور رنج دہ ہے کہ "کافیہ" اور "قدوری" پڑھنے والے کسی طالب علم کی طرف بھی اس کا انتساب شرمناک ہے، چہ جائے کہ ایک شیخ الحدیث اور صدر مفتی کی طرف، یہ وضاحت ہم خالی چرب زبانی کے ذریعے نہیں کریں گے، بلکہ علم کلام کے معروف اسالیب کے ذریعے اور متفق علیہ علماء و اساطین کی شہادتوں کے ساتھ کریں گے۔

واللہ المعین وہو المستعان۔

مولانا دریابادی جج بن جائیں :

یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ مولانا دریابادی ان لوگوں میں ہیں جو مولانا مودودی کے عقیدت مند نہیں سمجھے جاتے، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کی طرف سے مخالفت و اعتراض ہی کا ظہور ہوتا رہتا ہے، یہ "شواہد تقدس" کا متذکرہ "تعارف"

بھی اس کی ایک نظیر ہے' لیکن اس کے باوجود ہم تیار ہیں کہ پیش نظر عث میں وہ جج بن جائیں اور ہمارا جائزہ ملاحظہ فرمانے کے بعد فیصلہ دیں کہ کہاں تک ہم نے مولانا محمد میاں کے ساتھ ناانصافی کی ہے' اور کہاں ہم سے علم و منطق یا عقل و نقل کی کوئی خطا سرزد ہوئی ہے' ہمیں ان کے مزاج سعید سے امید ہے کہ قوی دلائل و شواہد سامنے آجانے کے بعد وہ اپنے کو اس پر مجبور پائیں گے کہ جج کی کرسی پر اپنی اول الذکر شخصیت کو بٹھائیں' اور دوسری شخصیت سے کہہ دیں کہ تم تھوڑی دیر آرام کرلو' ہاں ایک شرط ضرور ہے ان کی عدالت آخری عدالت نہ ہوگی بلکہ فریقین کو اپیل کا حق ہوگا اور اپیل ہوگی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی بارگاہ میں کہ گہری علمی بصیرت رکھنے کے علاوہ زبان عربی کے وہ شہرہء آفاق عالم ہیں اور مستند طور پر بتاسکتے ہیں کہ تراجم میں خطا کی ہے نالائق عامر عثمانی نے' یا ان بزرگوار نے جو شیخ الحدیث بنے بیٹھے ہیں اور مولانا مودودی سے لوہا لینے چلے ہیں۔

حرف آغاز :

کسی کتاب کے مندرجات پر تفصیلی نقد سے پہلے اگر یہ سراغ لگالیا جائے کہ مصنف کے علم' عقل' دیانت اور شرافت کا حدود اربعہ کیا ہے؟ تو شاید اس کے علم کلام کی روح تک پہنچنا اور اس کے فرمودات کی حقیقی سطح کا اندازہ کرنا زیادہ آسان ہوجائے' اسی لئے ہم تمام مباحث پر علی الترتیب گفتگو کرنے سے قبل یہی خدمت انجام دیں گے۔

تنابزبالالقاب :

قرآن کی "سورۂ الحجرات" میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو تعلیم دیتا ہے کہ :

ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب

فاولٰئک هم الظٰلمون۔(آیت ۱۱)

اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے کو' اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے' برا نام ہے گناہگاری پیچھے ایمان کے' اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف۔(ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ مولانا محمد میاں کے مطالعے سے "سورۂ الحجرات" نہ گذری ہو' ان کی کتاب میں ایک جگہ اسی "سورۃ" کی ایک آیت کا ذکر آیا ہے اس لئے اغلب ہے کہ پوری سورت بھی انہوں نے پڑھی ہو گی' یہ منقولہ آیت اتنی واضح ہے کہ تفسیر کی حاجت ہی نہیں' عیب لگانا اور چڑانے کے لئے کوئی لقب چھانٹنا عوام الناس کے لئے بھی مناسب نہیں ہے چہ جائیکہ علماءِ دین کے لئے۔

اب "شواہد تقدس" کے گردپوش پر چھپا ہوا یہ فقرہ ملاحظہ فرمائیے :

"مودودی صاحب کی شیعت "خلافت وملوکیت" کے آئینے میں"۔

ہر خاص وعام جانتا ہے کہ "شیعت" ایک اصطلاحی لفظ ہے' "شیعہ" ایک خاص فرقے کو کہتے ہیں' جب شیعہ اور سنی کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان کے ٹھیک لغوی معنی مراد نہیں لئے جاتے' بلکہ ان کا اطلاق مسلمانوں کے دو معروف فرقوں پر ہوتا ہے' ایک فرقہ وہ ہے جو چاروں خلفاء کو "خلفائے راشدین" مانتا ہے' اس کا نام "سنی" ہے' دوسرا وہ ہے جو صرف حضرت علیؓ کو خلیفۂ راشد مانتا ہے اور باقی خلفاء کا برحق ہونا تسلیم نہیں کرتا' اس کا نام "شیعہ" ہے' یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ جس طرح سنیوں میں بے شمار ذیلی فرقے اور گروہ ہیں اور پھر بھی بحیثیت مجموعی انہیں سنی کہا جاتا ہے اسی طرح شیعوں میں بھی آراء کے اختلاف سے متعدد فرقے اور گروہ ہیں اور پھر بھی ان سب پر لفظ "شیعہ" کا اطلاق ہوتا ہے' اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس طرح خلفاء کو برحق ماننا سنیوں میں قدر مشترک ہے' اسی طرح پہلے تین خلفاء کو کم سے کم خلافت کی حد تک غاصب ماننا اور حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت کو مقدم جاننا شیعوں میں "قدر مشترک" ہے۔

یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو محتاج دلیل ہوتی' عوام و خواص سب اس کا علم رکھتے ہیں' پھر بھی ہم ایک ایسے رفیع الشان بزرگ کا حوالہ پیش کریں گے جو اپنے علم و تبحر کی لازوال شہرت کے ساتھ "شیعہ سنی" مسئلے کی خصوصی واقفیت میں بھی طرۂ امتیاز رکھتے ہیں' یہ ہیں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بیٹے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ' شیعت کے رد اور تفصیلی تعارف میں آپ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" شہرۂ آفاق ہے' ہمارے سامنے اس وقت اس کا وہ عربی نسخہ ہے جسے محب الدین الخطیب نے اپنے حواشی سے مزین کیا ہے' تہذیب و تلخیص السید محمود شکری الآلوسی کی ہے' فارسی سے عربی میں منتقل کرنے والے شیخ حافظ غلام محمد بن محی الدین بن عمر الاسلمی ہیں (۱۹۲۷ء)۔ شیعوں کے تمام فرقوں کے مختلف عقائد و مسالک پر محققانہ گفتگو کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> اعلم ان القدرالمشترک فی جمیع فرق الشیعه المجمع علیه بینهم انما هو کون الامیر رضی الله تعالیٰ اماما بلا فصل وامامة الخلفاء الثلاثة باطلة ولا اصل لها۔
>
> سمجھ لو کہ وہ قدر مشترک جس پر تمام شیعہ فرقے متفق ہیں یہ ہے کہ "حضرت علیؓ امام بلا فصل ہیں" (یعنی رسول اللہؐ کے بعد حق خلافت و امامت انہی کا ہے) اور باقی تینوں خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) کی خلافت و امامت باطل و بے بنیاد ہے۔

اس محققانہ ارشاد نے یہ بات بالکل صاف کر دی کہ "شیعت" کا طعن فقط ایسے لوگوں کے حق میں قرین انصاف ہو سکتا ہے جو خلفائے ثلاثہ کے غاصب خلافت ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں' یا کم سے کم اتنا تو مانتے ہی ہوں کہ رسول اللہؐ کے بعد سب سے افضل انسان اور خلافت و امارت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت علیؓ ہیں نہ کہ ابوبکر صدیقؓ۔

مولانا محمد میاں نے اپنی کتاب میں اگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہوتی کہ مولانا مودودی ابوبکرؓ و عمرؓ کو حضرت علیؓ سے افضل نہیں مانتے' یا ان کی خلافتوں کو غصب کردہ خلافتیں کہتے ہیں تو بے شک گردپوش کا منقولہ فقرہ تنابز بالالقاب کے زمرے سے خارج ہو کر ایک بر محل طنز کے دائرے میں آجاتا' لیکن اس کتاب میں ایسی کوئی گفتگو نہیں ہے بلکہ مولانا نے محض یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مودودی صاحب حضرت عثمانؓ سے دشمنی رکھتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ سے دشمنی اور ان کی توہین کا الزام ثابت کرنے میں مولانا نے علم و تفقہ اور بصیرت و دیانت کی کیسی درگت بنائی ہے' اسے تو ہم آگے چل کر سامنے لائیں گے' یہاں بطور تنزل ہم تسلیم ہی کئے لیتے ہیں کہ واقعی مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کی توہین کی ہو' تو کیا محض اس جرم پر انہیں "شیعت" سے متصف کیا جاسکتا ہے' کیا مولانا محمد میاں یا ان کے کوئی اور حمایتی شیعوں کی کسی ایسی قسم کی نشاندہی فرما سکتے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو تو ایسا ہی معظم مانتی ہو جیسا سنی حضرات مانتے ہیں فقط حضرت عثمانؓ کی بعض پالیسیوں سے اسے اتفاق نہ ہو اور اسی بنیاد پر اس کا شمار شیعوں میں کیا جاتا ہو' ہم کہتے ہیں ایسی کسی قسم کا وجود نہیں' اور جیسا کہ ابھی منقح کیا جاچکا' شیعت کی بنیاد ہی جملہ خلفاء پر حضرت علیؓ کی افضلیت کا تصور ہے اور یہ عقیدہ ان کے جملہ عقائد و افکار کے لئے تخم کی حیثیت رکھتا ہے' پھر مولانا محمد میاں اور محترم جج دریابادی انصاف فرمائیں کہ "شیعت" کی پھبتی سوائے تنابز بالالقاب اور عیب تراشی کے اور کس دائرے کی چیز ہے۔

حضرت مولانا محمد میاں کے دل کا غبار اگر کسی تلخ و کرخت القاب کے بغیر نکل ہی نہیں رہا تھا' تو وہ گمراہی' خباثت' شرارت' حماقت' بدباطنی جیسا کوئی لفظ زیب قرطاس کر دیتے' آخر کتاب کے اندر بھی تو یہ سارے ہی "اوصاف" انہوں نے مولانا مودودی کو عطا کر دیئے ہیں' پھر کیا تامل تھا کہ گردپوش پر بھی ایک عالمانہ گالی سج ہی جاتی' عجیب بات ہے کہ مولانا دریابادی جیسے شائستہ' شیریں سخن اور

حساس آدمی کو کتاب ہاتھ میں لیتے ہی اس کا احساس نہ ہوا' حالانکہ وہ خود نہ اتہام تراشی کے عادی ہیں نہ تنابز بالالقاب کے' اس کی توجیہہ اس کے سوا کیا ہو گی کہ ان کی اول الذکر شخصیت اس موقع پر گہری نیند سو گئی' اور فقط دوسری شخصیت نے اپنا پارٹ ادا کیا۔

خیر اسے چھوڑیئے' ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ مولانا مودودی پر شیعت کا صریح جھوٹا الزام لگانے والا خود اس میدان میں کہاں کھڑا ہے' اور ہم اگر کیڑے ڈالنے پر اتریں تو مولانا محمد میاں پر شیعیت کا الزام کہیں زیادہ مضبوطی اور معقولیت کے ساتھ چسپاں کر سکتے ہیں۔

مولانا محمد میاں کی شیعیت :

اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۴ پر انہوں نے لکھا ہے :

"خلیفہ رابع سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب آفتاب نیم روز ہیں' باجماع امت آپ امام الاتقیاء ہیں' سلوک و طریقت کے سلسلے زیادہ تر آپ ہی سے وابستہ ہیں۔ آپ ان کے مرکز و منبع اور قطب الارشاد ہیں' آپ مدینۃ العلم کے باب ہیں' مدینۃ العلم (سیدنا رحمۃ للعالمین ﷺ) لا نظیر و لا ثانی ہے تو اس کا باب بھی لا نظیر و لا ثانی۔ لہٰذا بحیثیت خلیفہ آپ کا کردار بھی لا نظیر و لا ثانی طاقت بشر سے بالا' صرف انعام خداوندی"۔

اہل انصاف فیصلہ فرمائیں کہ یہ عبارت کیا نمایاں طور پر یہ تاثر نہیں دے رہی ہے کہ اس کا لکھنے والا حضرت علیؓ کو حضورؐ کے بعد سب سے بہتر انسان سمجھتا ہے' کیا اس میں حضرت علیؓ کو باجماع امت امام الاتقیاء نہیں کہا گیا ہے (حالانکہ یہ سفید جھوٹ ہے) کیا "لا نظیر و لا ثانی" کی تکرار نے حضرت ابو بکرؓ یا عمرؓ یا عثمانؓ

کسی کے بھی استثناء کی کوئی گنجائش باقی رہنے دی ہے' پھر کوئی متحمل مزاج قاری اگر ابتدائی سطور پڑھ کر یہ تاویل کر بھی لیتا کہ اتنی لامحدود تعریف شاید طریقت و تصوف کے مخصوص نقطۂ نظر سے کی گئی ہو' تو "بحیثیت خلیفہ" کے الفاظ لکھ کر اس تاویل کا بھی دروازہ بند کر دیا گیا' یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ لکھنے والے کے نزدیک میدانِ خلافت میں بھی حضرت علیؓ جملہ خلفاء سے فائق و برتر ہیں۔

اور کس چڑیا کا نام ہے شیعیت...... ؟

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم پھبتی بازی پر اتر آئیں تو ان کی مذکورہ عبارت کی بنیاد پر انہیں "شیعہ" قرار دینا تنابز بالالقاب کے زمرے کی چیز نہ ہوگا' لیکن ہم نہ تو اوچھے ہیں نہ بد دیانت' ہمیں معلوم ہے کہ مولانا محمد میاں شیعہ نہیں ہیں اور یہ غلط قسم کی عبارت ان کے قلم سے تین وجوہ کی بنا پر نکل گئی ہے' ایک تو اس لئے کہ جذبات کی مغلوبیت میں وہ قلم پر قابو رکھنے پر قادر نہیں ہیں' جب انہیں جوش آتا ہے تو ان کا قلم اندھے کی لاٹھی بن جاتا ہے' (اس کی بہت سی مثالیں آگے آئیں گی) دوسرے یہ کہ تصوف کی لائن سے بھی انہیں تھوڑی سی دلچسپی ہے مگر یہ دلچسپی ٹھوس علم میں تبدیل نہیں ہوئی' جب علم خام و ناقص ہو تو "نیم ملا خطرۂ ایمان" والی مثل صادق آتی ہے' تیسرے یہ کہ دوسرے علوم پر بھی انہیں کوئی دسترس نہیں' چنانچہ تصوف کی اصطلاحوں "امام الاتقیاء" اور "قطب الارشاد" کے ساتھ فقہاء کی اصطلاح "اجماع امت" کا پیوند لگانا اسی عطائی پن کا نتیجہ ہے' ہم نے جو اوپر بریکٹ میں "سفید جھوٹ" لکھا وہ اسی لئے لکھا' ورنہ یہ ہمیں بھی معلوم ہے کہ طریقت و تصوف کی دنیا میں حضرت علیؓ کو ابو بکرؓ و عمرؓ سے کہیں اونچا مانا جاتا ہے' "اجماع امت" کی اصطلاح اس موقع پر کوئی ایسا عالم استعمال کر ہی نہیں سکتا تھا جسے شعور ہو کہ کونسی اصطلاح کس فن کی ہے اور کہاں وہ کیا معنی دے گی؟

بہر حال یہ تو ہم نے ایک "لطیفہ" پیش کیا' اصل سوال یہ ہے کہ کیا اہل

علم اور سنجیدہ محققین کا طریقہ یہی ہے کہ بحث کی بسم اللہ ہی تنابز بالالقاب اور تہمت تراشی سے کی جائے' کیا تہذیب و شائستگی اور ضبط و تحمل نام کی کوئی چیز مودودی دشمن علماء کے پاس نہیں رہی؟ کیا یہ ارباب علم و فن "دہلی" کی ان طوائفوں سے بھی گئے گذرے ہو گئے جو ماضی میں اپنی تمیز و شائستگی کے لئے مشہور رہی ہیں' وااسفاہ۔

زبان و اسلوب:

آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لینا مناسب ہو گا کہ "شواہد تقدس" میں زبان کس قسم کی استعمال کی گئی ہے' مولانا مودودی سے اختلاف کا حق تسلیم' علماء ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہی ہیں' لیکن ثقہ اہل علم کا یہ طریقہ کبھی نہیں رہا کہ فکر و اجتہاد کے اختلافات کو ایسی مخالفت کا درجہ دیدیں جو سراسر بغض و عداوت پر مبنی ہو اور فریق ثانی کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر نہ چھوڑیں' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا محمد میاں نے شروع سے لیکر آخر تک مولانا مودودی کا نام اس انداز میں لیا ہے جیسے وہ ایک بے حیثیت آدمی ہوں' جیسے انہیں کسی بھی احترام و اکرام کا حق حاصل نہ ہو' "مولانا" کا لفظ ایسا ہوا تھا کہ اگر مولانا محمد میاں اس سے "مودودی صاحب" کو متصف کر دیتے تو قیامت آجاتی لیکن انہوں نے اس سے مکمل پرہیز کیا ہے اور ہر جگہ صرف "مودودی صاحب" حوالہ قلم فرمایا ہے' اگر اس کے جواب میں ہم بھی اپنے اس جائزے میں مولانا محمد میاں کے نام نامی سے لفظ "مولانا" کاٹ لیتے تو اسے زیادتی نہیں کہا جا سکتا تھا مگر ہم الحمد للہ نہ تو خود بیں ہیں نہ تنگ نظر نہ متکبر ہیں نہ بد دماغ' ہمارے خاندان میں تہذیب و شائستگی کا معیار وہ نہیں ہے جسے حضرت مولانا محمد میاں نے پیش فرمایا ہے، لہٰذا ہم ہر حال میں انہیں مولانا لکھیں گے' البتہ بار بار ان کا نام جائزے میں آنا ہے اس لئے ازراہِ اختصار کہیں کہیں صرف "میاں صاحب" لکھ جائیں تو اسے ارادۂ توہین پر محمول

نہ کیجئے گا۔

نمونہ نمبر ا: صفحہ نمبر ۵ پر تحریر فرمایا گیا:

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کسی شیعہ مصنف کی کوئی کتاب آپ کے (مولانا مودودی کے۔ "تجلی") سامنے آگئی' اس مصنف نے اپنے وضع کردہ الزامات کے لئے جو حوالے دیئے ہوں گے' مودودی صاحب نے ان حوالوں کو منطبق کیا اور یہ پوری کتاب لکھ دی جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف الزامات کا دفتر ہے"۔ (شواہد تقدس)

یہ بحث تو آگے اپنے مقام پر ہوگی کہ حضرت عثمانؓ پر الزام تراشی کا جو اتہام میاں صاحب نے لگایا ہے وہ کتنا واہی ہے' یہاں صرف اندازِ کلام دیکھ لیجئے۔ "خلافت وملوکیت" وہ کتاب ہے جس میں کوئی بات بغیر حوالے کے نہیں کہی گئی' ورق ورق تفصیلی حوالوں سے مزین ہے اور تمام حوالے ایسی ہی کتابوں کے ہیں جو اہل سنت علماء کے مابین متداول اور معروف ہیں' ایسی کتاب کے سلسلے میں بھی اگر کوئی شخص وہ بات کہہ سکتا ہے جو میاں صاحب نے کہی ہے تو اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جائے کہ اس شخص کے نہ منہ پر آنکھیں ہیں نہ دماغ میں مغز۔

نمونہ نمبر ۲:

"...... مودودی صاحب نہ صرف خفا ہو جاتے ہیں بلکہ کہنا چاہیے ایسے چڑ جاتے ہیں کہ ان کی متانت اور سنجیدگی بھی ختم ہو جاتی ہے' انتہا یہ کہ طرزِ نگارش بھی سوقیانہ ہو جاتا ہے۔" ص ۱۶

نمونہ نمبر ۳:

"اس گندم نمائی وجو فروشی کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔ ص ۱۸

یعنی مولانا مودودی دھوکے باز ہیں' وہ گاہک کو دکھاتے تو گیہوں ہیں مگر بھیڑ دیتے ہیں جو۔

نمونہ نمبر ۴ :

"علاوہ ازیں مودودی صاحب کی شیعیت نواز ذہنیت نے تاریخی واقعات کے بیان میں جو مجرمانہ کوتاہی بلکہ خیانت کی ہے" ص ۲۴

پوری کتاب میں مودودی کی "خیانت" کا اگر ایک بھی ثبوت میاں صاحب فراہم کر دیتے تو خیر صبر کر لیا جاتا کہ خائن کو خائن کہا گیا مگر ان کی خیانت ثابت کرنے کی بچکانہ کوشش میں خود میاں صاحب نے کتنی خیانتیں اور حماقتیں کی ہیں' وہ ہم انشاء اللہ دو اور دو چار کی طرح دکھلائیں گے۔

...... یہاں آپ بس اتنا ذہن نشین کر لیں کہ مودودی کو "خائن" قرار دیا گیا۔

نمونہ نمبر ۵ :

"وہ فاروق اعظمؓ کہ مودودی صاحب جیسے ہزاروں بر خود غلط علامہ ان کے گردپا کو بھی نہیں پہنچتے"۔ ص ۲۹

بر خود غلط کون ہے...... مودودی یا میاں صاحب...... یہ تو ہم منقح کریں گے' یہاں صرف یہ نوٹ کیا جائے کہ میاں صاحب کا لب ولہجہ کیا ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ فاروق اعظمؓ کے متعلق کوئی گفتگو کتاب میں نہیں' یہ تو میاں صاحب نے دل کا غبار نکالا ہے' کوئی شک نہیں کہ فاروق اعظمؓ کے پاؤں کی گرد مودودی سے زیادہ معظم ہے' لیکن اس میں مودودی ہی کی کیا تخصیص ہے' جنیدؒ و شبلیؒ اور ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کے لئے بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔

نمونہ نمبر ۶ :

"مگر ان کا (مودودی صاحب کا۔ "تجلی") منشاء تو حضرات

صحابہؓ کی حیثیت کو مجروح کرتا ہے' لہٰذا جہاں سے جو چیز مل
جاتی ہے لکھ مارتے ہیں نہ اس میں اعتدال ہوتا ہے نہ
توازن"۔ ص ۴۷

یعنی مودودی صاحب صحابہؓ سے بغض رکھتے ہیں اور اس بغض کی وجہ سے
ناقابل اعتبار روایات ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔

اس بکواس کی حیثیت کم و بیش ایسی ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ ابو حنیفہؒ کو
تو حدیثِ رسولؐ سے عناد تھا' اسی لئے انہوں نے الٹے سیدھے فتوے دیئے' جن
میں نہ اعتدال ہے نہ توازن۔ ہم جائزے کے مراحل میں ایسی ہر بکواس کا آپریشن
کریں گے' یہاں تو آپ کو صرف یہ دیکھ لینا ہے کہ میاں صاحب کس بے تکلفی
سے وہ الزام مودودی کے اوپر لگا رہے ہیں جو کسی بھی مسلمان پر نہیں لگایا جا سکتا۔

نمونہ نمبر ۷ :

"مگر جن لوگوں کے دلوں میں معاذ اللہ حضرات صحابہؓ کی
طرف سے بغض و عناد ہے' جو عبداللہ بن سبا (یہودی'
"تجلی") کے حامی اور فتنہ انگیزوں کے جانشین ہیں' ان کی
تمام توانائیاں اور تمام صلاحیتیں اس میں صرف ہوتی ہیں کہ
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم قرار دیں"۔ ص ۱۱۰

سن رہے ہیں آپ...... یہ مولانا مودودی کی مدح کی گئی ہے!

نمونہ نمبر ۸ :

"مودودی صاحب کا یہ فقرہ کتنا مغالطہ انگیز اور تلبیس آمیز
بلکہ توہین آمیز ہے کہ......"۔ ص ۱۱۵

نمونہ نمبر ۹ :

"جس کا ضمیر انصاف اور حقیقت پسندی سے محروم ہو اور

جس کا نصب العین یہ ہو کہ جس طرح بھی ہو سکے سیدنا
عثمان رضی اللہ عنہ کے دامن کو ملوث اور حضرات صحابہ
رضی اللہ عنہم کی عظمت کو مجروح کر دے"۔ ص ۱۱۸

ہے کوئی جواب اس شرافت کا!...... یعنی مودودی کا نصب العین ہی صحابہؓ کی آبرو سے کھیلنا ہے۔

نمونہ نمبر ۱۰ :

"مگر مودودی صاحب کو حقائق سے کیا واسطہ 'انھیں تو الزام
اور طعن کے لئے بہانے کی تلاش رہتی ہے...... "ص ۱۳۶

نمونہ نمبر ۱۱ :

"مگر یہ مودودی صاحب کی کوتاہ بینی 'تاریخ سے ناواقفیت
اور سراسر لاعلمی ہے"۔ ص ۱۴۴

نمونہ نمبر ۱۲ :

"یہ اعتراض وہی کر سکتا ہے جو فہم و فراست 'انصاف و دیانت
فکرو دانش سے محروم ہو"۔ ص ۱۴۵

ظاہر ہے روئے سخن مودودی ہی کی طرف ہے۔

نمونہ نمبر ۱۳ :

"واقعہ یہ ہے کہ ایسے دماغ کو دماغ کہنا دماغ کی توہین
ہے"۔ ص ۱۵۰

معلوم ہے یہ مودودی ہی کے دماغ کا قصیدہ ہے۔

نمونہ نمبر ۱۴ :

"مودودی صاحب بغض صحابہ کے مرض میں مبتلا اور شیعی

پروپیگنڈے سے متاثر ہیں۔"ص ۱۵۶

نمونہ نمبر ۱۵:

"......اس شرمناک ارشاد کا سبب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب بذاتِ خود شیعی پروپیگنڈے کے سبب سے بغض صحابہ کے مرض میں مبتلا ہیں"۔ ص ۱۵۷

نمونہ نمبر ۱۶:

"لیکن ہمیں معاف کیا جائے اگر ہم اس کو کوتاہ علمی قرار دیں جس کے ساتھ زعم ہمہ دانی اور بغض صحابہ کا زہر ملا ہوا ہے"۔ ص ۱۶۳

نمونہ نمبر ۱۷:

"مودودی صاحب نے سخن سازی اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔"ص ۱۷۸

نمونہ نمبر ۱۸:

"مودودی صاحب نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارے تو اتفاق سے "ابن اثیر" کا دامن ہاتھ آگیا۔"ص ۱۸۳

نمونہ نمبر ۱۹:

"تعجب ہے اس شخص کو (مودودی کو۔ "تجلی") حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کس قدر بغض ہے۔"ص ۱۸۴

نمونہ نمبر ۲۰ :

"بغض کی انتہا ہو گئی کہ الزام ثابت کرنے کے لئے تو مضحکہ انگیز متضاد بیانات کو بھی جوڑنے کی کوشش کرتا ہے"۔ ص ۱۸۵

نمونہ نمبر ۲۱ :

"حضرت مودودی صاحب کی یہ عبرت آموز نادانی ہے یا مضحکہ خیز تجاہل عارفانہ ہے"۔ ص ۱۹۰

ہم سمجھتے ہیں مزید نمونوں سے بات کو طول دینا غیر ضروری ہو گا' یہی نمونے اتنے کافی ہیں کہ جو شخص ذرا بھی مذاق سلیم اور مزاج علمی رکھتا ہو وہ ان سے اندازہ کرلے گا کہ میاں صاحب کس شاخ کی کونپل اور کس کھیت کی مولی ہیں' اہل علم شرفاء میں تو اس انداز و اسلوب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا' ہاں جو لوگ بظاہر عالم مگر حقیقتاً جاہل ہیں اور جو خوش فکرے بظاہر شریف مگر اصلاً رذیل ہیں وہی اس طرح بازاری پن کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

مولانا محمد میاں کی عربی قابلیت :

اسلامی تاریخ' سیرت' عقائد' فقہ سبھی علوم و فنون کی بنیادی کتابیں عربی میں ہیں' اور انہیں سمجھنے کے لئے عربی پر عبور ہونا شرط اول ہے' آیئے دیکھیں میاں صاحب کی عربی قابلیت کس درجے میں ہے۔

اپنی کتاب میں ان کا عام طرز تو یہ ہے کہ اصل ماخذ کا اردو ترجمہ بغیر متن کے پیش کرتے چلے گئے ہیں' لیکن کہیں کہیں چند فقرے عربی کے بھی دیئے ہیں' پوری کتاب میں دیئے گئے ان عربی فقروں کو اگر یکجا کر دیا جائے تو اس کتاب کے سائز جیسے تین صفحے مشکل سے پر ہوں گے' گویا عربی متن برائے نام ہی

ہے' پھر بھی اس متن کے اردو ترجمے میں میاں صاحب نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اس کا نظارہ طلباء و علماء دونوں کے لئے خاصا دلچسپ ہوگا۔

یہ ملحوظ رہے کہ اردو ترجمے کے بارے میں وہ خود صفحہ ۵ پر فرماتے ہیں کہ "تحت اللفظ ترجمہ پیش کردیا ہے"، اب گویا دو باتیں ہمیں دیکھنی ہوں گی' ایک یہ کہ ترجمہ کس حد تک تحت اللفظ ہے دوسری یہ کہ کس حد تک درست ہے۔

نمونہ نمبر ۱: صفحہ ۵۴ پر: عربی اور ترجمہ یوں ہے:

"واللّٰہ لانجعل لاحد عذرا ولا نترک لھم حجۃ ولنصبرن کما امرنا حتی نبلغ مایریدون،،(طبری ج ۵ ص ۹۴)

خدا کسی کے لئے عذر کی گنجائش ہم باقی نہیں رکھیں گے' نہ کسی کے لئے حجت کا موقع چھوڑیں گے اور جیسا کہ ہمیں حکم کیا گیا ہے ہم ضرور صبر کریں گے' یہاں تک کہ وہ اپنی مراد کو پہنچ جائیں۔"

جو قارئین عربی نہیں جانتے وہ اگر جائزے کے اس حصے کو سمجھنے کے لئے کسی عربی داں سے رابطہ قائم کرلیں تو لطف دوبالا ہوجائے گا' ہم اہل علم سے...... خصوصاً مولانا دریابادی سے سوال کرتے ہیں کہ...... "وہ اپنی مراد کو پہنچ جائیں......" کس فقرے کا تحت اللفظ ترجمہ ہے' منقولہ عبارت میں حضرت عثمانؓ نے تمام صیغے جمع متکلم کے استعمال فرمائے ہیں' نجعل' نترک' نصبرن' امرنا' ان کا ترجمہ بھی میاں صاحب نے جمع متکلم ہی میں کیا اور ٹھیک کیا' لیکن آخری فقرے میں بھی صیغۂ متکلم نبلغ موجود ہے مگر ترجمہ ہو رہا ہے جمع غائب کا' صحیح تحت اللفظ ترجمہ یہ تھا:

"یہاں تک کہ ہمیں وہ چیز پہنچ جائے جس کا وہ ارادہ رکھتے ہیں۔"

یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ مفہوم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا' منشا دونوں ترجموں کا ایک ہی ہے' مگر میاں صاحب کا ترجمہ بتا رہا ہے کہ وہ تحت اللفظ کے معنی ہی نہیں جانتے' انہیں ذرا شعور نہ ہوا کہ حتیٰ نبلغ جمع غائب کا نہیں جمع متکلم کا صیغہ ہے' بس وہ "یریدون" میں اٹک کر رہ گئے۔

نمونہ نمبر ۲ : صفحہ ۵۸ پر :

"لم یمت عمر حتٰی کان سعید من رجال الناس۔ سعید ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے (پروان چڑھ گئے) تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی"۔ (طبری ص ۶۳ ج ۵)

اتنا سادہ و صاف فقرہ ہے کہ عربی کا مبتدی بھی اس میں غلطی نہیں کر سکتا' لیکن میاں صاحب نے اس میں بھی اپنی "قابلیت" کا تھوڑا سا جلوہ دکھا ہی دیا' امتیازی حیثیت کا مالک ہونا اور پروان چڑھنا ایک ہی بات نہیں ہو گی' کوئی بھی بچہ جب پل کر جوان ہو جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ پروان چڑھ گیا' چاہے وہ کسی بھی امتیازی حیثیت کا مالک نہ ہو' چاہے وہ فقیر بن جائے' چاہے چور اچکا کہلائے۔ بریکٹ میں جو اضافہ کیا گیا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ ایسے شخص کا قلم ہے جس کی مادری زبان شاید ہی اردو ہو۔

نمونہ نمبر ۳ : صفحہ ۸۳ پر حضرت عثمانؓ کے گشتی مراسلے کی کئی سطریں نقل کی گئی ہیں۔ ان کا ابتدائی حصہ یہ ہے :

"اما بعد فانی آخذ العمال بموافاتی فی کل موسم وقد سلطت الامة منذ ولیت الامر بالمعروف والنھی عن المنکر......

(ترجمہ) ہر سال حج کے موقع پر کارپردازان حکومت سے
میری ملاقات ہوتی ہے تو میں ان سے مواخذہ کیا کرتا ہوں۔
میں جب سے خلیفہ بنایا گیا ہوں امر بالمعروف اور نہی عن
المنکر کو مسلط کرتا ہوں......"

پہلے فقرے میں "آخُذُ" کا لفظ ہے' میاں صاحب شیخ الحدیث ہیں اور مولانا مودودی کی کھال کھینچنے چلے ہیں لیکن انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ آخُذُ مضارع کا صیغہ ہے ماضی کا نہیں "میزان منشعب" پڑھنے والا طالب علم بھی بتادے گا کہ اگر حضرت عثمان نے یہ فرمایا ہوتا کہ "میں ہر سال مواخذہ کیا کرتا ہوں" تو "اخذت" فرماتے نہ کہ آخُذُ۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ :

"اب میں ہر سال حج کے موقع پر عمال کا محاسبہ کیا کروں گا۔"

یہاں میاں صاحب نے مضارع کے صیغے کا ترجمہ ماضی استمراری میں کر کے عربی سے نابلد ہونے ہی کا ثبوت نہیں دیا' بلکہ خفتہ دماغی کا بھی حیرت ناک مظاہرہ کیا' سامنے کی بات تھی کہ یہ خط ۳۵ھ میں اس وقت لکھا جارہا ہے جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا گیارھواں سال چل رہا ہے' آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال تو مکمل داخلی سکون کے گذرے اور پھر شورش کے ابتدائی برگ و بار نکلنے پر بھی عمال کے احتساب کا کوئی سالانہ چکر نہیں چلا' یہ ارادہ تو انہوں نے اس وقت کیا جب فتنہ بالغ ہو چکا تھا' میاں صاحب کم سے کم اتنا ہی سوچ لیتے کہ ۳۵ھ سے قبل ہر سال تو کجا کسی ایک سال میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے عمال کو "موسم حج" میں حاضری کا حکم دیا ہو اور پھر ان کے کاموں کی جانچ پڑتال کی ہو' پھر آخر وہ یہ صریح خلاف واقعہ بات کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں ہر سال مواخذہ کرتا ہوں' اگر میاں صاحب یہ سوچ لیتے تو بعید نہ تھا کہ ماضی اور مضارع کا فرق بھی انہیں نظر آجاتا۔

جہاں تک سلطت اور ولیت کا تعلق ہے بے شک یہ صیغے ماضی کے ہیں

کیونکہ تخت خلافت پر بیٹھنے کا واقعہ ماضی ہی کا واقعہ تھا اور یہ بھی شک سے بالاتر ہے کہ آپ نے شروع ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف توجہ رکھی تھی، مگر ہر سال حج کے موقع پر کارپردازان حکومت سے مواخذے کا ارادہ اور اعلان تو آپ ۳۵ھ میں فرما رہے ہیں، پھر کیا کہیں گے ان بزرگ شیخ الحدیث کو جو مودودی دشمنی کے خروش میں علم اور عقل دونوں کے دشمن بن گئے اور جو بات بداہتاً خلاف واقعہ تھی اسے حضرت عثمانؓ کے منہ میں ڈال دیا۔

نمونہ نمبر ۴: ص ۸۵ و ۸۶ پر:

"ویحکم ماھذہ الشکایۃ وما ھذہ الاذاعۃ انی واللّٰہ لخائف ان تکونوا مصدوقاً علیکم وما یعصب ھذا الابی۔

یہ کیا شکایتیں پہنچ رہی ہیں، یہ کیا پروپیگنڈا ہو رہا ہے، مجھے خدشہ ہے کہ یہ شکایتیں صحیح ہوں اور تم پر ان کی ذمہ داری آتی ہو، نتیجہ یہی ہوگا کہ لوگ مجھ پر نرغہ کر کے آئیں گے"

نہ بھولیئے کہ میاں صاحب نے تحت اللفظ ترجمے کا دعویٰ کیا ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ یہ ترجمہ کہاں سے آ گیا جس پر ہم نے خط کھینچا ہے، یہ ترجمہ نحوی اعتبار سے مضارع کی جمع غائب کا ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ یعصب واحد غائب کا صیغہ ہے، پھر واحد کا ترجمہ جمع میں کیا معنی؟ جب کہ دعویٰ "تحت اللفظ" کا کیا گیا، مزید یہ دیکھئے کہ "ھذا" بھی واحد ہی ہے، ترجمے میں اسے گول کر دیا گیا اس کا کوئی مشار الیہ نظر نہیں آتا، پھر یہ پتہ نہیں چلتا کہ "یعصب" پر انہوں نے اعراب کیا سمجھا ہے، یہ لفظ یہاں تین طرح ہو سکتا ہے، یا اور صاد کے فتح سے (یَعصَبُ) یا کے فتح اور صاد کے کسرہ سے (یَعصِبُ) یا کے ضمہ اور صاد کے فتح سے (یُعصَبُ مجہول) کسی بھی شکل میں وہ ترجمہ نہیں بنتا جو میاں صاحب نے کیا ہے۔

علاوہ ازیں "مصدوقاً علیکم" کے ترجمے میں بھی موصوف دھوکا کھا گئے' غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت عثمانؓ نے شام' کوفہ' بصرہ' اور مصر کے گورنروں کو مشورے کے لئے بلایا ہے' حالات غیر معمولی ہیں' فضا میں ہلچل ہے' اس وقت حضرت عثمانؓ ایسی بات نہیں فرما سکتے جو ان حضرات کے لئے اشتعال انگیز حد تک سوء ظن پر مشتمل ہو' اگر میاں صاحب کا کیا ہوا ترجمہ صحیح ہے تو گویا حضرت عثمانؓ قسم کھا کر ان سے کہہ رہے ہیں کہ تم لوگوں کی جو شکایات سننے میں آرہی ہیں ان کے بارے میں میرا گمان یہ ہے کہ وہ ٹھیک ہی ہیں' یہ بعید از قیاس ہے' خصوصاً قسم کھانا تو اس محل میں بالکل ہی عجیب ہو جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ مصدوقاً علیکم تلمیح ہے' حضرت عثمانؓ کہہ یہ رہے ہیں کہ :

"خدا کی قسم مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم ہی لوگ رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیوں کا مصداق نہ ہو' اور یہ فتنہ (یا یہ صورت حال) مجھے ہی اپنی لپیٹ (یا اپنے گھیرے) میں نہ لے لے"۔

مخفی نہیں کہ دور عثمانی اور ذات عثمانی کے بارے میں حضورؐ کی متعدد پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ خود میاں صاحب نے اسی کتاب میں ان کا کچھ تذکرہ کیا ہے' کتب حدیث میں بھی وہ بکھری ہوئی ہیں اور شاہ ولی اللہؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں بھی ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے' حضرت عثمانؓ کا قسم کھانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ کوئی بہت ہی اہم بات کہنے جارہے ہیں' حضورؐ کی پیشین گوئیوں کی اہمیت محتاج بیان نہیں۔ حضورؐ کی طرف اشارہ ہی ایک امر اہم ہے' اگر یہ اشارہ مقصود نہ ہوتا تو یہ بات قسم کھا کر کہنے کی نہیں تھی کہ مجھے خدشہ ہے کہیں تم ہی لوگ مجرم نہ ہو' اگر حضرت عثمانؓ بدگمانی کا اظہار کرتے بھی تو دبے بھنچے لہجے میں' مبہم الفاظ میں' قسم کھانے اور زور دینے کی مناسبت اسی صورت میں ہے جب کہ بات ایک طرف بہت اہم ہو' دوسری طرف اس سے یہ اندیشہ نہ ہو کہ مخاطبین برا مان جائیں گے' ظاہر ہے حضورؐ کا تلمیحی ذکر آجانے کے بعد برا ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

حضورؐ کی پیشین گوئیاں چونکہ اس باب میں کافی سخت تھیں' جنت کی بشارت کے ساتھ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا' لہٰذا حضرت عثمانؓ نے اسی کی طرف اشارہ کیا کہ وما یعصب هذا الابی۔

یہ ہم نے جو کچھ سمجھا اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تب بھی تو طے ہے کہ اس فقرے کا جو ترجمہ میاں صاحب نے کیا ہے وہ درست نہیں ہے ''لوگ نرغہ کر کے آجائیں گے'' اس فقرے کا تحت اللفظ ترجمہ کیسے ہو سکتا ہے جس میں فعل بھی واحد ہو اور اسم اشارہ بھی۔

نمونہ نمبر ۵ : صفحہ نمبر ۱۲۴ پر :

> "فاما حُبِّیّ فانه لم یمل معهم علی جور بل احمل الحقوق علیهم۔ مجھے اپنے خاندان والوں سے محبت ضرور ہے' مگر یہ محبت کسی ظلم پر کبھی ان کے ساتھ نہیں جھکی' بلکہ اس محبت نے ان کے اوپر حقوق کا بوجھ لادا ہے۔"

دراصل حضرت عثمانؓ کہہ رہے ہیں کہ رشتہ داروں کی محبت نے مجھے کبھی اس روش پر مائل نہیں کیا کہ اگر وہ ظلم کریں تو میں ان کا ساتھ دوں' نہ میں نے کسی اور پر ظلم کر کے انہیں داد و دہش سے نوازا ہے' البتہ اس محبت کی بناء پر میں نے ان کے حقوق کا بوجھ اٹھایا ہے' یا یہ کہ ان کے حقوق میں فراخ دلی سے ادا کرتا ہوں۔

اہل زبان انصاف فرمائیں کہ کیا کوئی اچھا اردو داں اس مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کر سکتا ہے' جن میں میاں صاحب نے کیا ہے' پیچھے آپ دیکھ چکے کہ جگہ جگہ دو رعایت لفظی کو نظر انداز کر کے مفہوم ادا کر گئے ہیں' پھر یہاں کیا رکاوٹ تھی کہ ترجمہ صحیح اردو میں کرتے' مائل ہونا اور جھکنا بے شک بارہا ایک ہی مفہوم میں بولا جاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جہاں جہاں بھی مائل کا لفظ آئے وہاں

جھکنے کا ترجمہ لازماً درست ہو' مثلاً زید کہتا ہے کہ آج میری طبیعت چاول کھانے کی طرف مائل ہے تو کیا اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کسی بھی اردو داں کا یہ کہنا ممکن ہوگا کہ "آج میری طبیعت چاول کے ساتھ جھکی ہوئی ہے" کھلی بات ہے کہ اہل زبان تو اس طرح بول ہی نہیں سکتے' صرف وہ بول سکتے ہیں جن کی مادری زبان اردو نہ ہو' اسی طرح دوسرے جملے کا معاملہ ہے' کوئی شخص کسی کے حقوق ادا کرے' کسی کو عطیے دے' کسی کو رعایتوں سے نوازے' تو اردو میں اس واقعہ کو یوں بیان نہیں کیا جائے گا کہ اس شخص نے فلاں آدمیوں پر حقوق کا بوجھ لاد دیا' حقوق اور فرائض کی اصطلاحیں اردو میں متقابل اصطلاحوں کی حیثیت سے مروج ہیں بوجھ لادنا فرائض کے سلسلے میں بولا جاسکتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی بہر حال مشقت طلب ہے مگر حقوق کے سلسلے میں اس طرح کی زبان استعمال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ مجھ پر نعمتوں اور مسرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

ہر زبان کا انداز بیان ہوتا ہے' عربی میں بے شک "احمل الحقوق" کہنے کا ایک محل ہے' لیکن اردو میں ایسا کہنا اناڑی پن ہوگا' پھر یہی نہیں کہ ترجمے میں میاں صاحب نے یہ گل کھلائے' بلکہ آگے اپنی زبان میں فرماتے ہیں :

> "اس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ کے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کی عمر تقریباً بیس سال ہے (ممکن ہے پوری طرح داڑھی بھی نہ آئی ہو) کہ آپ ان پر فتح کابل کا بوجھ لاد دیتے ہیں"۔ ص ۱۲۴

بتایئے حضرت عثمانؓ کیا کہہ رہے ہیں اور میاں صاحب اس کی کیا اور کن لفظوں میں ترجمانی فرما رہے ہیں' ایک عامی بھی سمجھ سکتا ہے کہ کسی شخص کو جنگی ذمہ داریاں سونپنا فرائض کے قبیل سے ہے نہ کہ حقوق کے' لوگوں کو حضرت عثمانؓ پر یہ اعتراض نہیں تھا کہ آپ نے فلاں ملک فلاں شخص کے ذریعے کیوں فتح کرالیا' بلکہ یہ اعتراض تھا کہ آپ نے فلاں رشتہ دار کو فلاں چیز عطا کردی' اتنا

روپیہ دے دیا وغیر ذلک' حضرت عثمانؓ اسی کی صفائی کر رہے ہیں کہ میں نے جو دادودہش کی' وہ کسی اور کی حق تلفی کر کے نہیں کی' بلکہ حق والوں ہی کو ان کا حق دیا' انعام واکرام ملنے کو "بوجھ" سے تعبیر کرنا اردو کی حد تک میاں صاحب کا ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر اردو ادب میں نہیں مل سکے گی۔

لطیفہ یہ ہے کہ آگے چل کر میاں صاحب کو خود بھی کچھ ہوش سا آگیا ہے اور صفحہ ۱۶۲ پر اسی فقرے کو دہراتے ہوئے اس کے ترجمے میں بریکٹ دے کر یہ الفاظ لکھے ہیں :

"ان پر فرائض عائد کرتا ہوں"

مگر بات یہیں ختم نہیں ہو گئی' ابھی ان کی عربی قابلیت کا ایک پہلو اور قابلِ دید ہے' ابھی آپ نے پڑھا' انہوں نے **بل احمل الحقوق علیھم** کا ترجمہ فرمایا تھا :

"بلکہ اس محبت نے ان کے اوپر حقوق کا بوجھ لادا ہے"

گویا احمل کو لام کے فتح کے ساتھ واحد مذکر غائب کا صیغہ قرار دیا (اَحْمَلَ) اور فاعل "محبت" کو بنایا' مگر آگے دوبارہ جب ترجمہ فرماتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ :

"بلکہ میں ان کے اوپر حقوق لادتا ہوں" (۱۶۲)

گویا اب "احمل" بضم لام (احمِلُ) ہو گیا۔ صیغہ واحد متکلم فعل مضارع' اب اس کا فاعل حضرت عثمانؓ ٹھہرے نہ کہ "محبت"...... اس سے ظاہر ہوا کہ میاں صاحب خود نہیں سمجھ پا رہے ہیں کہ صحیح لفظ ہے کیا؟ فرمایا جائے کہ اس قابلیت کے شیخ الحدیث چشم فلک نے کتنے دیکھے ہوں گے' پھر یہ محض بے علمی ہی کا ثبوت نہیں بے عقلی کا بھی ہے' اگر موصوف میں سوجھ بوجھ ہوتی تو اپنی بے علمی کو اس طرح چھپا سکتے تھے کہ یہ عربی جملہ نقل ہی نہ کرتے' بلکہ جس طرح سارے تراجم انہوں نے بغیر متن کے دیئے ہیں اسی طرح اس کا ترجمہ بھی دے

ڈالتے' ظاہر ہے ترجمے پر کم سے کم یہ صیغے والا اعتراض نہیں ہو سکتا تھا' اور اگر متن دیا ہی تھا تو پھر دونوں جگہ یکساں ترجمہ کرتے' لیکن یہاں تو خفتہ دماغی کا یہ عالم نظر آرہا ہے کہ انہیں ہوش ہی نہیں کہ میں ۳۸ صفحات پہلے کیا ترجمہ کر آیا ہوں۔

اگر ان کا کوئی وکیل یہ کہے کہ ایسی معمولی غلطیاں تو اچھوں اچھوں سے ہو جاتی ہیں' "طبری" میں زیر زبر تو ہے نہیں' روانی میں اَحملَ پڑھ لیا' تب کیا' اور احملُ پڑھ لیا تب کیا' تو ہم جواب دیں گے کہ جناب ہمارے شیخ الحدیث کسی اسٹیج پر تقریر نہیں فرمارہے ہیں کہ ایک دفعہ جلدی میں "فتح" نکل گیا اور دوسری دفعہ ضمہ' بے شک تقریر میں ایسی چوک قابل معافی ہے' مگر یہ تو تصنیف ہے' تسوید نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کے مراحل سے گذری ہے' اگر میاں صاحب اپنی اس خوش فعلی کا ادراک کر لیتے تو یہ تماشا کتاب میں نظر ہی کیوں آتا' اور وہ اس گڑبڑ کو دور کیوں نہ کر لیتے' المیہ تو یہی ہے کہ نہ تو لکھتے ہوئے اور نہ نظر ثانی فرماتے ہوئے وہ اس نقص کا احساس کر سکے' اور چشم بد دور وہ شیخ الحدیث اور صدر مفتی پھر بھی ہیں' ہم کہتے ہیں یہاں اَحمِلُ ہے' باب "ضرب یضرب" سے صیغہ واحد متکلم۔ "حمل" کے معنی لادنے کے نہیں لدنے کے آتے ہیں۔ **کمثل الحمار یحمل اسفارا** کے معنی یہ ہیں کہ ایسا گدھا جس پر کتابیں لدی ہوں (نہ کہ اس نے کسی اور پر لادی ہوں) حامل کے معنی بوجھ اٹھانے والا (نہ کہ دوسرے پر لادنے والا) یعنی جو خود لد جائے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے فرمودہ لفظ "احمل" کو پہلے مقام پر بصیغہ واحد غائب لے کر جو غلط ترجمہ کیا گیا تھا' اس کے علاوہ ترجمے کی یہ غلطی دونوں ہی مقامات پر موجود ہے کہ بجائے لدنے کے لادنے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' اصل بات یہ ہے کہ جب حقوق کی کثرت اور بہتات کے پس منظر میں ادائیگی حقوق کی بات کہی جاتی ہے' تو عربی محاورے میں "حملِ حقوق" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں' ان کی اشاراتی مراد یہ ہوتی ہے کہ ادا کرنے والے نے کافی بار اٹھایا ہے' (وہی لدنے کا مفہوم نہ کہ

لادنے کا) حضرت عثمانؓ جس بڑے پیانے پر عزیز و اقرباء کی صلہ رحمی کرتے تھے' اس کی کمیت کی غمازی یہ جملہ کر رہا ہے' ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی " زیربار" ان لوگوں کو نہیں کہا جائے گا جنہیں نعمتیں اور بخششیں مل رہی ہوں۔

نمونہ نمبر ٦ : صفحہ نمبر ١٢٦ پر :

یاتیکم غلام خراج ولاج کریم الجدات
"تمہارے یہاں ایک نوجوان آرہا ہے' نہایت ہوشیار
نہایت چست......"

ہم کہتے ہیں "چست" کا لفظ یہاں نادرست ہے "خراج" کے معنی ہیں بہت نکلنے والا اور "ولاج" کے بہت داخل ہونے والا' ان دونوں معانی میں بے شک "چستی" کا مفہوم داخل ہے' لیکن جب "خراج ولاج" ایک ساتھ بولا جاتا ہے تو اصطلاحاً اس کا مفہوم ہوتا ہے بہت ہوشیار' بہانہ ساز' چالاک' یعنی ذہنی طراری اور بیدار مغزی کا حامل' نہ کہ جسمانی طور پر چست اور تیز۔ "چستی" جسمانی و عضویاتی صفت ہے' کاہلی اور سستی کی ضد' عین ممکن ہے کہ ایک شخص چست ہو مگر ذہین نہ ہو' اور عین ممکن ہے کہ ایک شخص ذہنی اعتبار سے بڑا طرار ہو' لیکن جسمانی اعتبار سے کاہل اور ست' حضرت موسیٰ اشعری عبداللہ بن عامر کی ذہنی صلاحیتوں کا ذکر فرمارہے ہیں' نہ کہ جسمانی طراری کا' کسی ذمہ دار عالم کو الفاظ کا ترجمہ ٹھیک کرنا چاہئے۔

نمونہ نمبر ۷ : صفحہ نمبر ١٢٤ پر :

عضدوا الغلفان بسیوفکم ۔
"ہاں بہادرو اپنی تلواروں سے ان غیر مختون نامردوں کے
ٹکڑے ٹکڑے کردو"

غلفان اغلف کی جمع ہے 'اغلف کے معنی صرف غیر مختون کے ہیں' ضروری نہیں کہ ہر غیر مختون بزدل اور نامرد ہی ہو' تحت اللفظ ترجمے کا دعویٰ کرنے والے کو یہ زیبا نہیں تھا کہ غیر مختون کے ساتھ نامرد کا بھی اضافہ کر دے' بات معمولی ہے مگر جس مقامِ بلند سے میاں صاحب کلام کر رہے ہیں اس کے لئے تو یہ معمولی بھی داغ سے کم نہیں۔

نمونہ نمبر ۸ : صفحہ نمبر ۱۰۷ پر :

لم یجتمع للروم مثله قط منذ کان الاسلام.

''جب سے مسلمانوں کے اقدام کا سلسلہ شروع ہوا تھا رومیوں کی اتنی بڑی فوج مقابلے پر نہیں آئی تھی''۔

تحت اللفظ ترجمے کا دعویٰ کرنے والے محترم سے ہم سوال کریں گے کہ ترجمے کا پہلا فقرہ کس فقرے کا ترجمہ ہے' منذ کان الاسلام میں ''مسلمانوں کے اقدام'' کی بات کہاں سے آگئی' اور یہ کہاں سے نکال لیا گیا کہ ''اتنی بڑی فوج مقابلے پر نہیں آئی تھی......''۔ تحت اللفظ ترجمہ یہ تھا کہ :

''رومیوں کا ایسا لشکر آغازِ اسلام سے اب تک جمع نہیں ہوا تھا......''۔

مفہوم یقیناً میاں صاحب نے غلط ادا نہیں کیا ہے لیکن سوال تو دعویٰ تحت اللفظی کا ہے۔

نمونہ نمبر ۹ : صفحہ نمبر ۲۰۱ پر :

فحمى الاحماء فآثر القربىٰ واستعمل الغنى.

''اس شخص نے بہت سی زمینوں کو حمیٰ (سرکاری چراگاہ) بنا دیا' اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دی' دولت مندی کا مظاہرہ کیا''

بہت سی زمینوں کو ''سرکاری چراگاہ'' بنا دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ

حضرت عثمانؓ نے بعض ایسی زمینوں کو جو چراہ گاہ نہیں تھیں سرکاری چراگاہ بنادیا' حالانکہ بات یوں نہیں ہے' "بقیع" کی چراگاہ پہلے سے چراگاہ ہی تھی دوسری چراگاہوں کا بھی یہی حال تھا' اعتراض معترض نے یہ کیا ہے کہ جو "چراگاہیں" عام تھیں' انہیں عثمانؓ نے اپنے لئے خاص کرلیا' اسی کی طرف اشارہ ہے فحمی الاحماء سے 'حمیٰ' باب "ضرب یضرب،، سے روک لینے اور بچانے کے معنی میں آتا ہے' احماء جمع ہے حمیٰ' کی جس کے معنی ہیں چراگاہ' تحت اللفظ ترجمہ یوں ہوگا:

"پس اپنے لئے مخصوص کرلیا (روک لیا) چراگاہوں کو"۔

جو ترجمہ میاں صاحب نے کیا ہے وہ اس وقت درست ہوتا جب "حمی" کے معنی یہ ہوتے کہ اس نے چراگاہ بنادیا اور "حمی" کے معنی ہوتے زمین' جس کی جمع ہے احماء' مگر یہ دونوں باتیں نہیں 'حَمٰیٌ' جب ضرب یضرب سے آتا ہے تو معنی وہی ہوتے ہیں جو ہم نے عرض کئے 'سمع یسمع سے آتا ہے تو تبدیلی صِلات کے ساتھ معنی بدلتے ہیں' حَمِیَ من السفر (سفر میں جانے سے ناک بھوں چڑھائی) حَمِیَ علی زید (زید پر غصہ کیا) حَمِیَ النارُ (آگ تیز ہوگئی) غرض چراگاہ بنا دینے کے معنی ہرگز نہیں آتے' نہ احماء کے معنی "زمینوں" کے آتے ہیں۔

فآثر القربیٰ' میں "فا" ہمارے نزدیک طباعت کی غلطی ہے' یہاں "فا" کا کوئی موقع نہیں' وآثر القربیٰ' ہونا چاہئے۔

اب استعمل الغنی پر توجہ کیجئے' یہ لفظ "غنی" ہماری ناقص رائے میں طباعت ہی کی غلطی ہے اور صحیح لفظ یہاں الفتیٰ ہے' حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے ان کی فہرست تمام متعلقہ کتب میں موجود ہے' ایک اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے تجربہ کار اور سن رسیدہ صحابہؓ کو معزول کرکے ان کی جگہ نوجوانوں کو حاکم بنایا' چنانچہ ابھی آپ نمونہ نمبر ۵ کے ذیل میں میاں صاحب

ہی کے قلم سے عبداللہ ابن عامر کی مثال دیکھ چکے کہ ان کی عمر بیس سال ہے اور انہیں ابو موسیٰ اشعریؓ کی جگہ لایا گیا ہے' یہی اعتراض معترض نے دہرایا ہے' "استعمل" کے معنی حاکم بنانے کے آتے ہیں' ترجمہ یوں ہو گا :

"اور عثمانؓ نے جوانوں کو حاکم بنایا۔"

لیکن میاں صاحب "غنی" کو طباعتی غلطی نہیں مانتے اور اس کا ترجمہ کر رہے ہیں...... "دولت مندی کا مظاہرہ کیا۔"

کیا مفہوم ہوا اس کا!...... دولت مندی کا مظاہرہ تو اسے کہتے ہیں کہ آدمی کسی کام میں کھلے دھڑلے سے خوب روپیہ خرچ کرے' اور اس کا منشاء یہ ہو کہ لوگ اسے دولت مند سمجھیں لیکن حضرت عثمانؓ کے بارے میں ایسی کوئی بات موجود نہیں' نہ کسی مورخ نے ایسا اعتراض نقل کیا ہے "اقرباء" کو داد و دہش کا اعتراض تو یقیناً کیا گیا مگر اس اعتراض کی تعبیر "دولتمندی کے مظاہرے" سے نہیں کی جا سکتی' نہ کسی نے کی' پھر "استعمل" کے معنی مظاہرہ کرنے کے کیسے ہو گئے' یہ تو عامل بنانے کے لئے مستعمل ہے حتیٰ کہ اگر بصیغہ مجہول اُستعمل فلان کہا جائے تب بھی معنی ہوتے ہیں کہ فلاں شخص کسی سرکاری کام پر مقرر کیا گیا' "بخاری" ہی میں...... جسے شیخ الحدیث صاحب پڑھاتے ہوں گے۔ شکے اهل الکوفة سعداً الی عمر فعزله واستعمل علیهم عمارا (اہل کوفہ نے حضرت عمر سے سعد کی شکایت کی تو انہوں نے سعد کو معزول کر کے اہلِ "کوفہ" پر حضرت عمار کو حاکم بنادیا) "بخاری" جلد اول' باب وجوب القراء ة للامام والماموم فی الصلوٰة۔

اور "بخاری" جلد اول' کتاب المناقب باب قول النبیؐ للانصار اصبروا حتی تلقونی علی الحوض میں ہے. ان رجلاً من الانصار قال یارسول اللہ الاتستعملنی کما استعملت فلا ناً (انصار میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول کیا آپ مجھے حاکم نہیں بنائیں گے جیسا کہ آپ نے

فلاں شخص کو حاکم بنایا) فلاں سے اس شخص کا منشا حضرت عمرو بن العاصؓ تھا جنہیں حضورؐ نے عمان کا گورنر بنایا تھا۔

یہاں گزارش کرنے والے کا انداز استفہامیہ تھا' آگے بخاری جلد ثانی کتاب الفتن' باب قول النبیؐ ستروں بعدی اموراً تنکرونها میں یہی بات شکایتی اسلوب میں کہی گئی ہے' یارسول اللّٰہ استعملت فلاناً ولم تستعملنی (اے اللہ کے رسولؐ آپ نے فلاں کو تو حاکم بنادیا اور مجھے نہیں بنایا

"استعمال" کے یہ معنی عربی میں اتنے مشہور ہیں کہ ان کا ثبوت اور حوالہ دیتے ہوئے بھی کوفت ہورہی ہے' ویسے کبھی کبھی اسے آلۂ کار بنانے کے مفہوم میں بھی بول لیتے ہیں (اس کا چلن اردو میں بھی ہے) یہ مفہوم یہاں بھی کسی حد تک قابل قبول ہوسکتا ہے' یعنی معترضین کا مطلب یہ لیا جائے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی پالیسیوں کے روبہ عمل لانے کے لئے نوجوانوں سے کام لیا' بہر حال مظاہرہ کرنے کے معنی تو ہم نے کہیں نہیں پڑھے نہ لغت میں یہ معنی ملے' نہ یہاں اس کا کوئی قابلِ فہم مطلب بنتا ہے۔

نمونہ نمبر ۱۰ : ص ۲۰۳ پر :

> "ثم انهم رجعوا اليه بكتاب له يزعمون انه كتبه فيهم يا مر فيه بقتلهم
>
> (پھر وہ دوبارہ آئے ان کی (حضرت عثمانؓ کی) ایک تحریر لیکر' وہ یہ دعویٰ کررہے تھے کہ یہ تحریر ان کے بارے میں حضرت عثمانؓ نے لکھی ہے (رضی اللہ عنہ) اس تحریر میں ان کو قتل کرنے کا حکم تھا"۔

یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کا بیان ہے' اس کے ترجمے میں دو علمی غلطیاں کی گئی ہیں' ایک یہ کہ ثم انهم رجعوا اليه بكتاب له کے فقرے میں یہ مفہوم

ہر گز نہیں ہے کہ واقعی وہ حضرت عثمانؓ ہی کی تحریر لے کر آئے' حضرت ابنِ زبیرؓ تو یہ فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ ایک تحریر لیکر لوٹے' جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ یہ عثمانؓ کی ہے' مگر میاں صاحب نے اپنے ترجمے میں خود ابنِ زبیرؓ سے اعتراف کرادیا ہے کہ وہ تحریر حضرت عثمانؓ کی تھی' ان لفظوں پر غور کیجئے:

"پھر وہ دوبارہ آئے حضرت عثمانؓ کی ایک تحریر لے کر"

یہ ابنِ زبیرؓ ہی کا بیان ہے' حالانکہ عربی فقرے میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہے' جس سے یہ ظاہر ہو کہ ابنِ زبیرؓ نے بھی اس تحریر کو حضرت عثمانؓ ہی کی تحریر کہا تھا' یہ سراسر الزام ہے' حضرت ابنِ زبیرؓ نے نہ وہ تحریر دیکھی نہ وہ واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ غلط بات کہہ سکتے تھے کہ وہ عثمانؓ کی تحریر تھی' آگے خود ان ہی کا بیان موجود ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حلف کے ساتھ فرمایا کہ یہ میری تحریر نہیں ہے۔

ہمیں احساس ہے کہ میاں صاحب نے ارادۃً یہاں غلط بیانی نہیں کی ہے۔ بلکہ اناڑی پن کی وجہ سے ترجمہ غلط کر گئے ہیں۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ متن میں مضارع کا صیغہ بولا گیا " يَامُرُفيه " مگر میاں صاحب نے ماضی کا ترجمہ کیا:

"اس تحریر میں ان کو قتل کرنے کا حکم تھا"۔

یہ ترجمہ اس وقت درست ہوتا جب كان فيه امر بقتلهم یا امر فيه بقتلهم جیسا کوئی جملہ ہوتا' جب "یامر" کہا گیا تو ضروری تھا کہ تحت اللفظی کا دعویٰ کرنے والے مترجم مضارع کا ترجمہ کرتے' اب جو ترجمہ انہوں نے کیا اس میں پھر وہی خرابی پیدا ہو گئی کہ یہ بات خود ابنِ زبیرؓ کا اعتراف بن گئی' حالانکہ فی الحقیقت یہ ان کا اعتراف نہیں' بلکہ وہ معترضین کا بیان دہرا رہے ہیں' صحیح ترجمہ یوں ہوتا:

"پھر وہ لوٹے (یا دوبارہ آئے) ایک تحریر لے کر' جس کے بارے میں ان کا

دعویٰ تھا کہ وہ عثمانؓ نے لکھی ہے،جس میں وہ ان کے قتل کا حکم دے رہے ہیں"
اس ترجمے میں یا مُر کی رعایت بھی ہو گئی اور یہ بھی صاف ہو گیا کہ اس تحریر میں ان کے قتل کا حکم موجود ہونا بھی معترضین ہی کا قول تھا نہ کہ ابنِ زبیرؓ کا۔

نمونہ نمبر ۱۱: اسی صفحہ پر:

والله ماجاؤا ببينة ولا استحلفوه ولو ثبوا عليه فقتلوه
(خدا کی قسم نہ انہوں نے کوئی ثبوت پیش کیا' اور نہ حضرت عثمانؓ سے قسم لی (بلکہ) دفعتاً وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کود پڑے اور ان کو شہید کر دیا"۔

ہمیں تسلیم ہے کہ "وثب یثب "کودنے اور اٹھنے کے معنی میں آتا ہے' لیکن جن بزرگوار کے بارے میں انشا پرداز ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہو' ان سے توقع یہی کی جاسکتی تھی کہ محاورات کا بھی خیال رکھیں گے' حسنات الابرار سیئات المقربین اگر درست ہے تو یہ بھی درست ہونا چاہئے کہ کسی اچھے انشا پرداز کا معیارِ اعلیٰ سے گر جانا عیب مانا جائے' یہاں "کود پڑے "کا موقع نہیں تھا' افصح ہوتا اگر مترجم یوں کہتے کہ "وہ حضرت عثمانؓ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں قتل کر ڈالا "اردو میں کسی کے دفعتاً حملہ آور ہونے کو "ٹوٹ پڑنا "بولتے ہیں' یہ کوئی اہل زبان نہیں بولتا کہ زید فلاں پر کود پڑا۔

نمونہ نمبر ۱۲: اسی صفحہ پر:

"وقد سمعت ماعبته به (اور میں نے ان الزاموں کو سنا جو تم نے ان پر لگائے ہیں"۔

مفہوم میاں صاحب نے یقیناً درست بیان کیا' لیکن جب وہ تحت اللفظی کا دعویٰ کر رہے ہیں تو انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ "الزاموں "جمع ہے اور بہ کی ضمیر واحد' ضمیر واحد کا مشار الیہ جمع کیا معنیٰ؟

عبتہ کی ضمیر واحد کا ترجمہ "ان" بلاشبہ درست ہے کیونکہ اس کا مرجع حضرت عثمانؓ ہیں اور احتراماً واحد کے لئے بھی "ان" ہی بولا جاتا ہے نہ کہ "اس" مگر بہ کی ضمیر کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں ہوا' صحیح تحت اللفظ ترجمہ یوں ہوتا...... "اور میں نے سن لیا جو الزام آرائی (یا عیب چینی) تم نے ان کے بارے میں کی ہے"۔

نمونہ نمبر ۱۳: صفحہ ۲۲۹ پر:

"بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرن حتی کنت من القرن الذی کنت منہ (ابنائے آدم کے تمام ادوار میں سے سب سے بہتر دور میں میری بعثت ہوئی ہے' خیر (روحانی کمالات اور مکارم اخلاق) ترقی پذیر رہے' اگلا دور پچھلے دور سے بہتر ہوتا رہا' یہاں تک کہ میں اس دور میں مبعوث ہوا جس کا میں ہوں۔"

پہلا اعتراض تو ہم یہ کریں گے کہ اس حدیث میں قرنا فقرن نہیں ہے' بلکہ قرناً فقرناً ہے' ہو سکتا ہے اسے کتابت کی غلطی تصور کر لیا جاتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آگے صفحہ ۲۴۶ پر پھر اس روایت کو نقل کیا گیا ہے' اور وہاں بھی فقرن ہی ہے' (فقرناً نہیں) اگر دونوں جگہ کتابت کی غلطی ہوئی ہے تو شاباش ہے' مصحح اور پروف ریڈر کو۔

دوسرا بڑا اور اصل اعتراض یہ ہے کہ میاں صاحب نے حدیث کو بالکل ہی نہیں سمجھا ہے' وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آنحضرتؐ کی مشہور حدیث خیر القرون قرنی (سب سے بہتر میرا زمانہ ہے) میں جو بات کہی گئی ہے' وہی یہاں بھی کہی گئی ہے' چنانچہ مذکورہ ترجمہ ان کی اس غلط فہمی کا گواہ ہے اور آگے صفحہ ۲۴۶ اور ۲۴۷ پر تو اور زیادہ صراحت اور تفصیل سے انہوں نے اسی مفہوم کو دہرایا ہے' لیکن ہم کہیں گے کہ انہوں نے کبھی کسی استاد سے "بخاری" پڑھی

ہے تو پھر وہ اسے بالکل بھول گئے ہیں' اور چونکہ عربی نہیں آتی اس لئے عبارت پر غور کر کے صحیح مطلب اخذ کرنے سے بھی قاصر ہیں' طلبائے عربی اور محترم جج مولانا دریابادی نوٹ فرمائیں کہ جناب شیخ الحدیث کو "مِن" اور "فی" کا فرق بھی معلوم نہیں' اگر یہاں حضورؐ کا مقصود کلام یہی ہوتا کہ "میں سب سے بہتر دور میں مبعوث کیا گیا ہوں' تو بُعِثتُ کے بعد "مِن" کا کیا موقعہ تھا' پھر تو یوں فرمایا جاتا کہ بعثت فی خیرالقرون۔ اور بنی آدم کے الفاظ بھی کس لئے آتے' مگر میاں صاحب چونکہ اپنے خیال میں مگن ہیں' اس لئے "مِن" کا ترجمہ بھی "فی" کا کر ڈالا۔ یہ ہے ترجمہ :

"سب سے بہتر دور میں میری بعثت ہوئی ہے"

اور قرناً فقرناً جو واضح طور پر یہاں منصوب علی الحال ہے' ان کی سمجھ میں جب بالکل نہ آیا تو بریکٹ دیکر ایک غیر متعلق فقرہ ترجمے کے بیچ میں بڑھا دیا' طلبائے عزیز کسی حقیقی شیخ الحدیث سے جا کر دریافت کریں کہ عامر عثمانی درست کہتا ہے یا بکواس کر رہا ہے۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے' وہ خیر القرون قرنی سے مختلف ایک مضمون ہے' قرن جہاں سو سال یا ستر سال یا اس سے بھی کم سالوں کی ایک محدود مدت کو کہتے ہیں' وہیں گروہ اور طبقے اور خانوادے کو بھی کہتے ہیں (دیکھئے المنجد اور منتہی الارب وغیرہ) حرف "مِن" منہ سے بول رہا ہے کہ یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہیں اور بنی آدم کی طرف قرون کی اضافت اس پر دلیل قطعی ہے' فرمایا یہ جارہا ہے کہ میرے خاندان کی ہر نسل اپنے زمانے کی بہترین نسل رہی ہے' آدم سے لیکر مجھ تک کتنا ہی طویل سلسلۂ نسب ہو' لیکن اس نسب نامے کا ہر خانوادہ اپنے دور کا معزز ترین خانوادہ تھا' ایسا نہیں ہے کہ میرے نسب کی عظمت و فضیلت صرف آج ہی کے ہاشمی اور قریشی خانوادے تک محدود ہو اور ماضی کے کسی قرن میں میرا خانوادہ غیر معزز اور غیر ممتاز رہا ہو۔

اس حدیث کی تفصیل سمجھنی ہو تو حضرت واثلہ بن الاسقع کی وہ روایت دیکھئے جو "صحیح مسلم" نے نمایاں طور روایت کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"ان اللہ اصطفٰی کنانۃ من ولد اسمٰعیل واصطفٰی قریشا من کنانۃ واصطفٰی من قریش بنی ہاشم واصطفانی من بنی ہاشم۔ (مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین)

اللہ نے منتخب کرلیا "کنانہ" کو اولادِ اسمٰعیل میں سے اور منتخب کرلیا قریش کو "کنانہ" میں سے اور منتخب کرلیا قریش سے بنی ہاشم کو اور منتخب کرلیا مجھے بنی ہاشم سے۔

"ترمذی" کے الفاظ یہ ہیں: ان اللہ اصطفٰی من ولد ابراھیم اسمٰعیل واصطفٰی من ولد اسمٰعیل بنی کنانۃ۔

"مشکوۃ" میں یہ دونوں روایتیں ٹھیک اسی حدیث کے بعد رکھی گئی ہیں جس کی گفتگو چل رہی ہے' اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا موضوع خاندان و نسب کا فضل و شرف ہے' نہ کہ زمانوں کا فضل و شرف' اللہ کے رسول اپنے مکمل سلسلۂ نسب کی ایک بیش بہا فضیلت بیان فرما رہے ہیں' اور میاں صاحب نے سمجھ لیا کہ زمانوں کی فضیلت بیان ہو رہی ہے۔

نمونہ نمبر ۱۴: صفحہ ۲۵۰ پر

"تھی حدثاء الاسنان سفھاء الاحلام (نوخیز و نوعمر اوچھی عقلوں والے جذباتی لوگوں کی بھیڑ ان کے ساتھ ہوگی۔"

خدا بہتر جانتا ہے میاں صاحب نے کیا لفظ لکھا ہوگا جس کا طباعت میں "تھی" بن گیا' یہ کوئی لفظ نہیں ہے مگر ہم اندازہ نہیں کر سکے کہ کس لفظ سے بگڑ کر یہ بنا' حدیث اس طرح پر ہے' یاتی فی آخر الزمان قوم حدثاء

الاسنان سفھاء الاحلام۔ گویا جس جگہ "تھی" چھپا ہے' وہاں قوم کا لفظ تھا۔ اب یہ معمہ محترم جج صاحب ہی حل کریں کہ لفظ "قوم" اس شکل میں کیسے آگیا۔ بہر حال ہم طباعتی نقائص سے صرف نظر کرتے جارہے ہیں' سوال ترجمے کا ہے' اول تو یہ کہ "اوچھی عقل" کیا شے ہوتی ہے' اردو میں "عقل کوتاہ" ضرور بولتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ اس کا لفظی ترجمہ بھی شامل محاورہ ہو' دیکھئے بالغ نظری اردو میں مستعمل ہے' نگاہ رسا بھی بولتے ہیں' لیکن یوں نہیں کہتے کہ فلاں شخص "پہنچنے والی نظر" رکھتا ہے..... اسی طرح "وسیع النظری" کا اردو ترجمہ "پھیلی ہوئی نظر" خلاف محاورہ ہے' اردو میں "اوچھی باتیں"..... "اوچھی حرکتیں"...... "اوچھا وار" بولتے ہیں' لیکن اوچھی عقل' اوچھی نظر نہیں بولتے' اور بے شمار الفاظ ہیں جو دوسری زبانوں سے اردو میں آگئے ہیں' انہیں جوں کا توں بولا جاتا ہے ہندی ترجمہ استعمال نہیں کیا جاتا۔

دوئم یہ کہ "لوگوں کی بھیڑ ان کے ساتھ ہوگئی" کہاں سے آگیا' میاں صاحب لکھتے تو یہ ہیں کہ "صادق و مصدوق رسالت مآب ﷺ نے خبر دی۔" پھر بجائے اس کے کہ حدیث کا کم سے کم ایک پورا جملہ تو نقل کر دیتے' ناقص ٹکڑا نقل کرتے ہیں' کیا یہ بے سلیقگی نہیں' پھر ترجمہ ایسا کرتے ہیں جو اصل سے مطابقت نہیں رکھتا' اصل فقرہ ابھی ہم نے نقل کیا۔

(دیکھئے بخاری جلد اول کتاب المناقب۔ باب علاماۃ النبوۃ فی الاسلام)

اس کا ترجمہ یوں ہوگا :

> "حضور نے فرمایا آخر زمانے میں ایسے کم عمر بے وقوف ظہور میں آئیں گے جن کے اقوال.....الخ۔"

مگر میاں صاحب نے ایسا ترجمہ کر دیا گویا حدیث میں ذکر تو کچھ اور لوگوں کا آیا گیا ہو' اور ان کے ساتھ نوخیز "حمقاء" لگ گئے ہوں.....فافہم۔

نمونہ نمبر ۱۵: ص ۲۵۳ پر:

"واشهد ان عليا قتلهم وانامعه جيئى بالرجل على النعت الذى نعت النبى صلى الله عليه وسلم (میں شہادت دیتا ہوں کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو قتل کیا' میں آپ کے ساتھ تھا (جنگ ختم ہوئی) تو ایک مقتول لایا گیا' جس کا حلیہ وہی تھا جس کی پیشین گوئی آں حضرت ﷺ نے فرمائی تھی۔"

یہاں ایک لطیف بات قابلِ غور یہ ہے کہ ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جس کا ترجمہ "مقتول" کیا جائے' صراحت کے بغیر جب جیئى بالرجل بولا جائے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ ایک آدمی لایا گیا اور یہ ترجمہ زندہ آدمی کی طرف مشیر ہوگا' یہی حدیث "بخاری" میں دو اور مقامات پر بھی آئی ہے۔ (۱) جلد اول۔ کتاب المناقب۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام (۲) جلد ثانی کتاب الادب۔ باب ماجاء فی قول الرجل ویلک۔ صرف ثانی الذکر مقام پر یہ تصریح ہے کہ فالتمس فی القتلى فاتى به (مقتولین میں سے تلاش کر کے اس کی لاش لائی گئی) لہٰذا جو بزرگوار تحت اللفظ ترجمے کا داعیہ لیکر چلے ہیں انہیں تو چاہیے تھا کہ یہ مصرح روایت لیتے تا کہ لفظ مقتول کی گنجائش نکلتی۔

نمونہ نمبر ۱۶: صفحہ ۲۶۰ پر:

"والواضعون الحديث اصناف واعظمهم ضرراً قوم من المنسوبين الى الزهد وضعوا الحديث احتساباً فيما زعموا فتقبل الناس موضوعاتهم ثقة منهم لهم دركونا اليهم ثم نهضت جها بذة الحديث لكشف عوارها ومحو عارها (واضعین کی چند قسمیں ہیں ان میں

> سب سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں (عابد و زاہد ہیں) مگر ایسے سادہ کہ حدیث گھڑ لی اور سمجھتے یہ رہے کہ اس میں ثواب ملے گا' لوگوں نے ان کی ظاہری حالت پر اعتماد کر کے ان سے عقیدت رکھتے ہوئے' ان کی موضوع روایتوں کو قبول کر لیا' پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تاکہ اس کمزوری کا پردہ چاک کریں اور اس کی خرابی کو مٹا دیں۔"

مولانا مودودی کے بہتیرے معترضین کو دیکھا ہے کہ اگر مولانا کے مضمون میں کہیں کتابت و طباعت کی غلطی بھی نظر پڑ گئی' تو انہوں نے پھٹ سے اسے بھی مولانا کی فہرست جرائم میں شامل کر دیا' مگر ہم یہ چھچھورا پن پسند نہیں کرتے' اسی لئے بے شمار کتابتی اغلاط کو نظر انداز کرتے جا رہے ہیں' اور یہاں بھی کرتے ہیں۔ (صحیح لفظ ور کونا تھا جو در کونا چھپا ہے)

ہمارا اعتراض یہ ہے کہ آخری فقرے کا ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا' مفہوم تو بہر حال وہی ہے' جو میاں صاحب کے ترجمے سے ظاہر ہے' لیکن سوال مفہوم کا نہیں عربی قابلیت کی جانچ کا ہے' خصوصاً جب مترجم نے دعویٰ تحت اللفظی کا کیا تو ترجمے سے خود بخود یہ اندازہ ہو جائے گا کہ عربی فقرے کے نحوی گوشوں اور لغوی پہلوؤں پر مترجم کی نظر ہے کہ نہیں۔

"لکشف عوارها" میں دہری اضافت ہے مگر ترجمے سے ایک اضافت غائب ہے...... "تاکہ اس کمزوری کا پردہ چاک کر دیں" یہ ترجمہ اس وقت درست ہوتا' جب عبارت یوں ہوتی کہ لکشف هذا الضعف' کمزوری کا مرادف عربی لفظ ضعف ہے نہ کہ "عوار" ' "عوار" کے معنی عیب کے ہیں (المعجم الوسیط) مطلب تو بہر حال وہی رہتا خواہ مترجم عیب کا لفظ رکھتے یا کمزوری کا یا سقم کا یا خرابی کا' لیکن تحت اللفظی کا کھلا تقاضا یہ تھا کہ جائے کمزوری کے عیب کا

لفظ رکھا جاتا' تاہم اسے نظر انداز کردیں تب بھی یہ طے ہے کہ انہوں نے جو ترجمہ فرمایا وہ لکشف ھذا العوار کا ہے نہ کہ لکشف عوارھا کا۔

مزید نقص یہ ہے کہ وہ "ھا" کا مرجع نہ سمجھ سکے' اس کمزوری میں "اس" کا اشارہ کس طرف ہے' کونسی کمزوری؟...... اگر جواب یہ دیا جائے کہ حدیث وضع کرنے والوں کے فعل و عمل کی طرف اشارہ ہے تو سوال پیدا ہوگا کہ ضمیر مؤنث کے کیا معنی؟ پھر تو "عوارہ" اور "عارہ" کہنا چاہیئے تھا اور اگر کہا جائے کہ اشارہ "حدیث" کی طرف ہے تو لفظ "حدیث" عربی میں مونث نہیں ہے' اگر حیثیت اسم جنس اس کے لئے ضمیر تانیث لائیں گے تو اردو ترجمے میں لازماً ضمیر جمع "ان" استعمال کرنی ہوگی نہ کہ ضمیر واحد "اس"۔

صحیح یہ ہے کہ "ھا" کا مرجع "موضوعات" ہے' مناسب تحت اللفظی ترجمہ یوں ہوتا۔

"پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تاکہ ان گھڑی ہوئی روایتوں کا عیب کھودیں اور اس چیز کو مٹادیں جو باعث ننگ ہے۔"

اس ترجمے میں معناً تمام اضافتوں کی رعایت ہے' ویسے ٹھیٹ تحت اللفظ ترجمہ کیجئے تو یوں ہوگا:

"پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین ان موضوعات کے عیب کے کھولنے اور ان کی عار کے مٹانے کے لئے اٹھے۔"

بہر حال میاں صاحب نے "اس" بول کر غمازی کردی کہ وہ ضمیر کا مرجع نہیں سمجھ پائے اور "اس کی کمزوری" کے بجائے "اس کمزوری" کہہ کر یہ بتادیا کہ اضافت (عوارھا) کا بھی انہیں ادراک نہیں ہوا' پھر عوار کا ترجمہ "کمزوری" کرنا لغت سے ناواقفیت کا پتہ دے گیا۔ (یہاں بات ذرا باریک ہوگئی' جو طلبائے عزیز اسے پوری طرح نہ سمجھ سکے ہوں وہ اپنے اساتذہ سے رجوع فرمائیں)۔

فارسی قابلیت :

عربی قابلیت کے ذیل میں میاں صاحب کی اردو قابلیت پر بھی خاصی روشنی پڑگئی، ایک دو نمونے فارسی کے بھی دیکھتے چلئے، آپ نے کہیں کہیں بطور زینت سخن فارسی اشعار استعمال کئے ہیں، مشکل سے تین چار مگر ان کا بھی حلیہ بگاڑے بغیر نہ رہے، ملاحظہ ہو ص ۱۱۶ پر لکھتے ہیں :

چشم حسود کہ برکندہ باد　　عیب نمایدش ہنردرنظر

فارسی جاننے والے حضرات ذرا اپنی ہنسی روکے رکھیں، تاکہ ہم عوام کے کانوں تک اپنی آواز پہنچا سکیں، جو لوگ فارسی نہیں جانتے مگر فن شعر سے مس رکھتے ہیں، اتنا تو وہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ پہلے مصرعہ کی بحر غائب ہے، اصل مصرعہ میاں صاحب کو یاد نہ رہا تو جو الٹا سیدھا یاد تھا سپرد قلم فرمادیا، بحر دوسرے مصرعہ کی بھی ندارد ہے، کیونکہ میاں صاحب کے بیمار حافظے نے اس سے دھینگا مشتی کی ہے، مصرعہ حقیقت میں یوں تھا :

عیب نماید ہنرش درنظر

ان کے حافظے نے شین کو اس کی جگہ سے اکھیڑ کر نماید کے آگے لگادیا اور انہیں ذرا احساس نہ ہوا کہ مصرعہ بہ اعتبار عروض خارج از بحر بھی ہوگیا۔

ص ۱۸۸ پر : "بہ بیں تفاوت راہ ازکجاست تابہ کجا۔"

مشہور ترین مصرعہ ہے مگر میاں صاحب نے "راہ" میں الف بڑھا کر اسے بھی بحر سے گرادیا، بحر "رہ" سے درست ہوتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ فارسی میں "رہ" (بغیر الف) خوب مستعمل ہے۔ ص ۹۸ پر :

پری نہفتہ رخ و دیو بکر شمہ و ناز

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

دوسرا مصرعہ چونکہ بہت مشہور ہے اس لئے وہ میاں صاحب نے ٹھیک ہی

لکھدیا، مگر پہلا مصرعہ پھر بھی ان کی نوک قلم سے مرغ بسمل بن کر رہا اہل نظر دیکھ سکتے ہیں کہ بحر بھی ندارد ہے اور مضمون بھی غتر بود۔

بد دیانتی یا آسیب زدگی ؟ :

حضرت شیخ الحدیث کی خوش گفتاری، عربی دانی، اردو نوازی اور فارسی مہارت کا تعارف کرانے کے بعد اب ہم ایک ایسی چیز پیش کرتے ہیں جس کے بارے میں ہم تو فیصلہ نہ کر سکے کہ اسے بد دیانتی کا عنوان دیں، افترا پردازی کہیں یا آسیبی خلل کے زمرے میں رکھیں، ہماری عقل اس باب میں دنگ ہے لہٰذا قارئین اور محترم جج ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا توجیہہ اس کی ہو سکے گی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جلیل القدر صحابی ہیں، ان کی ایک بہت ہی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ "جنگ احد" میں جب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں میں گھر گئے تھے تو یہ اپنی تیر اندازی سے ان کا دفاع فرما رہے تھے، اس وقت حضورؐ نے فرمایا تھا ارم فداک ابی و امی۔ اے سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان تیر چلائے جاؤ!

میاں صاحب نے ص ۲۸ پر اسی واقعے کو بیان کیا ہے اور پھر حضرت سعدؓ کی اس تقریر کا خلاصہ دیا ہے، جو انہوں نے دربار فاروقی میں شکایات کا جواب دیتے ہوئے کی تھی، یہ خلاصہ ص ۲۹ پر ختم ہوا ہے اور اس کے متصل بعد میاں صاحب لکھتے ہیں :

> "مودودی صاحب تو شاید اس تقریر سے اثر نہ لیں، کیونکہ آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ نے جو تیر چلایا تھا وہ آنحضرت ﷺ کی منشا کے خلاف تھا (ملاحظہ فرمایئے مودودی صاحب کی تفسیر "ویسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه"

محترم جج اور تمام قارئین بتائیں کہ اس ارشاد کا کیا مطلب ہوا...... یہی نا کہ "جنگ احد" میں حضرت سعدؓ نے حضورؐ کے تحفظ میں جو تیر افگنی کی تھی مولانا مودودی اس قدر سیاہ قلب اور احمق ہیں کہ اس تیر افگنی کو انہوں نے حضورؐ کی منشا کے خلاف قرار دیا ہے' کہاں قرار دیا ہے' اس کا بھی حوالہ میاں صاحب نے پیش فرمادیا' معلوم ہے کہ "مودودی صاحب کی تفسیر" کا نام تفہیم القرآن ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ محولہ آیت قرآن میں دو جگہ نہیں آئی ہے بلکہ ایک ہی جگہ آئی ہے' سورۂ البقرہ آیت ۲۱۷۔ "تفہیم القرآن" ایسی چیز نہیں کہ ماناد شوار ہو' ہر جگہ آسانی سے مل سکتی ہے" جلد اول" اٹھایئے اور دیکھئے اس آیت کے ترجمے پر ایک ہی تفسیری حاشیہ ہے' پورے صفحے پر پھیلا ہوا' (صفحہ ۱۶۵۔ مطبوعہ جماعت اسلامی ہند) ہم اس پورے حاشیہ کو یہاں نقل کئے دیتے ہیں تاکہ کسی کو گنجائش تاویل نہ رہے:

"۲۳۲ یہ بات ایک واقعہ سے متعلق ہے' رجب ۲ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ آدمیوں کا ایک دستہ "نخلہ" کی طرف بھیجا تھا (جو "مکے" اور "طائف" کے درمیان ایک مقام ہے) اور اس کو ہدایت فرمائی تھی کہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے آئندہ ارادوں کے متعلق معلومات حاصل کرے' جنگ کی کوئی اجازت آپ نے نہیں دی تھی' لیکن ان لوگوں کو راستے میں قریش کا ایک چھوٹا سا تجارتی قافلہ ملا اور اس پر انہوں نے حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا' اور باقی لوگوں کو ان کے مال سمیت گرفتار کر کے "مدینہ" لے آئے' یہ کارروائی ایسے وقت ہوئی جب کہ رجب ختم اور شعبان شروع

ہو رہا تھا' اور یہ امر مشتبہ تھا کہ آیا حملہ رجب (یعنی ماہِ حرام) ہی میں ہوا ہے یا نہیں لیکن قریش نے اور ان سے درپردہ ملے ہوئے یہودیوں اور منافقین مدینہ نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس واقعہ کو خوب شہرت دی اور سخت اعتراضات شروع کردئے کہ یہ لوگ چلے ہیں بڑے اللہ والے بن کر' اور حال یہ ہے کہ "ماہِ حرام" تک میں خونریزی سے نہیں چوکتے' انہی اعتراضات کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے' جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ "ماہِ حرام" میں لڑنا بڑی بری حرکت ہے' مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کے منہ کو تو زیب نہیں دیتا' جنھوں نے تیرہ برس مسلسل اپنے سینکڑوں بھائیوں پر صرف اس لئے ظلم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے' پھر ان کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ جلاوطن ہونے پر مجبور ہوگئے' پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان بھائیوں کے لئے "مسجدِ حرام" جانے کا راستہ بھی بند کردیا' حالانکہ "مسجدِ حرام" کسی کی مملوکہ جائیداد نہیں ہے' اور پچھلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت سے روکا گیا ہو' اب جن ظالموں کا نامہ اعمال ان کرتوتوں سے سیاہ ہے' ان کا کیا منہ ہے کہ ایک معمولی سی سرحدی جھڑپ پر اس قدر زور شور کے اعتراضات کریں' حالانکہ اس جھڑپ میں جو کچھ ہوا ہے وہ نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اسلامی جماعت کے چند آدمیوں سے ایک غیر ذمہ دارانہ فعل کا ارتکاب ہوگیا ہے' اس مقام پر یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ جب یہ دستہ قیدی اور مال غنیمت لے کر نبی ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپؐ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ میں
نے تم کو لڑنے کی اجازت تو نہیں دی تھی' نیز آپؐ نے ان
کے لائے ہوئے "مالِ غنیمت" میں سے "بیت المال" کا حصہ
لینے سے بھی انکار فرما دیا تھا' جو اس بات کی علامت تھی کہ ان
کی یہ لوٹ ناجائز ہے' عام مسلمانوں نے بھی اس فعل پر اپنے
ان آدمیوں کو سخت ملامت کی تھی اور "مدینے" میں کوئی ایسا
نہ تھا جس نے انہیں اس پر داد دی ہو" (تفہیم القرآن کا اقتباس
مکمل ہوا)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ پہلی ہی لائن میں رجب ۲ھ کا حوالہ موجود ہے'
کون باخبر نہیں جانتا کہ "غزوہ احد" تیسری ہجری میں ہوا ہے' لہٰذا ایسی کسی غلط
فہمی کا امکان نہ تھا کہ پڑھنے والے کو یہاں "غزوۂ احد" کا تصور آتا...... پھر جتنی
تفصیل سے سارا واقعہ لکھا گیا ہے اس میں کسی ناسمجھ سے ناسمجھ کے لئے بھی
التباس اور غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں' حد ہے کہ یہاں نہ حضرت سعدؓ کا ذکر ہے نہ
ان کی تیر افگنی کا' ہاں ضخیم تفاسیر میں یہ وضاحت ضرور ملتی ہے کہ ان آٹھ
آدمیوں میں حضرت سعدؓ بھی شامل تھے' مثلاً "روح المعانی" میں ان کا نام لیا گیا
ہے' لیکن یہ بھی وہیں تصریح ہے کہ جس آدمی (عمرو بن الحضرمی) کو قتل کیا گیا
اس کے قاتل واقدؓ بن عبداللہ التمیمی تھے (نہ کہ حضرت سعدؓ) اور باقی سب وہی
بیان کیا گیا ہے جو منقولہ بالا حاشیہ میں موجود ہے' ہم کہتے ہیں اگر اس موقعہ پر سعدؓ
ہی کے تیر نے ابن الحضرمی کو ہلاک کیا ہوتا اور مولانا مودودی کی تفسیر میں اس کا
ذکر بھی ہوتا' تب بھی کیا فرق پڑتا تھا' سوال تو یہ ہے کہ میاں صاحب نے جو
ہولناک الزام مولانا مودودی پر عائد کیا ہے' اس کا سر پیر کہاں ہے' ہم یہ تو نہیں
کہہ سکتے کہ حضرت شیخ الحدیث نعوذ باللہ شراب یا افیم وغیرہ سے شوق فرماتے ہیں'
نہ ان کے پاگل پن کی کوئی خبر ہمارے کانوں تک پہنچی ہے پھر آخر اس کے سوا کیا

سمجھیں کہ یا تو انہوں نے فحش قسم کی افترا پردازی کی ہے' یا پھر لکھتے لکھتے ان پر کسی قسم کا آسیبی دورہ پڑ گیا ہے جس نے ان کے ہوش و حواس بگاڑ دیئے ہیں اور "تفہیم القرآن" میں انہیں وہ بات نظر آئی ہے جس کی پرچھائیں تک وہاں موجود نہیں ہے جج صاحب! آپ ہی کوئی تاویل ایسی بیان فرمائیں جس سے اس عقدے کی گرہ کشائی ہو' یا پھر یہ فیصلہ دیں کہ ایسے "سفید قذف" کی سزا کیا ہے' "غزوۂ احد" کے واقعے اور مذکورہ واقعے میں تو کسی قسم کی مشابہت بھی نہیں ہے کہ میاں صاحب کی غلط فہمی کا جواز نکالا جا سکے' دہی پر دودھ کا دھوکا ہو سکتا ہے لیکن کیا دہی پر گلاب جامن یا کرسی پر ہاتھی کا دھوکہ بھی ہو سکتا ہے؟ پھر کیا توجیہ ہے اس شرارت کی کہ میاں صاحب نے مودودی پر ایک ایسا مہیب الزام لگایا جو انہیں دائرۂ اسلام ہی سے خارج کر دیتا ہے' غضب ہے جس تیر افگنی پر خدا کا رسول یوں کہے کہ اے سعد! تجھ پر میرے باپ ماں قربان! اس تیر افگنی کو مودودی مرضی رسولؐ کے خلاف قرار دے...... یہ تو کھلی شیطنت ہے' اگر ایک شخص محض دل سے گھڑ کر ایسا جرم مودودی کی طرف منسوب کرتا ہے' تو اس کا مقام آپ ہی بتایئے "مدرسہ امینیہ" ہونا چاہیئے یا امراض دماغی کا شفاخانہ؟

آج اسلامی عدالتیں نہیں ہیں' ورنہ یہ حرکت ایسی نہیں تھی کہ میاں صاحب اپنے آپ کو "حدِ قذف" سے بچا لے جاتے۔

کسی دستاویز میں صرف ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ پوری کی پوری ناقابلِ اعتبار ہو جاتی ہے' بھری دیگ سے محض ایک لقمہ چکھنے کے بعد اگر یہ معلوم ہو کہ اس میں نمک کڑوا ہے یا زہر کی آمیزش ہے تو باقی دیگ کے بارے میں آپ سے آپ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ وہ پھینک دینے کے لائق ہے' اس معروف قاعدے کے تحت ہمیں یہ کہنے کا حق تھا کہ میاں صاحب کی قابلیت اور ہوشمندی اور دیانت کے جو نمونے ہم نے پیش کئے' ان کے بعد ضرورت ہی نہیں کہ مابقی کتاب پر نقد کیا جائے' وہ تو آپ سے آپ ردی قرار پائی' مگر ہم ایسا نہیں کریں گے

کیونکہ اس سے بعض حضرات کو اس بدگمانی کا موقع ملے گا کہ کتاب کے کچھ نہ کچھ اعتراضات درست بھی ہوں گے' اور عامر عثمانی نے ان سے جان چھڑانے کے لئے یہ خوردہ گیری کی ہے' ایسی بدگمانی کا دروازہ بند کرنے کے لئے ہم میاں صاحب کے ہر ہر قابلِ ذکر اعتراض اور الزام کا بھرپور جائزہ لیں گے اور وہ علمی مواد پیش کریں گے جو میاں صاحب کی نظر سے یا تو کبھی گذرا نہیں' یا گذرا ہے تو طاق نسیاں میں پہنچ چکا ہے۔

محترم جج مولانا دریابادی سے بھی التماس ہے کہ وہ ہماری بحث کو نہ صرف اس لئے توجہ سے پڑھیں کہ انہیں فیصلہ دینا ہے بلکہ اس لئے بھی پڑھیں کہ ممکن ہے یہ بندہ ناچیز اللہ کی مدد اور توفیق سے علمائے سلف کے بعض ایسے ارشادات اور معارف علیہ پیش کر سکے' جن تک ممدوح کی نظر نہ پہنچی ہو' یا کبھی پہنچی ہو تو اب وہ مستحضر نہ رہے ہوں۔ واللہ المعین۔

ولید بن عقبہؓ :

کتاب کے ابتدائی چند صفحات میں میاں صاحب نے مودودی پر ردو قدح کرتے ہوئے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں کچھ گل افشانیاں کی ہیں' اور ایسے ایسے نوادرات ان کے قلم سے نکلے ہیں کہ چودہ سو سالوں کے کسی مستند عالم دین اور فقیہ اسلام کو ان کا تصور بھی نہ آیا ہو گا' ہم اس موضوع پر بہت شرح وبسط سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں' اس لئے اسے مؤخر کر کے ان اعتراضات کا جائزہ پہلے لے لیں جن سے میاں صاحب کے علم و فہم کا مکمل نقشہ اور دیانت و امانت کا سارا سرمایہ منظر عام پر آجائے۔

ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مودودی نے تو اپنے دل سے ایک نظریہ گھڑ کر تاریخی روایات اس کے مطابق ڈھونڈلی ہیں' اور میں نے یہ عمل کیا ہے کہ کتب تاریخ میں جو واقعات آئے ہیں انہیں بلا کم و کاست بیان کر دوں اور نتیجہ وہ اخذ

کروں جو خود یہ واقعات اپنی زبان سے بیان کریں۔ (صفحہ ۲۴)

اس دعوے کو خوب ذہن نشین کر لیجئے' اور اب آیئے ولید بن عقبہ سے بحث کا آغاز کریں۔

ولید بن عقبہ حضرت عثمانؓ کے اخیافی (ماں شریک) بھائی تھے۔ "فتح مکہ" کے بعد ایمان لائے' حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو جو اعتراضات تھے' ان میں یہ اعتراض بھی شامل تھا کہ انہوں نے ولید بن عقبہ جیسے شخص کو آگے بڑھایا' عزت دی' حضرت سعدؓ جیسے صحابی کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید کو "کوفے" کا گورنر بنایا وغیرہ۔

مولانا مودودی نے یہ واضح کرنے کے لئے کہ ولید جیسے حضرات کو آگے بڑھانے پر لوگ خفا کیوں تھے' درج ذیل عبارت لکھی ہے جسے ہم پورے کا پورا نقل کرتے ہیں (واضح رہے کہ ہم نے "خلافت و ملوکیت" کا پاکستانی نسخہ سامنے رکھا ہے' کیونکہ میاں صاحب نے بھی حوالے اسی سے دیئے ہیں)۔

"مثال کے طور پر ولید بن عقبہ کے معاملے کو لیجئے یہ صاحب بھی "فتح مکہ" کے بعد اسلام لانے والوں میں سے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کو "بنی المصطلق" کے صدقات وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا' مگر یہ اس قبیلے کے علاقے میں پہنچ کر کسی وجہ سے ڈر گئے' اور ان لوگوں سے ملے بغیر "مدینے" واپس جا کر انہوں نے یہ رپورٹ دے دی کہ "بنی المصطلق" نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا' اور مجھے مار ڈالنے پر تل گئے' رسول اللہ ﷺ اس پر غضب ناک ہوئے اور آپؐ نے ان کے خلاف ایک فوجی مہم روانہ کر دی' قریب تھا کہ ایک سخت حادثہ پیش آ جاتا' لیکن "بنی المصطلق" کے سرداروں کو بروقت علم ہو گیا' اور انہوں نے "مدینہ" حاضر

ہو کر عرض کیا کہ یہ صاحب تو ہمارے پاس آئے ہی نہیں' ہم تو منتظر ہی رہے کہ کوئی آکر ہم سے "زکوۃ" وصول کرے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یاایھا الذین آمنوا ان جآء کم فاسق بنباءٍ فتبیّنوا ان تصیبو ا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی مافعلتم ندمین (اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آکر کوئی خبر دے تو تحقیق کرلو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو' اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ)۔ (الحجرات۔۶)(۸) اس کے چند سال بعد حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے ان کو پھر خدمت کا موقع دیا اور حضرت عمرؓ کے آخر زمانے میں وہ "الجزیرہ" کے عرب علاقے پر جہاں "بنی تغلب" رہتے تھے' عامل مقرر کئے گئے۔(۹) ۲۵ھ میں اس چھوٹے سے منصب سے اٹھا کر حضرت عثمانؓ نے ان کو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی جگہ "کوفہ" جیسے بڑے اور اہم صوبے کا گورنر بنادیا' وہاں یہ راز فاش ہوا کہ یہ "شراب نوشی" کے عادی ہیں' حتیٰ کہ ایک روز انہوں نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھادی' اور پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا "اور پڑھاؤں ؟(۱۰)" اس واقعہ کی شکایات "مدینے" تک پہنچیں اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہونے لگا' آخر کار حضرت مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے حضرت عثمانؓ کے بھانجے عبیداللہ بن عدی بن خیار سے کہا کہ تم جاکر اپنے ماموں صاحب سے بات کرو اور انہیں بتاؤ کہ ان کے بھائی ولید بن عقبہ کے معاملے میں لوگ ان کے طرزِ عمل پر بہت اعتراض کررہے ہیں' انہوں نے جب اس معاملے کی طرف

> توجہ دلائی اور عرض کیا کہ ولید پر حد جاری کرنا آپ کے لئے ضروری ہے' تو حضرت عثمانؓ نے وعدہ فرمایا کہ ہم اس معاملے میں انشاء اللہ حق کے مطابق فیصلہ کریں گے' چنانچہ صحابہؓ کے مجمع عام میں ولید پر مقدمہ قائم کیا گیا' حضرت عثمانؓ کے اپنے آزاد کردہ غلام حمران نے گواہی دی کہ ولید نے شراب پی تھی' ایک دوسرے گواہ صعب بن جثامہ (یا جثامہ بن صعب) نے شہادت دی کہ ولید نے ان کے سامنے "شراب کی "قے" کی تھی' (ان کے علاوہ چار اور گواہ ابو زینب' ابو مورع' جندب بن زہیر الازدی اور سعد بن مالک الاشعری بھی ابن حجر کے بیان کے مطابق پیش ہوئے تھے' اور انہوں نے بھی جرم کی تصدیق کی تھی) تب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ولید پر حد قائم کریں' حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفر کو اس کام پر مامور کیا اور انہوں نے ولید کو چالیس کوڑے لگائے۔ (۱۱)"

یہ ہے وہ مکمل تحریر جو ولید بن عقبہ کے سلسلے میں لکھی گئی ہے' اب میاں صاحب کی تعریضات ملاحظہ ہوں' وہ فرماتے ہیں :

> "مودودی صاحب نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں زور قلم صرف کیا ہے۔" ص ۳۵

"زور قلم صرف کرنا" اس موقعہ پر بولا جاتا ہے جب مغز اور مواد تو کم ہو لفاظی اور حاشیہ آرائی زیادہ' گویا میاں صاحب دعویٰ یہ کر رہے ہیں کہ ولید کے سلسلے میں جو کچھ مودودی نے لکھا ہے اس میں واقعیت تو برائے نام ہے بس خامہ فرسائی' چرب زبانی اور منہ زوری سے عبارت کو طول دیا گیا ہے۔

اس کے بعد وہ ولید کی مدح کرتے ہوئے یہ مبالغہ آمیز دعویٰ فرماتے ہیں :

"آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے ان کو خدمات اسلام کے
لئے خاص طور پر منتخب فرمالیا تھا۔" ص: (۳۵)

اس دعوے کو مبالغہ آمیز ہم نے اس لئے کہا ہے کہ یہ صورت واقعہ کو

شریک کرنا چاہا ہے' جس کا جی چاہے "طبری" کا محولہ مقام کھول کر دیکھ لے۔

اب نفسِ استدلال کا تجزیہ کیجئے۔

حضرت سعدؓ کون ہیں ؟...... ان دس صحابہ میں سے ایک جنہیں اللہ کے سچے رسولؐ نے جنت کی بشارت دی' ان بدریینؓ میں سے ایک جنہیں قرآن نے "السابقون الاولون" کا لقب عطا فرمایا' ان مجاہدین "احد" میں سے ایک جن کی رفعت و جلالت قرآن و حدیث سے ثابت' اور اس امتیازِ خاص میں تو ان کا کوئی سہیم و شریک ہی نہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے ان سے کہا تھا اے سعد تیر چلائے جا تجھ پر میرے باپ ماں قربان !...... اور یہ فخر بھی انہیں حاصل ہے کہ ایک بار اللہ کے رسولؐ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا' یہ ہمارے ماموں ہیں' کوئی اپنا ایسا ماموں دکھائے تو ہم جانیں (بروایت حضرت جابرؓ۔ اسد الغابہ) حالانکہ وہ حضورؐ کے حقیقی ماموں نہیں تھے مگر صورت یہ تھی کہ حضورؐ کی والدہ ماجدہ کا تعلق "قبیلۂ زہرہ" سے تھا اور سعد بھی اسی قبیلے سے متعلق تھے' حضورؐ کی والدہ ان کی چچازاد بہن لگتی تھیں' بس اس رعایت سے حضورؐ نے انہیں اپنا ماموں کہا اور فخر و انبساط کے سیاق میں کہا۔

اب یہ بھی دیکھئے کہ وہ "قادسیہ" کے محاذ پر سالار کیسے بنتے ہیں' حالات خطرناک ہیں' عام لوگ حضرت عمرؓ سے کہہ رہے ہیں کہ اب تو آپ ہی کی سالاری میں مہم سر ہو سکے گی' لیکن بڑے بڑے صحابہؓ اس سے متفق نہیں' انہیں اندیشہ ہے کہ اگر اس معرکے میں شکست ہو گئی تو ' اسلام ہی کا خاتمہ ہے ' (بلاذری) مشکل یہ ہے حضرت خالدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ "شام" کے معرکوں میں گھرے ہوئے ہیں' درخواست حضرت علیؓ سے کی جاتی ہے مگر وہ بھی قبول نہیں کرتے' اتنے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اٹھتے ہیں (جو خود بھی "عشرہ مبشرہ" میں ہیں) اور حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کا نام پیش کر دیتے ہیں' یہ نام سامنے آنا تھا کہ جملہ حاضرین نے تائید کی اور حضرت عمرؓ نے منظور فرما لیا۔

اب دوسری طرف ولید کا معاملہ لیجئے :

وہ نہ مہاجر ہیں نہ انصاری، "مکہ" فتح ہو گیا اور سرزمینِ "حجاز" میں کفر و شرک کے لئے عزت و اقتدار کے تمام امکانات کا دروازہ بند ہو گیا، تو اس وقت جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، انہی میں ولید بن عقبہ بھی ہیں، پھر دورِ عثمانی کے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے بنی مصطلق کے بارے میں اللہ کے رسولؐ سے غلط بیانی کی تھی اور اللہ نے اس پر انہیں فاسق قرار دیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حربی اور انتظامی دائروں میں ان کی کچھ خدمات بھی تھیں، ان خدمات کو کوئی کتنا ہی سجا بنا کر پیش کرے، لیکن اہلِ نظر جانتے ہیں کہ "خلافتِ راشدہ" کا دور وہ دور تھا جب بنیادی حیثیت دین و اخلاق کو حاصل تھی، نہ کہ دنیاوی کارناموں کو، سنجیدہ اور ذمہ دار لوگ ایمان و اسلام کی خصوصیات کو اولین اہمیت دیتے تھے، نہ کہ ان کارناموں کو جو ایک غیر مسلم سے بھی صادر ہو سکتے ہیں، اسی لئے ولید بن عقبہ کی خدمات ان کے قلوب و اذہان سے ولید کی اس تصویر کو نہیں مٹا سکتی تھیں، جو دین و اخلاق کے زاویوں نے بنائی تھی، شاید اسی لئے حضرت عمرؓ نے ولید کو ایک نصرانی قبیلے (بنی تغلب) کا تحصیلدار بنانا تو گوارا کیا، لیکن گورنر جیسا کوئی عہدہ دینا پسند نہ فرمایا۔

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ماں جائے (اخیافی بھائی) تھے، اور یہ بھی نہ بھولئے کہ انہیں گورنر حضرت سعدؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو معزول کر کے بنایا گیا تھا، اور یہ بھی ملحوظ رکھیئے کہ انہیں گورنر بنانا حضرت عثمانؓ کی صرف اپنی صوابدید تک محدود تھا، جب کہ سعدؓ کی سالاری صحابہؓ کی فرمائش اور خواہش کے نتیجے میں قبول کی گئی تھی...... "بہ بین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔"

اب طلبائے عزیز اور محترم جج اور جملہ انصاف پسند خود فیصلہ فرمائیں کہ ان دونوں شخصیتوں اور دونوں قصوں کو باہم نظیر بنانا دھاندلی اور کج بحثی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ بحث حضرت عثمانؓ کے گناہ و ثواب کی

نہیں ہے بلکہ مودودی صاحب صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ جیسے حضرات کو معزول کر کے ولید جیسے لوگوں کو اونچے عہدے دینے کا اثر عوام کی نفسیات اور خیالات پر کیا پڑا' حضرت عثمانؓ کا یہ عزل و نصب شرعاً اپنی جگہ اعتراض سے بالاتر...... اس کا نہ صرف اعتراف بلکہ اس پر اصرار مولانا مودودی نے بار بار کیا ہے (جس کا جی چاہے "خلافت و ملوکیت" دیکھ لے) لیکن شرعاً کسی فعل کا مباح ہونا یہ معنی تو نہیں رکھتا کہ اس کے طبعی اور منطقی اثرات و ثمرات کا بھی دروازہ بند ہو جائے۔

ایک خاص بات اور دیکھ لینی چاہئے' حضرت عثمانؓ نے حضرت سعدؓ کو جس وجہ سے معزول کیا تھا' وہ وجہ ایسی نہ تھی کہ عوام بلا تکلف اسے ایک مناسب اور برحق وجہ تصور کر لیتے (تفصیل آگے آرہی ہے) خود میاں صاحب نے اس بنیاد کو جس کے پیش نظر معزولی ہوئی ایک "تاریخی معمہ" قرار دیا ہے' (شواہد تقدس ص ۳۳ ۱ر سطر ۲۰) جب صورتِ حال یوں ہو تو اور زیادہ قرینہ اس بات کا پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں نے سعدؓ کی معزولی اور ولید کی تقرری کو حضرت عثمانؓ کے جذبۂ اقرباء پروری کا شاخسانہ سمجھا' اور کوئی پسندیدہ توجیہ ان کی سمجھ میں ولیدؓ اور عبداللہؓ بن سعد جیسے حضرات کے والی بنائے جانے کی نہ آئی۔

خلاصۂ بحث :

ہم نے طے کیا ہے کہ سیدنا حضرت عثمانؓ کے بارے میں مبسوط بحث کرنے سے قبل ان دیگر شخصیات کی بحث ختم کر لیں گے' جن کے تعلق سے میاں صاحب نے مودودی صاحب کو ہدفِ طعن بنایا ہے' الحمدللہ ولید بن عقبہ کی بحث پوری ہوئی' اب اس بحث کو سمیٹ کر حاصل بحث کو مستحضر کر لیا جائے تو اچھا ہے۔

ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ ولید بن عقبہ کے بارے میں مولانا مودودی نے

جو کچھ لکھا وہ ٹھیک وہی ہے جو بڑے بڑے اساطین اور علماء و مشائخ لکھتے آرہے ہیں اور "زورِ قلم" کا جو طعنہ میاں صاحب نے دیا تھا وہ سراسر افتراء ہے' دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ میاں صاحب نے ولید کی توصیف میں غلو کا کمال اس حد تک دکھایا کہ سارے ہی مفسرین و محدثین کو جھٹلا دیا' انہوں نے تعصب اور طباعی کا جوڑ ملا کر ایک "آدم زاد" کو جنم دیا جو ولید کو بہکاتا ہے اور یاایھا الذین آمنوا ان جاء کم فاسق" کا ردئے خطاب بجائے حضورؐ اور ان کے اصحاب کے ولید کی سمت موڑ دیا حالانکہ تیرہ سو سالوں کے کسی مفسر نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنے سے اس شخص کی تکریم ہوتی ہے جسے اللہ "فاسق" کہہ کر مطعون کر رہا ہے۔

تیسری بات یہ کہ وہ تولنے کے دو باٹ رکھتے ہیں' مودودی صاحب جب کوئی روایت "طبری" سے بیان کریں تو وہ اس دلیل سے ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے کہ کتب تاریخ میں تو غلط سلط روایات بھری پڑی ہیں...... خواہ "طبری" کے علاوہ مودودی نے اور متعدد حوالے دیئے ہوں' لیکن جب میاں صاحب اسی "طبری" سے کوئی روایت اٹھاتے ہیں تو چاہے کوئی اور مؤرخ اور محدث اس کی تائید نہ کر رہا ہو' لیکن وہ امرِ واقعہ اور شک سے بالاتر بن جاتی ہے اور اس کی کوئی احتیاج باقی نہیں رہتی کہ موصوف اس کی ثقاہت پر دلیل پیش کریں۔

چوتھی بات یہ کہ علمائے سلف اور محققین و محدثین کا کوئی احترام میاں صاحب کے قلب میں نہیں' انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ مودودی کو جھٹلاتے ہوئے میں نے کن کن بزرگوں کو جھٹلا دیا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ وہ تعصب کا اس بری طرح شکار ہیں کہ خود اپنی ہی گل افشانیوں کے مضمرات' عواقب اور منطقی نتائج کا ادراک نہیں کر پاتے' چنانچہ آپ نے دیکھ ہی لیا کہ ولید کے مقدمے میں گواہوں کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا فیصلہ دے کر انہوں نے خود کو حضرت عثمانؓ و علیؓ سے زیادہ دور اندیش' ژرف نگاہ' معاملہ فہم اور زیرک باور کرانا چاہا اور یہ اندازہ نہیں کر سکے کہ یہ کتنی بڑی اہانت ہے'

جو انہوں نے ان دونوں صحابہؓ کی اور ضمناً دوسرے صحابہؓ کی کی ہے' آخر کیا عثمانؓ و علیؓ کو حضور کی یہ بنیادی ہدایت معلوم نہیں تھی کہ حدود کو شبہات کے ذریعے دفع کرو' کیا وہ گواہوں کے قابلِ اطمینان نہ ہوتے ہوئے بھی اتنی بے تکلفی سے حد جاری کر سکتے تھے' حالانکہ شبہ کی موجودگی میں حد کا اجراء "گناہ کبیرہ" ہے۔

اور بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی' انشاء اللہ آگے آپ دیکھیں گے کہ علم و استدلال کی تابڑ توڑ غلطیوں کے علاوہ انہوں نے ازراہِ نادانی مزید توہین بھی صحابہؓ کی کی ہے' حالانکہ ابتدائے کتاب میں مودودی کی ضد پر صحابہؓ کے بارے میں وہ ایک ایسا تصور پیش فرما آئے ہیں جو تجزیہ و تحلیل کے بعد انبیاء علیہم السلام تک پر فٹ نہیں ہوتا چہ جائے کہ صحابہؓ پر' اس پر ہم سیر حاصل بحث کا ارادہ رکھتے ہیں۔ واللہ الموفق و ہو المستعان۔

بے سروپا اور بچکانہ باتیں:

ورق ورق پر میاں صاحب کس قسم کی مزیدار باتیں کرتے گئے ہیں کہیں کہیں اس پر بھی نظر ڈالتے چلیں گے تاکہ قارئین کو تھوڑی سی تفریح بھی حاصل ہوتی رہے' اب مثلاً ولید ہی کی بحث میں سنئے' وہ صفحہ ۷۴ پر فرماتے ہیں:

> "مودودی صاحب جہاں چاہتے ہیں جملہ مؤرخین کا لفظ تحریر فرما کر مرعوب فرماتے ہیں' لیکن ان کی دیانت داری نے اجازت نہیں دی وہ جملہ مؤرخین کے اس بیان کو بھی تحریر فرما دیتے کہ ولید "کوفہ" کے گورنر ہوئے' تو وہی کوفہ والے جنہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف طوفان کھڑا کیا تھا ولید کے ایسے گرویدہ تھے کہ ولید کو اپنے تحفظ کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ پھاٹک پر کوئی دربان ہی مقرر کر دیں اور جب ان کو معزول کیا

گیا تو "کوفہ" کی باندیاں تک غمگین تھیں، لڑکیاں ماتمی لباس
پہن کر اشعار پڑھتی تھیں۔"

دیکھ رہے ہیں آپ؟ مودودی اگر اپنی روایات کے بارے میں یہ دکھلاتے چلے گئے ہیں کہ میں نے گری پڑی یا مردود و موضوع روایات نہیں لی ہیں، بلکہ ان ثقہ روایات پر بھروسہ کیا ہے جن پر تمام مؤرخین اور اہلِ علم بھروسہ کرتے ہیں، تو میاں صاحب اس پر رعب ڈالنے کا طنز فرماتے ہیں، اسی کے لئے شاعر نے کہا ہے ۔

هنر بچشم حسوداں بزرگ ترعیبست

خیر طنز سر آنکھوں پر! سوال یہ ہے کہ کیا مودودی صاحب ولید کی سوانح حیات لکھ رہے تھے، جو اس اعتراض کا کوئی موقع ہو کہ انہوں نے ولید کی فلاں بات تو لکھ دی اور فلاں نہیں لکھی، اور کیا میاں صاحب مودودی کو بھی اپنا جیسا فضول نگار گمان کرتے ہیں کہ بے محل طول نگاری کرتے چلے جائیں، خلافت و ملوکیت میں جہاں ولید کا ذکر آیا ہے وہاں اس کی بحث ہی نہیں کہ "گورنری کے بعد ولید کا کیا کردار رہا، لوگ اس کے گرویدہ ہوئے یا اس سے کبیدہ، اس نے اچھی خدمات انجام دیں یا بری" وہاں صرف یہ بتایا جارہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص جیسے صحابیؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ جس شخص کو دی، وہ ان کا ماں شریک بھائی تھا، اور وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے بارے میں سب لوگ جانتے تھے کہ اسے قرآن نے فاسق کہا ہے "گویا دین و تقویٰ کے رُخ پر اس کا کوئی مقام نہ تھا، پھر جب ثبوت جرم کے بعد اسے بادہ نوشی کی سزا دے کر معزول کیا گیا، تو لوگوں کے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بولنے والا اور "فتح مکہ" کے بعد اسلام قبول کرنے والا یہ آدمی وہ خصوصیات بہر حال نہیں رکھتا جو صحابیت کی شان کے مطابق اور جاہلیت کے اثرات و میلانات سے پاک ہوں۔

کوئی بتائے اس موقع پر مودودی صاحب کے لئے اس تفصیل میں جانے کا کیا موقع تھا کہ دورانِ گورنری میں اہلِ "کوفہ" ولید سے خوش رہے یا ناراض،

خوش رہے ہوں جب اور ناراض رہے ہوں جب' اس فرق سے آخر ان حقائق میں کیا فرق واقع ہوتا ہے جو اس موقع پر مودودی صاحب کا موضوعِ کلام ہیں' وہ یہ دعویٰ لے کر نہیں چلے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ عمال نالائق تھے' اگر یہ دعویٰ لے کر چلتے تو بے شک ان روایات کو نظر انداز کرنا بد دیانتی کہلاتا' جن سے ان عمال کی لیاقت ظاہر ہوتی ہو' مگر ان کا یہ دعویٰ ہے ہی نہیں' وہ تو اس کے برعکس خود یہ کہتے ہیں کہ :

"اپنے خاندان کے جن لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے یہ مناصب دیے انہوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا۔"

ان کے اس اعتراف کو میاں صاحب نے اسی جگہ نقل بھی کیا ہے' اس کا صاف مطلب ہے کہ ولید یا کسی بھی عثمانی عامل کی قرار واقعی صلاحیتوں کا انکار وہ ہرگز نہیں کرتے بلکہ ان کا دعویٰ اور محورِ گفتگو تو فقط یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عزیزوں کو مناصب دینے میں فیاضی برتی' پھر کیا موقع تھا کہ وہ اس تفصیل میں جاتے جس کا حوالہ دے کر میاں صاحب بد دیانتی کا الزام لگا رہے ہیں۔

یہ تو الزام آرائی کا جواب ہوا' اب یہ بھی دیکھئے کہ میاں صاحب جس بات کو "جملہ مؤرخین کا بیان" فرما رہے ہیں وہ بجائے خود کس حد تک درست ہے۔ "کوفے" میں ولید کی گورنری کا عرصہ پانچ سال سے زیادہ نہیں' اگر "کوفے" کے سیاسی و معاشی حالات کو تاریخوں سے یکجا کیا جائے' تو معلوم ہوگا کہ خواص اور دیندار حضرات کا ایک بڑا حلقہ پہلے ہی دن سے ولید کی تقرری کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا' پھر رفتہ رفتہ یہ حلقہ وسیع تر ہوتا گیا' یہاں تک کہ اکثر اشراف اور تمام یمنی (جو "کوفے" کی آبادی میں اکثریت رکھتے تھے) اور اکثر مضری (جو اگرچہ تھوڑے تھے مگر تھے) مخالفین کی صفوں میں شامل ہوتے گئے' ہم ان حقائق کے لئے حوالوں کے ڈھیر لگا سکتے ہیں لیکن طول سے بچنے کے لئے صرف یہ

دکھانے پر اکتفاء کریں گے کہ خود میاں صاحب کی اپنی تصریحات سے یہ حقائق کتنے واضح ہو گئے ہیں، جس صفحے سے ہم نے اوپر کی عبارت نقل کی' اس سے چند ہی صفحات قبل میاں صاحب نے محض یہ باور کرانے کے لئے کہ ولید کو سزا غلط دی گئی' شراب نوشی کے گواہ جھوٹے تھے' یہ رقم فرمایا ہے کہ ولید کے خلاف :

> "پروپیگنڈے کا وہ عالم تھا کہ نہ صرف "کوفہ" بلکہ "مدینے" کی فضا بھی ان کے پروپیگنڈے سے گونج اٹھی' اور یہ عام سوال پیدا کر دیا گیا کہ آخر ولید کو سزا کیوں نہیں دی جاتی۔" (شواہد تقدس ص ۴۲)

اب اگر ہم میاں صاحب کو عالم الغیب مان کر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ پروپیگنڈہ سو فیصدی جھوٹا تھا' اور اس کی پشت پر ولید کے کچھ حقیقی عیوب نہیں پائے جاتے تھے' تب بھی یہ حقیقت تو بہر حال مصرح ہو کر رہی کہ میاں صاحب نے چند صفحے بعد جو نقشہ ولید کی بے پناہ مقبولیت کا کھینچا ہے وہ محض افسانہ ہے' اس میں ایسا غلو ہے جس کی واضح تردید خود میاں صاحب کی یہ سطور کر رہی ہیں' اگر ایک حاکم کے بارے میں یہ سوال جملہ عوام کی زبانوں پر آجائے کہ اسے سزا کیوں نہیں دی جاتی' تو کیا عین اسی کا نام نامقبولیت نہیں ہے؟...... کیا پھر بھی اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ لوگ اس کے گرویدہ ہیں' اور دیکھئے اسی جگہ میاں صاحب 'بخاری' کی یہ روایت بھی پیش فرماتے ہیں :

> "عبید اللہ بن عدی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مسور بنؓ مخرمہ اور عبدالرحمانؓ بن الاسود بن عبدیغوث نے مجھ سے فرمایا۔ حضرت عثمانؓ تمہارے ماموں ہیں تمہیں کیا رکاوٹ ہے' تم ان سے ان کے بھائی ولید کے بارے میں بات کیوں نہیں کرتے' حضرت عثمانؓ جو ان کے معاملے میں ڈھیل دے رہے ہیں اس سے لوگوں میں بہت چہ میگوئیاں ہو رہی

ہیں اور بہت کچھ کہا جارہا ہے۔" (ص ۴۲)

کیا مطلب ہوا اس کا؟ یہی نا کہ ولید کی بد عنوانیوں اور نامناسب حرکتوں سے بیزاری عام ہو گئی ہے' حتیٰ کہ دو صحابی حضرت عثمانؓ کے بھانجے عبیداللہؓ سے فرمائش کرتے ہیں کہ اپنے ماموں کی توجہ اس مسئلے کی طرف مبذول کراؤ' ان سے کہو کہ سب ولید سے بد ظن ہیں' اور چاہتے ہیں کہ اسے یہاں سے ہٹا دیا جائے' یا کم سے کم اس کی اصلاح کی جائے۔

اے اہلِ انصاف! انصاف کیجئے کیا کوئی ایسا شخص جسے مسائل و معاملات کا کچھ بھی فہم و شعور ہو یہ روایات اپنے ہی قلم سے نقل کرنے کے بعد اگلے سانس میں یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ولید ایسے گورنر تھے جس پر تمام کوفہ جان چھڑکتا تھا۔

بے شک باندیوں اور لڑکیوں کی بات میاں صاحب نے ٹھیک کہی..... مگر یہ ولید کی تعریف ہے یا تنقیص؟ اگر تعریف ہے تو پھر مان لیجئے کہ وہ تو اس معاملے میں چاروں خلفاء راشدین سے بھی بازی لے گیا' تاریخوں میں آپ کہیں نہیں پائیں گے کہ چاروں خلفاء میں سے کسی بھی خلیفہ کی وفات پر باندیوں اور لڑکیوں نے خصوصی ماتم کیا ہو۔

افسوس ہے کہ میاں صاحب نے "باندیوں اور لڑکیوں" کا خصوصی ذکر ایک ایسے شخص کے پیش منظر میں کیا' جسے بادہ خواری کی سزا دی گئی' ہم ایک صحابی کے بارے میں ایسی کوئی بد ظنی نہیں کر سکتے' جس کا ثبوت تاریخ میں موجود نہ ہو' لیکن ہمارے جنس زدہ سماج کے وہ عوام جو میاں صاحب کی کتاب پڑھیں گے' کیا اس خصوصی ذکر سے "شراب اور عورت" کے معروف تعلق کا گندہ تصور اپنے ذہنوں میں نہ لائیں گے' انہیں کیا معلوم پس منظر کیا تھا' کیوں "کوفے" کی لونڈیاں ولید کے عزل پر ماتم کناں تھیں' عقلِ سلیم خدا نے دی ہوتی تو میاں صاحب یہ تذکرہ ہی نہ چھیڑتے اور چھیڑا تھا تو اسے مجمل نہ چھوڑتے' ہم بتاتے ہیں کہ لونڈی غلاموں کو خصوصی رنج ولید کی معزولی پر کیوں ہوا تھا' ولید

چاہتے تھے کہ عام مخالفت اور بیزاری کا توڑ ان لونڈی غلاموں کے ذریعے کریں' جن کی یہاں کثرت تھی' ان کے لئے انہوں نے ماہانہ وظیفے مقرر کئے اور "مالِ غنیمت" سے بھی انہیں نوازا' تاکہ ضرورت پڑے تو اشراف کے مقابلے میں انہیں ستعمال کریں' یہ ایک سیاسی طریقِ کار تھا' ڈپلومیسی تھی' آپ چاہیں اسے خلوص یا انسانی ہمدردی پر مبنی قرار دے لیں (ص : ۶۰-۶۱) مگر اس کا یہ نتیجہ بہر حال ہوا کہ اشراف اور زیادہ بگڑ گئے' بھلا کون یہ گوارا کرے گا کہ اس کے غلاموں اور لونڈیوں کو مال کے ذریعہ بد دماغ بنایا جائے اور خرمن ہی میں ایسی بجلیوں کی پرورش کی جائے' جو کسی بھی وقت خرمن کو پھونک کر رکھ دیں' ظاہر ہے کہ جس مخصوص طبقے کو ایک حاکم سے مالی منفعت پہنچ رہی ہو گی' وہ لازماً اس کے عزل پر ملول ہو گا' چنانچہ تاریخ میں لونڈیوں کے مرثیے محفوظ ہیں جن میں سے دو شعر بطور تفریح آپ بھی سن لیں۔

یاویلتا قد عزل الولید وجاء نا مجوعًا سعید

ینقص فی الصاع ولا یزید فجوع الاماء والعبید

(سخت افسوس ہے کہ ولید معزول کر دیا گیا' اور اس کی جگہ وہ بھوکا رکھنے والا سعید آیا جو ناپ تول میں اضافے کے بجائے کمی کر دیتا ہے' پس لونڈی غلام خالی پیٹ ہیں)۔

اچھا میاں صاحب کی خاطر چند منٹ کے لئے مان ہی لیجئے کہ ولید "کوفے" کا ہر دلعزیز گورنر تھا مگر جب آپ تاریخ کا مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دورِ ولید کے "کوفے" میں کثرت اب ان لوگوں کی نہیں ہے جو دینی اصول و اقدار کے غیر معمولی حامی اور اسلامی طریقِ عدل کے مشتاق ہوں' جن کی نظر میں دنیا مؤخر ہو اور آخرت مقدم' جو حاکموں کی ہر دوسری صلاحیت سے زیادہ ان کے دین و اخلاق اور پرہیزگاری پر نظر رکھتے ہوں' بلکہ ایسے لوگوں کی ہے جن کی قدریں اور معیار تبدیلی کی طرف مائل ہیں' جنہیں دنیا اور اس کے عیش و آرام

سے وافر محبت ہے' جو معاملات کو تقویٰ اور شریعت کے محتاط زاویوں سے دیکھنے کے بجائے' دنیاوی مفادات اور مادی اغراض کے زاویوں سے دیکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں' اگر ایسے ''کوفے'' میں کسی حاکم کو ہر دلعزیزی اور گردیدگی حاصل ہو بھی تو یہ اسے عادل' پرہیزگار' صاحبِ کردار اور مردِ مومن ثابت نہیں کرتی' بلکہ الٹا یہ تاثر دیتی ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے' یہاں ہر دلعزیزی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ڈھیل ڈالدی گئی ہے' ان بندشوں کے حلقے کشادہ کر دیئے گئے ہیں' جنہیں حضرت عمرؓ نے اس لئے عائد کیا تھا کہ فتوحات اور دولت اور عجمی تہذیب و تمدن کے اثرات خدا پرستوں کو خدا فراموش نہ بنادیں اور جاہلیت پھر سے ان کے اندر اپنا حلقہ نہ بنالے' ظاہر ہے کہ ایرانی نو مسلم اور لونڈی غلام اس سے تو خوش نہ ہو سکتے تھے کہ قدم قدم پر ان سے نئے دین کی پابندی اور اسلامی آداب و اخلاق اور شرعی معیارِ عفت و حیا کے مطالبات کئے جائیں' بلکہ وہ تو یقیناً اسی میں خوش رہ سکتے تھے کہ انہیں اپنی جاہلی عادتوں اور پسند و ناپسند کے قدیمی معیاروں کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیا جائے اور انعام و اکرام سے ان کی تواضع کی جائے۔

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص :

ولید بن عقبہ کے فوراً بعد حضرت سعدؓ جیسے صحابی جلیل کو موضوعِ گفتگو بنانا اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہی ہیں جنہیں معزول کر کے ولید کو گورنر بنایا گیا ہے' دیکھنا یہ ضروری ہے کہ عزل و نصب کا یہ واقعہ کیوں اور کیسے پیش آیا لیکن اس سے قبل ''شواہد تقدس'' میں سے ایک ایسا نمونہ آپ دیکھتے چلیں جس سے مولانا محمد میاں صاحب کی یہ پوزیشن آپ پر واضح ہو جائے کہ ذائقہ تو خود ان کے منہ کا اندرونی بخار نے بگاڑ رکھا ہے' مگر وہ خفا ہو رہے ہیں کھانا پکانے والے پر کہ تو نے سالن بد مزا بنایا۔ ''شواہد تقدس'' کے صفحہ ۱۱۵ پر وہ لکھتے ہیں :

"مودودی صاحب کا یہ فقرہ کتنا مغالطہ انگیز اور تلبیس آمیز بلکہ توہین آمیز ہے......"

کونسا فقرہ ؟ ...... یہ کہ :

"حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو معزول کر کے انہوں نے "کوفے" کی گورنری پر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر فرمایا اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک عزیز سعیدؓ بن عاص کو دے دیا۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۷)

اسے کہتے ہیں کیڑے ڈالنا اور بے پر کا کبوتر بنانا۔

جن واقعات کا اس فقرے میں ذکر ہے ان میں سے کونسا واقعہ ہے جو مسلمات میں داخل نہ ہو' یا خود میاں صاحب اس سے منکر ہوں (۱) حضرت سعدؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول کیا (۲) ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر فرمایا (۳) ولید بن عقبہ حضرت عثمانؓ کے ماں شریک بھائی تھے (۴) انہیں ہٹایا تو ان کی جگہ سعیدؓ بن عاص کو مقرر کیا (۵) سعیدؓ بن عاص حضرت عثمان کے عزیز تھے۔

قارئین بتائیں کیا ان پانچ اجزاء کے سوا بھی مولانا مودودی کے فقرے میں کوئی بات کہی گئی ہے' کوئی طعن کوئی گالی کوئی عبارت آرائی ؟

اور یہ پانچوں اجزا نا قابل انکار ہیں' صرف پانچویں جز کے بارے میں میاں صاحب نے آگے ذرا سی نکوچ نکالی ہے' مگر انکار پھر بھی نہیں کر سکے ہیں' تب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس فقرے کے بارے میں اتنے شدومد سے تین تین الزامات بڑے بڑے لہجے میں صادر کرنا اگر مزاج کا بگاڑ اور دماغ کا عدمِ توازن نہیں تو پھر کیا ہے ؟ اللہ اکبر ! مغالطہ آمیز' تلبیس آمیز بلکہ توہین آمیز !......

جو نکوچ نکالی ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیجئے...... صفحہ ۱۲۸ پر فرماتے ہیں :

"حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمانؓ کا اتنا تعلق ضرور تھا کہ وہ آپ کے ہم جد تھے' مگر سعید بن العاص کو

پروان چڑھانے والے سیدنا عمر بن الخطاب تھے۔"

تو کیا مودودی نے انہیں عثمانؓ کا سگا بھائی یا بھتیجا یا بھانجا بتادیا تھا؟...... کیا "ہم جد" ہونے اور "عزیز" ہونے میں کوئی تناقض ہے جو یہ کج کاوی جا رہی ہے۔ "خلافت و ملوکیت" پڑھ کر جس کا جی چاہے دیکھ لے' مودودی صاحب یہ تذکرہ فرمارہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا کثرت سے اپنے اہل خاندان کو عہدے دینا اضطراب کا باعث بن گیا تھا' اس موضوع پر مفصل گفتگو تو ہم "حضرت عثمانؓ" کے عنوان سے کریں گے' یہاں اتنا ہی سمجھ لیجئے کہ حضرت سعیدؓ اموی تھے قریشی تھے اور مزید یہ کہ خلیفہ ہونے سے پہلے حضرت عثمانؓ ہی نے انہیں پالا تھا' میاں صاحب نے یہ جو فرمایا کہ انہیں پروان چڑھانے والے حضرت عمرؓ تھے' اسے کہتے ہیں مغالطہ انگیزی' اس کا مطلب ایک عام قاری یہی تو لے سکتا ہے کہ بچپن میں ان کی پرورش حضرت عمرؓ نے کی تھی' خیر سے میاں صاحب نے صفحہ ۵۸ پر بھی "طبری" کے حوالے سے یہ فرمایا ہے کہ "ان کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پروان چڑھایا تھا"...... مگر ہم بتائیں کہ جو کچھ "طبری" نے کہا وہ یا تو اسے سمجھے نہیں ہیں یا قصداً مغالطہ دے رہے ہیں' واقعہ صحیح یوں ہے کہ انہیں حضرت عثمان ہی نے اپنے خلیفہ ہونے سے قبل پالا پوسا تھا' پھر وہ "شام" حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے تھے' یہ تو بعد کی بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب قریشیوں کی تلاش کی' تو ان کے بارے میں پتہ چلا کہ "شام" میں ہیں' مریض ہیں' انہوں نے معاویہؓ کو لکھا کہ انہیں میرے پاس بھیج دو' وہ "مدینے" پہنچتے ہی صحت مند ہو گئے' اس کے بعد بے شک حضرت عمرؓ نے انہیں اپنے ساتھ رکھا' شفقت کی' پھر ان کی شادی بھی کرادی' مگر جس طرح دونوں جگہ میاں صاحب نے عبارت آرائی فرمائی ہے کیا اس میں یہ چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی کہ بچپن میں سعیدؓ کو عثمانؓ ہی نے پالا تھا۔

اور چلیئے اسے چھوڑیئے' ہم کہتے ہیں حضرت عمر کا انہیں پالنا' کیا ان کی اس

عزیزداری کو ختم کر دیتا ہے جو حضرت عثمانؓ سے ان کی تھی؟ کیا یہ پرورش انہیں خاندانِ عمرؓ میں شامل کر گئی اور لوگ بھول گئے کہ وہ "بنو امیہ" میں سے ہیں؟ عثمان کے ددھیالی عزیز ہیں' آگے اپنے موقع پر ہم بتائیں گے کہ حضرت عمرؓ نے جو تنبیہ کی تھی' وہ یہی تھی کہ اے علیؓ' اے عثمانؓ' اے سعیدؓ بن ابی وقاص تم میں سے جو بھی خلیفہ' بنے خبردار اپنے خاندان اور قبیلے کے لوگوں کو عوام کے سروں پر مسلط نہ کر دینا' یہ تنبیہ جہاں حضرت عثمانؓ کے "ماں جائے ولید" کو محیط ہے' وہیں ان کے ہم جد' ہم قبیلہ' ہم خاندان سعیدؓ کو بھی محیط ہے' میاں صاحب نے کسی نئے اور سیکھتر وکیل کی طرح اس موقع پر حضرت سعیدؓ کے کارناموں کا ذکر چھیڑ دیا ہے' گویا سعید کا مستقبل میں اچھے کارنامے کرنا کوئی ایسی دلیل ہو' جس سے حضرت سعیدؓ اور حضرت عثمانؓ کی رشتہ داری کا قصہ تمام ہو جاتا ہو! بہر حال مودودی کی عبارت کے پانچوں اجزا آپ نے دیکھ لئے کہ مسلمات کے قبیل سے ہیں' اور انہیں بیان کرتے ہوئے مودودی نے کوئی حرف تحقیر' تضحیک' طنز اور تمسخر کا نہیں کہا ہے' پھر بھی میاں صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ تلبیس ہے' مغالطہ انگیزی ہے' اہانت ہے!...... بتایئے پھر ہم نے کیا غلط کہا کہ کڑواہٹ کھانے میں نہیں ہے بلکہ کھانے والا ہی شدید بخار میں مبتلا ہے۔

اب چلیئے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف چلتے ہیں' وہ کیوں معزول ہوئے' اس کی وجہ کا تذکرہ میاں صاحب ان الفاظ میں شروع کرتے ہیں:

> "سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ' وہاں (کوفے میں۔ تجلی) قطب الارشاد کی حیثیت سے قیام فرماتھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ کو وہاں مامور فرمایا تھا' درس قرآن' علمی مذاکرات (درس حدیث) افتاء و قضا اور احتساب عوام کے اخلاق کی نگرانی' آپ کے فرائض تھے' ان کے علاوہ "بیت المال" کے امین اور نگراں بھی آپ

ہی تھے۔" ص ۳۳

ذرا ٹھیر جایئے' اس عبارت کو پڑھ کر عام قاری کیا اس کے سوا بھی کچھ سمجھے گا کہ حضرت عمرؓ نے انہیں "کوفے" میں تعلیم و تبلیغ اور بیت المال کی نگرانی کے لئے مامور فرمایا تھا' مگر تعجب کیجئے کہ واقعہ یوں نہیں ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے تو آپ کو صرف تعلیم وارشاد ہی کے لِے مامور کیا تھا اور "بیت المال" پر ان کا تقرر حضرت عثمانؓ نے اس وقت کیا ہے جب سعدؓ بن ابی وقاص وہاں کے گورنر تھے' حضرت عمرؓ کے دور میں "کوفے" کے "بیت المال" سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا' اس تجزیئے سے گو کہ نفس بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا' لیکن ہم دکھلانا یہ چاہتے ہیں کہ "خلافت و ملوکیت" جیسی کتاب پر جس کا ایک ایک لفظ کسی اعلیٰ درجے کی مشین کے پرزوں کی طرح اپنی جگہ فٹ ہے' تنقید کرنے وہ بزرگوار چلے ہیں جنہیں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے' پھر مزا یہ ہے کہ محترم مولانا عبدالماجد دریابادی انہیں انشاپرداز بھی مانتے ہیں؟

دوسرا لطیفہ یہاں اور سن لیجئے' "قطب الارشاد" تصوف کی اصطلاح ہے' جیسے "ابدال" اور "مجذوب" وغیرہ' میاں صاحب اس اصطلاح کے ذریعہ دانستہ یا نادانستہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ کو اس تصوف سے وابستہ کر رہے ہیں جس کی پرچھائیں تک ان کے یہاں نہیں ملتی' اور جو بعد کے زمانے کی پیداوار ہے' حضرت عمرؓ نے یہ سیدھی سادی بات' اہل کوفہ کو لکھی تھی کہ عبداللہ ابن مسعودؓ سے دین کی تعلیم حاصل کرو' یہ اس درجے کے آدمی ہیں کہ خود مجھے ان کی ضرورت تھی' مگر اپنی ضرورت پر تمہاری فلاح و صلاح کو ترجیح دے رہا ہوں' میاں صاحب نے اس بات کو تاریخی صداقت بیانی کا خون کرتے ہوئے "قطب الارشاد" کی طبع زاد اصطلاح سے جوڑ دیا' ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں دکھا سکتے کہ کسی نے ابن مسعودؓ کو "قطب الاشاد" کی حیثیت دی ہو۔

فرق اس سے بھی اصل بحث میں کچھ نہیں پڑتا مگر یہ تو منکشف ہوتا ہی جارہا ہے کہ میاں صاحب الفاظ کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی کتنی قابلیت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے وہی معروف قصہ لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ نے "بیت المال" سے کچھ قرض لیا اور جب ابن مسعودؓ نے اس کی ادائیگی چاہی تو انہوں نے مہلت مانگی، ابن مسعودؓ تیار نہ ہوئے، بات بڑھ گئی، خبر حضرت عثمانؓ تک پہنچی، وہ دونوں پر بگڑے، مگر معزول صرف سعدؓ کو کیا، ابنِ مسعودؓ کو نہیں۔ اس کے بعد میاں صاحب لکھتے ہیں :

> "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ناراضگی بسر و چشم، لیکن ایک صاحبِ بصیرت جو حضرات صحابہؓ کی عظمت سے واقف ہے اس کے لئے یہ واقعہ ایک تاریخی معمہ ہے" (ص ۴۳)

خیال فرمایا آپ نے...... میاں صاحب "لیکن" کہہ کر خود حضرت عثمانؓ سے اختلاف رائے کرنے چلے ہیں! یہ دراصل وہی انشاء کی خامی ہے ورنہ مقصد ان کا حضرت عثمانؓ سے اختلاف نہیں بلکہ اس روایت سے اختلاف ہے، انہوں نے جو کچھ کہا اس سے بھی ہم کسی درجے میں متفق ہیں، واقعی حضرت سعدؓ جیسا آدمی باوجود دولتمند ہونے کے ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرے، یہ بات دل کو نہیں لگتی، نہ یہ بات آسانی سے باور کی جا سکتی ہے کہ ابن مسعودؓ بجائے مہلت دینے کے لڑنے مرنے کو تیار ہو جائیں گے، بعض روایات میں تو یہاں تک آیا ہے کہ دونوں حضرات نے اپنے اپنے حامیوں کی جماعتیں بنا لیں، یہ خاصہ پیچیدہ مسئلہ ہے اور میاں صاحب کا اسے معمہ کہنا بجا، لیکن اس معمہ کا حل انہوں نے کیا فرمایا ہے، یہ ہے دیدنی، وہ فرماتے ہیں کہ :

> "یقیناً یہ صورت ہوگی کہ یہ قرض حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص نے بحیثیت گورنر یا امیرِ مملکت کسی قومی ضرورت کے

> لئے لیا تھا' پھر بحث یہ ہوئی کہ اس کی ادائیگی ضروری ہے یا "بیت المال" کی مداتِ صرف میں' یہ ضرورت بھی داخل ہے' تو یہ رقم وہاں صرف ہوئی جہاں صرف ہو سکتی ہے' لہٰذا اس کی ادائیگی ضروری نہیں۔" (ص ۳۵)

ہم کہتے ہیں کیا ذاتی اور قومی ضرورتیں ایسی مماثل و مشابہ بھی ہو سکتی ہیں جو آسانی سے ان کا تجزیہ نہ ہو سکے' اور آسانی سے یہ نہ جانا جا سکے کہ فلاں ضرورت ذاتی ہے یا ملکی و اجتماعی' میاں صاحب نے جب اتنی جرأت کی تھی کہ اپنے اجتہاد کو یقیناً کہہ کر پیش کیا' تو انہیں یہ بھی چاہیئے تھا کہ ایک دو مثالوں سے بات سمجھاتے' پڑھنے والے کو پتہ تو چلتا کہ واقعی فلاں ضرورت اس قسم کی ہے کہ اس کے ذاتی یا سرکاری ہونے میں دو رائے کی گنجائش ہے' ہم سمجھتے ہیں کہ میاں صاحب کا یہ اجتہاد دل میں اتر جانے والا نہیں ہے' تاہم آگے چلیئے:

> "یہ ایک اجتہادی مسئلہ تھا جس میں امیر (گورنر) اور امین "بیت المال" (وزیر خزانہ) کا اختلاف ہوا' ہر ایک اپنی رائے پر مضبوطی سے قائم رہا' ایسی صورت اگر پیش آجائے تو لامحالہ کسی ایک کو مستعفی ہونا پڑتا ہے' ہماری اس توجیہہ کی بیّن دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس منصب سے الگ ہو گئے تو یہ قضیہ بھی ختم ہو گیا' ذاتی قرض تھا تو اس کی ادائیگی لامحالہ ضروری تھی' حضرت سعدؓ خود ادا نہ کرتے تو بذریعہ "قضا" ان سے وصول کیا جا سکتا تھا' بہر کیف فیصلۂ درایت یہی ہے کہ قرض ذاتی نہیں تھا اور یہ اختلاف اجتہادی تھا" (ص ۳۵)

اس ارشاد گرامی پر ہمارا جو اصل اعتراض ہے اس کا عنوان ہم رکھتے ہیں "بند آنکھیں۔"

بند آنکھیں:

لیکن اصل اعتراض سے پہلے میاں صاحب کی تحریری قابلیت کا تجزیہ یہاں بھی کریں گے کیا اس عبارت میں میاں صاحب نے صاف یہ نہیں لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ نے استعفیٰ پیش کیا اور خود علیحدہ ہوئے حالانکہ وہ خود بھی آگے پیچھے یہ تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں کہ سعدؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول کیا تھا اور جملہ تاریخیں بھی اسی کی تائید میں ہیں' یہاں استعفیٰ کی بات انہوں نے دل سے گھڑی اور بلا تکلف پیش کر دی' بالکل بھول گئے کہ جس لفظ "عزل" کو وہ خود بھی استعمال کرتے چلے آرہے ہیں اس کے معنی "ڈس مس" کیئے جانے کے ہیں خود الگ ہونے اور استعفاء دینے کے نہیں ہیں' دوسری بات یہ کہ ابھی آپ نے ان کی "قطب الارشاد" والی عبارت پڑھی' اس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ ابن مسعودؓ کا "بیت المال" کی امانت داری و نگرانی کرنا ایک ضمنی و ثانوی سا فریضہ تھا اور اصل بڑا فریضہ وہ تھا جس کے بیان میں میاں صاحب نے کئی سطریں خرچ کی ہیں' لیکن یہاں انہوں نے ابن مسعودؓ کو "وزیر خزانہ" لکھ دیا ہے جس سے پہلے تاثر کی تردید ہو جاتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ضمنی و ثانوی نہیں بلکہ سرکاری حیثیت میں واحد فریضہ ان کا "بیت المال" ہی کا انصرام تھا' یہ الفاظ اور جملوں کے صحیح استعمال سے محروم ہونے کے شواہد ہیں۔

اب اصل اعتراض سنئے جس کی خاطر عنوان رکھا گیا ہے' ان کا فیصلہ یہ ہے کہ قرض ذاتی نہیں تھا' دلیل یہ ہے کہ ذاتی ہوتا تو ان سے لازماً وصول کیا جاتا' بخوشی نہ دیتے تو زبردستی لیا جاتا' چونکہ نہیں لیا گیا لہٰذا اس کا ذاتی نہ ہونا مسلم۔

اب آیئے ہم آپ کو وہی "طبری" دکھاتے ہیں جس سے میاں صاحب اپنی ساری کتاب مرتب فرما رہے ہیں' اور حوالے پر حوالہ دیتے جا رہے ہیں' اس کتاب کی جلد پنجم اٹھا کر صفحہ ۴۸ کھولئے' (الطبعة الاولیٰ بالمطبعة الحسينية

المصریہ۔ علیٰ نفقۃ السید محمد عبداللطیف الخطیب و شرکأ) ابن جریر "طبری" یہی سعد اور ابن مسعود والے قصے کی تفصیل لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب بات بڑھی اور ابن مسعودؓ نے ادائیگی کا سخت تقاضا کیا تو :

فلم یتیسر علیٰ سعد قضائہ غضب علیہما عثمان وانتزعہا من سعد و عزلہ۔

سعد پر اس قرض کی ادائیگی آسان نہ ہوئی' حضرت عثمانؓ دونوں (سعد اور ابن مسعود) پر بگڑے اور وہ قرض سعد سے وصول کر کے انہیں معزول کر دیا۔

بے شک آپ شروع میں دیکھ آئے ہیں کہ عربی میں میاں صاحب بہت کچھ معذور ہیں' مگر یہ یقین کرنا پھر بھی مشکل ہے کہ جس فقرے پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے اسے وہ نہ سمجھ سکے ہوں گے' طلبائے عزیز دیکھیں' کیا یہ بھی کوئی ایسا پیچیدہ فقرہ تھا کہ شیخ الحدیث معنی نہ سمجھ سکے' اور دیکھئے' بات یہیں ختم نہیں ہوگئی "طبری" میں اسی جگہ ایک اور روایت بھی موجود ہے :

"عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحہ قالا لما بلغ عثمان الذی کان بین عبداللہ و سعد فیما کان غضب علیہما وھم بھما ثم ترک ذلک وعزل سعد واخذ ما علیہ" ۔

"ہمیں شعیب سے شعیب کو سیف سے اور سیف کو محمد و طلحہ صاحبان سے (خبر ملی) ان دونوں صاحبان نے کہا کہ جب حضرت عثمانؓ کو اس قضیے کی خبر پہنچی' جو عبداللہ ابن مسعودؓ اور سعدؓ کے درمیان واقع ہوا تو وہ دونوں پر غصے ہوئے اور دونوں کے بارے میں ایک ارادہ فرمایا (مگر) پھر اسے ترک کر دیا اور صرف سعدؓ کو معزول کیا اور جو قرض ان پر

چاہیئے تھا وہ وصول کرلیا۔"

گویا ایک نہیں دو روایتیں اسی کتاب میں جسے میاں صاحب کھولے بیٹھے ہیں موجود ہیں کہ قرض سعد سے وصول کرلیا گیا' حد ہے کہ یہ روایات جلد پنجم کے صفحہ ۴۸ پر ہیں اور میاں صاحب نے "شواہد تقدس" میں اسی جلد کے صفحہ ۴۵ سے 'یعنی ۳ صفحے قبل سے حوالے دینے شروع کئے ہیں اور بہت آگے تک دیتے چلے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو' شواہد تقدس' صفحہ ۳۸۔ سطر ۱۲۔ یہاں "طبری" جلد پنجم کے صفحہ ۴۵ کا حوالہ ہے' پھر سطر ۲۱ میں بھی یہی حوالہ ہے۔ اس کے بعد ص ۴۰ و ۴۱ و ۴۷ پر اسی جلد کے صفحات ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ کے حوالے موجود ہیں' اس سے ظاہر ہے کہ وہ شروع سے نہ سہی مگر صفحہ ۴۵ سے "طبری" جلد پنجم کو نہ صرف دیکھتے' بلکہ اس سے روایات اٹھاتے چلے آرہے ہیں' تو کیا صفحہ ۴۸ ان کے آگے نہ آیا ہوگا۔

اب قارئین اور محترم جج ہی فیصلہ کریں کہ کیا تاویل کی جائے اس معمے کی' ہم تو بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ میاں صاحب کی آنکھوں پر پردہ پڑگیا ہے' لیکن یہ تاویل جن حضرات کو قبول نہ ہوگی وہ اس کے سوا کیا کہیں گے کہ یہ صریح بددیانتی ہے' آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے' ایسی دھول جو دوسروں کی آنکھوں میں ڈالی گئی تھی مگر اپنی ہی آنکھوں میں پڑگئی' ہمارا تو ایک خیال یہ بھی ہے کہ اپنی ساری کتاب ہی میاں صاحب نے اس خوش گمانی کے ساتھ لکھی ہے کہ ان کے سوا سب جاہل اور بے عقل ہیں کسی کی مجال نہیں جو "طبری" اور "استیعاب" اور "اصابہ" وغیرہ اٹھا کر دیکھ سکے' یا پھر ممکن ہے انہوں نے یہ سوچا ہو کہ میری کتاب صرف ان حلقوں میں جائے گی جو مودودی کے خلاف ہیں' یہ حلقے اسے پڑھ پڑھ کر جھومیں گے' اور کسی کو کیا پڑی ہے جو اسے نقد و نظر کی کسوٹی پر گھسے۔

درایت و اجتہاد:

پھر اسے شاید آثارِ قیامت ہی میں سے ایک سمجھا جائے کہ مولانا محمد میاں

صاحب جیسے لوگ اجتہاد و درایت کا پھریرا لہرا رہے ہیں' اللہ اکبر' درایت اور مولانا محمد میاں!

چلیئے درایت کا میدان بھی سہی...... ہم بھولے جاتے ہیں کہ حضرت سعدؓ سے قرض وصول کیئے جانے کی بات روایات میں صاف صاف موجود ہے 'مگر کیا اس دھاندلی سے اس پیچیدگی کا حل نکل آتا ہے جس کو حل کرنے کی خاطر میاں صاحب نے اپنے مرکب فہم واجتہاد کو ایڑ لگائی ہے' ہمارا خیال ہے کہ معمہ تو حل نہ ہوا مگر وہ مثال صادق آگئی کہ "پھوار سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جا بیٹھے"

لیجئے ہم فہم و درایت ہی کی سطح پر میاں صاحب کی شاندار تاویل کا تجزیہ کرتے ہیں۔

میاں صاحب نے منقولہ بالا عبارت میں دوبار "اجتہادی اختلاف" کے الفاظ بولے ہیں' ہمارے نزدیک اس مقام پر لفظ "اجتہاد" کا استعمال بے محل ہے مگر انہوں نے استعمال کیا ہے تو اس پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ اجتہاد کے معاملے میں یہ بات اہلِ علم میں مسلم ہے کہ صحیح اجتہاد کرنے والے کو دو ثواب ملتے ہیں اور غلطی کر جانے والے کو ایک' مجرم ہرگز وہ مجتہد بھی نہیں ہوتا جس کے فکر و فہم نے اجتہاد میں خطا کھائی ہو' اب اگر وہ اختلاف جو ابن مسعودؓ اور سعدؓ کے درمیان ہوا' واقعی اجتہادی اختلاف تھا تو کہاں کا انصاف ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مجتہد کو سزا دے دی' حالانکہ مجرم ہونا تو درکنار' مجتہد تو بہر حال ثواب ہی کا مستحق تھا' چاہے اس نے اجتہاد میں خطا ہی کی ہو' پھر لطف یہ ہے کہ سزا اس مجتہد کو دی جا رہی ہے جو خود حضرت عثمانؓ کے نزدیک مصیب ہے' حق پر ہے' یعنی آپ نے دیکھا کہ میاں صاحب کے نزدیک یہ قرض ذاتی نہیں تھا قومی تھا' اور اسی لئے میاں صاحب کے دعوے کے مطابق حضرت عثمانؓ نے اسے وصول نہیں فرمایا' اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ اس جھگڑے میں غلطی ابن مسعودؓ کی تھی' وہ سعدؓ سے ایک ایسی رقم کا مطالبہ کر رہے تھے جو سعدؓ نے اپنی ضرورت کے

لئے نہیں لی تھی' بلکہ قومی اجتماعی ضرورت کے لئے لی تھی اور اسے خرچ بھی کیا جاچکا تھا' اور سعد بھلا اس رقم کے مطالبے کو رد کیوں نہ کرتے جو انہوں نے سعدؓ ابن ابی وقاص کی حیثیت میں نہیں بلکہ گورنر کوفہ کی حیثیت میں مملکتی ضروریات کے لئے لی تھی' اور انہی ضروریات میں خرچ بھی کی تھی' پھر میاں صاحب کے بقول سعد کے اسی موقف کو درست مانتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے ان سے یہ رقم وصول بھی نہیں کی' جس کے معنی یہ ہیں کہ ابن مسعودؓ کا تقاضا اور مطالبہ خود خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ کی نگاہ میں غلط تھا۔

اس طرح میاں صاحب کی شاندار درایت کا ثمرہ یہ نکلا کہ حضرت عثمانؓ عزل کی سزا اس شخص کو دیتے ہیں جسے زیر بحث قضیے میں وہ خود بر حق تصور کر رہے ہیں' لیکن جس کے مرتکب خطا ہونے پر وہ مطمئن ہو چکے ہیں اسے کچھ نہیں کہتے' نوکری سعدؓ کی چھینی گئی حالانکہ میاں صاحب کی صراحت کے مطابق عثمانؓ جانتے تھے کہ سعدؓ کا قرض کی ادائیگی سے انکار سراسر درست ہے' مگر ان عبداللہ ابن مسعودؓ کو ان کے عہدے پر برقرار رکھا گیا جن کے بارے میں عثمانؓ مطمئن ہو چکے تھے کہ وہ ادائیگی قرض کے مطالبے میں خطاکار ہیں۔

دیکھا آپ نے' دور کی کوڑی میاں صاحب اس مقصد سے لائے تھے کہ سعدؓ جیسے صحابی قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے الزام سے بچ جائیں' مگر اس کے نتیجے میں ان سے بھی بڑے صحابی خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ پر یہ سنگین ترین الزام عائد ہو گیا کہ وہ سزا اسے دیتے ہیں جو ان کی اپنی دانست میں بھی بے قصور ہے اور چھوٹ اسے دیتے ہیں جنہیں خود وہ بھی قصوروار سمجھ رہے ہیں۔

کیا یہی ہے درایت!...... کیا اسی کا نام ہے بصیرت! بتایئے ہم نے کیا غلط کہا اگر یہ کہا کہ میاں صاحب خود اپنے فرمودات کے مضمرات و نتائج کے فہم سے قاصر ہیں' آگے دیکھئے' میاں صاحب کی کتاب دیگر کمالات و عجائب کے علاوہ بے ربطی مضامین اور دروبست کی بوالعجبیوں کا بھی شاہکار ہے' کہیں کی بات' کہیں' اور

اِدھر کا مضمون اُدھر' یہ سعدؓ کی معزولی والی بحث صفحہ ۳۵ پر ہے' اس کے بعد دوسرے موضوعات چھڑ گئے ہیں' مگر لکھتے لکھتے پھر کہیں انہیں خیال آگیا کہ سعدؓ کی معزولی کا پیچیدہ معمہ تو اپنے اجتہادِ عالیہ کے ذریعہ حل کر آیا' مگر ابن مسعودؓ کا وزیر خزانہ بنا رہنا بھی تو میری درایت و فقاہت کا محتاج پڑا ہے' اسے بھی کیوں نہ اپنے کمالِ فن سے نواز دیا جائے' چنانچہ آگے جا کر ص ۱۱۵ پر دفعتاً فرماتے ہیں :

"اختلاف کی صورت میں لا محالہ ایک کو معزول کرنا تھا' جو خدمات حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وابستہ تھیں' وہ ایسی خوبی سے انجام پا رہی تھیں کہ ان کو معزول کر دینا گویا دین کے ایک ستون کو اکھاڑ دینا تھا' آپ کی خدمات کا ایک شعبہ وہ تھا جس کے طفیل میں فقہ خصوصاً فقہ حنفی مرتب اور مدون ہوئی' ان کے مقابلے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو واپس بلانے میں کوئی ایسا نقصان نہیں تھا لہٰذا ان کو واپس بلا لیا۔"

سوال یہ ہے کہ مولانا کہنا کیا چاہتے ہیں؟ آیا ان کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ "کوفے" میں تعلیم و تربیت کی جو خدمات انجام دے رہے تھے' ان کی حیثیت سرکاری تھی اور اس کی بھی انہیں تنخواہ ملتی تھی؟ اگر یہ مطلب ہے تو یہ سراسر افترا ہے' بہتان ہے' ابن مسعودؓ یہ تمام دینی خدمات بطورِ خود ذاتی حیثیت میں بلا معاوضہ انجام دے رہے تھے' اور معاوضہ انہیں حکومت سے صرف "بیت المال" کی نظامت کا ملتا تھا نہ کہ افتاء و قضا اور تعلیم و تربیت کا' ایسی صورت میں انہیں "وزارتِ خزانہ" سے ہٹا دینا یہ معنی کیسے رکھے گا کہ دین کا ایک ستون اکھاڑ دیا گیا؟ کیوں ان خدمات کا دروازہ بند ہو جائے گا جو ابن مسعودؓ ذاتی حیثیت میں انجام دے رہے تھے؟ دماغی توازن بگڑے بغیر یہ بات کوئی ہوشمند نہیں کہہ سکتا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ اپنی دینی و علمی خدمات کی بساط لپیٹ دیتے اگر انہیں

نظامتِ خزانہ' سے الگ کر دیا جاتا۔

تنزلاً اگر ہم یہ غیر ثابت بات مان ہی لیں کہ "کوفے" میں ناظمِ خزانہ ہوتے ہوئے تعلیم و افتاء کی جو خدمات ابن مسعودؓ انجام دے رہے تھے' اس کا کوئی معاوضہ وزارت خزانہ کی تنخواہ کے علاوہ بھی انہیں خلافت عثمانیہ دیتی تھی' تو میاں صاحب کی توجیہ پھر بھی لغو ہی قرار پاتی ہے، کیونکہ اس صورت میں انہیں یہ معاوضہ بہر حال ملتا رہتا اور معزولی کا اثر صرف وزارت والی تنخواہ پر پڑتا۔

اگر کج بحثی کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اصل آمدنی تو تنخواہ ہی سے تھی' فقط جزوی معاوضے سے کیا گزارا ہوتا' تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی خدمات کا اگر واقعی وہی درجہ تھا جو میاں صاحب بیان کر رہے ہیں' تو حضرت عثمانؓ سے بھی یہ درجہ چھپا ہوا نہ ہو گا' اور جب چھپا ہوا نہ ہو گا تو ان کے لئے کوئی رکاوٹ اس میں نہ تھی کہ نظامتِ خزانہ سے الگ کرنے میں آمدنی کا جو نقصان ابن مسعودؓ کو پہنچ رہا تھا' اسے اس معاوضے میں اضافہ کر کے پورا کر دیں جو بقول میاں صاحب ابنِ مسعود کو خدماتِ علمیہ کا ملا کرتا تھا۔

حق یہ ہے کہ میاں صاحب نے اجتہاد و درایت کے نام پر عقل دشمنی کی حد کر دی ہے' وہ حضرت عثمانؓ کو معاذ اللہ ایک ایسا نادان اور اسلامی قانون سے ناآشنا خلیفہ باور کرا رہے ہیں کہ جو معزول تو اس شخص کو کرتا تھا جس کی بے جرمی کا اسے یقین ہے' اور بحال اس شخص کو رکھتا تھا جس کا جرم اس کی نظر میں ثابت ہے' پھر بحال رکھنے کی معقول وجہ بھی اس کے پاس نہیں تھی' وہ اتنا بے دانش تھا کہ ابنِ مسعودؓ کو "نظامتِ خزانہ" سے ہٹانے کا مطلب اس کی دانست میں یہ نکلتا تھا کہ نظامت سے ہٹتے ہی وہ اپنے دین' اپنے آقا کی تعلیمات کی خدمت بھی بند کر دیں گے' انا للہ وانا الیہ راجعون...... یہ گل افشانیاں وہ شخص کر رہا ہے جس نے افسانہ گھڑا ہے کہ مودودی صحابہؓ کا دشمن ہے' ان کی توہین کرتا ہے' حالانکہ یہ شخص خود اس جرم کا مرتکب ہے' شاید اسی کو کہتے ہیں "چاند کا تھوکا منہ پر آئے"

غایت مافی الباب اگر یہ مان ہی لیا جائے کہ ابن مسعودؓ کو الگ کرنے سے خدماتِ علیہ بند ہو جانے کا خطرہ تھا' تو کیا میاں صاحب اسلام کا کوئی ایسا قانون بتا سکتے ہیں' جس کی رو سے مجرم کو سزا صرف اس صورت میں دینی چاہیئے' جب اس کے سزا پانے سے کسی بھی قسم کے نقصان کا خطرہ نہ ہو' کیا میاں صاحب "خلفائے راشدین" کے اسوے میں ایسی کوئی نظیر پیش فرما سکتے ہیں' اہلِ دانش و بینش پر آشکارا ہے کہ اس قسم کی باتیں صرف بے عقل اور بے علم لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ عقلاء اور ذی علم حضرات تو ان بچکانہ باتوں کو تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔

اہل علم و دانش سے :

میاں صاحب سے تو یہ توقع کرنا بیکار ہی ہے کہ وہ حقائق کی گہری تہوں میں اتر سکیں گے' ہم اربابِ نظر سے ملتمس ہیں کہ وہ درج ذیل معروضات کو خصوصی توجہ سے ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ دیں۔

روایت بتاتی ہے کہ سعدؓ ایک ذاتی قرض لیتے ہیں (میاں صاحب کی فضول گوئی کو چھوڑ یئے' آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا سعدؓ سے اس قرض کو وصول کر کے لینا بھی روایات میں موجود ہے) اور اسے وعدے کے مطابق ادا نہیں کرتے' حالانکہ غریب نہیں ہیں خوشحال ہیں' "مہتمم خزانہ" بار بار مانگتا ہے مگر ان کی طرف سے ٹال مٹول جاری ہے۔

بتایئے کیا یہ بات قرینِ قیاس ہے؟...... ہم یہ نہیں کہتے کہ صحابی گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا' یقیناً ہو سکتا ہے' لیکن یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایسا بھی گناہ کرے گا' جو نہ تو کسی حظِ نفس پر مشتمل ہو' نہ مادی اور عملی اعتبار سے اس کا کوئی حاصل ہو' پھر صحابی کیسا' سیدنا سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' وہی تو تھے جنہوں نے کفر و اسلام کے پہلے معرکے میں سر فروشی کے جوہر دکھائے تھے' اور پھر "غزوۂ احد" میں تو ان کی تیر اندازی نے آقائے کونین علیہ ﷺ سے فداك

ابی وامی کا قابلِ رشک اعزاز حاصل کیا تھا' یہ وہی تھے جن کی طرف رخ کر کے حضورؐ نے ناز و فخر سے فرمایا تھا کہ یہ میرے ماموں ہیں' کسی کا ایسا ماموں ہو تو لاؤ دکھاؤ' یہ وہی تھے جو بجا طور پر کہا کرتے تھے کہ انا ثلث الاسلام میں تو اسلام کا ایک تہائی ہوں' یعنی ابوبکرؓ کے بعد میں ہی اسلام لایا ہوں (اس طرح حضور ﷺ' ابوبکرؓ' اور سعدؓ تین ہو گئے) یا ابوبکرؓ' زیدؓ بن حارثہ اور سعدؓ (جب کہ ان کا اسلام لانا زیدؓ کے بعد ہو) یہ وہی تھے جن کا اللہ کی راہ میں پہلا تیر انداز ہونا معلوم ہے' انہیں ''عشرہ مبشرہ'' میں ہونے کا بھی فخر حاصل تھا' انہیں مستجاب الدعواۃ ہونے کا بھی امتیاز حاصل تھا' کیونکہ حضور ﷺ نے ان کے حق میں اللہ سے استدعا کی تھی کہ یہ جب دعا کریں اسے قبول فرما' چنانچہ روایت میں موجود ہے کہ جھگڑا بڑھ جانے کی صورت میں جب حضرت سعدؓ نے بد دعا کا ارادہ کیا تو ابنِ مسعودؓ گھبرا گئے اور التماس کیا کہ سعد! بددعا مت کرنا' یہ وہی تو تھے جس نے ''قادسیہ'' کا معرکہ فتح کیا تھا اور ''سلطنت ایران'' کو زیر و زبر کر دیا تھا' یہ وہی تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل ''اصحابِ شوریٰ'' میں شامل کیا تھا اور فرمایا تھا کہ سعد خلیفہ ہو جائیں تو سبحان اللہ ورنہ میری وصیت ہے کہ دوسرا جو بھی خلیفہ ہو انہیں گورنر ضرور بنائے' وہی تھے سابق والی ''عراق'' اور شہر ''کوفے'' کے بانی۔ (سعدؓ کے یہ جملہ اوصافِ تمام کتب تاریخ میں موجود ہیں)

اس شان کا صحابی اس سے بھی بے خبر نہ ہوگا کہ قرض کا معاملہ اسلامی قانون میں کیسا سخت ہے...... جو شہادت سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے وہ بھی قرض کے داغ کو نہیں دھو پاتی' حضورؐ اس شخص کی نمازِ جنازہ پڑھانا پسند نہیں فرماتے تھے جو مقروض مر گیا ہو' اور یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ وہ ''کوفے'' کی ولایت پر فائز ہیں' اچھا مشاہرہ پاتے ہیں' مشاہرے کے علاوہ اس دولت سے بھی انہیں مناسب حصہ ملا ہے جو مسلسل فتوحات کے نتیجے میں یہاں بہہ رہی ہے' کروڑ پتی نہ سہی پھر بھی وہ ان لوگوں میں ہیں کہ جو ہزاروں میں کھیلتے ہیں' اور

لاکھوں کی غیر منقولہ جائداد رکھتے ہیں' ایسا شخص روزمرہ کے اخراجات یا بچوں کی شادی یا رسمی تقاریب میں تو اس کا محتاج ہو نہیں سکتا کہ قرض لے' اگر اس نے "بیت المال" سے کوئی رقم قرض لی ہو گی تو وہ یقیناً بڑی رقم ہو گی' اور اپنے وقت کی عام روش کے مطابق وہ کسی اچھی زمین یا باغ وغیرہ کی خریداری پر صرف کی گئی ہو گی' اور یہ بھی نظر میں رہے کہ یہ شخص بخیل نہیں ہے' دولت پرست نہیں ہے' تاریخ میں اس کا کردار محفوظ ہے' اس نے لوگوں کے حقوق ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں جانی و مالی قربانیاں دینے میں کبھی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی ہے' اس کی آخرت طلبی اور خدا دوستی کا یہ عالم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا ہے' اے اللہ کے رسول ﷺ! میں چاہتا ہوں کہ اپنا سب کچھ راہِ خدا میں وقف کر دوں' حضور ﷺ جواب دیتے ہیں کہ نہیں' اس پر وہ عرض کرتا ہے کہ اچھا سب نہ سہی دو تہائی؟...... حضور ﷺ پھر فرماتے ہیں کہ نہیں...... وہ کہتا ہے اے خدا کے رسول ﷺ آدھے کی تو اجازت دے دیجئے...... حضور ﷺ پھر منع کر دیتے ہیں' اب وہ کہتا ہے کم سے کم ایک تہائی کو تو منع نہ فرمائیں' اس پر حضور ﷺ کہتے ہیں چلو اتنا منظور' مگر ہے یہ بھی بہت۔

دیکھا آپ نے سعدؓ نہ بخیل ہیں نہ آخرت فراموش نہ غریب' آخر پھر کیا بات تھی کہ مہتمم خزانہ ادائیگی قرض کا تقاضا کر رہے ہیں اور سعدؓ ادا کر کے نہیں دیتے' حالاں کہ اگر ان کے پاس نقد رقم اتنی موجود نہیں تھی اور وعدہ ادائیگی کی مدت ختم ہو گئی تھی' تو یہ' بہ آسانی کوئی سی بھی جائداد بطور ضمانت پیش کر سکتے تھے' اور اگر ابن مسعودؓ ضمانت پر راضی نہ ہوتے تو یہ جائداد فروخت بھی کی جا سکتی تھی' کوئی وجہ ایسی نظر نہیں آتی کہ سعدؓ گورنری کو خطرے میں ڈالنا منظور کریں' مگر رقم کی ادائیگی کا نام نہ لیں۔

دوسری طرف ابنِ مسعودؓ کا بے تحاشا تقاضا بھی حیرت ناک ہی ہے' وہ ممتاز ترین صحابہ میں سے ہیں...... وہ بے شمار حدیثوں کے راوی اور سب سے زیادہ یہ

جاننے والے ہیں کہ کسی کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی کیا رائے تھی، وہ سعدؓ سے براہِ راست بھی اچھی طرح واقف ہیں، کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر وہ سعدؓ کو ادائیگی سے معذور پا رہے تھے، تو کیونکر قرآن کی وہ آیت بھول گئے جس میں ہدایت کی گئی ہے کہ مقروض اگر تنگ دست ہو تو ادائیگی قرض کے مطالبے میں ڈھیل دی جائے، اور اگر ان کا خیال یہ تھا کہ سعدؓ جان بوجھ کر ٹال مٹول کر رہے ہیں تو کیسے انہوں نے یہ خیال قائم کیا، جب کہ اس کے صریح معنی بد دیانتی کے ہیں، حالانکہ ابن مسعودؓ جیسا واقفِ حال سعدؓ جیسے شخص کے بارے میں اور کسی بھی گناہ کا تصور کر لیتا تو کر لیتا مگر بد دیانتی اور خیانت کے تصور کے لئے کوئی وجہِ جوازِ نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد اب حضرت عثمانؓ کے اس رویے پر نگاہ ڈالئے، جس کا انکشاف یہ روایت کرتی ہے...... وہ ابتدا بگڑے دونوں پر، مگر عتاب کی بجلی گرائی صرف ایک پر، روایت کہتی ہے کہ سعدؓ کے پاس اتنی رقم نقد موجود تھی جتنا یہ قرضہ تھا، اگر موجود نہ ہوتی تو یہ وصولی ان کی کسی جائداد کا نیلام کر کے، یا اسے حقِ سرکار ضبط کر کے کی جاتی، مگر تاریخیں اس کے ذکر سے خالی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا نہیں ہوا، اگر ہوتا تو یہ ایک اہم بات ہوتی جس کی روایت یقیناً شاملِ تاریخ ہو جاتی۔

تو کیا ہم یہ مان لیں کہ سعدؓ کے پاس نقد رقم موجود تھی اور وعدۂ ادائیگی کا وقت بھی گذر گیا تھا، لیکن وہ ادائیگی سے انکار کرتے رہے یہاں تک کہ گورنری بھی اس انکار پر قربان کر دی، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مان لینا دانائی کہلائے گا یا نادانی، بظاہر تو یہ کافی دور کی بات ہے، قیاس اس پر راضی نہیں اور شواہد اس کے حامی نہیں۔

ایک اہم پہلو اور بھی لائق غور ہے، سعدؓ سے کوئی کوتاہی اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں نہیں ہوئی ہے، ان کا قصور اس روایت کی رو سے بس یہ ہے کہ "بیت

المال" کا قرض عندالمطالبہ ادا نہیں کر رہے ہیں' تو کیا حضرت عثمانؓ کا رویہ "بیت المال" کے سلسلے میں ابوبکرؓ و عمرؓ جیسا تھا کہ شمہ برابر بے قاعدگی برداشت نہ کر سکیں یا تاریخ و حدیث کی مستند ترین روایات قطعی طور پر بتاتی ہیں کہ "بیت المال" کے رخ پر ان کی روش ابوبکرؓ و عمرؓ سے مختلف تھی' وہ بہت فراخدلی کے ساتھ اپنے ایک عزیز کو اس وقت بھی بڑی رقم قرض دیتے ہیں جب "ناظم خزانہ" جمع شدہ سرمائے کی مناسبت سے اس رقم کو غیر معمولی خیال کر کے دینے سے انکار کر دیتا ہے' حضرت عثمانؓ بگڑتے ہیں' وہ "بیت المال" کی چابیاں منبر نبویؐ پر ڈال کر گھر بیٹھ جاتا ہے کہ میں نہیں کرتا خزانے کی نوکری' اس کے علاوہ اپنے بعض اعزاء کو وہ "بیت المال" میں سے ایسے انعامات دیتے ہیں جن پر لوگوں کو اعتراض ہوتا ہے' اور پھر ان اعتراضات کو قبول کر کے وہ یہ رقم واپس کراتے ہیں (ان واقعات کی باحوالہ تفصیل انشاء اللہ حضرت عثمانؓ کی بحث میں آئے گی) اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے خیانت نہیں کی' نیک نیتی سے درست و مناسب سمجھتے ہوئے ان اعزاء کو نوازنا چاہا' جنہوں نے فرائض منصبی کی ادائیگی میں سرگرمی دکھائی تھی' یہ گناہ کی بات نہ تھی مگر جب لوگوں کے غصے اور اعتراض نے انہیں یقین دلا دیا کہ اثرات و عواقب کے اعتبار سے ان کا یہ درست کام فساد کا باعث ہے' تو ایک مخلص اور ایماندار آدمی کی طرح لوگوں کا کہنا مان لیا' اور دی ہوئی رقمیں لوٹائیں' حالانکہ اگر وہ یہ سمجھتے کہ اعتراض و احتجاج غلط ہے' تو دب اور ڈر کر سر تسلیم خم کر دینا' ان جیسے آدمی کے لئے ممکن نہ تھا کہ انہوں نے تو جان دے دی تھی' مگر اس موقف سے ہٹنا گوارا نہ کیا تھا جسے وہ حق سمجھتے تھے' انصاف کیجئے "بیت المال" اور جود و سخا کے رخ پر' جس خلیفہ راشد کا رویہ اس قدر فیاضانہ ہو اس کے اسوے اور مزاج و سیرت سے یہ بات کیسے جوڑ کھاتی ہے کہ سعدؓ جیسے صحابی کو فقط اس لئے برطرف کر دیا کہ "بیت المال" کا قرض وہ فوراً ادا نہیں کر رہے تھے... خصوصاً جب یہ دیکھا جائے کہ حکومت اس وقت غیر

معمولی دولت مند تھی' کوئی کام ایسا سامنے نہ تھا جسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے "بیت المال" کا سرمایہ ناکافی پڑ رہا ہو اور سعدؓ کا قرض ادا نہ کرنا دشواری کا باعث بن رہا ہو' پھر تو اور بھی یہ بات خلافِ قیاس نظر آتی ہے کہ خلیفہ ذی النورینؓ اپنے معروف کردار و سیرت اور طبیعت و خصلت کے برعکس سعدؓ پر اتنا بگڑیں کہ معزول ہی کر کے چھوڑیں۔

جذبات سے بالاتر ہو کر گہرا غور و فکر کیجئے کہ کیا تاویل ہے اس پیچیدگی کی؟ غور کرتے ہوئے مزید ایک واقعے کو بھی نظر میں رکھیں کہ یہی ولید اپنی گورنری کے تقریباً ابتدائی ایام میں اسی "بیت المال" سے کچھ قرض لیتے ہیں اور جب ادائیگی کے وعدے کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو یہی ابن مسعودؓ ان پر تقاضا کرتے ہیں' ولید حضرت عثمانؓ کو اطلاع دیتے ہیں کہ ابنِ مسعودؓ کی روش میرے بارے میں سخت ہے' حضرت عثمانؓ اس پر وہ روش اختیار نہیں کرتے جو سعدؓ کے معاملہ میں کی تھی' بلکہ الٹا ابن مسعودؓ کو لکھتے ہیں کہ تم ہمارے خزانچی ہو' تم اس قرض کی فکر نہ کرو جو ولید نے "بیت المال" سے لیا ہے' یہ تنبیہ ابن مسعودؓ کو پسند نہیں آتی' اور وہ ملازمت چھوڑ دیتے ہیں۔

یہ بہر حال طے ہے کہ سعدؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول کیا ہے' اور ان کی جگہ اپنے ماں جائے ولید کو مقرر فرمایا ہے' کہیں ایسا تو نہیں کہ قرض کے اس سیدھے سادھے معاملے کو لگائی بجھائی کر کے اور ریشہ دوانیوں کے ذریعے کسی نے غلط رنگ دے دیا ہو' اور مقصود اس کا یہ ہو کہ کسی نہ کسی طرح حضرت عثمانؓ کو غصہ دلا کر گورنری کی مسند خالی کرالی جائے' یہ سازش کون لوگ کر سکتے تھے محتاجِ بیان نہیں' یہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو جانتے تھے کہ یہ مسند خالی ہو جائے تو ہم خلیفۂ راشد کی بے حد کریمانہ فطرت' غیر معمولی جذبۂ صلہ رحمی' اقرباء کی طبعی محبت اور نیک دلی و سادگی کو بہ آسانی اس پر آمادہ کر لیں گے کہ خالی شدہ مسند ہمیں سے دی جائے' اور انہوں نے آمادہ کر لیا...... اگر حضرت عثمانؓ اپنی فطرتِ کریمہ

ـ مجبور نہ ہوتے تو ہزار سادہ مزاجی کے باوجود یہ سامنے کی بات انہیں حسرد ر
ملاق کہ میں سعدؓ جیسے عالی مرتبہ اور سرد و گرم چشیدہ شخص کو ہٹا کر اپنے اس بھائی
کو گورنر بنا رہا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ بولا تھا' اور قرآن نے
اسے فاسق کا لقب دیا تھا' میں اس عزیز کو منصب دے رہا ہوں جو ایمان ہی اس
وقت لایا جب "مکہ" فتح ہو گیا اور کسی کے لئے کوئی چارہ نہ رہا کہ یا تو اسلام قبول
کرے' یا دنیا کے ہر فائدے اور آرام اور عزت کی توقعات سے دست بردار
ہو جائے...... جس وقت ولید کو گورنر بنایا جا رہا ہے بڑے بڑے مردان کار' رفیع
القدر صحابہؓ...... مثلاً حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت طلحہؓ اور محمد بن
مسلمہؓ جیسے حضرات موجود ہیں' لیکن گورنری ملتی ہے ولید بن عقبہ کو' ٹھیک ہے کہ
ولید کی خالص دنیاوی صلاحیتوں کے بارے میں حسنِ ظن کی گنجائش موجود تھی'
اور اسی لئے یہ الزام خلیفہ برحق پر نہیں لگایا جا سکتا...... اور مودودی نے لگایا بھی
نہیں کہ ایک ناکارہ و ناقابل کو انہوں نے عہدہ دے دیا' مودودی تو خود اعتراف
کرتا ہے...... میاں صاحب نے اس اعتراف کو نقل بھی کیا ہے (جیسا کہ پیچھے ہم
اقتباس دے آئے) لیکن سوال یہ ہے کہ حسن ظن کے مستحق اور بارہا کے آزمائے
ہوئے اور مردانِ کار بھی تو ارد گرد موجود تھے' جن کے دامن کردار پر ولید
جیسا کوئی داغ نہیں لگا تھا' اور مسجد سے لے کر میدان کارزار تک ان کی بے مثال
سرفروشیوں کے نقوش موجود الوقت معاشرے کی پیشانی پر افشاں کی طرح
چمک رہے تھے' کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اگر آگے بڑھائے جاتے تو ولید جیسے یا ولید
سے بڑھ کر کارنامے انجام نہ دے سکتے۔

"پھر یہ نکتہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئے کہ صرف انتظامی اور جنگی کارنامے تو دنیا
کی ہر قوم میں کم و بیش پائے جاتے ہیں "خلافتِ راشدہ" کا وصف خاص بلکہ اس
کی روح یہ ہے کہ نیچے سے اوپر تک حکومتی مشینری کے تمام کل پرزوں پر تقویٰ'
انابت' انصاف اور دین و اخلاق کا روغن چڑھا نظر آئے' اور اصل اہمیت مادی

کامیابیوں کی نہ ہو' بلکہ ان طریقوں اور وسیلوں کی ہو جن کے واسطے سے یہ کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں "ایک دنیاوی حکومت کے لئے تو وہ حکام قابلِ صد تعریف ہو سکتے ہیں' جو کسی بھی طرح ملک کا خزانہ بھرنے میں چاق و چوبند ہوں' مگر ایک حقیقی اسلامی حکومت کے لئے بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ خزانہ پُر کرنے میں ظلم' دھوکا' دھاندلی اور احکامِ شرعی سے لاپروائی تو نہیں برتی گئی۔

یہ نکتہ ایک اصول کی حیثیت سے ہم نے بیان کیا' ذکر جس بات کا چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کے عزل اور ولید بن عقبہ کے تقرر کو تاریخ جس روایت سے وابستہ کر رہی ہے' اس کی کیا توجیہ کی جائے' ہم نے جو توجیہہ کی ہے وہ محض ایک امکان کی طرف اشارہ ہے' اگر اس میں کوئی سقم ہے تو اربابِ نظر کوئی اور مناسب تاویل سامنے لائیں' یہ وہی سلجھا سکتے ہیں جو جذباتی حماقتوں سے بالا ہو کر حقیقت پسندی کی اسپرٹ سے فکر و تدبر کر سکتے ہوں۔

طفلانہ شوخیاں:

بیچ بیچ میں کچھ ہلکی پھلکی باتیں کر لینا طبیعت میں انشراح پیدا کرے گا' لہٰذا میاں صاحب کی طفلانہ شوخیوں پر تھوڑا سا التفات کیجئے "خلافت و ملوکیت" کے بارے میں فرماتے ہیں:

> "اس تصنیف کا شاہکار یہی ہے کہ آپ نے غلطیوں کو سر تھوپا ہے اور واقعات پر پردہ ڈالدیا ہے جو ان غلطیوں کی تردید کرتے ہیں۔" ص ۲۲

حالانکہ جس کا جی چاہے "خلافت و ملوکیت" پڑھ لے وہ دیکھے گا کہ حضرت عثمانؓ کی صرف ایک ہی غلطی کا مودودی نے تذکرہ کیا ہے' اور وہ ہے ان کی اپنے خاندان سے غیر معمولی محبت' اس غلطی کو بھی انہوں نے گناہ کے طور پر پیش نہیں کیا ہے' بلکہ حضرت عثمانؓ کی تقدیس' جلالتِ شان' راشدیت' نیک نیتی'

دیانتداری 'اخلاص فی الدین اور تمام معلوم و ثابت خوبیوں کا بار بار اعتراف کرتے ہوئے اس محتاط اور نپے تلے انداز میں پیش کیا ہے جس کے اختیار کرنے میں بڑے بڑے علمائے سلف اور فضلائے زمانہ اور ائمہ اہلِ سنت نے بھی مضائقہ نہیں سمجھا' (جیسا کہ "خلافت و ملوکیت" میں موجود حوالوں سے ثابت ہے اور مزید والے ہم آگے چل کر دیں گے) پھر اس محبت نے حضرت عثمانؓ سے جو اقدامات کرائے ان کی تفصیل پیش کرتے ہوئے' مودودی نے یہ بتایا کہ یہ اقدامات نیک نیتی اور دیانت داری پر مبنی ہونے کے باوجود بہر حال اپنا سیاسی' طبعی اور نفسیاتی اثر و نتیجہ ظاہر کر کے رہتے اور کر کے رہے۔

کونسی غلطیاں ہیں جنہیں "تھوپنے" کا عنوان میاں صاحب دے رہے ہیں...... کیا یہ کہ جو لوگ واقعی حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے انہیں عزیز کیوں بتایا گیا؟ یا یہ کہ جن لوگوں کو عہدے دیئے گئے تھے ان کے بعض ایسے عیوب کا ذکر کیوں کیا گیا جو ثابت شدہ طور پر ان میں پائے جا رہے تھے؟ مودودی نے جو بات کہی ہے مضبوط حوالوں کے ساتھ کہی ہے' میاں صاحب پوری کتاب میں ایک واقعہ ایسا نہیں دکھا سکتے ہیں جس کی صحت کے لئے مستند کتابوں کے حوالے موجود نہ ہوں' البتہ میاں صاحب نے یہ کیا ہے کہ ایک ناسمجھ اور غبی مناظر کی طرح موقعہ محل کو سمجھے بغیر غیر متعلق اور لاطائل باتیں شروع کر دی ہیں' مثلاً گفتگو تو ہو رہی ہے یہ کہ ولید حضرت عثمانؓ کے بھائی تھے اور قرآن کی آیت نے ان کی فرد عمل کو داغدار بنا دیا تھا' مگر میاں صاحب صفحے کے صفحے یہ بتانے پر کالے کئے جا رہے ہیں کہ انہوں نے فلاں جگہ ایسی بہادری دکھائی' فلاں نو مسلم پر اس طرح مہربانی کی' فلاں سر پھرے کو اس طرح سزا دی' یہ ایسا ہی ہے جیسے مقدمہ تو چل رہا ہو کہ زید نے بکر سے قرض لیا ہے اور اب ادا نہیں کر رہا ہے' مگر زید کے وکیل صاحب قرض لینے کے ثبوت اور عدم ادائیگی کے الزام کو صاف کرنے کے بجائے' یہ راگ الاپنے لگیں کہ زید تو فلاں اونچے خاندان کا چشم و چراغ ہے' اس

نے فلاں موقعہ پر یہ بہادری دکھائی تھی' اسے فلاں فلاں حلقوں میں ایسی مقبولیت حاصل ہے وغیر ذالک' بتایئے ایسے وکیل کو وکیل کہیں گے یا مخبوط الحواس' جگہ جگہ ایسی ہی بے محل طول کلامی سے میاں صاحب نے کتاب کا حجم بڑھایا ہے' وہ بالکل نہیں سمجھتے کہ دعویٰ کسے کہتے ہیں' دلیل کس کا نام ہے' صغریٰ اور کبریٰ کی منطقی ترتیب کیا ہوتی ہے۔

صفحہ ۴٦ و ۴۷ پر فرمایا گیا :

> "اگر مودودی صاحب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' کے بارے میں منصفانہ رائے قائم کرنا چاہتے تو وہ تاریخ کی ورق گردانی کرتے اور تمام پہلوؤں پر نظر ڈالتے' مگر ان کا منشاء تو حضرات صحابہؓ کی حیثیت کو مجروح کرنا ہے' لہٰذا جہاں سے جو چیز مل جاتی ہے لکھ مارتے ہیں نہ اس میں اعتدال ہوتا ہے نہ توازن......"

خوش قسمت ہے مودودی کہ جھوٹی الزام تراشیوں کا ہدف بننے میں اس کی مظلومیت شاید ابو حنیفہ اور ابن تیمیہ اور عبدالوہاب نجدی اور سید قطب شہید رحمہم اللہ سے بھی بازی لے گئی ہے' یعنی یہ رعایت بھی اس غریب کو نہیں دی جاسکتی کہ جو رائے اس نے قائم کی ہے اس کے پیچھے دیانت اور نیک نیتی کا وجود تسلیم کرتے ہوئے اس کی تردید کی جائے' بلکہ یہ فیصلہ بھی ضرور دیا جائے گا کہ وہ جان بوجھ کر صحابہؓ کی توہین کر رہا ہے' اس کے قلب میں صحابہؓ کا بغض ہے۔

چلیئے مودودی کی خوش قسمتی کو تو ہم اس سے نہیں چھین سکتے' مگر میاں صاحب سے یہ ضرور پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ کون سے تمام پہلو ہیں جن پر نظر ڈالنے کی بات وہ فرما رہے ہیں' مودودی حضرت عثمانؓ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں بار بار اسی یقین اور عقیدے کا اظہار کرتا چلا گیا ہے' جو تمام اہل سنت کا سرمایۂ جاں ہے' اور وہ پہلو بھی جس نے میاں صاحب جیسے بر خود غلط

لوگوں کو غل غپاڑے پر آمادہ کیا ہے' ٹھیک اسی شکل میں اس کی کتاب میں منقوش ہے جس شکل میں مستند ترین کتابوں میں پایا جاتا ہے' یعنی حضرت عثمانؓ کی اقرباء نوازی اور صلہ رحمی' جتنی یقینی یہ بات ہے کہ دودھ سفید اور سورج روشن ہوتا ہے' اتنی ہی یقینی یہ بات ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے اقرباء اور خاندان سے غیر معمولی محبت رکھتے تھے" "اتنی غیر معمولی کہ عمر فاروقؓ نے بہت پہلے قسم کھاکر بتادیا تھا کہ اگر عثمانؓ خلیفہ بن گئے تو یہ اپنے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کردیں گے اور لوگ انہیں قتل کرڈالیں گے" اب اگر میاں صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سفید کو سفید اور روشن کو روشن کہنا ناانصافی ہے' تو بے شک مودودی نے ناانصافی کی ہے' لیکن اگر حقائق کو جھٹلانا انصاف نہیں خواہ وہ ہمارے لئے ناخوشگوار ہی کیوں نہ ہوں' تو بتایئے ان لایعنی فقروں کا کیا مطلب ہے جو ابھی ہم نے میاں صاحب کی کتاب سے نقل کئے۔

عبداللہ بن سعدؓ بن ابی سرح :

حضرت عثمانؓ کے ایک دودھ شریک بھائی تھے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح' ان کے بارے میں تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ ایک بار اسلام لاکر مرتد ہوگئے تھے اور مشرکین سے جاملے تھے' ان کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں کہ یہ مشرکین سے جھوٹ بھی بولتے اور حضورؐ کی توہین بھی کرتے' مثلاً "اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں ان کی دروغ بافی کا ایک نمونہ یہ دیا گیا ہے کہ وہ مشرکین سے کہتے تھے کہ محمد ﷺ تو میری مٹھی میں تھے جدھر چاہتا تھا پھیر دیتا تھا' وہ مجھ سے جب قرآن کی کتابت کراتے اور مثلاً عزیزٌ حکیم کے الفاظ لکھواتے تو میں پوچھتا کہ علیمٌ حکیم لکھ دوں' وہ کہتے ہاں ہر ایک ٹھیک ہے جو مناسب سمجھو لکھ دو۔

ظاہر ہے "ابنِ اثیر" نے ایک نمونہ دے دیا ہے ورنہ اتنا بیباک آدمی اور بھی

نہ جانے کس کس طرح حضور کا مذاق اڑاتا ہو گا' یہی وجہ تھی کہ ان کا نام ان تین آدمیوں میں تھا جن کے بارے میں رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ "خانۂ کعبہ" کے پردے سے بھی لپٹے ہوئے ملیں تو انہیں زندہ نہ چھوڑا جائے۔

یہ تفصیل تقریباً تمام مستند مؤرخین اور علماء و محدثین کے یہاں متفق علیہ ہے' اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ جب "فتح مکہ" کے بعد حضرت عثمان انہیں ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں معافی طلبی کے لئے آئے' تو حضورؐ نے تین بار تو حضرت عثمانؓ کے التماس پر خاموشی ہی اختیار کئے رکھی' چوتھی بار جب حضرت عثمانؓ نے گذارش کی تو قبول فرمالی' مگر جب حضرت عثمانؓ انہیں ساتھ لیکر واپس چلے گئے تو حضورؐ نے موجود صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا بھلا آدمی نہیں تھا کہ جب میں اس کی بیعت نہیں لے رہا تھا تو وہ اٹھ کر اسے قتل کر دیتا' عرض کیا گیا کہ ہم آپؐ کے اشارے کے منتظر تھے' حضور ﷺ نے فرمایا کہ نبی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ آنکھ سے خفیہ اشارہ کرے' اب دیکھئے یہ واقعہ مختصراً بیان کر کے مولانا مودودی نے لکھ دیا تھا:

> "آپؐ نے محض ان کے (حضرت عثمانؓ کے۔ تجلی) پاسِ خاطر سے ان کو (عبداللہ بن سعدؓ کو۔ تجلی) معاف فرما دیا تھا۔"

اس عبارت کو نقل کرنے سے پہلے میاں صاحب نے لکھا:

> "غور فرمایئے! ان غدار باغیوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو مودودی صاحب نے کس طرح حرزِ جان بنا لیا ہے۔" (ص ۱۷۲)

ذرا بتایئے تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ قارئین کیا اس کا مطلب اس کے سوا بھی کچھ سمجھیں گے کہ یہ جو کچھ مودودی نے لکھ دیا ہے امرِ واقعہ نہیں ہے' بلکہ صرف ان باغیوں کی ہرزہ سرائی ہے جو حضرت عثمانؓ پر غلط الزامات لگاتے تھے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی الزام نہیں ہے' بلکہ ایک ایسا امرِ واقعہ ہے جس میں اکثر مستند علماء کے مابین کوئی اختلاف ہی نہیں' "اسد الغابہ" کا حوالہ

ابھی ہم نے دیا' خود مولانا مودودی نے باب اور صفحے کی قید کے ساتھ پانچ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں : (۱) "نسائی" (جو "صحاح ستہ" میں سے ایک ہے) (۲) "مستدرک حاکم" (۳) "طبقات ابن سعد" (۴) "سیرت ابن ہشام" (۵) "الاستیعاب" ابھی ہم دس حوالے اور دے سکتے ہیں' مگر لطف یہ ہے کہ میاں صاحب نے اس روایت کی صحت سے انکار نہیں کیا ہے' پھر بتایئے بدترین بغض اور شرارت کے سوا اسے کیا کہیں گے کہ وہ چبا چبا کر اپنے قارئین کو یہ باور کرانا چاہ رہے ہیں کہ یہ تو جھوٹی باتیں تھیں جو حضرت عثمانؓ کے باغیوں نے کہی تھیں' مگر مودودی نے انہیں اس طرح دہرا دیا گویا وہ سچی ہوں۔

مزید حماقت ملاحظہ فرمایئے' لکھتے ہیں :

> "مودودی صاحب نے ان باغیوں کے الفاظ رٹ لینے کا اجرِ عظیم حاصل نہیں کیا' بلکہ اپنے ایک اجتہاد کا بھی مظاہرہ فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ بھی کسی کے پاس خاطر سے حلال کو حرام قرار دے دیا کرتے تھے' اور حرام کو حلال (معاذ اللہ)" ص ۱۷۲

اہلِ علم بتائیں کیا کوئی صحیح الدماغ اس طرح کی لغویات قلم سے ٹپکا سکتا ہے' میاں صاحب سے کوئی پوچھے کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں؟ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہے اور یقیناً آیا ہے کہ حضورؐ نے صرف حضرت عثمانؓ کی مروت میں بادلِ ناخواستہ عبداللہ ابن سعدؓ کی بیعت لے لی' تو میاں صاحب کے اعتراض کا ہدف تو معاذ اللہ حضورؐ ہی کی ذات بنتی ہے' پھر اس کے بعد وہ تمام اکابرینِ امت میاں صاحب کی بے تکی (باتوں کا) "معاذ اللہ" نشانہ بنتے ہیں جنہوں نے اس روایت کو درست مانا ہے' کیا میاں صاحب کے منہ پر آنکھیں نہیں ہیں' جو انہیں وہ حوالے نظر نہیں آتے جو ساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں' بہت سے بہت وہ یہ گل افشانی کر سکتے ہیں کہ سارے علمائے سلف کی رائے غلط' میں اس روایت کو درست نہیں مانتا' چلیئے نہ مانیئے مگر اس واقعے سے تو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ بہتیرے علمائے سلف و خلف نے اسے

اپنے نزدیک درست سمجھا اور بیان کیا ہے، تو اگر اس روایت کا لازمی مفہوم یہی نکلتا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کی پاس خاطر سے کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے لیا، تو پھر گمراہی یا بغض صحابہؓ یا توہینِ رسولؐ کا جو بھی طعن آپ مودودی پر کر رہے ہیں اس کے ہدف یہ سب ہی حضرات بنیں گے۔

پھر حیران ہوجیے کہ شیخ الحدیث ہوتے ہوئے بھی ان بزرگوار کو یہ سامنے کی بات معلوم نہیں ہے کہ "حلال و حرام" کی اصطلاحیں علوم دین کے کس شعبے سے تعلق رکھتی ہیں، مبتدی بھی جانتے ہیں کہ ان کا تعلق "فقہ" کے شعبے سے ہے۔ درانحالیکہ مفتوح قوم کے بعض افراد کو قتل کرنا اور بعض کو چھوڑنا سیاسی حکمتِ عملی سے تعلق رکھتا ہے جو فاتح کی صواب دید پر موقوف ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ حلال و حرام کی بحث یہاں ایک سرے سے پیدا ہی کہاں ہوئی، جو لوگ ہمیں ایذا پہنچائیں، ان سے بدلہ لینا یا انہیں نقصان پہنچانا ہمارے لئے حلال ضرور ہے لیکن اگر ہم بدلہ نہ لیں تو کیا احمق سے احمق آدمی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک حلال کو ہم نے حرام کر دیا، یہ کسی حدِ شرعی کا معاملہ نہیں تھا کہ ایک شخص شرعاً واجب القتل قرار پائے اور اسے معاف کر دینا گناہ کے دائرے میں آتا ہو، یہ تو اس دشمنی کا معاملہ تھا جسے معاف کر دینا "عزیمت" ہے "احسان" ہے، کیا حضور ﷺ نے ہزاروں مفتوحین کو معاف نہیں فرمایا؟ پھر حرام و حلال کا سوال کہاں سے آکھڑا ہوا اگر ایک عبداللہ بن سعدؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے لحاظ میں معاف فرما دیا گیا۔

تاہم اس بدیہی بات کو بھی اگر میاں صاحب کی مریض عقل ہضم نہیں کرتی تو وہ شوق سے اپنی ہانک ہانکے جائیں، مگر اس ہانک کا لازمی مطلب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ وہ یا تو خود حضور ﷺ پر طعن کر رہے ہیں، یا پھر مستند علمائے سلف کو جھٹلا رہے ہیں، بلکہ ان پر توہین رسول ﷺ کا الزام لگا رہے ہیں کیونکہ کہا بہر حال انہوں نے بھی وہی ہے جو مودودی نے کہا ہے۔

اور دیکھئے دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا فن شریف! کس

شائستگی کے ساتھ اسی مقام پر رقمطراز ہیں :

"ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس ذہنیت کے لئے کیا لفظ استعمال کریں جو حضرات صحابہؓ کی کمزوریوں کو تو تلاش کرتی ہے اور اس کے بیان کرنے میں قلم کا پورا زور صرف کر دیتی ہے' لیکن جو خوبیاں ہوتی ہیں وہ گویا اس کو نظر ہی نہیں آتیں' گویا قوتِ بینائی سلب ہو جاتی ہے۔" ص ۱۷۲

میاں صاحب کی بینائی کے نمونے تو ہم کئی دکھا چکے اور آگے بھی دکھائیں گے' مگر لطف یہ ہے کہ خاص اس جگہ بھی ان کا اچھالا ہوا طعن خود ان پر اس طرح چسپاں ہو رہا ہے کہ اسے طعن کے بجائے حقیقت اور امرِ واقعہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

بات کو دو اور دو چار کی طرح سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل دیکھنی ہو گی' مذکورہ عبارت کے بعد میاں صاحب نے لکھا :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سعدؓ کو جو انعام عطا فرمایا تھا وہ بعد میں واپس ہو گیا' مودودی صاحب نے اس کو خوب اچھالا' لیکن مودودی صاحب کا قلم ٹوٹ گیا' روشنائی خشک ہو گئی' جب یہ لکھنے کا وقت آیا کہ حضرت عبداللہؓ نے فتوحات کے ساتھ ایک مضبوط بحریہ بھی تیار کیا...... ص ۱۷۳

آگے ساڑھے تین لائنوں میں میاں صاحب نے بحری جنگ کے ایک ماہر کی حیثیت سے عبداللہ بن سعدؓ کی تعریف لکھی ہے۔

مودودی نے کس جگہ انعام والی بات اچھالی ہے اس کا حوالہ میاں صاحب نے نہیں دیا' اب ذرا ملاحظہ فرمائیے اس کف در دہاں الزام کی کیا حقیقت ہے ؟

مودودی صاحب ص ۳۲٦ پر لکھتے ہیں :

"بیت المال سے اپنے اقرباء کی مدد کے معاملے میں حضرت

عثمانؓ نے جو کچھ کیا اس پر بھی شرعی حیثیت سے کسی اعتراض
کی گنجائش نہیں ہے معاذ اللہ انھوں نے خدا اور مسلمانوں کے
مال میں کوئی خیانت نہیں کی تھی' لیکن اس معاملے میں بھی
انکا طریق کار بلحاظ تدبیر ایسا تھا جو دوسروں کیلئے وجہِ شکایت
بنے بغیر نہ رہ سکا۔"

غور سے پڑھ لیجئے ایک ایک لفظ' یہ وہ شخص لکھ رہا ہے جس کے بارے میں بغض و حسد کے مارے لوگ یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ اس نے حضرت عثمانؓ کی توہین کی ہے' یہی نہیں آگے انشاء اللہ حضرت عثمانؓ کی بحث میں ہم شواہد کے ساتھ ثابت کریں گے کہ مودودی نے تو ہرگز کوئی توہین نہیں کی' مگر معترضین اپنے قلب کی سیاہی اس کے منھ پر مل دینا چاہتے ہیں۔

یہاں نفس موضوع کی حد تک آپ نے دیکھ لیا کہ مودودی نے ایک ایسی بات کہی جو کسی پیغمبر کے بارے میں بھی کہہ دی جائے تو مطلق توہین یا گناہ نہیں (اس کے بھی قوی دلائل ہم اپنے موقعہ پر دیں گے) اس کے بعد انھوں نے "طبقات" سے امام زہریؒ کا ایک قول نقل کیا ہے' جس میں امام زہریؒ نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اہل و عیال کو عہدے دیئے اور رقمیں دیں' نیز انھوں نے "بیت المال" سے روپیہ بھی لیا اور قرض رقمیں بھی لیں' اس کے بعد مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

"اس کی تائید ابنِ جریر "طبری" کے اس بیان سے بھی ہوتی
ہے کہ "افریقہ" میں عبداللہ بن سعدؓ بن ابی سرح نے وہاں
کے بطریق سے ۳۰۰ قنطار سونے پر مصالحت کی تھی فامر بھا
عثمان لآل الحکم (پھر حضرت عثمانؓ نے یہ رقم آل حکم
یعنی مروان بن حکم کے باپ کے خاندان کو عطا کر دینے کا حکم
دیا) ص ۲۲۷

آپ دیکھ رہے ہیں بات "طبری" سے نقل کی گئی ہے' "طبری" ہی وہ کتاب ہے جس کے حوالوں سے میاں صاحب کی کتاب کا حجم بڑھا ہے' اچھی طرح دیکھئے اس میں کیا کہا گیا ہے' کیا اس میں عبداللہ ابن سعدؓ کو انعام دینے کا ذکر ہے؟ ان کا نام تو ایک معاملۂ مصالحت کے ذیل میں آیا ہے اور دوسرے مقام پر دو ایسی روایتوں کو تطبیق دینے کے ذیل میں آیا ہے جو ایک دوسرے سے الجھ رہی تھیں۔

پھر آخر اس شخص کو نابینا یا پھر تہمت باز نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے؟ جو مجرد ان دو عبارتوں کی بنیاد پر یہ کہے کہ مودودی نے عبداللہ بن سعد کو انعام دیئے جانے کا قصہ خوب اچھالا ہے۔

ہم کہتے ہیں تاریخی بحث میں کسی اضطراب کو رفع کرنے کے لئے پوری متانت اور استدلال کے ساتھ ایک تنقیح پیش کرنا جرم کیا ہے؟ جب کہ خود میاں صاحب بھی مانتے ہیں کہ انعام دیا گیا' اور یہ بھی مانتے ہیں کہ لوگوں کے اعتراض پر یہ انعام واپس ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ خود حضرت عثمانؓ نے عملاً یہ مان لیا تھا کہ معترضین کے اعتراض میں وزن ہے' نیز یہ کیا تک ہوتی کہ مودودی صاحب عبداللہؓ بن سعد کے ان کارناموں کا بھی تذکرہ کرتے جن کا موضوع کلام سے ادنیٰ تعلق نہیں' کیا مولانا مودودی عبداللہ بن سعدؓ کی سوانح حیات لکھ رہے تھے کہ فلاں واقعہ نہ لکھنے کا الزام کوئی معنی رکھتا' وہ صرف یہ بتارہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ادنیٰ خیانت کیے بغیر ازراہِ صلہ رحمی اپنے اقرباء کو مال عطا کیا' یہ بتانے کے لئے فقط اتنا ہی لکھنے کی ضرورت تھی کہ عبداللہ بن سعدؓ کو اتنی رقم دی گئی۔

مگر واہ رے میاں صاحب کی چشم بینا جو بات مودودی نے نہیں لکھی' اسے بھی اس کی طرف منسوب کر دیا اور انتساب بھی اس زور د شور سے کہ "خوب اچھالنے" کے الفاظ زیب قرطاس فرمائے۔

دو قدم آگے بڑھئے' فرماتے ہیں:

"اس سے زیادہ مودودی صاحب کی یہ بے انصافی مستحق صد

ملامت ہے کہ عبداللہؓ بن سعد کا یہ عیب تو بیان کیا کہ وہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے، لیکن انہی کے تذکرے کے آخر میں جو ان کی وفات کا قابلِ رشک تذکرہ ہے، بغض صحابہ کے مرض نے یہ توفیق نہیں دی کہ اس کو بھی بیان کر دیں" ص ۱۷۳

پہلے تو یہ فن کاری ملاحظہ فرمایئے کہ "معاذ اللہ" کیا جا رہا ہے، معلوم ہے کہ یہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کہی ہوئی بات خود قائل کے نزدیک انتہائی غلط ہو، مگر وہ دوسرے کا قول نقل کر رہا ہو، یہاں "معاذ اللہ" کہنے کا منشاء اس کے سوا کیا ہے کہ ارتداد کا جو واقعہ مسلمات میں سے ہے اور میاں صاحب بھی اس سے انکار نہیں کر سکے، اس کے سلسلے میں قارئین کو یہ تأثر دیتے چلے جائیں کہ یہ فقط مودودی کی بکواس ہے، وہی ایک صحابی پر ارتداد کا الزام گھڑ رہا ہے۔

دوسرے وہی پہلو نظر میں رہے کہ مودودی حضرت عبداللہ ابن ابی سرح کی داستانِ حیات نہیں لکھ رہے ہیں کہ ان کی پیدائش سے لیکر موت تک کے جملہ احوال لکھتے، ضمناً جب کسی ہستی کا ذکر آتا ہے تو اس سے متعلق صرف وہی باتیں لی جاتی ہیں جن کا تعلق موضوعِ کلام سے ہو، اگر عبداللہ بن ابی سرح کی موت حالتِ نماز میں واقع ہوئی تو اس کا تقاضا یہ کب ہے کہ جہاں بھی ان کا ذکر آئے لازماً ان کا یہ قصہ ضرور بیان ہو، مثلاً حضرت دانا پوریؒ کی "اصح السیر" اٹھایئے وہ "فتح مکہ" کے ذیل میں لکھتے ہیں :

> "عبداللہ بن سعدؓ بن ابی سرح یہ پہلے مسلمان تھے اور کاتب وحی بھی تھے مگر مرتد ہو گئے، اور جھوٹی جھوٹی باتیں مشہور کر کے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی، اس لئے ان کے قتل کا حکم ہوا، لیکن یہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے، انہوں نے اس کے لئے سفارش کی، حضورؐ دیر تک

ساکت رہے آخر معاف کر دیا لیکن صحابہؓ سے فرمایا کہ ہم نے
دیر اس لئے کی تھی کہ کوئی اس کو قتل کر دے' صحابہؓ نے کہا
یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اشارہ کیوں نہ کر دیا' فرمایا کہ نبی
اشارہ سے قتل نہیں کیا کرتا' بہر کیف یہ بعد میں صادق
مسلمان رہے۔" (اصح السیر۔ مطبوعہ نور محمد۔ کراچی۔ ص ۳۰۸)

بس۔ اس کے بعد دوسرے حضرات کا تذکرہ شروع ہو گیا ہے' اب میاں صاحب فرمائیں کہ کیا صاحبِ "اصح السیر" بھی بغض صحابہ کے مجرم ہیں' جو انہوں نے عبداللہ بن سعدؓ کے "عیب" کا ذکر تو اتنی تفصیل سے کر دیا مگر وہ سب باتیں نہ لکھیں جن کے نہ لکھنے پر آپ مودودی کو کچا چبا جانا چاہتے ہیں۔

اور دیکھئے مولانا عبدالشکور فاروقی ہمارے حلقوں میں "امام اہل سنت" کہلاتے ہیں اور حب صحابہؓ میں ان کا بڑا شہرہ ہے' انہوں نے برس ہا برس مدح صحابہ کی سرگرم خدمت کی ہے' وہ اپنی کتاب "خلفائے راشدین" میں لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن ابی سرحؓ کی شکایت آئی کہ وہ بہت ظلم کرتا ہے۔
حضرت عثمانؓ نے اس کو ایک فرمان تہدید آمیز بھیجا' مگر انہوں
نے بجائے اس کے کہ اس فرمان پر عمل کرتے ان شکایت
کرنے والوں کو پیٹا' یہاں تک کہ ان میں ایک آدمی مر بھی گیا'
پھر تو سات سو آدمی "مصر" سے آئے اور "مسجدِ نبوی" میں
صحابۂ کرامؓ سے انہوں نے اپنے مظالم کی داستان بیان کی'
حضرتِ طلحہؓ' حضرت علیؓ' ام المومنین حضرت عائشہؓ نے
حضرت عثمانؓ سے اس کے متعلق بہت کچھ کہا' حضرت عثمانؓ
نے یہ سن کر عبداللہ بن ابی سرحؓ کو حکومت "مصر" سے
معزول کر دیا۔" (خلفائے راشدین ص ۲۰۲ ترم بک ڈپو۔ دہلی ۶)

دیکھا آپ نے' امام اہل سنت نے عبداللہؓ کا ایک اور قصور بیان کیا اور

تعریف کا کوئی لفظ نہ لکھا' آگے پیچھے پھر کہیں عبداللہ بن سعدؓ کا ذکر ہے ہی نہیں۔ تو کیا میاں صاحب انہیں بھی کبھی مستحق صد ملامت قرار دے چکے ہیں 'کیا یہ بھی بغضِ صحابہؓ میں گرفتار تھے۔

مزید دیکھئے 'خاتم المحدثین مولانا انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد رشید اور "دارالعلوم دیوبند" کے درجہ علیا کے سابق استاذ مولانا محمد ادریس کاندھلوی اپنی کتاب "سیرت المصطفیٰ" کے صفحہ ۸۷ پر عبداللہ بن سعدؓ کے ارتداد اور بعد میں حضرت عثمانؓ کی درخواست پر انہیں معاف کرنے کی تفصیل لکھ کر حضور ﷺ کے اس ارشاد پر اپنا کلام ختم کر دیتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی سمجھ دار نہ تھا کہ :

"جب میں نے عبداللہ کی بیعت سے ہاتھ روک لیا تھا تو اٹھ کر اسے قتل کر ڈالتا۔"

نہ انہوں نے یہ لکھا کہ عبداللہ ابن سعدؓ 'بحری جنگ کے ماہر تھے 'نہ یہ لکھا کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا' نہ اور کوئی مدح کی' تو میاں صاحب فرمائیں کیا وہ بھی قابل صد ملامت ہیں ان کا بھی قلم ٹوٹ گیا اور روشنائی خشک ہو گئی۔

مزید سنیئے' "تحفہ اثنا عشریہ" میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان مطاعن کا ذکر کیا ہے 'جو شیعہ حضرات میں حضرت عثمانؓ کے بارے میں عام تھے 'ان میں ولید جیسے سزا یافتہ مجرم کو گورنر بنانے کا طعنہ بھی ہے 'آپ دیکھ چکے حضرت شاہ صاحب اس کی تردید نہیں کرتے' بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں عثمانؓ کی خطا کیا؟ انہیں ولید سے حسن ظن تھا یہ حسنِ ظن غلط ثابت ہوا اور شراب نوشی کی تحقیق ہو گئی تو آپ نے اسے سزا دی اور معزول کر دیا۔

ایک طعن عبداللہ بن سعدؓ کے بارے میں تھا یہ کہ :

ولی عبداللہ بن سعد مصر فظلم اھلھا ظلماً شدیداً حتیٰ اضطرھم الیٰ الھجرۃ الی المدینۃ وخرجوا الیہ۔ (ص ۲۵۹۔ حوالہ سابق)

(عثمانؓ نے) عبداللہ ابن سعدؓ کو ''مصر'' کا حاکم بنایا، پس اس نے وہاں والوں پر شدید ظلم ڈھایا، حتیٰ کہ اس ظلم نے انھیں ''مدینے'' کی طرف ہجرت پر مجبور کر دیا، اور وہ عثمانؓ کی طرف نکلے۔

اس کے جواب میں شاہ صاحب ان باتوں میں سے کوئی بات بیان نہیں کرتے جن کے بیان نہ کرنے پر مودودی کو قابلِ صد ملامت قرار دیا جارہا ہے' بس اتنا کہتے ہیں کہ ان شکایات کے پیچھے ''عبداللہ ابن سبا'' کی سازش تھی' اور اگر ظلم کی روایات درست بھی مانی جائیں تو اس میں عثمانؓ کا کیا قصور ہے؟ حضرت علیؓ کے بنائے ہوئے حاکموں نے بھی ان کی خواہش کے خلاف بے شمار حرکتیں کیں' اگر عثمانؓ ہی کے عامل کوئی خراب حرکت کرتے ہیں تو عثمانؓ پر اس کا الزام کیوں!''...... لطف یہ ہے کہ شاہ صاحب نے دورانِ جواب میں عبداللہ بن سعدؓ کے اس قابل اعتراض عمل کا ذکر اور کر دیا کہ انہوں نے محمدؓ بن ابی بکر کی تذلیل واہانت کی تھی۔

اب فرمائیں میاں صاحب! کیا شاہ صاحب بھی بغض صحابہؓ کے مجرم ہیں۔

اے انصاف والو! یہ نمونے ہم نے اس تقدیر پر دکھائے ہیں کہ مولانا مودودی نے عبداللہ بن سعدؓ کی کوئی تعریف نہ لکھی ہو' لیکن آپ یہ سنکر حیران ہوں گے کہ سچائی یوں نہیں ہے' بلکہ مودودی نے کئی سطریں تعریف کی لکھی ہیں جو میاں صاحب کو اس لئے نظر نہ آئیں کہ مودودی کے حسد اور بغض نے ان کی آنکھوں پر چربی چڑھادی ہے۔

ملاحظہ ہو ''خلافت وملوکیت'' صفحہ ۳۵۱ مودودی نے لکھا:

''اس میں شک نہیں کہ اس کے بعد (یعنی حضورؐ کی طرف سے معافی مل جانے کے بعد۔ تجلی) حضرت عبداللہ بن سعدؓ ایک مخلص مسلمان ثابت ہوئے اور ان سے پھر کوئی بات قابلِ اعتراض ظاہر نہیں ہوئی' اسی لئے حضرت عمرؓ نے ان

کو پہلے حضرت عمرؓ بن العاص کے تحت ایک فوجی افسر مقرر کیا اور بعد میں ''مصر'' کے ایک علاقے (صعید) کا بھی عامل بنادیا'' اب بتایئے آنکھوں میں دھول مودودی جھونک رہا ہے یا میاں صاحب' جھوٹے یہ ہیں یا وہ۔

ایک سوال:

میاں صاحب نے اپنی کتاب کے اواخر میں خوارج کا ذکر فرمایا ہے اور وہ حدیث نقل کی ہے جس میں اللہ کے رسولؐ نے یہ خبر دی تھی کہ ان لوگوں کی نمازوں اور روزوں اور تلاوۃ قرآن کا حال تم (صحابہ) سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا مگر یہ دین سے ایسے نکل جائینگے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ کی محض ظاہری نکوکاری اور عبادت گذاری لازماً اس کی بزرگی اور نجات کی دلیل نہیں بن سکتی' عین ممکن ہے کہ یک شخص کا ظاہری حال دینداروں جیسا ہو مگر عنداللہ وہ مردود ہو' اب ہم یا آپ نبی تو ہیں نہیں کہ قطعیت کے ساتھ کوئی فیصلہ دے سکیں' ہمیں تو ظاہر ہی کے مطابق ظن رکھنا ہوگا' لیکن اگر رسول اللہ ﷺ کے کسی فعل و قول سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص سے وہ نہایت بیزار تھے حتیٰ کہ اسے زندہ دیکھنا آپ پسند نہیں فرماتے تھے' تو کیا پھر بھی ہم یہ خیال کرنے میں کوئی گناہ کریں گے کہ اس شخص کے ظاہری اعمالِ نیک کا عنداللہ مقبول ہونا ضروری نہیں ہے۔

خصوصاً جب اس حدیث پر نظر کیجئے جو میاں صاحب نے اسی جگہ ص ۲۴۹ پر بیان کی ہے کہ ایک بار ''مالِ غنیمت'' کی تقسیم کے دوران ایک شخص نے حضور ﷺ کو ٹوکا کہ اے محمد ﷺ انصاف کرو' خدا سے ڈرو' حضور ﷺ کو اس فقرے سے بڑا صدمہ ہوا' بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں اجازت دیجئے اس کی گردن اڑادیں' آپؐ نے فرمایا نہیں بہت ممکن ہے نماز پڑھتا ہو۔

تو پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ جس شخص کے بارے میں صرف نمازی ہونے کا

امکان پاتے ہوں اس تک کو مروا ڈالنا پسند نہیں فرماتے' حالانکہ اس نے کتنی سخت بات کہہ دی تھی' اب عبداللہ ابن سعد کی طرف لوٹئے' کیا بیزاری کا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ثبوت ہوگا کہ پہلے آپؐ انہیں "مباح الدم" قرار دیتے ہیں (یعنی جہاں ملے مار ڈالو) پھر حضرت عثمانؓ اصرار سے دستکش نہیں ہوتے تو ازراہِ مروت بیعت لے لیتے ہیں' مگر پھر فوراً ہی صحابہؓ سے شکایت کرتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں تھا' جو میری ناگواری کو محسوس کر کے اس شخص کو قتل کر ڈالتا۔

اس کا مطلب حدیث مذکورہ کی روشنی میں یہی تو ہوا کہ حضورؐ کو عبداللہ ابن سعدؓ سے ذرا بھی خوش گمانی نہیں تھی' اب اگر عبداللہ ابن سعدؓ کی بعد کی کارگذاری اور ظاہری حالت اچھی بھی رہی ہو تو کیا قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب عنداللہ مقبول بھی ہوگا؟ کیا خوارج والی پیش گوئی سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ ظاہری اعمال کا اعتبار نہیں' اگر اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی قول یا فعل یہ ظاہر کر رہا ہو کہ آپؐ فلاں شخص سے بے حد خفا ہیں' عبداللہ ابن سعدؓ کے بارے میں تعریف و منقبت کی وہ پرجوش روش اختیار کرنا جو میاں صاحب نے کی ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ حضور ﷺ کی عبداللہ بن سعدؓ سے بیزاری و خفگی میاں صاحب کی نظر میں کوئی معنی نہیں رکھتی' بلکہ وہ گویا معارضہ فرمارہے ہیں حضور ﷺ پر کہ آپ اس شخص کو قتل کرا دینا چاہتے تھے' جو بعد میں اتنا بزرگ اور قابل تعریف ثابت ہوا۔

مولانا مودودی نے تعریف میں جو کچھ کہا ہے وہ ظاہر سے متعلق ہے' مگر میاں صاحب تو ایسے رہتے ہیں جیسے نعوذ باللہ حضورؐ کو چڑا رہے ہوں' مودودی پر کیچڑ اچھالتے ہوئے بلا سے سردرِ عالم ﷺ مجروح ہو جائیں کوئی پروا نہیں' شرم آنی چاہیئے میاں صاحب کو کہ اس شخص کی قصیدہ خوانی میں آپے سے باہر ہوئے جارہے ہیں جس سے حضورؐ کی بیزاری امر مسلم ہے' ہم حضرت عبداللہ بن سعدؓ پر

ہرگز کوئی حکم نہیں لگاتے' ان کا فیصلہ اللہ کو کرنا ہے' مگر ہاں یہ جرأت نہیں کرسکتے کہ ان کے ظاہری اعمال کو اخروی مقبولیت کا بھی سرٹیفکٹ دے دیں' جب کہ ان سے حضورؐ کی ناراضگی معلوم ہے' یہ میاں صاحب ہی کو مبارک کہ وہ اس درجہ ان کے مدح خواں ہیں کہ اگر مودودی بلاضرورت ان کے کارناموں کا ذکر نہ کرے تو میاں صاحب منہ میں جھاگ بھر بھر لائیں' گویا خفگی اصل میں حضور علیہ ﷺ پر ہے کہ بھلا دیکھو ایسے قابل اور نیک شخص کو وہ قتل کرائے دے رہے تھے!

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

حضرت سعید بن العاصؓ:

حضرت سعید بن العاصؓ کا ذکر مودودی نے بس اتنا کیا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں چھوٹے عہدوں پر رہے تھے' حضرت عثمانؓ نے انہیں گورنر بنادیا' اب دیکھئے میاں صاحب کیا فوں فاں دکھاتے ہیں فرمایا:

> "مودودی صاحب کی خوردبین بہت ہی تیز ہے کہ جو چیز کسی اور کو نظر نہیں آتی وہ ان کا مطمح نظر اور موضوع کلام بن جاتی ہے اور آپ کو اس پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ بڑے بڑے واقعات جن کو چشم کور بھی محسوس کرسکتی ہے مودودی صاحب کی نظر سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔" (ص ۷۵' شواہد تقدس)

یہ کس چیز کی طرف اشارہ ہے' اس کی بھی وضاحت میاں صاحب نے چند لائن بعد یہ کہہ کر کردی کہ:

> "مودودی صاحب کو حضرت سعیدؓ کے متعلق صرف یہ نظر آیا۔ "اپنے عزیز" ص ۱۰۷

"اپنے عزیز" کے الفاظ مودودی نے "خلافت وملوکیت" کے صفحہ ۱۰۷ پر لکھے ہیں' اب گویا میاں صاحب اپنے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ سعیدؓ حضرت عثمانؓ کے عزیز نہیں تھے' یہ مودودی کی من گھڑت بات ہے۔
لیکن حقیقت کیا ہے یہ ہم بتائیں ؟ حضرت سعیدؓ کا نسب یوں ہے 'سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیہ' ان کا حضرت عثمانؓ کا عزیز ہونا ذیل کی تمام کتابوں میں موجود ہے :

"اسد الغابه ". "الاستيعاب" . "الاصابه". "عثمان بن عفان ". "طبقات ابن سعد" . "كنز العمال" . "البداية والنهاية" ."تاريخ الخلفاء". "تاريخ ابن خلدون" . "تاريخ عقدالجمان". "النزاع والتخاصم". "مسالك الابصار فى الممالك والامصار" . "انساب الاشراف".

اور اگر کوئی ضرورت ہو تو اتنے ہی حوالے ہم اور پیش کر سکتے ہیں' اب بتایئے کہ میاں صاحب کا ٹھیک یہ عالم نہیں ہے کہ خود بینائی کھو چکے ہیں اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ ساری دنیا اندھی ہو گئی ہے 'جو بات ساری ہی کتابوں میں موجود ہو اسے دیکھنے کے لئے مودودی کو تو خوردبین کی ضرورت نہیں پڑ سکتی' البتہ خود میاں صاحب کو ایسی کوئی عینک تلاش کرنی چاہئے جو گئی ہوئی نگاہ واپس لادے۔
اور سنئے۔ مولانا مودودی نے لکھا تھا :

"سعید بن العاص اور عبد اللہ بن عامر چھوٹے چھوٹے عہدوں پر رہے تھے۔" ص ۳۲۴

میاں صاحب اسے نقل کر کے لاٹھی گھماتے ہیں :

لیکن مودودی صاحب کے مستند ترین امام تاریخ ابن جریر "طبری" بیان فرماتے ہیں...... "ص ۷۵

ٹھیر جایئے۔ کیا فرماتے ہیں اس کا تو بیان آگے ہوگا پہلے اس طنزیہ جملے کا تجزیہ کر لیجئے' مولانا مودودی نے "خلافت و ملوکیت" کے لئے جن مآخذ کو سامنے رکھا ہے ان کی پوری فہرست کتاب کے آخر میں دیدی گئی ہے' خود ہم آگے مناسب موقع پر اس فہرست کو نقل کریں گے "طبری" سے لیا ہوا مواد تو ان کی کتاب میں پانچ فیصد بھی نہیں' البتہ ان کا قصور یہ ہے کہ جاہل معترضین نے جب تاریخ کی "امہات کتب" ہی کو ان کی عداوت میں سب و شتم اور تحقیر کا نشانہ بنانا شروع کیا' تو انہوں نے "خلافت و ملوکیت" میں ان کتابوں کا نام بہ نام تعارف کرا دیا ہے اور اہل علم کی آراء ان کے بارے میں درج کی ہیں' اسی ذیل میں "طبری" کا بھی تعارف کرایا ہے اور دکھایا ہے کہ بڑے بڑے اساطین اسے مستند مانتے ہیں۔

اب اس جملے کو دیکھئے جو میاں صاحب نے طنزاً فرمایا' کیا اہلِ زبان سے یہ بات مخفی ہے کہ ایسا جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب خود بولنے والے کے نزدیک وہ چیز مستند نہ ہو جس کے مستند ہونے کا دعویٰ فریق ثانی کر رہا ہے' حالانکہ صورتِ حال یہ ہے کہ خود میاں صاحب کی ساری کتاب کا ۹۵ فیصد مواد "طبری" سے لیا گیا ہے' یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے صرف وہ ٹکڑے لے لئے ہیں جو انہیں پسند آئے اور وہ تمام روایات چھوڑ دی ہیں جو یہ بتانے والی تھیں کہ مودودی ہی ٹھیک لکھ رہا ہے'۔ خیر اب یہ دیکھئے "طبری" کی کس روایت سے وہ مولانا مودودی کے منہ پر طمانچہ مارنا چاہتے ہیں :

> "طبری بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جنگ "طبرستان" میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی' "(فلاں فلاں صحابہؓ آپؓ کے زیر کمان رہے' معرکہ سخت ہوا حتیٰ کہ کامیابی ملی) ص ۵۸

گویا میاں صاحب نے یہ اعتراض فرمایا ہے کہ ،اے مودودی تم جو یہ بکواس کر رہے ہو کہ سعید بن العاص چھوٹے چھوٹے عہدوں پر رہے تھے تو سنو ابن جریر طبری کیا فرما رہے ہیں؟ دیکھتے نہیں ان کے بیان کے مطابق سعیدؓ جنگ

"طبرستان" میں سپہ سالاری کر رہے ہیں۔

اب اہل انصاف "خلافت و ملوکیت" کا وہ صفحہ کھول کر دیکھیں جہاں سے میاں صاحب نے ایک سطر اٹھائی ہے' یہ صفحہ ہے ۳۲۴' اسے دیکھنے کے بعد انہیں ذرا شک نہیں رہے گا کہ میاں صاحب یا تو بد دیانت ہیں یا نیم بینا یا انتہائی ناسمجھ' مودودی زمانۂ عمرؓ کا ذکر کر رہا ہے حالانکہ میاں صاحب اچھل کر جس جنگ "طبرستان" کا ذکر "طبری" کی زبان میں فرما رہے ہیں وہ ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہوئی ہے' اس صورت میں مودودی پر آنکھیں نکالنے کا جواز کہاں سے پیدا ہو گیا؟ کیا زمانۂ عثمان میں جنگ "طبرستان" کا سالارِ جنگ ہونا مودودی کے اس بیان کی تردید کرتا ہے کہ حضرت سعید زمانۂ عمرؓ میں چھوٹے عہدوں پر فائز تھے۔(۱)

خدا ہی جانے عقل دشمنی اور بے حیائی کی کون سی فلک بوس چٹان ہے' جس پر میاں صاحب جا کھڑے ہوئے ہیں' ایسی لغویتیں تو پرائمری کا کوئی بچہ بھی نہیں پھیلا سکتا' اور ان صاحب کی فضول نویسی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ موقعہ ہو نہ ہو باتیں کرتے چلے جا رہے ہیں' اب مثلاً اسی مقام پر "طبری" کی مذکورہ روایت بیان کرنے کے بعد متعدد صفحات تک سعید بن العاصؓ کے مناقب بیان فرمائے ہیں' کوئی ان سے پوچھے کہ ان مناقب کا انکار مودودی نے کہاں کیا؟ ذکر صرف دو باتوں کا تھا' ایک تو حضرت عثمانؓ سے ان کی عزیز داری اور دوسرے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کا کسی بڑے عہدے پر فائز نہ ہونا' مگر واہ رے میاں صاحب' مناقبِ سعیدؓ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> "عجیب بات یہ ہے کہ مستند ترین مؤرخین نے جو باتیں فرمائیں حضرت مودودی صاحب کو ان میں سے کسی کی خبر نہیں' صرف وہ بات یاد ہے جو کسی مؤرخ نے تحریر نہیں کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے....." ص ۵۹

(۱) خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے (مرتب)

دیکھ رہے ہیں آپ شوقِ ہذیان' گویا مودودی نے اپنی کتاب میں صرف ضمناً جن جن افراد کا تذکرہ کیا ہے اگر ان کے بعض حالات انہوں نے بیان نہیں کیے ہیں تو لازم ہوا کہ ان سے وہ بے خبر ہیں' علاوہ ازیں پھر میاں صاحب نے یہ جتلانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت سعیدؓ اور حضرت عثمانؓ کی قرابت داری مودودی کی تصنیف ہے' کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا' اب اس دھاندلی اور یاوہ گوئی کا کیا علاج ہے' ہم اتنے بہت سے حوالے دے چکے ہیں' حضرت سعیدؓ کا "بنو امیہ" میں سے ہونا ایک ایسا امرِ واقعہ ہے جس میں دو رائے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

لفظ طلقاء کی بحث :

مولانا مودودی نے "خلافت عثمانی" کے عوام کی بے چینی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے وجوہ کا تذکرہ بایں طور شروع کیا ہے :

> "اول یہ کہ اس خاندان کے جو لوگ دورِ عثمانی میں آگے بڑھائے گئے وہ سب "طلقاء" میں سے تھے" "طلقاء" سے مراد "مکہ" کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی ﷺ اور دعوت اسلامی کے مخالف رہے "فتح مکہ" کے بعد حضورؐ نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے"۔ ص ۱۰۹

اہلِ علم بتائیں کیا لفظ "طلقاء" کی مراد مودودی نے غلط بتائی ؟ یا کیا ایسی کوئی بات کہہ دی جو بغض یا اتہام کا شائبہ اپنے اندر رکھتی ہو ؟ ظاہر ہے کہ نہیں اور بالکل نہیں "طلقاء" ایک اصطلاحی لفظ ہے اور جملہ اہلِ علم "فتح مکہ" کے بعد ایمان لانے والوں کو "طلقاء" ہی کہتے ہیں۔

مگر خدا بچائے کینہ و تعصب سے' میاں صاحب نے طے کر رکھا ہے کہ جو بھی الٹا سیدھا اعتراض ان کی عقل شریف میں آئے' مودودی کی طرف ضرور

اچھالیں گے' پہلے تو آپ فرماتے ہیں :

"مان لیجئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طلیق ہی ہیں اور یہ روایت صحیح نہیں ہے کہ آپ "فتح مکہ" سے پہلے مسلمان ہوگئے"۔ ص ۱۲۹

یہ ایک دجل ہے جو انہوں نے قارئین کے ساتھ فرمایا ہے' ظاہر ہے اس طرح کی عبارت اسی وقت لکھی جاتی ہے جب امر واقعہ تو وہ نہ ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے لیکن قائل نے مفروضے کے طور پر اسے تسلیم کر لیا ہو' ہم اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ علمی طریق ہے ؟...... حضرت معاویہؓ "فتح مکہ" سے قبل ایمان لائے بے شک بعض روایات ایسی بھی آئی ہیں لیکن کیا محدثین و محققین کی تنقید و تحلیل کے بعد اہل سنت کے اساطین نے اس پر اتفاق نہیں کیا کہ یہ روایات غلط ہیں' اور معاویہؓ "فتح مکہ" کے بعد ہی ایمان لائے' اس موضوع پر ہم بات کو طول دینا اس لئے نہیں چاہتے کہ تحصیل حاصل ہو گی' لیکن اگر میاں صاحب یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے غلط کہا ہے تو ہم بدل و جان اپنے قول کا قطعی ثبوت پیش کرنے کو تیار ہیں۔

آگے سنئے۔ آپ کو لفظ طلیق پر بڑا غصہ آیا' کسی لڑاکا ساس کی طرح فرماتے ہیں :

"اور آپ لفظ طلیق "طلقاء" کا تکلف ہی کیوں برتتے ہیں صاف کہہ دیجئے کہ حضرت معاویہؓ اسی ہندہ کے بیٹے تھے جس نے "جنگ احد" کے موقعہ پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا تھا' پھر شہداء کے ناک کان کاٹ کر ان کا ہار بنایا تھا اور سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر چبایا تھا' اور حضرت معاویہؓ اسی ابو سفیان کے بیٹے ہیں جو اسلام کے مقابلہ میں کفر کا علمبردار......" ص ۱۳۰

آگے دو سطر تک ایسے ہی حقائق بیان کرتے چلے گئے ہیں' اب کوئی ہمیں

بتائے ایسی بوالفضولی کا کیا جواب ہو؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سارے علماء واتقیاء جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کے لئے "طلقاء" کی اصطلاح پر اتفاق کیا ہے' میاں صاحب کے نزدیک "بغض صحابہؓ" کے مرض میں مبتلا ہیں اور یہ لفظ بول کر وہ محض تکلف برتتے ہیں ورنہ ان کے اندر صحابہؓ کی عداوت بھری پڑی ہے' لطف یہ ہے کہ یہاں تذکرہ تنہا حضرت معاویہؓ ہی کا نہیں تھا' بلکہ مودودی نے معاویہؓ' ولید بن عقبہ' مروان بن الحکم سب کا نام ساتھ ساتھ لیا ہے مگر میاں صاحب کے ایسی آگ لگ گئی ہے' جیسے حضرت معاویہؓ کو گالی دے دی گئی ہو' آگے فرماتے ہیں :

> "مگر واقعہ یہ ہے کہ انہیں "طلقاء" کے متعلق اسی حدیث بلکہ اسی جملہ انتم الطلقاء سے پہلے لفظ کو سخن پروری نہ مانا جائے اور لسانِ رسالت سے صادر شدہ کلمات کو حقیقت اور حکم شریعت سمجھا جائے تو قطعاً جائز نہیں ہوگا کہ بحث و تنقید کے وقت ان حضرات کی حیثیت گھٹانے کے لئے طلیق ہونے کا طعنہ دیا جائے"۔ ص ۱۳۰

کیا مطلب ہوا؟...... کوئی صاحب زبان ہے جو اس شاندار اردو کا مفہوم ہمیں بتادے' حضور ﷺ کے جس ارشاد پر اصطلاح طلقاء کی بنیاد ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے فتح کے بعد فرمایا: اذھبوا انتم الطلقاء اسی حدیث کا میاں صاحب نے ذکر کیا ہے لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ "انتم الطلقاء سے پہلے لفظ کو سخن پروری نہ مانا جائے"۔

اس سے پہلا لفظ اذھبوا ہے' صاف ظاہر ہے کہ میاں صاحب "سخن پروری" کے محاوراتی مفہوم سے واقف نہیں ورنہ یہ لفظ یہاں ہرگز استعمال نہ کرتے' بھلا کون مسلمان حضورؐ کے کسی ارشاد کو نعوذباللہ "سخن پروری" پر محمول کر سکتا ہے' پھر حقیقت کے ساتھ حکم شریعت کا یہاں کیا تک ہے' حقیقت تو

بلکہ درست کہ حضورؐ نے انہیں قید نہیں کیا' ہلاک نہیں کیا' چھوٹ دے دی
کہ جاؤ مزے کرو' مگر "حکم شریعت" چہ معنی دارد؟...... ساڑھے تیرہ سو برسوں
میں آج تک تو اس حدیث مبارک کو کسی عالم نے "حکم شریعت" سے نہیں جوڑا
بلکہ اسے حضورؐ کے بے نہایت عفو و درگزر اور رافت و رحمت کے شاہکار کی
حیثیت سے ذکر کیا' اب میاں صاحب کون سی کدال سے "حکم شریعت" کھودنے
کی کوشش کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میاں صاحب کو مافی الضمیر ادا کرنے اور الفاظ کو صحیح
استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہے اور رہی سہی صلاحیت کو بغض مودودی نے تباہ
کر دیا ہے' اس لئے اوٹ پٹانگ لکھے چلے جا رہے ہیں' کسی نہ کسی طرح انہوں نے
یہ اجتہاد کر ہی ڈالا کہ حیثیت گھڑنے کے لئے "طلقاء" کا طعن جائز نہیں
ہے انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ طعن اور معروضی انداز بیان میں کیا فرق ہے' ہم
مودودی کی عبارت نقل کر آئے ہیں' جس کا جی چاہے کتاب اٹھا کر آگے پیچھے سے
دور تک پڑھ لے' وہ صرف یہی دیکھے گا کہ جو حقائق کتب معتبرہ سے ثابت ہیں انہیں
خالص معروضی انداز میں مودودی نے پیش کر دیا ہے' طعن' تضحیک' طنز کا شائبہ تک
نہیں' لیکن ظاہر ہے کہ اگر کسی کے اندھے ہونے کا ذکر ہے تو آدمی بہر حال کوئی نہ
کوئی لفظ ایسا استعمال کرے گا جس سے واضح ہو کہ فلاں شخص کی آنکھیں نہیں تھیں'
اسی طرح جب مولانا مودودی اضطراب عام کے اسباب بیان کرنے کے سلسلہ میں
ان لوگوں کی قرار واقعی پوزیشن کا ذکر کریں گے' جنہیں آگے بڑھانے پر لوگوں کو
اعتراض ہوا تو آخر اسے طعن کون صحیح الدماغ کہہ دے گا۔

واضح رہے کہ "طلیق" آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں "طلقاء" اسی کی جمع ہے۔
حضورؐ نے جب کفار و مشرکین سے کہا کہ اذھبوا انتم الطلقاء تو قدرتاً اس کا
یہی مطلب تھا کہ اگر چہ تم لوگ اس کے مستحق ہو کہ غلام بنائے جاؤ' مگر ہم تمہیں
از راہِ دریا دلی آزاد چھوڑ رہے ہیں' اسی لئے بعد کے علماء و اتقیاء نے لفظ "طلقاء" کو

ایسی ہی ایک اصطلاح بنالیا جیسے "مہاجر اور انصار" کی اصطلاحیں ہیں' جب بھی علمائے سلف نے لفظ "طلقاء" استعمال کیا ہے لازماً ان کی مراد یہ رہی ہے کہ یہ لوگ "مہاجرین وانصار" کے مقابلہ میں کمتر ہیں' سورج کو دلیل کی ضرورت نہیں پھر بھی ایک قول صحابیؓ ملاحظہ فرماہی لیجئے :

حضرت شاہ ولی اللہؒ "ازالۃ الخفاء" میں "مہاجرین وانصار" کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

ومتبنی بر ہمیں اصل ست کلامے کہ ابن عمرؓ مہیاکردہ بودکہ بامعاویہ بن ابی سفیان بگوید:
احق بھذا الامر منك من قاتلك و قاتل اباك علی الاسلام اخرجه البخاری.

اور اسی اصل پر (یعنی مہاجرین وانصار کی مسلمہ افضلیت پر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا وہ کلام مبنی ہے جو انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان سے کہنے کو تجویز کیا تھا کہ اے معاویہ! خلافت کے لائق تم سے کہیں زیادہ وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام پر مقاتلہ کیا تھا (یعنی علیؓ) اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

ابھی نقل پوری نہیں ہوئی' ہم چاہتے ہیں کہ میاں صاحب کسی لڑاکا مرغ کی طرح ذرا عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی وہی سب فرمادیں جو مودودی سے کہا ہے۔ یعنی "ہاں ہاں صاف کیوں نہیں کہتے" الیٰ آخرہ۔

آگے شاہ صاحب نے تحریر فرمایا :

وکلام عبدالرحمن بن غنم اشعری فقیہہ شام چون ابوہریرہؓ وابو درداءؓ از نزدیک حضرت مرتضیٰؓ برگشتند وایشاں میانجی بودند میانِ معاویہؓ و حضرت مرتضیٰؓ و معاویہؓ طلب می کرد کہ

خلافت بگزارد و شوریٰ گرداند درمیان مسلمین فکان مما قال لهما عجباً منکما کیف جاز علیکما ماجئتمابه تدعوان علیا ان یجعلها شوریٰ وقد علمتما انه قد بایعه المهاجرون والانصارواهل الحجاز والعراق وان من رضیه خیر ممن کرهه' ومن بایعه خیر ممن لم یبایعه وایُّ مدخل فی الشوریٰ وهو من الطلقاء الذین لایجوز لهم الخلافة وهو و ابوه رؤس الاحزاب فندما علیٰ مسیرهما و تابا بین یدیه۔ اخرجه ابوعمر فی الاستیعاب

اور فقیہ شام عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کا کلام (اسی اصل پر مبنی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ) حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو درداءؓ (جو حضرت علیؓ کے پاس حضرت معاویہؓ کا یہ پیغام لے کر گئے تھے کہ تم خلافت سے دستبردار ہو جاؤ' اور خلافت کو مسلمانوں کے ارباب شوریٰ کے حوالے کردو) جب حضرت علیؓ کے پاس سے (یہ پیغام پہنچا کر) لوٹے (اور "حمص" پہنچے جہاں عبدالرحمٰن بن غنم اشعری تھے) تو ابن غنم نے دوسری باتوں کے علاوہ ان سے یہ بھی کہا کہ حیرت ہے تم پر کہ ایسا پیغام علیؓ کے پاس لائے تھے اور تعجب ہے کہ کیسے تم نے علیؓ سے یہ کہہ دیا کہ خلافت کو اہلِ شوریٰ میں دائر کردو' حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ مہاجرین اور انصار اور اہل حجاز و عراق علیؓ سے بیعت کر چکے ہیں اور یقیناً وہ لوگ جو علیؓ کی خلافت سے راضی ہو گئے' ان لوگوں سے بہتر ہیں جو علیؓ

کی خلافت سے راضی نہیں ہیں' اور جن حضرات نے علیؓ سے
بیعت کرلی ہے وہ بیعت نہ کرنے والوں سے افضل ہیں اور بھلا
شوریٰ سے معاویہؓ کو کیا ملے گا وہ تو "طلقاء" میں سے ہیں جن
کے لئے خلافت کا جواز ہی نہیں' وہ تو وہ ہیں کہ وہ اور ان کے
باپ "جنگ احزاب" میں کفار کے سردار تھے' (ابن غنم کی یہ
باتیں سن کر) ابو ہریرہؓ اور ابو درداءؓ نادم ہوئے کہ کیوں ہم
معاویہؓ کا پیغام لے کر علیؓ کے پاس پہنچے اور اسی وقت ابنِ غنم
کے سامنے اپنے اس عمل سے توبہ کی' بیان کیا ہے اسے ابو عمر
نے "الاستیعاب" میں۔

(الازالۃ الخفاء۔ مطبوعہ نور محمد کراچی صفحہ ۲۷۷ و ۲۸۴ جلد اول)

کہاں ہیں میاں صاحب' ذرا انہیں آواز تو دیجئے' مودودی نے تو واقعۃً وہ سب کچھ نہیں کہا تھا جسے تعریضاً میاں صاحب قلم سے اگلتے چلے گئے ہیں' بس "طلقاء" کہہ کر آگے بڑھ گئے تھے مگر یہاں تو فقیہ شام ابنِ غنم کیا کیا کہتے چلے جا رہے ہیں' انہوں نے یہ لفظ نہ صرف حیثیت گھٹانے کے لئے کہا بلکہ ایک قاعدہ بھی بیان کر دیا کہ "طلقاء" "خلافت راشدہ" کی مسند پر بیٹھنے کے اہل...... ہی نہیں اور اس قاعدہ کو دو جلیل القدر صحابہؓ نے اس طرح مان لیا گویا وہ خود بھی اسے جانتے تھے' مگر بھول گئے تھے اور اب بھولنے پر پچھتا رہے ہیں۔

اگر میاں صاحب کے نادر اجتہاد کے مطابق شان گھٹانے کے لئے "طلقاء" کا استعمال ناجائز ہے تو پھر کیا ارشاد ہے ابنِ غنم اور ابو ہریرہؓ اور ابو درداءؓ اور شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں جب کہ اس لفظ کو صریحاً شان گھٹانے ہی کے لئے بولا گیا ہے۔

حق یہ ہے کہ جو شخص "طلقاء" سے ایسی غالی عقیدت رکھتا ہو کہ انہیں "مہاجرین وانصار" کے مقابلہ میں کمتر سننا اسے کسی قیمت پر گوارا نہ ہو وہ خدا اور رسولؐ اور ائمہ وعلماء سب کا مجرم ہے' اس کا دینی مزاج فاسد ہے' اس کی اخلاقی

حس باطل ہو گئی ہے، وہ مسلمہ حقائق سے روگرداں اور اوہام باطلہ کی وادیٔ تاریک میں سرگرداں ہے، مودودی دشمنی اس شان کی تو نہ ہونی چاہیئے کہ آدمی اپنے علم اپنے فکر اپنے دین سب کو تماشہ بنا دے۔

میاں صاحب مزید فرماتے ہیں کہ اذھبوا انتم الطلقاء سے قبل حضورؐ نے یہ ارشاد کیا تھا کہ:

"اقول لکم کما قال یوسف لاخوته لا تثریب علیکم الیوم۔ میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، آج کوئی ملامت نہیں"۔ ص ۱۳۰

لسانی پہلو:

منطقی پہلو سے قبل ذرا لسانی پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

آیت میں علیکم کا لفظ صاف موجود ہے، میاں صاحب کا اعلان ہے کہ میں تحت اللفظ ترجمہ پیش کر رہا ہوں، پھر بتایا جائے کہ "علیکم" کا ترجمہ انہوں نے کیا کیا؟ لطف یہ ہے کہ اس آیت کا اگر بامحاورہ ترجمہ بھی کیا جائے تو "علیکم" کا ترجمہ پھر بھی کیا جائے گا، کیونکہ اس کے بغیر فقرہ لنجا اور غیر فصیح رہ جاتا ہے، حضرت یوسفؑ نے فرمایا تھا:

"آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں"۔

تم پر (علیکم) کو حذف کر کے میاں صاحب نے ترجمہ کیا "آج کوئی ملامت نہیں"" گویا جو حرف خطاب جملہ مکمل کر رہا تھا اسے چھوڑ دیا، اس سے اگرچہ مفہوم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا مگر دو باتیں ضرور ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ قرآن تک کے ترجمے میں میاں صاحب لاپروا ہیں، دوسرے یہ کہ زبان و بیان کو حسنِ انشاء اور فصاحت کی رعنائی دینے کے عوض وہ اس کی مٹی پلید کرنے کے درپے ہیں۔

مزید یہ کہ "تثریب" کا ترجمہ انہوں نے "ملامت" کیا حالانکہ تثریب کہتے ہیں گرفت، سرزنش، ڈانٹ، الزام، دارو گیر اور طعن کو نہ کہ "ملامت" کو۔ "ملامت کرنا" اس وقت صحیح ترجمہ ہوتا جب یہ لفظ معنی مصدری میں استعمال ہوتا، لیکن یہاں بطور اسم صفت استعمال ہوا ہے جس کی دلیل علیکم ہے (اس نکتے کو میاں صاحب "کافیہ" یا "شرح جامی" دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کریں) اسی لئے ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مستند اور معروف علماء کے جو تراجم قرآنی بازار میں پائے جاتے ہیں ان میں کسی میں بھی "ملامت" نظر نہیں آئے گا۔

یہ تسلیم کہ "ملامت" کے لفظ نے بھی مراد و مدعا میں تبدیلی نہیں کی، لیکن سوال الفاظ کے بر محل اور فصیح و بلیغ استعمال کا ہے "ملامت" سے بھی کھینچ تان کر آیت کی مراد صحیح نکل تو آتی ہے مگر ایک صاحبِ زبان اور ایک دیہاتی کا فرق یہی تو ہے کہ صاحب زبان الفاظ کا بر محل استعمال کرتا ہے جس سے قاری وسامع کے وجدان کو لذت ملتی ہے، اور دیہاتی صرف اظہار مدعا کرتا ہے جس سے وجدان کے حصہ میں کوئی لذت اور فرحت نہیں آتی، بس کھینچ تان کر کے مطلب نکال لیجئے۔

منطقی رخ سے دیکھئے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میاں صاحب ثابت کرنا کیا چاہ رہے ہیں؟ خفا وہ لفظ "طلقاء" کے استعمال پر ہو رہے تھے، اس کے بعد انہوں نے "سخن پروری" والا لایعنی جملہ بول کر ایک نادر اجتہاد نکالا، اور اس اجتہاد کی دلیل کے طور پر یہ قول رسول ؐ نقل کیا، ہم نہیں سمجھتے کہ یہ کس قسم کی دلیل ہے۔ ہمیں تو یہ نظر آرہا ہے کہ اس سے اسی مفہوم کی تائید ہو رہی ہے جس کے لئے "طلقاء" کی اصطلاح بنی ہے، حضرت یوسف ؑ کے بھائی خطاکار تھے، ازراہِ حسد انہوں نے افعال شنیعہ کا ارتکاب کیا تھا، اگر حضور ؐ نے فتح مکہ کے موقعہ پر قرآن کے وہی الفاظ دہرائے، جو حضرت یوسف ؑ نے بھائیوں سے کہے تھے تو اس

کا کھلا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ مفتوحین کے خطاکار ہونے کی تصدیق فرمارہے ہیں۔

رہے وہ کارنامے اور اعمال صالحہ جو "طلقاء" سے بعد میں ظہور میں آئے تو آخر ان سے مودودی نے کہاں انکار کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ کوئی کارنامہ اس امرِ واقعہ کو تو نہیں بدل سکتا کہ "طلقاء" "طلقاء" تھے' وہ مہاجرین وانصار کے ہم پلہ نہیں ہوسکتے' ان کا پہاڑ بھر سونا بھی السابقون الاولون کے مٹھی بھر سونے کی برابری نہیں کرسکتا۔

جوابات:

صفحہ ۱۲۸ پر "جوابات" کا عنوان لکھ کر میاں صاحب نے اپنی دانست میں کچھ جوابات بھی مودودی کو دیئے ہیں' اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

> "کوئی بات مودودی صاحب کے خلافِ منشاء ہوتی ہے تو فرمادیتے ہیں کہ یہ تاریخ کا صحیح مطالعہ نہیں ہے' اور خود آپ کے مطالعے کے حدود اربعہ وہ موضوع اور ضعیف روایتیں ہوتی ہیں' جن سے آپ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر الزام ثابت کرسکیں' اسی کتاب میں تقریباً انھیں صفحات میں وہ روایتیں نقل ہوئی ہیں جو اس موضوع روایت کی تردید کریں' مگر آپ کی نظر تحقیق ان کے مطالعہ کا رخ ہی نہیں کرتی۔"

الزام کتنا سخت دیا گیا اور کیسے طمطراق سے دیا گیا' بیچارے عام قارئین سمجھیں گے کہ میاں صاحب نے مودودی کو دفن کرکے رکھ دیا' لیکن واقعہ کیا ہے اسے جو ہوشمند سمجھ لیں گے وہ سوائے اس کے کوئی نتیجہ اخذ نہ کریں گے' کہ مودودی کے بغض نے میاں صاحب کو ہوش وخرد کا دشمن بنادیا ہے۔

کسی روایت کا موضوع' یا ضعیف' یا حسن' یا صحیح' ہونا محض میاں صاحب کے قلم چلادینے پر تو منحصر نہیں' ماہر فن ائمہ نے شرح وبسط سے اس کے قواعد بنادیئے ہیں اور خود میاں صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں ابن عبدالبرؒ(۱) کے حوالے سے اس کا ذکر کیا ہے' لہٰذا ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مودودی پر باربار موضوع روایات منتخب کرنے کا الزام لگانے والے میاں صاحب "خلافت و ملوکیت" کی کسی بھی روایت کو لے کر قواعد معروفہ سے اس کا موضوع ہونا ثابت فرماتے۔ تب یہ ایک عالمانہ بات ہوتی' لیکن ان کی پوری کتاب "الف" سے "یا" تک دیکھ جایئے ایک جگہ بھی ایسا نہیں ملے گا' وہ بغیر کسی علمی دلیل اور ضابطے اور اصول کے صرف اعلان فرمادیتے ہیں کہ فلاں روایت ضعیف یا موضوع ہے' کیوں موضوع ہے ؟...... بس اس لئے کہ میاں صاحب نے کہہ دیا۔

پھر یہاں...... اور یہاں کے علاوہ ایک .د جگہ اور بھی انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے . مودودی نے موضوع روایت لے لی' حالانکہ اسی کتاب میں اس کی تردید کرنے والی روایت بھی موجود تھی' اس دعوے کا تقاضہ تھا کہ کم سے کم ایک مثال متعین تو وہ عطا فرماتے' مودودی کی لی ہوئی کسی روایت کو نقل کر کے دکھلاتے کہ دیکھئے یہ فلاں کتاب سے لی گئی ہے اور اسی کتاب میں فلاں دوسری روایت موجود ہے جو اس کی تردید کررہی ہے اور اس کے بعد وہ ناقدین روایت کے معروف علمی اسلوب سے یہ ثابت کرتے کہ مودودی کی لی ہوئی روایت مردود کیوں ہے ؟ اور دوسری روایت مقبول کیوں ؟

مگر پوری کتاب میں ایسی ایک مثال بھی وہ نہیں دے سکے ہیں' البتہ بے سروپا طول کلامی کا ڈھیر ضرور لگادیا ہے مثلاً اسی جگہ دیکھئے کہ حضرت معاویہؓ کا نام "طلقاء" کے ذیل میں لے دینے پر انہیں غصہ آیا اور جوابی تقریر انہوں نے اس عبارت سے شروع فرمائی جو ہم نے نقل کی' اس عبارت کے بعد کئی صفحات تک وہ

(۱) ویسے یہ حوالہ غلط ہے' تفصیل آگے کہیں آئے گی۔

حضرت معاویہؓ اور بعض اور افراد کے کچھ کارنامے اور اوصاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔

اب ان عقل کل سے کوئی پوچھے کہ حضرت معاویہؓ یا ان کے باپ ابو سفیانؓ نے جو بھی کارنامے بعد میں انجام دیئے ہیں ان سے آخر اس حقیقت پر کیا اثر پڑا کہ وہ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے' ان دونوں باتوں میں کونسا تضاد ہے۔

وہ دراصل تضاد کے معنی و مصداق ہی سے آگاہ نہیں' بطور نمونہ ان کی "تضاد فہمی" کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے' مولانا مودودی نے اسی "طبری" کے حوالے سے' جو میاں صاحب کا سب سے بڑا ماخذ ہے ایک روایت بیان کی تھی جس میں یہ فقرہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

"عمرؓ خدا کی خاطر اپنے "اقرباء" کو محروم کرتے تھے' اور میں خدا کی خاطر اپنے "اقرباء" کو دیتا ہوں۔"

میاں صاحب نے بے تکلف اسے موضوع کہہ دیا' اور دلیل میں حضرت عثمانؓ کی ایک تقریر کا وہی ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے جس کے ترجمے میں میاں صاحب کی قابلیت کا حال ہم شروع میں دکھا چکے یعنی:

"مجھے اپنے خاندان والوں سے محبت ضرور ہے مگر یہ محبت کسی ظلم پر ان کے ساتھ نہیں جھکی' بلکہ اس محبت نے ان کے اوپر حقوق کا بوجھ لادا ہے۔" ص ۱۲۴

کوئی عقل والا بتائے کہ یہ دلیل کیسے ہوئی مذکورہ روایت کے موضوع ہونے کی' حضرت عثمانؓ کے دونوں اقوال میں کونسا تضاد ہے جو میاں صاحب کے نقل کردہ قول کو تسلیم کرنے کی صورت میں پہلا قول مردود قرار پائے' پہلے قول میں جو مضمون ہے دوسرا قول تو اسی کی تائید مزید کر رہا ہے نہ کہ تردید' کوئی پرلے سرے کا احمق ہی دوسرے قول میں پہلے قول کی تردید دیکھ سکتا ہے۔

شرمناک بات یہ ہے کہ میاں صاحب خود ساری کتاب "طبری" سے مرتب فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ "طبری" ان کے نزدیک کُل کی کُل

نا قابلِ اعتبار نہیں، تو پھر "طبری" ہی سے لی ہوئی کسی روایت کو بغیر دلیل قوی کے موضوع کہہ دینا معقولیت کی کون سی قسم میں داخل ہے۔

دراصل میاں صاحب اس خبط میں مبتلا ہیں کہ مودودی اگر کوئی ایسی روایت بیان کرے جس سے کسی فرد پر کوئی متعین الزام لگتا ہو تو اسے جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اس فرد کے دوسرے کارنامے بیان کرتے چلے جاؤ' بس مودودی جھوٹا ثابت ہو جائے گا' جگہ جگہ ان عقل کل نے یہی تیکنک برتی ہے' مودودی نے طنزاً نہیں بلکہ بطور بیان واقعہ ذکر کیا کہ حضرت معاویہؓ اور ولید بن عقبہ "طلقاء" میں سے تھے حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے' میاں صاحب لال پیلی آنکھیں نکالتے ہوئے اٹھے' اور دو چار صلواتیں سنانے کے بعد صفحے کے صفحے ان تفصیلات میں سیاہ کر دیئے کہ معاویہؓ نے فلاں فلاں کارنامے کیے' ولید بن عقبہ ایسا قابل تھا' ایسا بھلا آدمی تھا وغیر ذالک۔

بس انہوں نے سمجھ لیا کہ میری اس طول بیانی نے مودودی کا رد کر دیا اور ثابت ہو گیا کہ وہ موضوع روایات لیتے ہیں۔

اصولی باتیں :

جج صاحب...... یعنی محترم عبدالماجد دریابادی ہی فیصلہ کریں کہ علم و تفقہ تو دور کی بات ہے کیا ایسی سمجھ بوجھ کے آدمی کو صحیح الدماغ بھی کہا جاسکتا ہے' واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی روایت کو بلا تکلف موضوع و مردود قرار دینے میں میاں صاحب نے منکرین حدیث کو بھی مات کر دیا ہے' ہم چیلنج سے کہتے ہیں کہ مودودی نے اپنی کتاب میں ایک بھی...... جی ہاں ایک بھی ایسی روایت نہیں لی ہے' جسے معروف علمائے سلف میں سے کسی کی بھی تائید حاصل نہ ہو' یہ چیلنج ہم عقیدتاً نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم نے "خلافت و ملوکیت" کی روایات کی جانچ پرکھ پر کافی عرصہ قبل اپنی عمر عزیز کے کئی مہینے صرف کیے ہیں کیونکہ

"تجلی" کے قدیم قارئین جانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ وغیرہ کے بارے میں ہمارے خیالات اُس سے کافی مختلف تھے جن کا اظہار مودودی صاحب نے کیا ہے' ہم نے تائید کے نہیں بلکہ تردید کے جذبے سے وہ کتابیں کھنگالیں جن کے حوالے مودودی صاحب نے دیے ہیں' پوری کوشش کی کہ "خلافت و ملوکیت" کے انداز نظر کی تردید کے لئے مناسب مواد ہاتھ آجائے' لیکن جتنی جتنی تحقیق کی ثابت ہوتا چلا گیا کہ ہمارے اپنے خیالات کم علمی کا ثمرہ تھے اور مودودی جو کچھ کہہ رہا ہے وہ گہری اور وسیع علمی تحقیق کا حاصل ہے' جب یہ ثابت ہو گیا تو ہمیں اپنی آخرت خراب نہیں کرنی تھی کہ پچھلے خیالات پر جمے رہتے۔

"خلافت و ملوکیت" کی محض چند روایات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اگر کچھ ثابت کیا جا سکتا ہے تو یہ کہ ان کا صحیح ہونا یقینی نہیں' لیکن پھر بھی یہ ضرور ملے گا کہ مودودی ہی کی طرح بہتیرے علمائے سلف و خلف نے انہیں قبول کیا ہے انہیں صحیح مانا ہے' ایسی صورت میں کسی بھی سنجیدہ اہل علم کے لیئے یہ کہنا تو روا ہو سکتا ہے کہ ہم فلاں فلاں دلیل سے فلاں روایت کو درست نہیں سمجھتے' ٹھیک ہے ایسا اختلاف رائے اہل علم میں ہوتا ہی ہے لیکن اس طرح کی بکواس لگانا جس کے نمونے مودودی دشمن لٹریچر میں عام ہیں بازاری پن کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

یہ بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ تاریخ تو تاریخ ہے' کتب احادیث تک کی زیادہ تر روایات سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے نہ کہ یقینی (یہ بات ہم نے مولانا محمد میاں جیسے حضرات کے لئے نہیں کہی' بلکہ ان حضرات کے لئے کہی ہے جو علمی تبحر اور فکری تعمق کے مالک ہیں) اور یہ بھی محتاج بیان نہیں کہ احادیث کے ردو قبول میں علمائے امت نے جس معیار بلند کو ملحوظ رکھا ہے اس معیار کو تاریخی روایات کے ردو قبول میں ہرگز ہرگز ملحوظ نہیں رکھا اور رکھ بھی نہیں سکتے۔ احادیث کا معیار یہ ہے کہ اگر کسی راوی کے بارے میں ثابت ہو گیا ہے کہ اس نے کبھی کوئی موضوع روایت بیان کی تھی تو اب اس سے کوئی روایت نہیں لی جائے

گی'الا یہ کہ دوسرے کسی ثقہ راوی سے اس کی تصویب ہوتی ہے' مگر تاریخ میں بے شمار راوی ایسے ہیں کہ جنہیں "اسماء الرجال" کے ائمہ نے ثقہ نہیں قرار دیا' مگر یہی ائمہ ان کی بہتیری روایات قبول کر لیتے ہیں' خواہ کسی سند صحیح سے اس روایت کی تخریج ممکن نہ ہو۔

اب مثلاً بعض حضرات نے "خلافت وملوکیت" کی بعض روایات پر "اسماء الرجال" کی کتابیں کھولیں 'اور شور مچایا کہ دیکھئے فلاں روایت میں فلاں راوی موجود ہے جو ثقہ نہیں ہے' ضعیف ہے' ایسا ہے ویسا ہے 'لیکن یہ حضرات بالکل بھول گئے کہ تاریخ کی جو ہزاروں روایات تمام علماء امت میں اور خود ان ناقدین کے یہاں بھی مسلمات میں شمار ہوتی ہیں وہ سب بھی ایسی اسناد سے روایت نہیں ہوئی ہیں جن میں وہ راوی نہ پائے جاتے ہوں جن پر اعتراض کیا جارہا ہے' اگر محض اس دلیل سے "خلافت وملوکیت" کی کسی روایت کو رد کیا جا سکتا ہے کہ اس کی سند میں فلاں غیر ثقہ یا مجہول راوی موجود ہے' خواہ اس روایت کو بہتیرے معروف علماء نے قبول کیا ہو' تو پھر تاریخِ اسلام کا دس ہٹا سو حصہ بھی موجود نہیں رہے گا۔ مودودی عالم الغیب نہیں ہے' وہ تاریخ کی کسی روایت کے لینے میں اتنا ہی تفحص کر سکتا ہے کہ اسے فہم و درایت کے رخ سے جانچے اور یہ دیکھے کہ معروف مستند علمائے سلف میں کسی نے اسے قبول کیا ہے یا نہیں' اگر قبول کیا ہے اور درایتاً بھی اس میں نقص نہیں ہے تو پھر اس پر کوئی الزام نہیں آتا' اگر واقعتاً یہ روایت غلط ہو تو مودودی تنہا مجرم نہیں' بلکہ جن مؤرخین نے اس روایت کو بیان کیا اور جن علماء نے اسے قبول کیا وہ سب مجرم ہیں' ان مؤرخین و علماء کے بارے میں ہم میں سے کسی کا یہ طرز عمل نہیں ہے کہ اس جرم کی سزا میں انہیں گالیاں دیں۔ شیعہ اور خارجی کہیں' صحابہؓ کا دشمن بتائیں' اس کے برخلاف ہم برابر ان کی کتابوں سے استفادہ کرتے چلے جارہے ہیں' انہیں محترم مانتے ہیں' اب مثلاً میاں صاحب "طبری" کو ماخذ بنا کر کتاب لکھ رہے ہیں' "طبری" ہی میں خود ان

کی تصریح کے مطابق موضوع روایات موجود ہیں' یہ روایت جس کے موضوع ہونے کا فیصلہ ابھی ہم میاں صاحب کی زبانی سنا آئے ""طبری" ہی میں ہے اور "طبری" نے اس کے اختتام پر یہ نہیں لکھ دیا ہے کہ یہ موضوع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود "طبری" موضوعات قبول کرتے ہیں' پھر بھی میاں صاحب کا طرز عمل یہ ہے کہ سارا غصہ مودودی پر اتار دیا' جو ناقل ہے اور "طبری" پر کوئی طعن کرنا تو در کنار اس کی کتاب کو تو بطور ماخذ استعمال کر رہے ہیں۔

رہا درایت کا معاملہ ...... تو بے شک درایت کا درجہ اونچا ہے' لیکن کون سی درایت کن حدود تک اہل علم میں معتبر ہے' اسے انشاء اللہ ہم صحابیت کی اصولی بحث کے ذیل میں بیان کریں گے' یہاں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کی درایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے' اگر میاں صاحب جیسی قابلیت کے لوگوں کی درایت لائق اعتناء مان لی جائے تو سورج مغرب سے اور قطب ستارہ مشرق سے نکلنا شروع ہو جائے گا۔

جس شخص کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ولید بن عقبہ اور عبداللہ ابن سعد کی حضرت عثمانؓ سے رشتہ داری میں اور ان دونوں کے بعد کے کارناموں میں کوئی تضاد و منافات نہیں ہے' اسے درایت سے کیا واسطہ' جو اتنا بھی نہ سمجھتا ہو کہ موضوعِ گفتگو کیا ہے' نقطۂ بحث کدھر ہے' مقدمہ کون سا درپیش ہے' اسے درایت سے کیا سروکار؟

"شواہد تقدس" کے صفحات میں قدم قدم پر جس قدر لغویات پھیلائی گئی ہیں اگر ہم ان سب کا نوٹس لیں تو ضخیم کتاب بن جائے گی' لہٰذا مزید جزئیات سے صرف نظر کر کے اب اس عظیم شخصیت کے حضور پہنچتے ہیں' جس کا نام نامی ہے عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ۔

خلیفہ برحق سیدنا عثمان بن عفانؓ:

حضرت عثمانؓ کے بارے میں مولانا مودودی نے جو کچھ کہا ہے اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اندر عزیز و اقرباء کی غیر معمولی محبت قدرت نے ودیعت کی تھی' اسی محبت کے تحت وہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی اس پالیسی کو جاری نہ رکھ سکے کہ خلیفہء وقت اپنے خاندان کو حکومت کے دروبست پر حاوی نہ کرے' انہوں نے اپنے عزیزوں کو مال دیا' عہدے دیے حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ جب حضرت عمرؓ فاروق کی پیشین گوئی کے مطابق بنو امیہ لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہو گئے' پھر یہ حضرت عثمان کے اقرباء عموماً "طلقاء" میں سے تھے' جن کا "مہاجرین و انصار" کے مقابلہ میں کمتر ہونا مسلمات میں سے تھا' اور مستزاد یہ کہ ان میں سے بعض وہ تھے جن کا دامن کردار ایسے داغوں سے ملوث تھا' جنہیں وقت کی امت مسلمہ کا حافظہ کسی طرح بھی اپنے دامن سے نہیں جھٹک سکتا تھا مثلاً ولید بن عقبہ کہ قبول اسلام کے بعد بھی انہوں نے حضورؐ سے جھوٹ بولا' اور ان کو قرآن نے فاسق قرار دیا' یا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کہ اسلام لا کر مرتد ہوئے' کفار کے آگے حضورؐ کا مذاق اڑایا' پھر فتح مکہ کے بعد حضرت عثمانؓ کی سفارش پر انہیں معافی ملی' مگر ایسی معافی کہ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں تو حضور ﷺ صحابہؓ سے فرماتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہ تھا جو اسے قتل کر ڈالتا۔؟

ظاہر ہے یہ سب کچھ ایسا نہ تھا کہ لوگ اسے بھول جاتے' پھر ولید پر شراب نوشی کا الزام ثابت ہوتا ہے اور سزا دی جاتی ہے تو لوگوں کا یہ سوء ظن قدرتاً ترقی کر جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے جن عزیزوں کو بڑے بڑے عہدے دے رہے ہیں ان کی اخلاقی و دینی حالت اچھی نہیں ہے۔

بس یہ ہے وہ سب کچھ جسے مودودی نے ان مستند اور معروف کتابوں کے حوالوں سے پیش کیا ہے جنہیں اگر ساقط الاعتبار قرار دے دیا جائے تو پھر سرے سے کوئی تاریخ ہی ہمارے پاس موجود نہیں رہتی۔

اب رہا یہ کہ عملِ عثمانؓ کے محرکات کیا تھے ان کی نیت کیسی تھی' تو اس

کے بارے میں مودودی نے پوری صداقت اور زورِ بیان کے ساتھ واضح کیا ہے کہ "نیت کے اعتبار سے وہ اتنے ہی بلند تھے جیسا کہ ایک خلیفہ راشد کو ہونا چاہئے۔ خیانت کا ہرگز کوئی دخل ان کے افعال میں نہ تھا' ان کے وہ تمام مناقب واوصاف مسلم ہیں جن پر علماء کا اتفاق ہے' وہ بلا شبہ خلیفۂ راشد تھے' انہیں ظلماً شہید کیا گیا' ان پر غلط الزامات لگائے گئے' وہ بے حد پاکباز' خدا ترس' صاحب تقویٰ اور رفیع الشان تھے"۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اقرباءنوازی صرف اسی صورت میں گناہ ہے جب کسی اور کے مال سے اقرباء کو نوازا جائے' یا کسی اور کا حق شرعی غصب کر کے انہیں دیا جائے' لیکن اگر ایک شخص ایسا کوئی ظلم نہیں کرتا بلکہ صرف اس مال کے ذریعہ اقرباءنوازی کرتا ہے جس پر وہ اپنا حق سمجھتا ہے تو اس فعل کو گناہ بالکل نہیں کہہ سکتے۔

چنانچہ مودودی نے بار بار اس پہلو کو جتایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا اقرباء نوازی میں دریادلی اختیار فرمانا نہ شرعی گناہ تھا نہ کسی جذبۂ ناپاک کا ثمرہ' وہ ان کی ایک طبعی افتاد تھی' ایک مزاج تھا' چونکہ وہ خلیفہ بھی تھے' اسی لئے ان کا یہ جائز فعل بھی لوگوں کے لئے ناراضگی اور بدگمانی کا باعث بن گیا' وہ اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح یہ پالیسی اختیار فرمالیتے کہ اپنے خاندان والوں کو حکومت کے مناصب اعلیٰ پر تسلط کا موقع نہ دیں تو ان فتنوں کا دروازہ بند رہتا جو اس پالیسی کو ترک کرنے کی وجہ سے قدرتاً اٹھے اور چھا گئے۔

یہ ہے مکمل خلاصہ "خلافت وملوکیت" کا' ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ یہ خلاصہ تیرہ سو سالوں کے علماء واتقیاء' محدثین ومفسرین اور محققین ومجتہدین کے نزدیک اتنا ہی مسلم اور قطعی رہا ہے جیسے یہ بات مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نسبتاً سخت مزاج تھے اور ابوبکرؓ میں صدق کا مادہ جملہ صحابہؓ سے بڑھا ہوا تھا' یا جیسے یہ بات قطعی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے والد کا نام عفان تھا اور حضرت عمرؓ کے والد کا نام خطاب۔

پھر آخر چاروں طرف سے مودودی پر یلغار کیوں ہے؟ کیوں ایک امرِ

قطعی میں کیڑے ڈالے جا رہے ہیں' کیوں مضامین اور کتابوں کا سلسلہ جاری ہے' کیوں قلم انگارے اگل رہے ہیں اور زبانیں گولیاں برسا رہی ہیں' اس کی وجہ پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اس کے سوا کوئی بات تہہ سے نہیں نکلے گی کہ اصل محرک اس شور غل کا حسد و تعصب ہے۔

حب صحابہؓ یا بغض مودودی :

جتنا کچھ جائزہ ہم "شواہد تقدس" کا لے آئے ہیں وہ بجائے خود شاہد عدل ہے کہ مخالفت برہنائے حب صحابہؓ نہیں بلکہ برہنائے بغض و کدورت ہے' لیکن ہم ثبوت مزید کے طور پر اہل انصاف کے سامنے چند اور شواہد رکھتے ہیں جو دو اور دو چار کی طرح یہ بتا دیں گے کہ ہمارا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔

یہ بات بدیہیات میں سے ہے کہ اگر کوئی شخص اتنا نفیس الطبع ہو کہ کبوتر اور چڑیا کی بیٹ بھی اس کی طبیعت میں اسکراہ پیدا کرتی ہو' تو مرغی یا خنزیر یا انسان کا بول و براز تو لازماً اس سے کہیں زیادہ اس پر اثر انداز ہو گا اور وہ کسی طرح اسے برداشت نہیں کرے گا۔

لیکن اگر آپ دیکھیں کہ "الف" کے کپڑوں پر "جیم" کے کبوتر نے بیٹ کر دی ہے وہ ابکائیاں لے رہا ہے' ناک ہاتھوں سے دبالی ہے' جیم کو گالیاں سنا رہا ہے کہ تیرے کبوتر نے مجھے گندہ کر دیا' مگر اسی "الف" کو آپ دوسرے وقت دیکھتے ہیں کہ غلاظت کے ایک ڈھیر کے پاس آرام سے بیٹھا ہے' کپڑوں پر گوبر کے چھینٹے ہیں' ہاتھوں پر میل چڑھا ہے اور مزے سے گنا چوس رہا ہے تو آپ ایمانداری سے بتائیے' کیا یہ فیصلہ آپ نہ کریں گے کہ کبوتر کی بیٹ سے جامے سے باہر ہونا فی الحقیقت نفاست طبع کے زیر اثر نہیں تھا' بلکہ اس عناد کی بنا پر تھا جو اسے "جیم" سے ہے' حقیقتاً اس شخص کو گندگی اور ناپاکی سے کوئی اسکراہ نہیں۔

اس تمثیل کو ذہن میں رکھ کر دیکھیں کہ جو کچھ مودودی نے کہا' اس میں

توہین صحابیت کا شائبہ بھی نہیں حتیٰ کہ اگر مودودی حضرت عثمانؓ کے اجتہاد کو گناہ بھی کہہ دیتا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے گمراہی یا شیعیت یا بغض صحابہؓ قرار دیا جائے (اس کے ناقابل تردید دلائل ہم صحابیت کی بحث میں دیں گے)۔

تاہم یہاں ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ میاں صاحب جیسے بزرگوں کے غل غپاڑے کے مطابق مودودی کی کتاب سے حضرت عثمانؓ کی کچھ نہ کچھ اہانت ضرور نکلتی ہے (حاشا ثم حاشا) اور میاں صاحب یا دوسرے معترضین واقعی حب عثمانؓ ہی میں جامے سے باہر ہو رہے ہیں تو ان کے خلوص دین کا تقاضا تو یہ لازماً ہونا چاہیے کہ اگر صحابہؓ سے بھی زیادہ مرتبہ رکھنے والے انبیاء علیہم السلام کی توہین کی جائے تو وہ اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ توہین کرنے والے پر پل پڑیں۔

اب آیئے ہم چند چیزیں آپ کو دکھاتے ہیں :

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمے اور تفسیر والی حمائل اٹھایئے اس میں ایک سورت ہے "صٓ" اگر میاں صاحب بغیر پورے حوالے کے تلاش نہ کر سکیں تو مزید پتہ یہ ہے کہ پارہ و مالی شمار ۲۳' اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے' یہ کہ ان کے عبادت خانے میں دو افراد کود ے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ میرے پاس ایک "دنبی" ہے اور اس میرے بھائی کے پاس ننانوے "دنبیاں" مگر یہ چاہتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھ سے لے لے' حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ یہ تو زیادتی ہے' پھر یہ لوگ چلے گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش ہوئی ہے اللہ کی طرف سے' تب انہوں نے اللہ سے دعاء کی کہ میرا گناہ معاف کر دیجئے اور گرے جھک کر اور تب اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ (دیکھئے آیات ۲۱ تا ۳۰)

اس کی تفسیر میں محققین نے یہ کہا ہے کہ گناہ سے مراد حضرت داؤدؑ کا وہ غرہ تھا کہ میرے عبادت خانے میں ہر لحہ عبادت ہوتی رہتی ہے' اللہ نے دو آدمی بھیجے اور ان کا مقدمہ نمٹانے میں سلسلۂ عبادت منقطع ہوا تو حضرتؑ کو خیال ہوا کہ

واقعی میرا "غرّہ" غلط تھا' توفیق اور موقعہ تو اللہ ہی دیتا ہے' پس انہوں نے مغفرت چاہی۔

لیکن بعض مفسرین نے ایک اور واہی روایت بیان کی ہے جس کا اندازہ آپ اس تفسیر سے کیجئے جو شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی تفسیر "موضح القرآن" سے لے کر حمائل پر چڑھائی گئی ہے اور مدت سے وہ پڑھائی جا رہی ہے' فرماتے ہیں:

> "یہ جھگڑنے والے فرشتے تھے پردے میں ان کو سنا گئے ان کا ماجرا' ان کے گھر میں ننانوے عورتیں تھیں' ایک ہمسایہ کی عورت پر نظر پڑ گئی' چاہا کہ اس کو بھی گھر میں رکھیں' اس کا خاوند موجود تھا ان کے لشکر میں' اس کا تعین کیا تابوت سکینہ سے آگے' جہاں بڑے مردانہ لوگ لڑائی میں بڑھتے ہیں' وہ شہید ہوا' پیچھے اس کی عورت کو نکاح میں کیا' اس میں کسی کا خون نہیں کیا' بے ناموسی نہیں کی مگر کسی کی چیز لے لی تدبیر سے' پیغمبروں کی ستھرائی کو اتنا بھی داغ عیب تھا' اس پر جانچ ہوئی۔" (صفحہ ۷۵۲۔ حاشیہ ۱)

سمجھے آپ...... ذرا میاں صاحب بھی ادھر چہرہ کریں' مودودی کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی پالیسی کو نامناسب بتایا اور اس کے طبعی اثرات و نتائج گنوائے' یہ اگر میاں صاحب کے دعوے کے مطابق صحابیؓ کی توہین ہی ہو تو بہر حال اسے کبوتر اور چڑیا کی بیٹ سے زیادہ متعفن نہیں کہا جا سکتا' کیونکہ صحابیؓ بہر حال معصوم نہیں ہوتا' اس سے گناہ کا صدور ممکن ہی نہیں واقع بھی ہے اور قرآن و حدیث میں صحابہؓ کے بعض کبیرہ گناہوں کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

لیکن انبیاءؑ تو بالاتفاق معصوم ہیں' پھر یہ کیا روایت ہے؟ جس پر شاہ عبدالقادرؒ نے اعتماد کر لیا ہے اور مدت سے تمام علماء و اتقیاء اس کے والہ و شیدا

ہیں، پیغمبر ننانوے بیویاں رکھتے ہوئے اپنے ایک سپاہی کی بیوی پر ریجھ جاتا ہے، یہ سپاہی کافر نہیں ہے مومن ہی ہے، کیونکہ شاہ صاحبؒ نے اسے "شہید" لکھا ہے، پیغمبرؑ اسے ایک سخت ترین محاذِ جنگ میں بھیج دیتا ہے تاکہ وہ مارا جائے، مارا جاتا ہے تو پیغمبرؑ اس کی بیوہ کو حرم میں لے لیتے ہیں۔

جس مسلمان میں بھی اخلاقی حس زندہ ہوگی وہ برملا کہہ دیگا کہ یہ روایت نہایت رکیک ہے اور مودودی والی بیٹ کے مقابلہ میں اس کی حیثیت نجاست کے ڈھیر کی ہے، مگر تماشہ دیکھئے ان نازک مزاجوں کا جو مودودی کی "بیٹ" پر واویلا مچا کر حب صحابیت کا ڈھول پیٹ رہے ہیں، مگر شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کو کبھی کچھ نہیں کہا، کوئی آواز نہیں اٹھائی کہ انہوں نے پیغمبرؑ کی ہتک کر دی ہے، حالانکہ کسی ایسی روایت کو جزو تفسیر بنا دینا جو حضرت داؤدؑ جیسے جلیل القدر پیغمبرؑ کو ہوس کار، مکار اور گھٹیا کردار والا باور کرا رہی ہے صریح طور پر شدید ترین بات ہے

اگر واقعی توہین عثمانؓ سے نفرت کا جذبہ، دینی جذبہ ہوتا اور مودودی کا بغض اس کے پیچھے کار فرما نہ ہوتا تو کبوتر کی بیٹ پر استفراغ کرنے والوں کو غلاظت کے ڈھیر پر بیٹھا نہ دیکھا جاتا۔

تفسیر جلالین اٹھایئے :

یہ تفسیر درسِ نظامی کا جز ہے، ہر مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے، میاں صاحب کی سند اگر جعلی نہ ہوگی تو انہوں نے بھی ضرور پڑھی ہوگی، ذرا اس میں بھی سورۂ "ص " کا یہی مقام کھول لیجئے۔

یہاں تو لفظ "محبت" بھی شامل عبارت ہے۔ ای بلیة بمحبة تلک المرأة، بتایا گیا ہے کہ یہ کودنے والے دونوں فرشتے تھے اور دنبیاں ایک تمثیل تھی اس چیز کی کہ حضرت داؤدؑ کے ننانوے بیویاں ہیں اور پھر بھی وہ دوسرے شخص کی زوجہ پر فدا ہو گئے ہیں، پھر اسے مروا ڈالا ہے اور دخل بہا۔ (یعنی یہ

بھی صراحت ضروری سمجھی گئی کہ اس شہید کی بیوی سے نکاح کر کے آپ نے صحبت بھی فرمائی)۔

خدارا کوئی بتاؤ اگر حب صحابہؓ کے پردے میں ساری اچھل کود بغض مودودی کی نہیں ہے تو دینی غیرت و حمیت یہاں کس قبر میں دفن ہو گئی کہ صاحب جلالین کو برا بھلا تو کیا کہا جاتا ان کی کتاب بدا بر شامل درس ہے' اور بس اتنا کہہ دیا جاتا ہے کہ "یہ روایت غلط ہے" 'یعنی مودودی اگر کوئی روایت ایسی لے لے جس کو بہتیرے مستند اہل علم نے لیا ہو' اور وہ میاں صاحب کے نزدیک توہین صحابہؓ کے شائبے سے ملوث ہو تو احتجاج میں دفتر کے دفتر سیاہ' صلواتیں اور فتوے ہاتھوں ہاتھ حاضر' نیت اور ایمان سب پر حملے' لیکن شاہ عبدالقادر محدثؒ یا صاحب جلالینؒ ایسی کوئی روایت لے لیں جسے محققینؒ نے رد کیا ہو اور اس سے ایک پیغمبرؑ کی صریح تذلیل و رسوائی ہوتی ہو تو بس درس میں اتنا کہہ دینا کافی کہ یہاں مفسر سے روایت لینے میں چوک ہو گئی ہے۔

رسول اللہؐ کی بھی توہین :

یہی "جلالین"......جی ہاں اسی "جلالین" میں جو میاں صاحب کے مدرسے میں اور دارالعلوم میں بھی مدتوں سے زیرِ درس ہے' سرمایۂ جان ہے' مستند ہے' تفسیر "سورۃ احزاب" کھولیے' صفحہ ۳۵۴ آیت ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا کی تفسیریوں کی گئی ہے :

فزوجها النبی لزید ثم وقع بصره علیها بعد حین فوقع فی نفسه حبها۔

پس زینبؓ کا نکاح حضرتؐ نے (اپنے منہ بولے بیٹے) زید سے کرا دیا پھر کچھ دنوں بعد آپؐ کی نظر زینبؓ پر پڑی تو آپؐ کو ان سے محبت ہو گئی۔

اس کے بعد بتایا جاتا ہے کہ زیدؓ کے دل میں بیوی سے بیزاری پیدا ہو گئی تو انہوں نے حضورؐ سے کہا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں' حضورؐ نے اس پر کہا کہ امسک علیک زوجک واتق اللہ (یہ قرآنی الفاظ ہیں' یعنی اپنی بیوی کو بیوی رہنے دے اور خدا سے ڈر) "صاحبِ جلالین" کا خیال ہے کہ یہ بات حضورؐ نے بس ظاہر داری کے طور پر کہی (نعوذباللہ) چنانچہ قرآن کے اگلے فقرے:

وتخفی فی نفسك واللہ مبدیه اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنا چاہتا ہے' کا مطلب صاحب جلالین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ رسول اللہؐ سے فرما رہا ہے کہ تم جو چوری چوری دل میں زینبؓ کی محبت اور یہ ارادہ لئے بیٹھے ہو کہ زید طلاق دے تو میں اسے بیوی بنالوں' اللہ اس راز کو منکشف کر دینا چاہتا ہے (مظھرة من محبتها وأن لوفارقها زید تزوجتها) انا للہ وانا الیه راجعون۔

ابھی بات ختم نہیں ہوئی' حاشیہ میں ایک مزید روایت دی گئی ہے جس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے جب زید سے یہ کہا تھا کہ خدا سے ڈر اور زینبؓ کو طلاق نہ دے اس وقت بھی آپؐ دل میں یہ حرص چھپائے ہوئے تھے کہ زید زینبؓ کو طلاق دے دے (یہ نہ سمجھئے کہ "حرص" ہم نے ترجمہ کیا ہے' جی نہیں' روایت میں ہی الحرص موجود ہے)

دوسری روایت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ زینبؓ گوری تھیں' حسین تھیں' اس کے بعد متعدد مفسرین کے نام لیے گئے ہیں کہ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ:

> لما رأھا اعجبته وقع فی قلبه حبها واحب طلاق زید لھا
> جب رسول اللہؐ نے زینبؓ کو دیکھا تو متحیر ہو گئے اور آپؐ کے دل میں اس کی محبت گھر کر گئی اور آپ کا جی چاہنے لگا کہ زید اسے طلاق دے دے۔

اے مولانا محمد میاں! اے علمائے کرام! اے خدا کے نیک بندو! اے منصف محترم مولانا دریابادی! اگر غیرت حق اور انصاف کی کوئی رمق آپ کے پاس باقی ہو تو خدارا بتایئے یہ کیا تصویر ہے جو پرہیزگاروں کے سردار' جن و بشر کے آقا عفت و حیا کے مہبط' دین و اخلاق کے سرخیل' صفائے قلب کے خاور تاباں ﷺ فداہ امی وابی کی کھینچی گئی ہے۔

ہم جانتے ہیں...... اگر کوئی میاں صاحب سے یا انہی کے کیمپ کے کسی اور عالم سے دریافت کرے گا کہ جناب یہ کیا قصہ ہے؟ تو وہ آنکھیں نکال کر منہ میں جھاگ بھر کر کہیں گے کہ ارے تم کس خبیث مردود عامر کے فریب میں آگئے۔ اس بدبخت نے یہ تو تمہیں بتایا ہی نہیں کہ ان روایات کے بعد محشی نے صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ "یہ روایتیں غلط ہیں" 'یہ کہہ کر وہ سمجھیں گے کہ حقِ جواب ادا ہو گیا۔

مگر کیا واقعی حقِ جواب ادا ہو گیا ؟

بے شک محشی نے لکھ دیا ہے کہ یہ روایات غلط ہیں اور محققین انہیں قبول نہیں کرتے' لیکن ان سوالوں کا جواب تو دیجئے' جو یہاں منہ پھاڑے کھڑے ہیں۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ جن راویوں کی سند سے اس طرح کی روایتیں چلی ہیں کیا آپ نے انہیں بدباطن' انبیاء دشمن' گمراہ اور عقل باختہ قرار دیا؟ کیا آپ نے ان سے روایتیں لینی چھوڑ دیں ؟

...... ہمارا جواب یہ ہے کہ نہیں' ان راویوں کی صدہا روایتیں آپ آج بھی بدل و جان قبول کرتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جن مفسرین نے ان روایتوں کو مستند سمجھ کر اپنی تفسیروں میں جگہ دی' کیا آپ نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ سب بغض انبیاء کے شکار ہیں' ان کا دین ایمان محض دھوکہ ہے' ان کی عقلیں ماری گئی ہیں...... ہمارا جواب یہ ہے کہ نہیں' ابن جریر الطبریؒ اور امام قشیریؒ اور قاضی

عیاضؒ اور حاکمؒ (صاحب المستدرک) آج بھی ہمارے اور آپ کے ممدوح ہیں' مقتدیٰ ہیں' صاحبِ جلالینؒ کی تو کتاب ہی آپؒ نے شاملِ درس فرمار کھی ہے۔

یعنی کبوتر کی بیٹ سے ابکائیاں لینا محض کبوتر والے سے دشمنی کا شاخسانہ تھا ورنہ مزاجاً آپ اس سے پچاس گنا تعفن بہ آسانی گوارا کر لیتے ہیں اور کوئی بال آپ کی ناک کا نہیں جلتا۔

حاشیے میں نقلِ روایات کے بعد جناب محشی نے (صاحبِ جلالینؒ نے نہیں) اس روایت کی شرح میں کیا لکھا ہے یہ بھی سن لیجئے :

هذا اقدام عظیم من قائله و تفریط بحق النبی صلی اللہ علیه وسلم و بفضله(۱)

یہ ایک بڑی جسارت ہے اس کے قائل کی طرف سے اور تفریط ہے نبی ﷺ کے حق اور بزرگی کے ساتھ۔

بس' نہ گالی گفتار' نہ بغض انبیاء کا الزام' نہ بلید الذہنی کا طعنہ' نہ گمراہی کا فتویٰ' نہ بدنیتی کا فیصلہ' نہ کوسنا نہ کاٹنا۔

آخر کیوں ؟ اس لئے کہ سنجیدہ علماءِ دین و دیانت کے معاملہ میں عموماً محتاط رہے ہیں' ان کا طریق یہ ہے کہ اگر مثلاً ایک شخص نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جو صحابہؓ یا انبیاءؑ کی تذلیل و اہانت پر مشتمل ہے تو وہ اس شخص کا عام حال دیکھیں گے' اگر عام حال یہ ہے کہ وہ اس طرح کی خرافات کا عادی ہے' اس کا کردار

(۱) اس کے بعد درایت کے رُخ سے یہ معارضہ پیش کیا گیا ہے کہ زینبؓ تو حضور ﷺ کی پھوپھی کی لڑکی تھیں' انہیں آپؐ پیدائش سے دیکھتے آئے تھے اور عورتیں آپؐ سے پردہ بھی نہیں کرتی تھیں' اور آپؐ نے ہی زید کا بیاہ بھی کرایا تھا' پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ "جب انہیں آپؐ نے دیکھا تو تعجب میں پڑ گئے" ' ہم کہیں گے کہ یہ معارضہ کمزور ہے' تفصیل کا یہ موقعہ نہیں' فہیم طلباء اگر مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی ظفر الامانی علی مختصر الجرجانی پڑھیں تو اس نکتے کو پالیں گے بشرطیکہ ان کا مزاج علمی ہو تقلیدی نہ ہو' صحیح طریقہ ہمارے نزدیک انہیں محققین کا ہے جنہوں نے درایت کے بجائے اصولِ روایت سے اس روایت کو رد کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

خراب ہے، فسق و نفاق کی واضح علامتیں اس میں پائی جاتی ہیں تو بے شک علماء اس کی گمراہی اور مردودیت کا فتویٰ دیں گے لیکن اگر عام حال یہ نہیں بلکہ انبیاءؑ و صحابہؓ کا احترام عموماً اس کے یہاں موجود ہے اور کردار اس کا مؤمنوں جیسا ہے تو وہ یہ تاویل کریں گے کہ اس بات کی حد تک اس شخص سے غلطی ہوئی، یہ علم و فہم کی لغزش ہے، بد نیتی یا کفر و زندقہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، ہمارے جن علماء نے "درسِ نظامی" مرتب کیا وہ بھی ایسے ہی تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ نہ انہوں نے "جلالین" کو دریابرد کیا، نہ شاہ عبدالقادر پر توہین پیغمبر کا الزام لگایا بلکہ صاحب جلالین اور شاہ صاحب موصوف دونوں ہی ان کے لئے محترم بنے رہے، پھر آج کے علماء دیوبند بھی عام حالات میں اس سے مختلف طرز عمل کا مظاہرہ نہیں کرتے، چنانچہ وہ بھی صاحب جلالینؒ اور شاہ موصوفؒ سے بیزار نہیں ہوئے اور خو، ہم بھی اسی سطح پر ہیں۔

پھر آخر بغض مودودی کے سوا اس روش کی کیا توجیہ ہو گی جو مودودی کے معاملہ میں اختیار کی گئی ہے۔

بخاری و مسلم :

قرآن میں آیا ہے: وانخذ الله ابراهيم خليلا

اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست بنایا۔

اس آیت کو عنوان باب بناتے ہوئے امام بخاریؒ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حضورؐ کا یہ ارشاد بیان فرماتے ہیں لم يكذب ابراهيم الاثلثا پھر دوسری سند سے یہ الفاظ روایت کرتے ہیں: قال لم يكذب ابراهيم الآثلث كذبات اثنتين منهن فى ذات الله قوله انى سقيم وقوله بل فعله كبيرهم۔

حضورؐ نے فرمایا کہ ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے، دو ان میں سے اللہ کی

ذات سے تعلق رکھتے ہیں' ایک ان کا یہ کہنا کہ میں بیمار ہوں' اور ایک ان کا یہ کہنا کہ بل فعلہ کبیر ھم۔

حضرت ابراھیمؑ کے یہ دونوں قول قرآن میں مذکور ہیں پہلا قول انی سقیمٌ" سورہ الصفت میں ہے کہ حضرت ابراھیمؑ نے تاروں کی سمت دیکھ کر کہا تھا "میں بیمار ہونے والا ہوں"۔ (آیت ۸۹)

اور دوسرا قول سورۂ الانبیاء میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے موقعہ پا کر بتوں کو توڑ ڈالا بس ایک بڑا بت رہنے دیا جب خبر ملنے پر کفار آئے اور پوچھا کہ یہ بت کیا تم نے توڑے ہیں تو حضرتؑ نے اس باقی ماندہ بڑے بت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' نہیں بلکہ اس بڑے بت نے انہیں توڑا ہے' یہ اگر بول سکتے ہیں تو انھیں سے پوچھ دیکھو۔ (آیت ۶۳)

تیسرے جھوٹ کی تفصیل امام بخاریؒ نے (اپنی طرف سے نہیں بلکہ لسان رسالتؐ سے) یہ بیان کی ہے کہ :

ایک بادشاہ کے آگے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی "سارہ" کو اپنی بیوی نہیں بہن ظاہر کیا تھا (خلاصتاً)

یہ تو بخاریؒ کا معاملہ ہوا اب "مسلم شریف" دیکھیے تو اس میں بھی باب اثبات الشفاعة (کتاب الایمان جلد اول) میں متعدد روایات اس روایت کی تائید کر رہی ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قیامت میں جب لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس شفاعت کی درخواست لے کر آئیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ لست هناکم ویذکر خطیئته التی اصاب فیستحیی ربه تعالیٰ منها (میں اس لائق نہیں ہوں۔ اور یہ کہتے ہوئے آپ اپنا وہ قصور یاد کریں گے جو دنیا میں سرزد ہو چکا تھا' پس اللہ سے اس کی بناء پر ندامت محسوس فرمائیں گے)

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے :

وذکر کذباتہ نفسی نفسی اذھبوا الیٰ غیری۔
اور اپنے جھوٹوں کو یاد کر کے کہیں گے کہ آہ میں خود اپنے
لئے متفکر ہوں تم کسی اور کے پاس جاؤ۔

ہم محترم مولانا محمد میاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جن روایات میں آپ کو بزعم خود حضرت عثمانؓ کی توہین نظر آرہی ہے (حالانکہ یہ محض عقل کا فتور ہے) انہیں تو آپ بلا تامل غلط قرار دیتے ہیں اس مودودی کو صحابہؓ کا دشمن ٹھہراتے ہیں جس نے بہر حال انہیں دل سے نہیں گھڑا ہے بلکہ علمائے سلف سے نقل کیا ہے۔

آپ کسی طرح اس پر بھی تیار نہیں کہ ان روایات کی مناسب توجیہات قبول فرمائیں، لیکن یہاں صاف الفاظ میں سیدنا ابراھیمؑ کی طرف تین جھوٹوں کی نسبت کی جارہی ہے، مگر کبھی نہیں سنا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو دشمن انبیاء قرار دیا گیا ہو، ان کی عظمت سے اعتماد ہٹالیا گیا ہو، ان کی کتابیں ساقط الاعتبار مان لی گئی ہوں، اس کے بجائے یا تو آپ ان روایتوں کے راویوں کی کسی موہومہ اور غیر معینہ بھول کا مبہم سا قول کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، یا پھر نفسِ مضمون کی اچھی تاویلات فرماتے ہیں، ایسا ہی معاملہ اگر مودودی کے ساتھ بھی کرلیں تو کیا مضائقہ ہے، جب کہ اس کی لی ہوئی زیر بحث روایات آپ کے مفروضے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ایک غیر معصوم کی طرف گناہ کی نسبت کرتی ہیں، حالانکہ "بخاری" و "مسلم" کی مذکورہ روایات بظاہر ایک جلیل القدر پیغمبر کے دامن عصمت کا داغ نظر آرہی ہیں۔

مولانا مودودی کی واقعی غلطی:

اپنے اصل موضوع سے ہٹ کر ہم یہاں اپنا بھی موقف ان روایات کے بارے میں بیان کردیں، ہمارے نزدیک یہ روایات قطعی طور پر صحیح ہیں، سنداً بھی اور متناً بھی، اور ان سے ہرگز کوئی توہین شانِ نبوت کی نہیں ہوتی، بشرطیکہ ہم

جذبات سے یکسر بلند ہو کر خالص علمی اور معروضی انداز میں غور کریں۔

ہمیں اس بحث میں دفعتاً یاد آ گیا کہ مولانا مودودی نے بھی ان روایات کے باب میں جذبات کو عقل پر قاضی بنالیا ہے' یہ یاد آتے ہی ہم نے ان کی "تفہیم القرآن" اور "رسائل و مسائل" کا مطالعہ کیا' بلاشبہ ہمارا حافظہ غلط نہیں نکلا مولانا بڑی شدت سے مضمون روایت کو رد کر رہے ہیں اور یہ ماننے پر آمادہ نہیں ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ نے بیان کی ہوں گی' اگر زندگی رہی تو ہم اس جائزے سے فارغ ہو کر انشاء اللہ موصوف کے دلائل پر گفتگو کریں گے' اس گفتگو کا یہاں موقعہ اس لئے نہیں ہے کہ انہوں نے دونوں مقامات پر اپنی رائے کا مفصل و مدلل اظہار کیا ہے لہٰذا گفتگو بھی طویل ہی ہونی ہے اور اس گفتگو میں ہم "سیرت النبیؐ" کے فاضل مصنف علامہ شبلی علیہ الرحمۃ کے فرمودات بھی زیر بحث لائیں گے۔

لیکن مولانا مودودی ہی اس چوک میں اکیلے نہیں ہیں علامہ شہیر امام رازیؒ سے بھی یہی غلطی ہوئی ہے "چھوٹا منہ بڑی بات" کے طعن سے بچنے کے لئے ہم یہاں بقدر ضرورت ذرا تفصیل میں جائیں گے۔

شارح بخاری علامہ قسطلانیؒ نے "ارشاد الساری شرح البخاری" میں امام رازیؒ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ یہ (تین کذبات والی) روایت اس لائق نہیں ہے کہ نقل کی جائے' کیونکہ اس میں حضرت ابراهیمؑ کی طرف کذب منسوب ہے' اس پر بعض لوگوں نے امام رازیؒ سے کہا کہ بھلا معلوم العدالت راوی کو کیسے جھٹلایا جائے گا' تو انہوں نے جواب دیا کہ راوی کو جھٹلانے سے کہیں زیادہ برا یہ ہے کہ خلیل اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے۔

(جلد پنجم۔ صفحہ ۲۷۹۔ کتاب الانبیاء)

بات بظاہر بہت خوبصورت ہے لیکن کیا علمی بھی ہے؟ ہم بلا تکلف کہیں گے کہ معقولیات کے امام اور فہم و فراست کے پیکر امام رازیؒ یہاں جذبات کی رو میں

بہہ گئے ہیں' عقیدت کے جذبات نے انہیں اپنے قول کے عواقب و مضمرات کا پورا ادراک نہ ہونے دیا' وہ درایت و تفقہ کے رخ سے حدیث کو رد کر رہے ہیں حالانکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے فقہ کے کسی مسئلہ کو علم ہیئت کے قواعد سے رد کیا جائے' فقہاء و مجتہدین کا میدان وہ نہیں ہے جو فنِ روایت کے ائمہ کا ہے' حدیث صرف فن روایت ہی کے ضوابط سے رد یا قبول کی جا سکتی ہے۔ بڑے سے بڑے فقیہ حتیٰ کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ صرف مضمون روایت کی بنیاد پر کسی روایت کو صحیح یا غلط قرار دیں' بلکہ انہیں قواعدِ فن کا تتبع کرنا ہوگا اور درایت صرف اسی حد تک معتبر ہوگی جس حد کو آئین فن نے آخری حد قرار دے دیا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر امام رازیؒ یا مولانا مودودی یا کسی بھی شیخ وقت کی یہ بات مان لی جائے کہ حدیث کے نفس مضمون کی بنیاد پر کسی ایسے راوی کو جھٹلایا جا سکتا ہے جس کی ثقاہت و عدالت پر تمام ائمہ فن اتفاق کر چکے ہوں اور حفظ و ضبط جس کا استقراء سے ثابت ہو چکا ہو' تو پھر تمام احادیث حتیٰ کہ "بخاری" و "مسلم" کی روایات سے بھی امان اٹھ جائے گا۔

ایک راوی کو جھٹلانا لازماً یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ راویوں کو جانچنے کی وہ کسوٹی ناقص اور ناقابل اعتماد ہے جو ائمہ روایت نے اتنی احتیاط' تدبر' ژرف نگاہی' مشقت اور اخلاص سے بنائی ہے کہ اس سے زیادہ انسان کے بس میں ہے ہی نہیں' پھر آخر انہیں روایتوں کا کیا اعتبار ہوگا جو احکام و عقائد کے باب میں آئی ہیں' اگر آپ کہیں کہ یہ روایتیں عقل کے مطابق' دین کی مجموعی ہیئت سے ہم آہنگ اور باہم ایک دوسرے کی ہم مزاج ہیں تو ہم کہیں گے کہ دین کی مجموعی ہیئت اور مزاج اور ڈھانچے کی تشکیل تو آپ نے روایات صحیحہ کے ہی خام مواد اور اجزائے ترکیبی سے کی ہے' اگر آج یہ کھلے کہ صفِ اول کا ایک راوی غلط ثابت ہو گیا تو پھر یہ مجموعی ڈھانچہ ہی کہاں لائق اعتماد رہے گا جو اسے معیار اور مستدل بنایا جائے' پھر تو

یہ امکان پوری قوت سے سر ابھارے گا کہ جن روایات کو اصل مان کر ہم نے احکام و عقائد کی صورت گری اور اصول سے فروع کا استنباط کیا ہے ان میں ہی نہ جانے کہاں کہاں نقص ہو۔

محض یہ بات کہ فلاں روایت عقل کے مطابق اور قیاس سے ہم آہنگ ہے صحت کی کوئی دلیل نہیں، وقوع کے لئے دلیل وقوع چاہئے نہ کہ دلیل امکان۔ عقل و قیاس کے مطابق تو یہ بھی ہے کہ زید جمعہ کے دن دہلی سے بمبئی گیا ہو، مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ گیا ہی ہو، ٹھیک اسی طرح حدیث سے ثابت شدہ تمام اصولی احکام عقل و قیاس کی دلیل پر نہیں بلکہ نقل و روایت کی شہادت پر مانے جاسکتے ہیں۔

اگر یہ جائز ہے کہ مضمون حدیث کو اپنی دانست میں نامناسب پاکر ہم درجہ اعلیٰ کے راویوں کو جھوٹا قرار دے سکیں تو پھر دین کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ "بخاری" و "مسلم" سب افسانے بن جائیں گے۔

اور امام رازیؒ اور مولانا مودودی اور بہت سے اور اہل علم کے موقف مذکور نے تو محض ایک ہی راوی کو مجروح نہیں کیا، بلکہ یہاں متعدد راوی ہیں، امام بخاریؒ نے دو مختلف سندوں سے دو متن (متحد المعنی) بیان کیئے ہیں اور امام مسلمؒ نے بھی الگ الگ سندیں پیش کی ہیں۔

اگر کوئی متخص کر کے نہیں بتاسکتا کہ کس کس راوی پر غلط بیانی کا شبہ ہے تو پھر ان سندوں کا ہر ہر راوی حتیٰ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ بھی مشتبہ ہو جاتے ہیں اور اگر متخص کر سکتا ہے تو پھر اسے یہ بہر حال ماننا ہوگا کہ احادیث صحیحہ کے دونوں سب سے بڑے امین "امام بخاریؒ" و "امام مسلمؒ" نے بھی اپنی کتابوں میں جو روایات پیش کی ہیں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

"بخاری" اور "مسلم" کے جن راویوں پر اہل فن نے جرح کی ہے ان کا حوالہ یہاں بے کار ہوگا، یہ جرح فن ہی کے رخ سے ہے۔

ہم ذکر اس کسوٹی کا کر رہے ہیں جس کی صحت پر یہ جرح کرنے والے بھی اتفاق کر چکے ہیں' زیر تذکرہ روایات کو رد کرنے کا حاصل اس متفق علیہ کسوٹی کی شکست وقدح ہے جو فی الاصل اعتماد علی الحدیث کے خاتمے کے سوا کچھ نہیں۔

بات ہمارے نزدیک وہی درست ہے جو قسطلانیؒ نے کہی وکیف السبیل الیٰ تخطئة الراوی الخ ص ۲۸۰ (اور راوی کی خطا نکالنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے حالانکہ خود قرآن میں بیان شدہ دونوں باتیں انی سقیم اور بل فعله کبیرهم۔ بداہتاً خلاف واقعہ ہیں) یہ گویا درایت کے رخ سے توثیق ہے' پھر انہوں نے مراد و معنی پر گفتگو کی ہے' یہی درست طریقہ ہے' فقہاء و مجتہدین دنیائے معانی کے شہسوار ہیں' انہیں اپنے ہی دائرے میں جوہر دکھانے چاہئیں اور انہوں نے دکھلائے بھی ہیں' کیا امام ابو حنیفہؒ نے نہیں کہا کہ اذا صح الحدیث فهو مذهبی۔ کیا صحیح روایت کے سامنے قیاس کا ترک طے شدہ معاملہ نہیں ہے؟ پھر آخر یہ قیاس کے سوا کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کذب کی نسبت درست نہیں؟ درست و نادرست کو ہم سب سے زیادہ اللہ کا آخری رسول ﷺ جانتا تھا۔

ہم صرف یہ دیکھنے کے مجاز ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فلاں بات کہی ہے یا نہیں کہی ہے؟ اگر ممکن دستیاب ذرائع سے ظنِ غالب ہو جائے کہ کہی ہے تو پھر قیاس و منطق اور درایت و ثقاہت کو اس کی تاویل حسن میں صرف ہونا چاہئے نہ کہ اس کسوٹی کو مشتبہ بنانے میں جس کا اعتماد ختم ہو جائے تو پھر ہماری دنیا میں کوئی اجالا نہیں' کیونکہ ہم یقین کے ساتھ جان ہی نہ سکیں گے کہ آقا ﷺ نے کیا کہا تھا اور کیا نہیں کہا تھا۔

یہ مضمون بڑے شرح و بسط کا طالب ہے' انشاء اللہ مبسوط ہی کلام کیا جائے گا۔

آمدم بر سر مطلب :

انسانوں کی طبائع اور طبعی میلانات میں جو گونا گونی اور تنوع ہے وہ محتاج بیان نہیں، کوئی سخت دل ہے کوئی رحم دل، کسی میں مال کی محبت ہے کسی میں اس سے بے نیازی، کسی میں نفاستِ طبع ہے کوئی بے حس ہے، کسی کو اولاد سے بے تحاشا تعلق ہے کوئی برائے بیت سا تعلق رکھتا ہے وغیر ذالک۔

صحابہؓ میں بھی یہ سب کچھ تھا، ابو بکرؓ غصہ ور نہ تھے مگر عمرؓ نہایت غصے والے تھے، ابوذرؓ میں زہد تھا، معاویہؓ میں توسع، حضرت عثمانؓ میں حیا اور اقرباء سے تعلق خاطر کے میلانات، اتنے غیر معمولی تھے کہ "خلفائے راشدین" میں کوئی بھی ان دونوں خواص میں ان کا ہم پلہ نہیں، تمام اہل نظر صحابہؓ ان خواص کو جانتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ خواص اوصاف حمیدہ ہی کے قبیل سے تھے نہ کہ قبیح ومذموم۔

اب حضرت عمرؓ کی اس پیشین گوئی کی طرف آیئے، جو اہل علم میں معروف ومقبول ہے، ہم شاہ ولی اللہؒ کی کتاب "ازالۃ الخفاء" سے اسے پیش کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عمرؓ کے ساتھ چلا جارہا تھا کہ دفعتاً انہوں نے ایسا گہرا اور دلدوز سانس لیا جیسے ان کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی، میں نے کہا کہ سبحان اللہ اے امیر المؤمنین۔ یہ سانس تو یقیناً کسی امرِ عظیم کے تصور نے آپ کے اندر سے نکالا ہے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا، اے ابنِ عباس! کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں امتِ محمدیہؐ کے معاملہ میں کیا کروں؟

میں بولا، "بھلا پریشانی کی کیا بات ہے؟ آپ بحمد اللہ اختیار رکھتے ہیں کہ خلافت کا جانشین کسی بھی قابلِ اعتماد آدمی کو بنادیں"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابنِ عباس میں سمجھ رہا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو؟ تمہارا خیال ہے کہ تمہارے ساتھی "علیؓ" اس منصب کے لئے بہت موزوں ہیں"؟

میں نے کہا "واللہ آپ درست سمجھے' میرا ایسا ہی خیال ہے' کیونکہ علیؓ ان لوگوں میں ہیں جو قبول اسلام میں سبقت لے گئے اور ان کا علم بھی وسیع ہے اور انہیں دامادیٔ رسول ﷺ کا شرف بھی حاصل ہے"۔

حضرت عمرؓ بولے "تم نے علیؓ کے اوصاف بیان کرنے میں غلطی نہیں کی۔ لیکن ان کے مزاج میں تفنن (۱) بہت ہے"۔

میں نے عرض کیا "پھر تو عثمانؓ ٹھیک رہیں گے۔"

جواب ملا واللہ لو فعلت لجعل بنی ابی معیط علی رقاب الناس یعملون فیہم بمعصیۃ اللہ۔واللہ لوفعلت لفعل ولو فعل لفعلوا فوثب الناس الیہ فقتلوہ (خدا کی قسم اگر میں نے عثمانؓ کو خلیفہ بنایا تو وہ ابو معیط (۲) کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیں گے' اور یہ اولاد معاشرے میں خدا کی نافرمانیاں کرے گی' خدا کی قسم اگر میں نے عثمانؓ کو جانشین خلافت بنایا تو یقیناً وہ (اپنے خاندان کو عوام پر مسلط) کریں گے' اور جب ایسا کریں تو لوگ ان پر چڑھ دوڑیں گے اور مار ڈالیں گے (۳) (ازالۃ الخفاء۔ مقصد اول مناقب عمرؓ)

(۱) حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں ولکنہ کثیر الدعابۃ۔دعابہ ہنسی مذاق کو بھی کہتے ہیں اور حماقت کو بھی' ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی ذہانت اور دانشمندی تو مسلمات میں سے تھی لہٰذا یہاں واحد مراد مزاح و تفنن ہی ہے' یہ خلاقی قدرت کے عجائبات میں سے ہے کہ حضرت علیؓ کے اندر اللہ نے ایک طرف زہد و ورع کا میلان غیر معمولی رکھا تھا' جو خشکی سے زیادہ قریب ہے' مگر دوسری طرف ان کی ذہانت عالیہ میں ایسی شگفتگی پائی جاتی تھی جس کی تعبیر مزاح و تفنن ہی ہو سکتی ہے' ان کے بے نظیر خطبات و مکتوبات میں کوئی بھی صاحبِ بصیرت اس خصوصیت کا مشاہدہ کر سکتا ہے یہ خصوصیت عیب نہیں ہے' جس طرح کہ اقرباء سے گہرا تعلق خاطر عیب نہیں ہے' مگر حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ خلیفہ کو بہت متین اور بردبار ہونا چاہئے تاکہ رعب میں فرق نہ آئے' چنانچہ جو حسنِ ظن عام لوگوں کے لئے ایک وصفِ محمود ہے خلیفہ اور حکام بالا کے لئے وہ اسے بھی دور اندیشی کے خلاف تصور رتے ہیں چنانچہ ان کا ایک لاجواب مقولہ ہے کہ الحزم سوء الظن (دور اندیشی سوء ظن کا نام ہے۔نہ کہ حسنِ ظن کا)

۲) یہ وہی ابو معیط ہیں' حضرت عثمانؓ کے ماں جائے' ولید کے دادا' بنو امیہ کے ایک فرد۔

دیکھ رہے ہیں آپ حضرت عمرؓ کس وثوق سے قسم کھا کر دو دو بار پیش گوئی فرما رہے ہیں' روایت کا آخری حصہ "خلافت و ملوکیت میں بھی صفحہ ۹۹ پر "الاستیعاب" کے حوالے سے نقل ہے' اور جن بعض حضرات نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا حضرت عمرؓ کو الہام ہوا تھا ان کا جواب مودودی نے یہ دیا ہے :

"ایک صاحب بصیرت آدمی بسا اوقات حالات کو دیکھ کر انہیں منطقی طریقہ سے ترتیب دیتا ہے' تو اسے آئندہ رونما ہونے والے نتائج دو اور دو چار کی طرح نظر آنے لگتے ہیں۔"

معقولی رخ سے یہ جواب یقیناً درست ہے' لیکن ہم منقولی رخ سے بھی ایک جواب پیش کرنا چاہتے ہیں :

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بنی اسرائیل میں ایسے بھی لوگ ہوئے ہیں جو اگرچہ انبیاء نہیں تھے مگر فرشتے ان سے کلام کرتے تھے' میری امت میں اگر ایسا کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہے۔
(بخاری کتاب المناقب۔ مناقب عمرؓ۔ صفحہ ۵۲۱۔ اصح المطابع)

"ترمذی" میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ نے عمرؓ کی زبان اور دل پر حق کو جاری فرما دیا ہے۔

ابن عمرؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب کوئی معاملہ لوگوں پر پیش آتا ہے اور سب اپنی اپنی رائے دیتے ہیں تو قرآن عمرؓ ہی کی رائے کے مطابق نازل ہوتا۔

"بخاری و مسلم" میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں اصحاب کشف و الہام (محدثون) ہوا کرتے تھے' میری امت میں اگر کوئی صاحبِ کشف و الہام ہے تو وہ عمرؓ ہے۔

عقبہ ابن عامرؓ حضور کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو بس عمرؓ ہوتا۔ (مشکواۃ)

حضرت عمرؓ کی ملہمانہ شان میں "مشکواۃ" کی وہی اکیلی حدیث کافی ہے جسے

عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے کہ عمرؓ کو دوسرے لوگوں پر چار باتوں سے فضیلت حاصل ہے' ایک یہ کہ "جنگ بدر" کے قیدیوں کو قتل نہ کرنے پر عمرؓ اختلافی رائے رکھتے تھے' ان کا کہنا تھا کہ انھیں قتل کیا جائے' آخر کار آیت انھی کی رائے کی تائید میں اتری۔

دوسری یہ کہ انھوں نے "ازواجِ مطہراتؓ" کو پردے کا حکم دیا' اس پر انھوں نے فرمایا کہ واہ عمر وحی تو ہمارے گھروں میں اترتی ہے اور احکام تم نافذ کر رہے ہو' تب اللہ نے آیت حجاب اتاری۔

تیسری یہ کہ حضورؐ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ عمر کے ذریعہ اسلام کو قوت عطا فرما اور یہ دعا قبول ہوئی۔

چوتھی یہ کہ جب حضورؐ کے بعد مسئلہ کھڑا ہوا تو عمرؓ ہی تھے جن کی فراست مؤمنانہ ابو بکرؓ کی طرف مبذول ہوئی' اور سب سے پہلے آپ نے بڑھ کر ان کی بیعت کی۔ (مشکوٰۃ۔باب مناقب عمرؓ)

تاریخ اسلام کا یہ واقعہ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ جب فوج دور دراز فاصلے پر (نہاوند میں) لڑ رہی تھی' حضرت عمرؓ نے ایک دن خطبے کے دوران یکلخت یہ آواز بلند فرمایا:

یاساریۃ الجبل

اے جماعت پہاڑ کی طرف ہٹ جا

یہ جملہ تین بار دہرا گئے حالانکہ خطبہ کے مضمون سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ خطبہ دیتے دیتے دفعتاً ان کی ذہنی رو کسی اور طرف چلی گئی ہے' کہیں اور نظر ہے پھر کچھ ہی روز بعد اس فوج کے قاصدوں سے حال کھلا کہ ایک دن ہمارا دستہ کفار سے ہزیمت اٹھانے ہی والا تھا کہ دفعتاً ایک آواز گونجی یاساریۃ الجبل' اسے ہم نے تین بار سنا اور پھر اس پر عمل کیا' بس یکلخت میدان پلٹ گیا اور ہم نے دشمن کو ہرا دیا۔

امام مالکؒ نے "موطا" کتاب الجامع باب مایکرہ من الاسماء میں یحییٰ ابن سعیدؒ سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے بتایا کہ ایک شخص سے حضرت عمرؓ نے اس کا نام پوچھا' اس نے کہا جمرہ (یعنی چنگاری) انہوں نے پوچھا باپ کا نام؟ وہ بولا ابنِ شہاب (یعنی شعلہ) انہوں نے سوال کیا کون سے قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟ جواب ملا "حرقہ" سے (یعنی سوزش) انہوں نے دریافت کیا' رہتے کہاں ہو؟ اس نے کہا "حرہ" میں (یعنی گرمی) انہوں نے پوچھا "حرہ" کے کس حصہ میں سکونت ہے؟ جواب ملا "لظیٰ" میں (یعنی شعلہ) اب حضرت عمرؓ اطمینان سے بولے' جا اپنے گھرانے کی خبر لے وہ سب جل جلا کے برابر ہو گئے۔(۱)

بات بظاہر تفنن کی بھی ہو سکتی تھی مگر نہیں' وہ شخص گھر لوٹا تو واقعی اس کا گھرانہ آگ کے ایک حادثے میں ختم ہو چکا تھا۔

غرض حضرت عمرؓ کی فراست مؤمنانہ اور ذکاوت مخصوصہ کے علاوہ ان کی ملہمانہ حیثیت بھی واقعات کی تصدیق اور زبان رسولؐ کی مہر توثیق رکھتی ہے' علماء حق میں اس پر اتفاق رائے ہے۔

تب آخر ان لوگوں کی خفتہ دماغی' کج فکری' ہٹ دھرمی اور دھاندلی میں کیا گنجائش کلام رہ جاتی ہے جو مودودی پر اس لیئے لال پیلی آنکھیں نکالتے ہیں کہ اس نے حضرت عمرؓ کی ایک پیشین گوئی کی واقعاتی تصدیق کی اور احترام وادب کے تمام ضوابط کا آخری حد تک خیال رکھتے ہوئے صرف وہ کہا جو رائی برابر ریب اور التباس اور افراط و تفریط اپنے اندر نہیں رکھتا۔

مسند امام احمدؒ میں خود حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

لو ان بیدی مفاتیح الجنۃ لا عطیتھا بنی امیۃ حتی یدخلوا من عند أخرھم۔ج ۱ص ۶۲

(۱) بعض محدثین نے اس کی روایت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی کی ہے۔

اے کاش اگر میرے ہاتھ جنت کی کنجیاں لگ جاتیں تو میں
انھیں بنو امیہ کو دے دیتا' یہاں تک کہ ان کا ایک ایک فرد
جنت میں داخل ہو جاتا۔

اور اس روایت کو شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی "تحفہ اثنا عشریہ" میں اس تصدیق کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ ارشاد صحابہؓ کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا(جواب طعنِ دوم باب دہم)

اور حضرت عمرؓ کی پیشین گوئی کے مطابق لوگوں کی گردنوں پر بنی امیہ کو مسلط کر دینے کا اقرار بھی شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے وہ طعن چہارم کے جواب میں قاتلینِ عثمانؓ کی قدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"ان بدبختوں نے نہ سمجھا کہ عثمانؓ نے ہر چند بنی امیہ کو
مسلط کیا ہے اور ان کے ہاتھ سے کام لیا ہے لیکن ہے تو آخر
نام محمدؐ ہی کا۔"

ٹھیک یہی موقف مودودی کا ہے کہ وہ بھی قاتلین عثمان کے ظالم اور خلیفۂ راشد کے مظلوم ہونے کو شدومد سے ثابت کرتا ہے۔

(دیکھئے "خلافت وملوکیت" ص ۱۱۷ تا ۱۲۰)

عرب میں تو زمانۂ قدیم سے ایک ایسا قبائلی نظام تھا' جہاں خاندانی عصبیتیں ہوا اور پانی کی طرح عام تھیں' ہم کہتے ہیں کسی بھی نظام اور کسی بھی ملک میں لے لیجئے' اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر اعظم حکومت کے اعلیٰ مناصب سے ایسے لوگوں کو ہٹا کر جن کی عظمت واحترام کے نقوش عوام کے قلب پر مرتسم ہوں' ایسے لوگوں کو بٹھائے گا جو اس کے اپنے رشتہ دار ہوں تو چاہے اس کی نیت کتنی ہی بخیر ہو' اور عزل ونصب کا یہ کام کیسے ہی خلوص سے کیا گیا ہو' لیکن عوام اسے پسند نہیں کریں گے' ان کے ذہنوں میں بدگمانیاں پیدا ہوں گی' خصوصاً جب یہ رشتہ دار سیرت وکردار کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ نیک نام نہ ہوں تو بدگمانی کی رفتار

اور تیز ہو گی اور اگر کچھ دنوں بعد ان میں سے کسی کا ایک بھیانک جرم پایۂ ثبوت کو پہنچ کر سزا کی نوبت بھی آجائے تو پھر دنیا کی کوئی منطق عوام کے دلوں سے سوء ظن اور وسواس کے جراثیم نہیں نکال سکتی۔

میاں صاحب اور ان جیسے دیگر عقل کل حضرات راہ فرار نہ پاکر یہ شور تو ضرور مچانے لگتے ہیں کہ واہ صاحب! جس فلاں شخص کو حضرت عثمانؓ نے حاکم بنایا اسے حضرت عمرؓ نے یا حضرت صدیقؓ نے بھی تو فلاں عہدہ دیا تھا' مگر ظاہر ہے کہ یہ شور شور شغالاں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا' جو شخص حضرت عثمانؓ کا قرابت دار ہے وہ ابو بکرؓ و عمرؓ کا قرابت دار نہیں ہے کم سے کم وہ نسبی تعلق اس کا ان دونوں سے نہیں ہے' جو خانوادوں کی تقسیم کرتا ہے لہٰذا اس کے معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے خلاف کوئی بدگمانی نہیں ہو سکتی' مگر حضرت عثمانؓ کے خلاف ہو سکتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اگر اتفاق سے اپنے ایک خاندان والے کو کوئی منصب دے دیا تھا' تو اسے بھی ہٹا کر رہے' حالانکہ نہ ہٹاتے اور منصب کو اونچا بھی کر دیتے تب بھی فتنہ اس لئے نہ پیدا ہوتا کہ محض ایک دو کا معاملہ حسنِ تاویل کی گنجائش رکھتا ہے۔ اسے پالیسی اور عادت ثانیہ نہیں تصور کیا جا سکتا' بدگمانی تو اس وقت تیز دوڑتی ہے جب اقتدار کا نمایاں حصہ رشتہ داروں کی طرف منتقل کیا جائے۔

حضرت عثمانؓ نبی نہیں تھے' نہ ان میں اور ان کے عہد کے تمام آدمیوں میں مراتب کا اتنا زبردست فرق تھا جتنا ہم میں اور ان میں ہے' پھر بھلا کون سی چیز انہیں اس بدگمانی سے روک سکتی تھی کہ السابقون الاولون کو عہدوں سے ہٹا کر اپنے خاندان کے "طلقاء" کو عہدے سونپنا ایک سوچی سمجھی پالیسی ہے اور اس عزل و نصب کے ظاہری اسباب صرف آڑ ہیں۔

اصل حقیقت:

ہم اور مودودی تو یقیناً اس صورت حال کی تعبیر صرف یہ کرتے ہیں کہ نہ

تو حضرت عثمانؓ نے حیلہ سازی کی 'نہ کوئی منصوبہ اپنے خاندان کے اقتدار کا بنایا 'نہ ان کے اخلاص میں کھوٹ تھا 'نہ نیت میں خامی 'بس ایک افتادِ طبع تھی 'ایک فطری داعیہ تھا اقرباء سے غیر معمولی محبت کا 'اور ہزاروں ہزار خوبیوں کے باوجود سیاست و حکمت میں انہیں حضرت عمرؓ جیسا مقام حاصل نہ تھا' اسی لئے وہ انتہائی معصومیت' نیک دلی اور احساس دیانت کے ساتھ اقتدار کے جو یارشتہ داروں کی طرف جھک گئے اور ان نتائج کا احساس نہیں کرپائے 'جو اس طرز عمل سے لازماً نکلنے تھے' اور جن کی پیش گوئی حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر کی تھی۔

شاہ ولی اللہؒ نے "ازالۃ الخفاء" میں اسی پس منظر میں فرمایا ہے کہ :

ان عمر محدث یقتدی به فیما امرو سن
حضرت عمرؓ صاحبِ کشف والہام ہیں 'وہ جو حکم دیں یا جو سنت نکالیں اس میں ان کا اقتداء ضروری ہے۔
(مقصد اول فی بیان مسند ابی ذرؓ۔)

خلیفہ کا اپنے خاندان والوں کو اقتدار میں نمایاں حصہ نہ دینا ان کی سنت ہی نہیں تھی 'ان کا حکم بھی تھا' جن تین حضرات کی خلافت کا امکان سامنے تھا ان سے بھی انہوں نے کہا تھا کہ اگر تم خلیفہ ہو جاؤ تو خبردار اپنے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرنا (خیر سے یہ روایت اسی "طبری" میں بھی ہے جسے میاں صاحب کھولے بیٹھے ہیں)

مودودی نے اگر یہ لکھا کہ حضرت عثمانؓ کی پالیسی کے اس خاص پہلو سے کہ بنی امیہ کو حکومت پر غلبہ مل جائے بے اطمینانی پیدا ہوئی تھی تو یہ ایک ایسی بات تھی جو دو اور دو چار کی طرح مسلّم ہے 'لیکن حماقت اور تعصب کی افراط کا کیا کیجئے کہ میاں صاحب لکھتے ہیں :

"اس فقرے میں "پالیسی کا خاص پہلو اور اس سے بے اطمینانی" تو شیعہ ذہنیت کی تقلید اور نقالی میں مودودی

صاحب کے ذہن کی کار فرمائی ہے جس کو افتراء اور اختراع ہی
کہا جا سکتا ہے۔" ص ۵٦

بتایئے ایسے ہذیانات کا کیا جواب دیا جائے' ایک شخص اگر طے کر لے کہ جو منہ میں آئے گا کہتا چلا جائے گا تو کون اس کی زبان پکڑ سکتا ہے۔

اس کے بعد میاں صاحب نے کئی لائنوں میں ایسی تقریر کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود پیرانہ سالی کے ان کے کاسۂ سر میں ایسا دماغ ہے جو ابھی تک بالغ نہیں ہو سکا ہے بچوں جیسی سطحی اور بے مغز باتیں' لایعنی اور دور از کار۔

حیرت انگیز فارمولا :

مودودی نے لکھا کہ یہ طرز عمل حضرت عثمانؓ کی اجتہادی غلطی کہا جا سکتا ہے اس سے ان کے مرتبے میں فرق واقع نہیں ہوتا۔

کتنی بے غبار' بے عیب اور معقول بات' اجتہادی غلطیاں انبیاء تک سے ہوئی ہیں (جیسا کہ صحابیت کی بحث میں آپ تمام علماء حق کو اس پر متفق پائیں گے)۔ مودودی حضرت عثمانؓ کی صفائی بیان کر رہا ہے نہ کہ عیب' مگر واہ رے بد خصلتی' میاں صاحب اسے "معذرت" قرار دے رہے ہیں اور فرمایا جا رہا ہے :

"اجتہادی خطا کار کو گنہگار نہیں کہا جا سکتا مگر ایسا شخص مقبول عند اللہ بھی نہیں ہو سکتا۔" صفحہ ۲۱

اے علماء امت! اے طلباء عزیز! اے ارباب ہوش! بتانا کیا ساڑھے تیرہ سو سالوں میں ایسی لغو اور بے سر و پا بات آپ نے کسی صحیح الدماغ سے سنی ہے؟ عامی بھی جانتے ہیں کہ اجتہادی لغزشوں سے تو انبیاء علیہم السلام بھی بچے ہوئے نہیں' خود قرآن میں ان کی بہتیری اجتہادی خطاؤں کا ذکر موجود ہے (جس کی کچھ تفصیل ہم صحابیت کی بحث میں پیش کریں گے) تو کیا میاں صاحب کے یہاں اب انبیاء و رسل بھی مقبول عند اللہ نہیں رہے۔

میاں صاحب جیسے لوگوں نے مودودی کی ضد میں احترام صحابیت کا جو من گھڑت تصور اچھالا ہے وہ اپنی نوعیت میں المسیح ابن اللہ والی ذہنیت سے مختلف نہیں' اس کی پوری نقاب کشائی تو ہم صحابیت کی بحث میں کریں گے' یہاں چند نمونے دکھلادیں کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں اربابِ علم و فضل کیا کیا کہتے آئے ہیں۔

ابنِ تیمیہؒ کیا کہتے ہیں؟ :

"المنتقیٰ" اٹھایئے' ہم بتا ہی چکے ہیں کہ یہ "منہاج السنہ" کا اختصار ہے جو ابنِ تیمیہؒ کے شہرۂ آفاق شاگرد حافظ ذہبیؒ نے کیا تھا۔

یہاں اتنا اور نوٹ کیجئے کہ خود میاں صاحب صفحہ ۱۸۸ پر انہیں "جرح و تعدیل کا امام" کہہ رہے ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ "المنتقیٰ" ایک ایسی کتاب ہے جو موصوف کے نزدیک بھی "بکواس" نہیں ہو سکتی۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ ردِ شیعیت اور حمایت صحابہؓ میں ابنِ تیمیہؒ تیغ بے نیام تھے۔ "منہاج السنہ" جیسی ضخیم کتاب (جس کا خلاصہ "المنتقیٰ" ہے) اسی موقف پر تصنیف ہوئی "المنتقیٰ" میں ان مطاعن کا ذکر ملاحظہ کیجئے' جن کا جواب ابنِ تیمیہؒ نے دیا ہے' اس میں انہوں نے اولاً یہ فرمایا ہے کہ :

حضرت عثمانؓ نے اپنے جن رشتہ داروں کو عہدے دیئے ان کے بارے میں انہیں حسن ظن تھا' اب وہ عالم الغیب تو تھے نہیں کہ بعد میں جو برائیاں بعض عمال کی ظاہر ہوئیں ان کا انہیں پہلے سے علم ہوتا' جب برائیاں ظاہر ہوئیں تو انہوں نے سزائیں دیں۔

پھر ابنِ تیمیہؒ حتی الوسع حضرت عثمانؓ کے افعال کی عمدہ تاویلیں کرتے چلے جاتے ہیں' مگر بعض امور ایسے بھی ہیں جن کی تاویل دیانتاً اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتی کہ قصور تسلیم کر لیا جائے' چنانچہ اس طعن کے جواب میں کہ حضرت عثمانؓ

لے بعض ناموزوں اور نامطبوع لوگوں کو حاکم بنا یا دہ فرماتے ہیں :

قلنا كان مجتهداً فاخطأ ظنه والله يغفر له۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ مجتہد تھے۔ پس ان کے گمان نے غلطی کی اور اللہ ان کی بخشش فرمائے۔

اور پھر یہ بھی ابنِ تیمیہؒ نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ سے بھی اس نوع کی اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں۔

فرمایئے مودودی کا مذکورہ قول اس سے کچھ مختلف ہے؟

لیکن ذرا اس سے آگے کی بات بھی تو سنتے جایئے' یہ تو محض اجتہادی خطاؤں کا معاملہ تھا۔ ابنِ تیمیہؒ صحابہؓ کے ایک سرگرم اور وسیع العلم وکیل ہونے کے باوجود دیانتاً یہ محسوس کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی ساری خطاؤں کو ایسے اجتہاد کا نام دینا جو گناہ سے بالاتر ہو' واقعاتی جواز نہیں رکھتا ہے لہٰذا بلا تکلف وہ فرماتے ہیں :۔

نحن لا ندّعی انّ عثمان معصوم بل له ذنوب و خطايا يغفرالله له وقد بشره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالجنة علىٰ بلوىٰ تصيبه۔

ہم یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرتے کہ عثمان گناہوں سے بالاتر تھے' بلکہ ان سے گناہوں اور غلطیوں کا ارتکاب ہوا جنہیں اللہ معاف کرے گا اور حضور ﷺ نے انہیں اس مصیبت پر جو انہیں پہنچنے والی تھی جنت کی خوشخبری دی ہے۔

(المنتقیٰ۔ فصل الثالث۔ صفحہ ۳۸۳۔ مطبع مذکورہ)

اس کے بعد انہوں نے خاصی مفصل تقریر یہ کی ہے کہ نیکیاں برائیوں کو دھو دیتی ہیں' اللہ ہر گناہ کو (سوائے کفر و شرک کے) معاف کرسکتا ہے۔' حضرت عثمانؓ کی نیکیاں بہت تھیں اور انہیں اللہ کے رسولؐ نے جنت کی

بشارت دی تھی۔

کہاں ہیں میاں صاحب اور ان کے ہم مشرب! مودودی نے تو فقط "اجتہادی غلطی" کا نام لیا تھا اور میاں صاحب نے خود تسلیم فرمالیا کہ اجتہادی خطا آدمی کو گناہ گار نہیں بناتی، مگر ابنِ تیمیہؒ تو کھلے لفظوں میں وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے متعدد گناہوں کا صدور ہوا، اس کے باوجود ابنِ تیمیہؒ کے لئے نہ کوئی گالی ہے نہ برا سا لقب، نہ ان شیوخ و اکابر کے لئے کوئی فتویٰ ہے جو ابنِ تیمیہؒ کو برابر شیخ الاسلام کہتے چلے جارہے ہیں۔

میاں صاحب کی منطق نادرہ سے تو ابنِ تیمیہؒ نے حضرت عثمانؓ کو بالکل ہی گھٹیا درجے میں ڈال دیا، کیونکہ جب محض اجتہادی غلطی جو گناہ سے پاک ہو مقبولیت عنداللہ ختم کرسکتی ہے تو گناہ اور وہ بھی بصیغۂ جمع (ذنوب) تو نعوذباللہ شاید جہنم ہی میں پہنچادیں۔

یا اللہ قلب و ذہن کی تپ دق سے بچانا!

بیت المال کا مسئلہ :

مالی بحث میں سب سے پہلی بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ مودودی نے اپنی اصل کتاب میں ایک ذیلی حاشیہ کے سوا کوئی بھی لفظ حضرت عثمانؓ کی مالی روش پر نہیں لکھا تھا، ملاحظہ کرلیجئے "خلافت و ملوکیت"، لیکن ان کی کتاب کے کچھ ابواب ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں چھپے تو معترضین نے ایک طوفان برپا کردیا، اس پر مودودی صاحب نے تمام قابل التفات اعتراضات کا جواب لکھا اور اسے بطور ضمیمہ شامل کتاب کیا۔

بس اس ضمیمے میں صرف ڈھائی صفحوں میں بطور جواب مالی معاملات کا ذکر آیا ہے اور وہ بھی اس احتیاط اور ادب کے ساتھ کہ اس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، آغازِ کلام اس طرح کرتے ہیں :

"بیت المال سے اقرباء کی مدد کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا اس پر بھی شرعی حیثیت سے کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے' معاذ اللہ انہوں نے خدا اور مسلمانوں کے مال میں کوئی خیانت نہیں کی تھی۔"

اس کے بعد "طبقات ابن سعدؒ" سے اور اس کی تائید میں "طبریؒ" سے ایک روایت بیان کرتے ہیں اور پھر حضرت عثمانؓ کی ایک ایسی تقریر طبریؒ' ابن اثیرؒ' اور ابنِ خلدونؒ کے حوالوں سے نقل کرتے ہیں جس میں خود حضرت عثمانؓ نے اعتراف فرمایا ہے کہ "بیت المال" سے میں نے اس لئے روپیہ لیا ہے کہ مجھے اس کا حق ہے' میں آخر خدمت بھی تو کرتا ہوں' اس کے بعد ان نقول پر یوں اظہار خیال فرماتے ہیں :

"ان روایات سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقرباء کو روپیہ دینے میں جو طرز عمل اختیار کیا تھا وہ ہرگز شرعی جواز کی حد سے متجاوز نہ تھا۔ انہوں نے جو کچھ لیا وہ یا تو صدر مملکت کی حیثیت سے اپنے حق الخدمت کے طور پر لے کر خود استعمال کرنے کے بجائے اپنے عزیزوں کو دیا یا "بیت المال" سے قرض لے کر دیا جسے وہ ادا کرنے کے ذمہ دار تھے یا اپنی صوابدید کے مطابق انہوں نے "خمس" کے مال کو تقسیم کیا جس کے لئے کوئی مفصل شرعی ضابطہ موجود نہ تھا۔" صفحہ ۳۲۸

دیکھا آپ نے نقل روایت سے بھی مودودی کا مقصد حضرت عثمانؓ کی قدح نہیں بلکہ مدح ہے' اور روایات کے آغاز و اختتام پر صریح الفاظ میں مودودی کا موقف اور عقیدہ ملاحظہ کر لینے کے بعد زیادہ سے زیادہ کسی انصاف پسند اور غیر متعصب کے لئے جس بات کی گنجائش رہ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس

کے نزدیک مذکورہ روایات میں سے کوئی روایت ساقط الاعتبار ہو تو وہ تنقید روایت کے علمی اصولوں کے مطابق یہ بحث کرے کہ فلاں روایت لائق حجت نہیں ہے' لیکن اس سے بڑھ کر وہ اگر مودودی پر بغض صحابہؓ یا فریب دہی یا حضرت عثمانؓ کی طرف خیانت کی نسبت کرنے کا اتہام عائد کرتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ دھاندلی اور ظلم صریح کا مرتکب ہے اس کے منہ پر آنکھیں ہیں مگر دیکھتا نہیں کہ خیانت و بدنیتی کی کھلی تردید تو خود مودودی کر رہا ہے۔

میاں صاحب کی سمجھ میں اگر یہ بات نہیں آتی کہ حضرت عثمانؓ کا بیت المال سے کچھ لینے کے باوجود خائن نہ ہونا کیسے ممکن ہے تو یہ قصور مودودی کا نہیں بلکہ ان کی اپنی کم علمی اور کم فہمی کا ہے' مودودی نے خود حضرت عثمانؓ کی تقریر میں اس امکان کو واقعہ ثابت کر دیا اور لیجئے ہم ابنِ تیمیہؒ کی زبانی بھی اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

ابنِ تیمیہؒ اس اعتراض کے جواب میں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے رشتہ داروں میں مال بانٹا' کہتے ہیں کہ اسے اجتہادی غلطی نہ کہو تو زیادہ سے زیادہ گناہ کہہ لو' مگر یہ ایسا گناہ ہے جس پر آخرت میں انشاء اللہ مؤاخذہ نہ ہوگا' کیونکہ "بیت المال" سے حضرت عثمانؓ جو مال بانٹتے تھے اس کی ایک تاویل ان کے پاس تھی' خود ان کا اپنا قول ابنِ تیمیہؒ نقل کرتے ہیں کہ :

"میں بیت المال سے اپنی کارکردگی کا معاوضہ لیتا ہوں"۔

(صفحہ ۳۹۱)

پھر ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اگرچہ جائز ہے مگر ابو بکرؓ و عمرؓ ایسا نہیں کرتے تھے اور انہیں کا عمل افضل تھا۔

مزید ایک بحث انہوں نے یہاں یہ پیش فرمائی ہے کہ اللہ کے رسولؐ اپنے رشتہ داروں کو جو عطیے بحکم ولایت دیا کرتے تھے ان کا حضورؐ کے بعد کیا حکم ہے ؟ بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اب یہ حصہ خلیفہ و امام کے قرابت داروں کو

ملا کرے گا، لیکن اکثر فقہاء جس میں امام ابو حنیفہؒ بھی شامل ہیں یہ رائے رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی رحلت کے بعد یہ رشتہ داروں کا حق ساقط ہو گیا' چنانچہ ابو بکرؓ و عمرؓ اسی پر عامل تھے اور اس حصے کو سامانِ جنگ وغیرہ پر خرچ کیا کرتے تھے۔

سنا آپ نے! ابنِ تیمیہؒ جیسا بحر العلم بھی تسلیم کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ "بیت المال" سے اپنے اقرباء کو عطایا دیتے تھے لیکن یہ خیانت ہرگز نہ تھی' بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کا اجتہاد یہی تھا کہ حضورؐ کے بعد بیت المال میں اقرباء کا حق ساقط نہیں ہوا بلکہ وہ خلیفہ کی طرف منتقل ہو گیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو دے' یہ اجتہاد خواہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت کے خلاف ہو' اور بعد کے اکثر فقہاء اس سے متفق نہ ہوں' مگر بہر حال حضرت عثمانؓ کو اجتہاد کا حق تھا' اور ان پر خیانت کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا' ("فکان یعطیہم لکونہم ذوی قربیٰ الامام علی قول من یقول ذلک"...... ای سہم ذوی القربی ھولقرابة الامام-تجلی) ۔

آگے مروان کی بحث میں فرماتے ہیں کہ :

وھب ان ھذا من ذنوب عثمانؓ فما ادّعینا عصمته
وله سوابق وھو من البدریین المغفور لھم۔

اور فرض کرو کہ حضرت عثمانؓ نے مروان کو قتل نہ کر کے ایک گناہ کیا تو چلو ان کے بعض گناہوں میں ایک گناہ کا اضافہ ہو گیا' ہم کب دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ گناہوں سے پاک تھے' مگر ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ نے بہت اچھے کام کیئے ہیں آپ "غزوۂ بدر" کے شرکاء میں سے ہیں جن کی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

کوئی میاں صاحب سے دریافت کرے یہ سب کیا ہے ؟

آپ نے تو محض اجتہادی غلطی کو خلاف مقبولیت کہہ دیا تھا یہ ابنِ تیمیہؒ کیا

ستم ڈھا رہے ہیں' انہوں نے تو بار بار کھل کر مان لیا کہ حضرت عثمانؓ گناہوں سے پاک نہ تھے ان سے اجتہادی غلطیاں ہی نہیں ذنوب بھی صادر ہوئے۔

پھر کیا فتویٰ ہے ابنِ تیمیہؒ کے بارے میں اور کیا رائے ہے ان ہزاروں علماء و فضلاء کے بارے میں جو کم و بیش سات سو سالوں سے ابنِ تیمیہؒ کی عظمت و جلالت کے گن گاتے چلے آ رہے ہیں؟ حتیٰ کہ ہمارے اونچے درجے کے علماء دیوبند ان کے بعض "تفردات" سے متفق نہ ہونے کے باوجود ان کے شیخ الاسلام ہونے میں ذرا متأمل نہیں ہیں۔

امام ماوردیؒ کیا فرماتے ہیں؟:

ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ پانچویں صدی ہجری کے مشہور اہلِ علم میں سے ہیں' آپ کی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" رفیع الشان کتابوں میں سمجھی جاتی ہے۔ (اس کا مصری نسخہ ہمارے سامنے ہے' شائع کردہ مصطفیٰ البابلی)۔ اس میں جس باب میں "مالِ غنیمت" اور "مال فے" (۱) کے فرق پر گفتگو کی گئی ہے' اسی جگہ ایک واقعہ بھی بیان ہوا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور منظوم طور پر درخواست کی کہ مجھے کپڑے دیجئے اور میری مدد کیجئے (گفتگو نقل کرنے کے بعد مصنفؒ بیان کرتے ہیں)۔

فبکیٰ عمرؓ حتی خضبت لحیته

حضرت عمرؓ اتنا روئے کہ آپ کی ڈاڑھی اشکوں سے تر ہو گئی۔

پھر آپ نے غلام کو حکم دیا کہ لو یہ میری قمیص اسے دے دو' اور اس شخص سے کہا کہ خدا کی قسم آج میرے پاس اس کے سوا کوئی کپڑا وغیرہ دینے کو نہیں ہے۔

یہ واقعہ نقل کرنے سے مقصود مصنف کا یہ ہے کہ اگرچہ "بیت المال" میں "مالِ فے" موجود تھا لیکن اس میں سے اس شخص کو دینا "رفاہِ عام" کے ذیل میں

(۱) جو مال بغیر لڑے بھڑے کفار سے حاصل ہو جائے۔

نہیں آتا تھا لہٰذا حضرت عمرؓ نے نہیں دیا' حالانکہ آپ کا تاثر گریہ شدید اور عطائے قمیص سے ظاہر ہے "گویا یہ شخص واقعتاً صدقہ کا مستحق تھا لیکن "مالِ فے" کا حکم صدقاتِ واجبہ جیسا نہیں کہ کسی بھی غریب کو دے دو۔

اس کے بعد مصنف لکھتے ہیں :

وكان مماتقمه الناس على عثمان رضى الله عنه انه جعل كل الصلات من مال الفئى ولم يرالفرق بين الامرين (اى الفئى والغنيمة)

اور لوگوں کو حضرت عثمانؓ پر یہی اعتراض تو تھا کہ وہ ہر قسم کے انعامات و عطایا "مالِ فے" سے دے ڈالتے تھے اور "مالِ غنیمت" اور "مالِ فے" میں جو فرق موجود ہے اس کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

امام ماوردیؒ شافعی ہیں لیکن اس موقع پر یہ کہنا کہ شافعی کا قول ہم پر حجت نہیں' جہالت کی بات ہو گی' دونوں طرح کے اموال کے فرق اور مصارف کے امتیاز کی بحثیں فقہائے احنافؒ کی بھی تمام بڑی کتابوں میں موجود ہیں' مثلاً امام سرخسیؒ کی "المبسوط" امام زیلعیؒ کی "نصب الرایہ" اور ابو بکر رازی حنفیؒ کی "احکام القرآن" وغیرہ۔

کوئی زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس باب میں ہم مسلکِ شافعیؒ کو نہیں مانتے' مگر کیا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ امام ماوردیؒ اور امام ابنِ تیمیہؒ وغیرہ صحابہؓ کی قدر و منزلت سے عاری تھے جو انہوں نے ایسی روایات قبول کر لیں ؟۔

امام شافعیؒ جیسے اکابر کیا فرماتے ہیں ؟ :

امام ابو حنیفہؒ اور کثیر اہل علم کا یہ مسلک ہے کہ جس آیت قرآنی کے تحت رسول اللہ ﷺ "مالِ فے" سے اپنے عزیز و اقرباء کو عطایا دیتے تھے وہ آپؐ کو

کے ساتھ مخصوص تھی اور آپؐ کے بعد یہ حق "خلفاء" کی طرف منتقل نہیں ہوا' اس مسلک کے لئے وہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کو دلیل بناتے ہیں لیکن امام شافعیؒ' امام ابو ثورؒ اور امام حسنؒ (۱) اور بعض دیگر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ یہ حق "خلفاء" کی طرف منتقل ہو گیا' یہ الگ بات ہے کہ کوئی خلیفہ ازراہِ تورع اسے استعمال نہ کرے' ان حضراتؒ کے مسلک کا سنگ بنیاد حضرت عثمانؓ ہی کا فعل و عمل ہے' گویا یہ بات ان حضرات کے نزدیک بھی مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عثمانؓ ہر حال میں اپنی نجی دولت اور جیب ہی سے اقرباء کی امداد نہیں کرتے تھے "بیت المال" سے بھی انعام و اکرام کا سلسلہ موجود تھا' اسے خیانت اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اسوۂ رسولؐ سامنے موجود تھا' اور آیت قرآنی میں ایسا کوئی واضح الدلالۃ لفظ موجود نہیں ہے جس سے قطعی طور پر معلوم ہو تا کہ "اقرباء" کا حق حضورؐ کے بعد کسی کو نہیں پہنچے گا' لہٰذا حضرت عثمانؓ نے بطور مجتہد اجتہاد فرمایا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے اسوے کو اس باب میں حکمِ شرعی نہیں مانا' ایسی صورت میں جو لوگ مثلاً ابو حنیفہؒ وغیرہ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اجتہاد اقرب الی الصواب نہیں تھا' یہ نہیں کہہ سکتے کہ گناہ تھا۔

غرض "بیت المال" سے حضرت عثمانؓ کا کبھی نہ کبھی عطیے دینا ایک ایسا ثابت شدہ امر ہے کہ جو لوگ اس سے انکار کریں ان کا انکار ایسا ہی ہے جیسے وہ یوں کہیں کہ حضرت عمرؓ نے خالدؓ بن ولید کو معزول نہیں کیا تھا' حضرت عثمانؓ نے ولید کو بادہ خواری کی سزا نہیں دی تھی۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کیا فرماتے ہیں ؟ :

عشرہ مبشرہ کے مناقب میں شیخ محب الدین طبریؒ کی کتاب "الریاض النضرہ" اہل علم کے لئے ایک مرغوب تحفہ ہے' اس میں صحابہؓ کے ایک شیدائی کی

(۱) امام ابو ثورؒ اور امام حسن بصریؒ کے ناموں کی صراحت امام ابن تیمیہؒ نے "المنتقیٰ" میں کی ہے اور امام شافعیؒ کے نام کی صراحت "الاحکام السلطانیہ" کے علاوہ "کشف الاستار" وغیرہ میں موجود ہے۔

حیثیت میں انہوں نے دسوں مبشر بالجنۃ صحابیوں کے مناقب جمع فرما دیئے ہیں' مگر ظاہر ہے کہ حقائق کا انکار کرنا اور امورِ ثابتہ کو جھٹلانا کسی خدا پرست کا کام نہیں ہو سکتا' اسی لئے انہوں نے مروان کو "خمس" عطا کیئے جانے والی اس روایت کو بھی صحیح مانا ہے جس کی بحث آگے آرہی ہے (اس کے ذیل میں میاں صاحب نے بدترین قسم کی جہالتیں اور شرارتیں پھیلائی ہیں) اور مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیبؒ کا بھی ایک ارشاد نقل کیا ہے جو لفظ بہ لفظ درج ذیل ہے :

لما ولي عثمان كره ولايته نفر من اصحاب رسول الله صلے الله عليه وسلم لان عثمان كان يحب قومه فولّى اثنة عشرة حجة وكان كثيراً ما يولي بني امية ممن لم يكن له صحبة مع رسول اللهؐ وكان يجئي من امرائه مايكره اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان يستغاث عليهم فلا يغيثهم فلماكان في الستة الحج الاواخر استاثر بني عمه فولاهم أسرهم (ج ٢ ص ١٢٤)

حضرت عثمانؓ جب برسر خلافت آئے تو بعض صحابہؓ نے اس کو اس لئے ناپسند کیا کہ حضرت عثمانؓ اپنے کنبے سے بہت محبت کرتے تھے' آپ بارہ برس برسر خلافت رہے اور بارہا بنی امیہ کے ایسے افراد کو عہدے دیتے رہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ نہ تھے' آپؓ کے والیوں سے ایسے امور کا صدور ہوتا تھا جو اصحاب رسولؐ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھے' آپ سے ان کے سلسلے میں فریاد کی جاتی لیکن آپ فریاد رسی نہ کرتے' اپنی خلافت کے آخری چھ سالوں میں آپ نے اپنے بنی عم کو خصوصیت سے دوسروں پر فوقیت دی اور والی

دحاکم بنایا۔

یہیں امام ابن تیمیہؒ کا ایک اور فقرہ سن لیجئے :

حصل من اقاربه فی الولایة والمال ما اوجب الفتنة۔

حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں سے منصبی اور مالی رخوں پر وہ کچھ سامنے آیا جو لازماً فتنہ پیدا کرنے والا تھا۔

شاہ ولی اللہؒ کیا فرماتے ہیں ؟ :

سیرۃ ذی النورینؓ بہ نسبت سیرتِ شیخینؓ مغایرتے داشت زیرا کہ گاہے از عزیمت بہ رخصت تنزل نمود۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت عثمانؓ کی سیرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت سے مطابقت نہیں رکھتی تھی کیونکہ آپ نے کبھی کبھی عزیمت (کا بلند موقف) چھوڑ کر رخصت کا (اس سے کمتر) موقف اختیار فرمایا۔

یہی وہ چیز ہے جسے مودودی نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ :

"بد قسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ اس معیارِ مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے"۔

مگر میاں صاحب نے قسم کھا رکھی ہے کہ ہر ہر سچائی کو جھٹلائیں گے۔

کون نہیں جانتا کہ "عزیمت" کا راستہ اللہ کے یہاں بہت مقبول ہے اور اس کی جزا بے شمار ہے "رخصت" گناہ نہیں مگر کمتر ضرور ہے اسی لئے شاہ صاحبؒ "تنزل" کا لفظ لکھ رہے ہیں، پھر شاہ صاحبؒ ہی کا وہ قول جسے ہم نقل کر آئے ہیں یہاں یاد کر لیا جائے کہ عمرؓ جو حکم دیں یا جو سنت نکالیں اس میں ان کا اقتداء ضروری ہے تو یہ بات بالکل منقح ہو جاتی ہے کہ سیرتِ عثمانؓ کا بعض اعتبار سے سیرتِ شیخینؓ سے مطابقت نہ رکھنا اور عزیمت کی جگہ رخصت اختیار کرنا معیار

مطلوب سے بہر حال کمتر تھا۔

محبّ الدین الخطیب "المنتقیٰ" کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

ان ائمة الاسلام تا من الولاة والعمال صفحہ ۳۹۱

بخوف طوالت متن حذف کر دیا گیا' ترجمہ درج ذیل ہے:

"ائمہ اسلام اور رجال حدیث جیسے امام احمدؒ اور ان کے مسلک پر چلنے والے مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ذہبیؒ کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے بعد تمام مسلمانوں پر' خصوصاً ان پر جو مسلمانوں کے معاملات میں والی بنائے جائیں' فرض ہے کہ تمام امور میں ابوبکرؓ و عمرؓ ہی کے طریقوں پر چلیں اور یہی دونوں شخصیتیں ان لوگوں کو جانچنے کی کسوٹی ہیں جو ان کے بعد والی و حاکم بنیں"۔

اب اگر شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں سیرت عثمانؓ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت سے مغایرت رکھتی تھی تو اس تقریر کے مطابق تمام متذکرہ علماء و فضلاء کے نزدیک اقرباء کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا عام طرزِ عمل لائقِ تحسین تو بہر حال نہ تھا۔ معیارِ مطلوب کے مطابق نہ ہونا اس کی ہلکی سے ہلکی تعبیر ہے۔

مولانا اکبر شاہ کیا فرماتے ہیں؟:

اسلام کی اردو تاریخوں میں مولانا اکبر شاہ نجیب آبادیؒ کی "تاریخ اسلام" کافی مقبول و معتبر ہے' کتنے ہی دنوں سے چھپ رہی ہے' وہ ان مؤرخین میں ہیں جو دامنِ صحابہؓ سے داغ الزام دھونے میں خاصی سرگرمی دکھاتے ہیں حتیٰ کہ بعض ایسی روایات کو بھی انہوں نے حبِ صحابہ میں ناقابل اعتبار سمجھ لیا ہے جن کا صحیح ہونا غلط ہونے سے زیادہ اغلب ہے' پھر بھی وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

"اس موقعہ پر مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ اگرچہ خاندان والوں اور

رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا ایک خوبی کی بات ہے لیکن اس اچھی بات پر ایک خلیفہ کو عمل درآمد کرانے کے لئے بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شاید کما حقہ احتیاط کے برتنے میں کمی ہوئی' اور مروان بن الحکم اپنے چچازاد بھائی کو آخر وقت تک اپنا کاتب یعنی میر منشی اور وزیر و مشیر رکھنا تو بے شک احتیاط کے خلاف تھا' نہ اس لئے کہ وہ آپ کا رشتہ دار تھا بلکہ اس لئے کہ وہ اتقاء اور روحانیت میں ناقص اور اس مرتبہ جلیلہ کا اپنی قابلیت و فضائل کے اعتبار سے اہل اور حقدار نہ تھا"۔

(ص ۲۶۱۔ تاریخ اسلام ج اول)("مکتبہ رحمت دیوبند")

ایک ایک فقرے کو دیکھ لیجئے کیا کہا گیا ہے...... ؟ پھر کیا آج تک میاں صاحب یا کسی اور پڑھے لکھے کی زبان سے آپ نے سنا کہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی بغض صحابہؓ میں مبتلا ہیں' توہین صحابہؓ کے مرتکب ہیں' آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔

ابن الطقطقی کیا فرماتے ہیں ؟

"الفخری" ایک مشہور تاریخ ہے۔ اس کے مؤلف محمد بن علی طباطبائف ابن الطقطقی ہیں' اس کا اردو ترجمہ ابھی "ندوۃ المصنفین" دہلی سے شائع ہوا ہے' اس پر مختصر پیش لفظ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے تحریر فرمایا ہے جو "دارالعلوم دیوبند" کی مجلس شوریٰ کے ممبر معروف عالم و مفتی اور دیوبندی مکتبہ فکر کے روشن ضمیر اور بیدار مغز ترجمان سمجھے جاتے ہیں' انہوں نے پیش لفظ میں تحریر فرمایا:

"الفخری" کا شمار تاریخ اسلام کی مستند جامع اور زندہ

تاریخوں میں ہوتا ہے' اس مختصر تاریخ میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو عام طور پر تاریخی کتابوں میں نہیں ملتیں"۔ صفحہ ۱۵

اس تعارف کے بعد صاحب الفخری کی عبارت ملاحظہ فرمایئے :

"جب لوگ حضرت عثمانؓ سے صادر ہونے والے اعمال پر اعتراض کرتے جن پر انہیں مروان بن الحکم آمادہ کرتا' اور ان اعمال کو وہ اچھا بتاتا تھا تو کبھی وہ ان لوگوں (اعتراض کرنے والوں) کے مشورے پر پابند ہونے کا اظہار کرتے اور کبھی اپنے کہے کی تائید میں دلیلیں پیش کرنے لگتے تھے' یہاں تک کہ اس معاملہ نے شہرت اختیار کرلی اور مختلف شہروں کے لوگ ان سے لڑنے کے لئے جمع ہوگئے"۔ (صفحہ ۱۵۸)

اور اس سے ایک صفحہ قبل جو کچھ لکھا ہے اس پر بھی نظر ڈال لیجئے :

"مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے عثمانؓ کی اس زیادتی کو برا سمجھا جو انہوں نے اپنے دونوں رفیقوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طریقے یعنی کم صرف کرنے اور مسلمانوں کے مال سے باز رہنے کے خلاف اختیار کرلیا تھا' انہوں نے مال کا ایک حصہ اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردیا تھا اور اپنے اہل و عیال کے لئے بھی آسانیاں بہم پہنچائی تھیں' منجملہ ان کی ایسی باتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن خالد بن اسید کو پچاس ہزار درہم دیئے اور مروان بن الحکم کو پندرہ ہزار۔ مسلمان اس وقت تک ایسی فضول خرچیاں دیکھنے کے عادی نہ تھے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے کفایت شعارانہ انضباط کو دیکھتے ہوئے ان کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا' وہ ایسی باتوں سے چڑتے رہے اور

ان کے اور عثمانؓ کے درمیان (ان مسائل پر) عتاب آمیز
گفتگو اور قیل و قال رہی"۔ ص ۱۵۷

بتایئے کس کس کو بغض صحابہؓ کا طعنہ دیں گے، کیسے کیسے عظمت صحابہؓ سے ناآشنا کہیں گے، تاریخ کی جتنی بھی کتابوں میں حضرت عثمانؓ کے مفصل حالات ہوں گے وہاں اکثر و بیشتر اسی طرح کے ریمارک مل جائیں گے۔

ایک مثال اور ملاحظہ کیجئے:

امام اہلِ سنتؒ کیا فرماتے ہیں ؟:

حد ہے کہ مولانا عبدالشکور فاروقی جن کی کتاب "خلفائے راشدین" سے کچھ حوالے ہم ماسبق میں دے آئے اور جو مدح صحابہؓ میں امتیازی شہرہ رکھتے ہیں وہ یہ لکھنے سے اپنے قلم کو روک نہ سکے کہ:

"آخری چھ سال میں آپ نے (حضرت عثمانؓ نے ۔ تجلی) اپنے اعزہ و اقارب کو عہدوں پر مقرر کیا اور انہوں نے کام خراب کر دیا، صلۂ رحم کی صفت بڑی عمدہ صفت ہے مگر کوئی چیز کیسی ہی عمدہ سے عمدہ ہو جب وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے، تاہم یہ خرابیاں یا کمزوریاں بمقابلہ ان خوبیوں کے جو آپ کی ذات والا صفات میں تھیں اور بمقابلہ ان عظیم الشان خدمات اسلامیہ کے جو کہ آپؓ نے انجام دیں ہرگز قابل اعتراض نہیں ہو سکتیں۔"

(خلفائے راشدین ص ۱۹۴)

الفاظ مختلف، حقیقت وہی جسے مودودی بیان کرنے کا مجرم ہے، اس نے اقربانوازی کو حضرت عثمانؓ کی عام روش کے لحاظ سے "پالیسی" کا عنوان دیا اور اس کیلئے "غلط" کا لفظ بولا، یہاں حضرت عثمانؓ کی اقرباء نوازی کو تجاوز عن الحد اور

خرابی و کمزوری سے موسوم کیا گیا ہے' یہ "غلطی" سے ہلکے الفاظ تو نہیں ہیں۔

مولانا شبلیؒ کیا کہتے ہیں ؟:

تنقید روایات میں مولانا شبلی مرحوم کی شدت و تعنت متاخرین میں اپنی کم مثالیں رکھتا ہے' لیکن "سیرت النبی" "سیرت النعمان" "الفاروق" اور دیگر وقیع کتابوں کے فاضل مصنف کو "الفاروق" میں یہ اعتراف بہر حال کرنا پڑا کہ :

> "حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں' اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوفؓ نے "بیت المال" کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذو القربیٰ کی بناء پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں"۔ (الفاروق ص ۵۲۵۔ کتب خانہ صدیقیہ ملتان)

اب اگر میاں صاحب یہ کہہ دیں کہ حضرت عثمانؓ کے حالات پر گفتگو کرنے والے سارے ہی مشاہیر اور علماء و مورخین بغض صحابہؓ کے مرض میں گرفتار ہو کر حضرت عثمانؓ کی توہین کرنے کی سازش کئے ہوئے ہیں جیسا کہ منکرین حدیث کا خیال ہے کہ تمام محدثین نے اصل دین اور قرآن کو مسخ کرنے کی سازش کر کے "احادیث" کے مجموعے تیار کیئے ہیں' تب تو بات کچھ مزید لمر ہو سکتی ہے' مگر یہ کیا کہ اکیلے مودودی پر لے دے اور یورش و یلغار' باقی سب کو مرحبا جزاک اللہ۔

متحد ثانہ تنقید :

جس طرح شاعر سے متشاعر ہے اسی طرح محد ثانہ سے "متحد ثانہ" سمجھئے۔ چشم بد دور میاں صاحب نے مودودی کی پیش کردہ دو روایتوں پر اپنی دانست میں محد ثانہ تنقید بھی کی ہے' یہ علمی اعتبار سے کم و بیش ایسی ہی ہے جیسے کوئی عطائی چند دواؤں کے نام دہرا کر مخلوق خدا کو یہ باور کرانا چاہے کہ میں طبیب ہوں' ہمیں تو

ڈر ہے کہ اگر ان کی کتاب استاذ العصر فخر المحدثین مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کے مطالعہ سے گذر گئی تو انہیں اس غم میں بلڈ پریشر نہ ہو جائے کہ یااللہ مولویوں کے ہی ہاتھوں علم و تفقہ کی مٹی کیسی پلید ہو رہی ہے ؟۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ تنقید جہالت اور بچکانے پن کا ایسا نمونہ ہے جس نے مولانا محمد میاں صاحب کے بارے میں ناقابلِ بیان تاثر دیا ہے۔

آیئے ان کی غیر ضروری موشگافیوں اور صلواتوں سے ہٹ کر ذرا تنقید کا جائزہ لیں۔

مودودی نے "طبقات ابنِ سعد" سے امام زہریؒ کا درج ذیل قول نقل کیا ہے، عربی متن کو چھوڑ کر ہم صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں :

> حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد حکومت کے آخری چھ سالوں میں اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو حکومت کے عہدے دیئے، اور مروان کے لئے مصر کا خمس (یعنی افریقہ کے "اموال غنیمت" کا "خمس" جو مصر کے صوبے کی طرف سے آیا تھا) لکھ دیا اور اپنے رشتہ داروں کو مالی عطیئے دیئے، اور اس معاملہ میں یہ تاویل کی کہ یہ وہ صلہ رحمی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، انہوں نے "بیت المال" سے روپیہ بھی لیا اور قرض رقمیں بھی لیں اور کہا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے اس مال میں سے اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور میں نے اسے لے کر اپنے اقرباء میں تقسیم کیا ہے اسی چیز کو لوگوں نے ناپسند کیا۔"
>
> (ص ۳۲۶، ص ۳۲۷)

امام زہری کے اس قول کی تائید میں مودودی نے حاشیہ پر شہرۂ آفاق مؤرخ علامہ ابن خلدون کا حوالہ بھی کتاب اور صفحات کی تصریح کے ساتھ دیا، جس میں یہ ہے کہ مروان نے یہ خمس پانچ لاکھ میں خرید لیا تھا اور حضرت عثمانؓ

نے یہ پانچ لاکھ اسے معاف کر دیئے۔
اب میاں صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمایئے۔

آنکھوں کے باوجود نابینا :

مودودی نے ضمیمۂ کتاب میں ان مورخین سلف کا بھی مفصل تعارف کرایا ہے جن کی کتابوں سے انہوں نے زیادہ روایات لی ہیں' ان میں طبقات کے مؤلف ابنِ سعدؒ بھی ہیں ان کا تعارف پورے صفحے پر ہے۔(ص ۳۱۱)

میاں صاحب کو ہم مکمل نابینا تو اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ اسی صفحے سے انہوں نے مودودی کے یہ الفاظ نقل کیئے (گمان یہی ہے کہ اپنی آنکھوں سے پڑھے ہوں گے)۔

''ابنِ سعد کو تمام محدثین نے ثقہ اور قابلِ اعتماد مانا ہے اور ان کے متعلق یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ روایات کو جانچ پرکھ کر لیتے ہیں اور اسی بناء پر ان کی کتاب ''طبقات'' تاریخ اسلام کے معتبر ترین مآخذ میں مانی جاتی ہے۔''

(خلافت وملوکیت ص ۱۰۷)

''تفسیر ومغازی کے معاملہ میں ان کی ثقاہت پر تمام محدثین ومفسرین نے اعتماد کیا ہے۔ ص ۳۱۱'' (شواہد تقدس' ص ۱۸۷)

آپ نے دیکھا ص ۱۰۷ کے بعد والے فقرہ کے لئے خلافت وملوکیت کے صفحہ ۳۱۱ ہی کا حوالہ دیا گیا ہے' اب اس کے بعد میاں صاحب کا ریمارک دیکھئے :

> ''دروغ گویم بروئے تو' مودودی صاحب کی اس جرأت کی داد کس طرح دی جائے کہ جو بات محدثین نے نہیں کہی وہ محدثین کے سر تھوپ رہے ہیں کاش کسی محدث کا نام لے دیتے تو ہمیں ''دروغ گویم بروئے تو'' کہنے کی جرأت نہ ہوتی''۔ ص ۱۸۷

کیا اس ریمارک کو پڑھنے والے وہ قارئین جن کی نظر سے "خلافت و ملوکیت" نہیں گذری تصور بھی کر سکتے ہیں کہ جس صفحے سے شیخ الحدیث مولانا محمد میاں نے ڈیڑھ سطر نقل کر کے یہ ریمارک دیا ہے' عین اسی صفحے پر اسی جگہ ایک نہیں پانچ پانچ محدثین کے فقط نام ہی نہیں ان کے الفاظ بھی مع ترجمہ موجود ہوں گے' عربی الفاظ چھوڑ کر ہم صرف ترجمہ نقل کرتے ہیں :

(۱) خطیب بغدادی کے الفاظ یہ ہیں : محمد بن سعد ہمارے نزدیک اہلِ عدالت میں سے تھے اور ان کی حدیث ان کی صداقت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وہ اپنی اکثر روایات میں چھان بین سے کام لیتے ہیں۔

(۲) حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں : وہ بڑے ثقہ اور محتاط حفاظ حدیث میں سے ہیں۔

(۳) ابن خلکانؒ کہتے ہیں : وہ سچے اور با اعتماد تھے۔

(۴) حافظ سخاویؒ کہتے ہیں : وہ ثقہ ہیں۔

(۵) ابنِ تغری بردیؒ کہتے ہیں : ان کی توثیق یحیٰی ابن معینؒ کے سوا تمام حفاظ نے کی ہے۔

اب فرمایئے! اگر میاں صاحب کو نابینا نہیں کہیں گے تو پھر کیا کہیں گے ؟ آخری درجے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہیں دکھائی تو دیتا ہے مگر وہ جانتے ہیں کہ ان کے اندھے عقیدت مند کسی بھی حوالے کو اصل سے ملانے کی زحمت نہیں اٹھائیں گے' اور یقین کر لیں گے کہ سارے الزامات ٹھیک ہیں۔

عنوان بتایئے ! :

مگر یہ نہ سمجھئے کہ بات اسی کذب مبین تک رہ گئی' ابھی ایک ایسا کارنامہ آپ کو دکھاتے ہیں جس کے لئے سخت سے سخت لفظ بھی ہلکا ہے' اسی لئے ہم نے

عنوان آپ پر چھوڑ دیا۔

اس کذبِ مبین کے بعد میاں صاحب فرماتے ہیں :

"حضرات محدثینؒ کو یہی شکایت ہے کہ حضرت ابنِ سعدؒ روایت میں جانچ پرکھ سے کام نہیں لیتے' آدمی سچے ہیں' بہت بڑے فاضل ہیں مگر روایات پیش کرنے میں محتاط نہیں۔"

اب اس دعوے کا تقاضہ تھا کہ وہ کم سے کم دو تین محدثین کی شکایتوں کے حوالے دیتے' بتاتے کہ فلاں محدث نے ان لفظوں میں شکایت کی ہے' لیکن انہوں نے ایک بھی محدث کا کوئی لفظ نمونتاً بھی نقل نہیں کیا' بلکہ صرف دو محدثین کا نام لے کر ان کی طرف ایسی باتیں دل سے گھڑ کر منسوب کی ہیں کہ اگر آسمان اونچانہ ہوتا تو پھٹ جاتا اور زمین بے حس نہ ہوتی تو شق ہو جاتی۔

تفصیل یہ سمجھئے کہ اس منقولہ عبارت کے بعد وہ لکھتے ہیں :

"ملاحظہ ہو "تقریب التہذیب"۔ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صدوق' فاضل من العاشرہ۔ یعنی سچے ہیں (جان بوجھ کر غلط بات نہیں کہتے) صاحب علم و فضل ہیں مگر نقل روایت کے بارے میں یہ ان میں ہیں جن کو دسواں درجہ دیا جاتا ہے یعنی جن پر وثوق اور اعتماد نہیں کیا جاتا' جن کو اس بارے میں کمزور مانا جاتا ہے اور اس بیان پر ان کے لئے "متروک" "متروک الحدیث' واہی الحدیث یا ساقط جیسے الفاظ استعمال کیئے جاتے ہیں۔" (ص ۱۸۸ شواہد تقدس)

اس ارشاد گرامی کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب وہ "تقریب التقریب" اٹھایئے جس کا حوالہ میاں صاحب دے رہے ہیں۔

عوام کی تفہیم کے لئے ہم یہ بتا دیں کہ فنِ روایت کے شہرۂ آفاق امام حافظ ابنِ حجرؒ نے پہلے ایک بہت ضخیم کتاب "تہذیب التہذیب" کے نام سے لکھی'

جس میں تمام راویوں کے حالات اور ان کے معتبر ہونے' نہ ہونے کی تفصیل رقم فرمائی' اس کے بعد انہوں نے سوچا کہ اتنی ضخیم کتاب نہ ہر شخص کو نصیب ہو سکتی ہے، نہ اس میں سے کسی بھی راوی کا حال سکنڈ دو سکنڈ میں نکالا جا سکتا ہے' للذا انہوں نے اس کا ایک فہرست نما خلاصہ کیا جس کا نام "تقریب التقریب" رکھا' اس خلاصے کے آغاز میں انہوں نے خود لکھا ہے کہ میں ہر راوی کے حال اور پایۂ اعتبار کا خلاصہ ایک ایک سطر میں لکھتا جاؤں گا' پھر انہوں نے یہیں مزید آسانی کے لئے راویوں کی بارہ قسمیں نمبر وار دے دی ہیں' مثلاً ایک قسم' دوسری قسم' تیسری قسم' ہر قسم کے آگے بتادیا کہ یہ ایسے ایسے لوگ ہیں جیسے طبقۂ ثالثہ کے آگے لکھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بہت قابل اعتماد ہیں' اور انہیں ثقہ' متقن' ثبت اور عدل کہا جاتا ہے' اور "طبقۂ رابعہ" کے آگے لکھا کہ یہ درجے میں "طبقۂ ثالثہ" سے برائے نام ہی کم ہیں' انہیں "صدوق" کہا جاتا ہے' یعنی سچے جن کی روایات بھروسے کے قابل ہیں' اسی طرح "بارہ طبقے" قائم کئے جن میں سے بعض کا تعلق راویوں کے زمانوں سے ہے اور بعض کا ان کی حالت سے' اب اس کے بعد وہ کسی راوی کے تعارف میں صرف اسی طبقے کا نمبر شمار لکھ دیتے ہیں مثلاً من الرابعہ۔ من الخامسۃ۔

اے سچائی! اے خدا ترسی! اے شرم و حیا! تم کہاں ہو کس کونے میں جا چھپی ہو!!۔

صورت حال یہ ہے کہ من العاشرہ کہہ کر ابنِ حجرؒ نے ان کے زمانے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ طبقۂ عاشرہ کے لئے ان کے الفاظ میں یہ ہے :

کبار الأخذين عن تبع الاتباع ممن لم يلق التابعين کاحمدبن جنبلؒ (تقریب التہذیب ص ۳)

وہ بڑے بڑے لوگ جن کی ملاقات تابعین سے تو نہیں ہوئی' مگر انہوں نے تبع تابعین سے روایات لیں' جیسے امام احمد ابن جنبلؒ۔

تنہا یہی بات ان کی ثقاہت کے لئے کافی تھی جب کہ "صدوق" کہہ کر ان کے سچے ہونے کی تصدیق ساتھ ساتھ ہے، مگر بات یہیں تک نہیں رہی۔

ابنِ حجرؒ نے طبقۂ صحابہؓ کے عین بعد طبقۂ ثانیہ قائم کر کے اس کے ذیل میں یہ وضاحت دی ہے:

> من آکد مدحہ الخ (یعنی) ہر وہ شخص جس کی تعریف و ثناء میں تاکید کا پیرایہ اختیار کیا جائے، مثلاً کہا جائے کہ اوثق الناس، یا صفت کو لفظاً دوبار ادا کیا جائے مثلاً ثقۃ ثقۃ(۱) یا معناً دوہرا لیا جائے جیسے ثقۃ حافظ(۲) (تقریب التہذیب ص ۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابنِ سعد کے لئے جب ابنِ حجرؒ نے صدوق فاضل کہہ کر صفت کو معناً دوہرا لیا تو اشارہ کر دیا کہ وہ مرتبہ اعتماد کے لحاظ سے طبقۃ الثانیہ کے فرد ہیں۔

بتایئے جو شیخ الحدیث حافظ ابنِ حجرؒ کے اس ریمارک اور فیصلے کو ان فنی گالیوں سے بدل دے جو میاں صاحب کی عبارت میں نظر آ رہی ہیں اور ایک معتبر، بزرگ اور فاضل امامِ فن کو نا قابلِ اعتبار اور متروک کہتے ہوئے اسے ذرا خیال نہ آئے کہ میں کیا کر رہا ہوں وہ مودودی کے خلاف بد دیانتی اور شرارت کا کون سا حربہ استعمال نہ کرے گا۔

مگر جہالت و شرارت کے منظر کا ایک اور حصہ بھی ابھی آپ دیکھیں، اگر خدا کا خوف اور دنیا کی شرم حضرت شیخ الحدیث کو ہوتی تو کم سے کم اتنا کر لیتے کہ "من العاشرہ" کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا ہے تو "تہذیب التہذیب" اٹھا کر دیکھ لیں کہ وہاں تو ابنِ حجرؒ نے تفصیلی کلام کیا ہے، مگر توبہ! انہیں پروا کس کی ہے۔ وہ تو شاید یہ یقین کیے بیٹھے ہیں کہ ان کے سوا نہ کوئی پڑھا لکھا ہے، نہ کسی کو کتابیں میسر ہیں۔

(۱) جیسے اردو میں ہم زیادہ یقین دہانی کے لیے کہتے ہیں "ضرور ضرور"۔
(۲) جیسے ہم کہتے ہیں یقیناً بے شک یا جیسے فلاں شخص بڑا عالم فاضل ہے۔

ملاحظہ فرمایئے اسی "تقریب التہذیب" والے صدوق فاضل کی تفصیل۔
حافظ ابنِ حجرؒ تہذیب التہذیب میں کیا بیان فرماتے ہیں :

"ابنِ سعدؒ ان بڑے بڑے قابل اعتماد لوگوں میں سے ایک ہیں
جو بہت چھان بین کر کے روایات لیتے ہیں' ابنِ سعدؒ نے اتنے
کثیر لوگوں سے روایت لی ہے کہ ان کا ذکر بہت طول چاہتا
ہے۔ ان میں سے مثالاً چند یہ ہیں :
(۱) ہشیم (۲) ولید بن مسلمہ (۳) ابنِ عیینہ (۴) ابنِ علیۃ
(۵) ابن ابی فدیک (۶) ابی ضمرۃ (۷) معن بن عیسیٰ
(۸) ابی الولید الطیالسی۔"

گویا ابنِ حجرؒ نے اس تعریض کا بھی جواب دے دیا جو میاں صاحب نے ابنِ سعد کے مشہور وصفی نام "کاتب الواقدی" کے ذریعہ کی ہے یعنی "کاتب الواقدی" کے لقب سے بیشک وہ مشہور ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ بس واقدی سے روایت کرتے ہوں' واقدی سے وہ بہت چھان پھٹک کر روایت لیتے ہیں اور باقی خلا دیگر حضرات سے لی ہوئی مضبوط روایات سے پُر کرتے ہیں۔

ابنِ حجرؒ نے خود بھی "ابنِ سعد" کا مشہور لقب "کاتب الواقدی" استعمال فرمایا ہے مگر یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم ابو ہریرہ اور ابو تراب کہتے ہیں مگر مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اول الذکر ہر وقت بلیوں سے کھیلتے رہتے تھے اور ثانی الذکر بدن پر بھبوت ملے پھرتے تھے' یہ تو القاب ہیں جن کے لئے جو مشہور ہو گئے۔ چنانچہ ابنِ حجرؒ نے مزید تعارف یوں کرایا۔

"خطیب بغدادیؒ نے کہا ہے کہ ابن سعدؒ ان لوگوں میں تھے جو
علم، فضل، فہم اور عدالت رکھتے ہیں' انہوں نے طبقات صحابہؓ
اور اپنے زمانے تک کے تابعین پر کثیر کتابیں لکھی ہیں جن
میں نہایت نفیس اور عمدہ چیزیں ہیں۔"

اس کے بعد وہ ابنِ ابی حاتم کے بارے میں لکھتے ہیں :

"انہوں نے اپنے والد سے ابنِ سعدؒ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا وہ سچا ہے۔"

اس کے بعد پھر خطیب کا یہ فرمودہ نقل کرتے ہیں :

"خطیب نے کہا کہ محمد بن سعدؒ ہمارے نزدیک اہلِ عدالت میں سے ہیں اور ان کی روایات ان کی سچائی پر گواہ ہیں' وہ روایات کے ڈھیر سے بہت چھان بین کر کے روایت اٹھاتے ہیں' بے شک ان کا علم بہت تھا اور حدیث و روایت کا سرمایہ بھی ان کے پاس خوب تھا۔" (تہذیب التہذیب جلد ۷۔ ترجمہ محمد ابنِ سعد۔ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)۔

یہ ہیں ابنِ سعدؒ کے بارے میں حافظ ابنِ حجرؒ کی تصریحات' ایک لفظ ایسا نہیں کہا جو جرح و تنقیص کا ہو' لیکن میاں صاحب نے کیا کچھ دل سے جوڑ کر لکھ مارا ہے' یہ آپ کے سامنے ہے۔

حد ہے کہ ابنِ حجرؒ نے "صدوق" لکھا تو آپ نے اس کا ترجمہ "سچا" تو کر دیا مگر فوراً بریکٹ دے کر اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا کہ "جان بوجھ کر غلط بات نہیں کہتے" تاکہ ان کی سچائی میں رخنہ پیدا ہو جائے اور میاں صاحب جب جی چاہے ان کی کسی بھی روایت کے بارے میں کہہ دیں کہ انہوں نے قصداً جھوٹ نہ بولا ہو گا مگر ہے یہ روایت جھوٹی!

قارئین اندازہ فرمائیں' یہ مظاہر صرف جہل اور خیانت کے نہیں ہیں' ان میں آخری درجے کی بے عقلی اور غائب دماغی بھی پائی جا رہی ہے' آخر یہ بات تو ایک بالکل ہی بے علم آدمی بھی سوچ سکتا تھا کہ جس شخص کو امام ابنِ حجرؒ صدوق اور فاضل کہہ رہے ہیں وہ ایسا تو ہرگز ان کی نظر میں نہیں ہو سکتا کہ جس پر وثوق و اعتماد نہ کیا جائے' جو واہی ہو' جس سے کوئی روایت نہ لی جا سکے' جو ساقط الاعتبار ہو'

اگر یہی حال اس شخص کا ہوتا تو ابنِ حجرؒ پر کون لٹھ لے کر کھڑا ہو گیا تھا کہ اسے صادق ہی نہیں صدوق (ہمیشہ سچ بولنے والا لکھیں)(۱)

اگر یہ سامنے کی بات ہی یہ علامہ مولانا شیخ الحدیث دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تو ایسا غضب نہ ڈھاتے کہ "عاشرہ" کا اتنا اوٹ پٹانگ ترجمہ دل سے گھڑتے اور سارے ہی وہ الفاظ اگلتے چلے جاتے جو بدترین راویوں کے لئے وضع ہوئے ہیں۔

انتہا یہ ہے کہ جس طرح ابنِ سعدؒ کے سلسلہ میں ابنِ حجرؒ نے "من العاشرہ" لکھا اسی طرح کسی راوی کے آگے "من الثانیہ" کسی کے آگے "من الخامسہ" اور کسی کے آگے "من التاسعہ" وغیرہ ہر صفحے میں موجود ہے' غبی سے غبی آدمی سوچ سکتا ہے کہ یہ ضرور کسی ایسی فہرست کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک دو تین کر کے کم سے کم دس نمبر (عشر) دیئے ہوں گے اور فی العاشرہ سے مراد یہی ہو گی کہ دسواں نمبر دیکھ کر ابنِ سعد کا مزید تعارف حاصل کر لو۔

مگر جب کسی کی مت ماری جاتی ہے اور شیطان اسے پوری طرح دبوچ لیتا ہے تو اسے سارے کپڑے اتر جانے پر بھی ننگے پن کا احساس نہیں ہوتا' کیا اس میں کوئی شک رہ گیا ہے کہ "تقریب التہذیب" میاں صاحب نے زندگی میں پہلی بار کھول کر دیکھی ہے' اور دیکھی بھی اس طرح کہ میم کی تختی کھولی محمد بن سعد کا ترجمہ (۲) نکالا اور آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھے بغیر الفاظ نقل کر لیئے' پھر چونکہ مقصد تحقیق حق نہیں تھا' بلکہ یہ تھا کہ ہر حال میں اس "ابنِ سعد" کی قبر پر لات مارو جس کی روایت مودودی لے آیا ہے' لہٰذا ابنِ حجرؒ کے الفاظ خلافِ منشاء پا کر بھی مکمل جرأتِ فاسقانہ "سے صدوق" کے آگے ایک من گھڑت بریکٹ دے کر اس لفظ کی اہمیت کم کی' اور جو "فی العاشرہ" پلے نہیں پڑا تھا اس کے معنی ایسے نکالے کہ آسمان دنگ اور زمین دم بخود۔

(۱) آپ چاہیں تو "مصباح اللغات" اٹھا کر صدوق کے معنی دیکھ لیں۔

(۲) اصطلاح فن میں "ترجمہ" "تقریباً" تعارف" کے مفہوم میں بولا جاتا ہے۔

انصاف پسندو! کیا یہ فسقِ جلی نہیں ہے' کیا اسے بے ایمانی کے سوا بھی کچھ کہہ سکیں گے؟
آگے چلئے۔
میاں صاحب نے شکایت کرنے والے محدثین میں سے دو کا نام لیا تھا' ایک کے ساتھ جو سلوک انہوں نے کیا وہ آپ نے ملاحظہ فرمایا' اب دوسرے کی درگت بھی دیکھ لیجئے...... فرماتے ہیں:

"جرح و تعدیل کے امام حضرت ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بھی "میزان الاعتدال" میں "صدوق" تو کہتے ہیں مگر نقل روایت کے بارے میں کوئی توثیق نہیں کرتے"۔ ص ۱۸۸۔

دیکھا آپ نے۔ صاف نظر آرہا ہے کہ جرح و تعدیل میں کامل دستگاہ رکھنے والے حافظ ذہبیؒ "صدوق" کا لفظ استعمال فرمارہے ہیں جو ثقہ اور معتمد علیہ راویوں کے لئے طے شدہ ہے' کتاب بھی "اسماء الرجال" ہی کی ہے' مگر میاں صاحب کی سرشت بد اس میں بھی یہ کہہ کر کیڑے ڈالتی ہے کہ "نقل روایت کے بارے میں کوئی توثیق نہیں کرتے" کوئی ان سے پوچھے "میزان الاعتدال" کس مقصد سے لکھی گئی ہے' اس میں کسی کو جھوٹا' کسی کو ضعیف' کسی کو ثقہ' کسی کو "صدوق" کس غرض سے کہا گیا ہے' کیا بیاہ منگنی ہو رہی تھی کہ ذہبیؒ ابنِ سعدؒ کی تعریف لڑکی والوں سے کر رہے ہوں۔

خدا کے بندے! "اسماء الرجال" کی کتابوں میں کسی کو اچھا یا برا تو لکھا ہی گیا ہے توثیق یا تضعیف کے مقصد سے' پھر یہ کیا یاوہ گوئی ہے جو میاں صاحب کر رہے ہیں۔

اب آیئے مفصلاً دیکھئے امام ذہبیؒ کیا لکھتے ہیں' "میزان الاعتدال" مطبوعہ مجتبائی جلد ثالث صفحہ ۶۳۔

"محمد بن سعد کاتب الواقدی سچے ہیں' ابو حاتم وغیرہ نے بھی

یہی کہا ہے۔"

اس کے بعد وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مصعب الزبیری نے ایک بار ابن معین سے یہ کہا کہ اے ابوزکریا! ہم سے ابنِ سعد نے ایسا ایسا بیان کیا' ابنِ معینؒ نے جواب دیا جھوٹ ہے' اس واقعے سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ابنِ معینؒ نے ابنِ سعد کو جھوٹا سمجھا' لیکن حافظ ذہبیؒ اس کی ایک تاویل کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اگر ابنِ معینؒ کا مطلب یہ بھی ہو کہ ابنِ سعدؒ نے جھوٹ بولا تو بہر حال ہمارے نزدیک یہ قابلِ تسلیم نہیں ہے کیونکہ ابنِ سعدؒ کا سچا ہونا ثابت ہو چکا ہے"

یہ ہے "میزان الاعتدال" کا پورا مضمون' آپ دیکھ رہے ہیں حافظ ذہبیؒ کو ابنِ سعدؒ کی سچائی پر کتنا وثوق تھا' اگر یہ توثیق و تصدیق بقول میاں صاحب روایت کے بارے میں نہیں ہے تو کیا ابنِ سعدؒ نے کہیں نوکری کی درخواست دے رکھی تھی جہاں ذہبیؒ نے یہ سفارش لکھ بھیجی ہو کہ یہ صاحب سچے اور دیانت دار ہیں انہیں ضرور نوکر رکھ لو' بار بار ایک آیت قرآنی یاد آتی ہے۔ رنج و تأسف کے ساتھ اسے لکھ ہی دیں :

> افامن الذین مکروالسیات ان یخسف اللہ بھم الارض او یاتیھم العذاب من حیث لایشعرون (النحل ۴۵) (جو لوگ بد سے بدتر چالیں چل رہے ہیں کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسے رخ سے عذاب آپڑے کہ جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو)

ویسے ایک تاویل ہماری سمجھ میں آتی ہے' یہ کہ میاں صاحب نے خود کو مع اہل و عیال "محدثین" قرار دے لیا ہو اور چونکہ انہیں ابنِ سعدؒ سے شکایت ہے اس لئے یہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ محدثینؒ ان کی شکایت کرتے ہیں !۔

سچ فرمایا صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے :

اذالم تستحی فاصنع ماشئت (بخاریؒ)
(ترجمہ : جب تجھے شرم و غیرت ہی نہیں تو پھر جو چاہے کرتا پھر)

فقہاء میں ابن سعدؒ کا اعتماد :

کون نہیں جانتا کہ فقہاء و مجتہدینؒ غیر مستند لوگوں کی روایات سے سروکار نہیں رکھتے' ان کے مسائل کی بنیاد مضبوط ہی روایتوں پر ہوتی ہے۔

"ہدایہ" فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب ہے' اس کی بہت سی شرحیں ہیں جن میں "ہنایہ" اور "عنایہ" اور "فتح القدیر" بہت مشہور اور ممتاز ہیں' اہلِ علم کے لئے تو کسی وضاحت کی ضرورت نہیں لیکن تفہیم عام کے لئے ہم یہ عرض کر دیں کہ "ہدایہ" نسبتاً مختصر ہے اس میں تمام ضروری مسائل ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں' اسی لئے اسے مطول شرحوں کی ضرورت ہوئی اور شرحوں کے علاوہ اس پر ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں اس کے ہر ہر مسئلہ سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں' مثلاً امام زیلعی حنفیؒ کی "نصب الرایہ" (اس کا مفصل تذکرہ آگے "ابن حدیث" کے زیر عنوان آئے گا)۔

ظاہر بات ہے کہ اس کے شارحین کے پیش نظر جہاں یہ چیز تھی کہ احناف ہر مسئلہ کو اس کے متعلقات و ذیول سمیت سمجھ لیں وہیں یہ چیز بھی تھی کہ جو لوگ احناف پر زیادہ تر قیاسی ہونے کا الزام لگاتے ہیں انہیں پتہ چل جائے کہ یہ الزام صحیح نہیں ہے' بلکہ اس فقہ کا ماخذ و مصدر قرآن ہے یا پھر حدیث' اور قیاس و اجتہاد اس میں بس اسی حد تک کام لیا گیا ہے جس حد تک خود اللہ اور رسولؐ نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حکم فرمایا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر شارحین نے ایسی ہی روایات اپنی شرحوں میں جمع کی ہیں جو معروف و مقبول ہوں ضعیف و متروک نہ ہوں' تاکہ اپنوں اور بیگانوں پر حجت تمام ہو جائے۔

اس توضیح کو ذہن میں رکھتے ہوئے "البنایہ جلد دوم" کا صفحہ نمبر ۸۰۹ کھولیئے' یہ کتاب السیر ہے' جس میں مالِ غنیمت کی شرعی تقسیم وغیرہ کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

شارح علیہ الرحمۃ ایک مسئلہ کے فقہی دلائل پیش کرتے ہوئے احادیث بھی بیان کر رہے ہیں اور اسی ذیل میں انہوں نے فرمایا ہے کہ :

ابن سعد فی الطبقات باسناده ان عمر بن الخطاب الخ

ابنِ سعدؒ اپنی کتاب "طبقات" میں اپنی سند کے ساتھ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ......الخ

اس سے یہاں بحث نہیں کہ نفس مسئلہ کیا چل رہا ہے؟ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شارح نے "ابن سعد" کا حوالہ دیا اور سند روایت حذف کر کے روایت ذکر کی۔ یہ بڑی بات ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابنِ سعدؒ کی ثقاہت فقہاء کے یہاں بھی ایک ایسی طے شدہ چیز ہے جس کے بارے میں وہ مطمئن ہیں کہ فقہ کا کوئی مکتب فکر اس میں "فی" نہ نکال سکے گا' اس کی مثال ایسی ہی سمجھئے جیسے اہل علم بخاریؒ و مسلمؒ کے حوالے سے کوئی روایت بیان کر دیتے ہیں اور سند بیان کرنا ضروری نہیں سمجھتے' ایسی صورت میں کوئی بھی یہ احتجاج نہیں کرتا کہ اس روایت کی سند تو دکھاؤ کیسی ہے' احتجاج کیوں کرے معلوم ہے کہ بخاری و مسلم ضعیف اسناد سے سر و کار نہیں رکھتے۔

کسی سے بھی کہیئے کہ بخاریؒ یا مسلمؒ نے ایسا بیان کیا ہے تو وہ مطمئن ہو جائے گا کہ روایت صحیح ہے' ٹھیک اسی نوع کی پوزیشن ابنِ سعدؒ کی نظر آ رہی ہے کہ ایک جلیل القدر فقیہ بطور برہان ابنِ سعدؒ کی روایت پیش کر رہا ہے اور صرف یہ کہہ رہا ہے کہ ابنِ سعدؒ نے اپنی کتاب "طبقات" میں اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے' آج تک کسی غیر حنفی نے بھی یہ اعتراض نہیں اٹھایا کہ ابنِ سعدؒ کا کیا اعتبار۔

ان کی سند دکھلاؤ تاکہ راویوں کو جانچ کر پتہ چلایا جائے کہ روایت قوی ہے یا ضعیف' غلط ہے یا صحیح' اس سے اندازہ فرمالیجئے کہ ابنِ سعدؒ کا اعتماد کس درجے میں ہے۔

ابنِ معینؒ کا معاملہ :

جو حال آپ نے میاں صاحب کا دیکھا اس کے بعد ان سے تو کسی قسم کی علمی گفتگو کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے' لیکن اہلِ علم کی خاطر ہم کچھ گفتگو اور کریں گے۔

ابنِ سعدؒ کے بارے میں حافظ ابنِ حجرؒ کی مجموعی رائے ہم نقل کر آئے ہیں۔ ان کے بیان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بقول بردیؒ صرف ابنِ معینؒ ابنِ سعدؒ کو ثقہ نہیں سمجھتے۔

اگر خود اہل علم میں استحضارِ علمی اور ژرف نگاہی کمیاب نہ ہو گئی ہوتی تو یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ائمہ فن کی مفصل توثیق و تصدیق کی موجودگی میں وہ ابنِ معینؒ کی رائے کو لائق اعتنا تصور کریں گے لیکن علم دین کے لئے یہ دور یتیمی ہے' اسی لئے بہت اختصار کے ساتھ ہم کچھ یاددہانیاں کراتے ہیں" (عام قارئین کے لئے حواشی بھی دیئے جائیں گے)۔

کسی راوی کے قابلِ اعتماد ہونے کا یہ معیار کبھی نہیں سمجھا گیا کہ اس پر کسی نے جرح (۱) ہی نہ کی ہو۔ "بخاریؒ" تک کے تقریباً اسّی (۸۰) رواۃ (۲) ایسے ہیں جن پر محققین نے کلام کیا ہے' اور "مسلم" کے ڈیڑھ سو سے زائد راویوں کو "ضعیف" ٹھہرانے والوں کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں مگر ان جرحوں سے نہ "بخاریؒ" کا پایہ گرا نہ "مسلمؒ" کا' احناف غور سے سنیں کہ امام ابو حنیفہؒ تک کو ضعیف کہنے والے ناپید نہیں ہیں۔

---

(۱) جرح و تعدیل دو فنی اصطلاحیں ہیں۔ جرح ایسی رائے کو کہتے ہیں جس سے راوی کی کمزوری ظاہر ہو اور تعدیل وہ ہے جس سے قوت اور ثقاہت ظاہر ہو۔

(۲) راوی کی جمع۔

امام نسائیؒ (جن کی کتاب "صحاح ستہ"(۱) میں شمار ہوتی ہے) اپنی کتاب "الضعفاء والمتروکین" میں رقمطراز ہیں :

نعمان بن ثابت ابوحنیفة لیس بالقوی فی الحدیث کوفی۔

نعمان بن ثابت کوفی یعنی ابو حنیفہؒ حدیث و روایت کے معاملہ میں قوی نہیں ہیں۔ (صفحہ ۲۹)

حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں امام صاحب کے پوتے اسمٰعیل کا حال بیان کرتے ہوئے ابن عدی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ :

اسمٰعیل بن حماد بن النعمان بن الثابت الکوفی عن ابیه عن جده ثلٰثتهم ضعفاء۔

اسمٰعیل اور ان کے باپ حمادؒ اور ان کے باپ نعمان (ابو حنیفہؒ) تینوں کے تینوں ضعیف ہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۹۰)

یہ جرحیں تو مبہم اور مجمل تھیں' امام بخاریؒ جیسا بزرگ ابو حنیفہؒ پر جرح کرتا ہے اور وہ بھی مفسر و مفصل' لیکن ظاہر ہے کہ جہابذہ فن کی عام تعدیل و توثیق کی موجودگی میں یہ جرحیں کسی التفات کی مستحق نہیں سمجھی گئیں۔

اسی کی ذرا سی جھلک اصول و ضوابط کے آئینہ میں بھی دیکھتے چلیئے۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ الرفع والتکمیل میں فرماتے ہیں :

"اگر کسی راوی پر مبہم(۲) جرح کی گئی ہے تو اس کا اعتبار اسی وقت ہے جب کہ اس راوی کو کسی ایک بھی استاذ فن نے قابل اعتبار نہ ٹھہرایا ہو۔

اگر کسی ایک بھی معروف استاذِ فن نے اسے سچا قرار دیا ہو تو

(۱) حدیث کی "چھ صحیح" کتابیں۔ بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' نسائی۔

(۲) ایسی جرح جس میں وجہ نہ بتائی جائے کہ مثلاً فلاں شخص ضعیف کیوں ہے۔

مبہم جرح رد کی سمجھی جائے گی"۔ (الرفع والتکمیل ص ۶)
پھر مولانا مغفورؒ صفحہ ۱۹۱ پر حافظ سخاویؒ سے نقل کرتے ہیں:

"اگر کسی راوی کو ضعیف قرار دیا جارہا ہے تو دیکھو کہ دوسرے اہلِ فن بھی اسے ضعیف قرار دے رہے ہیں یا نہیں' اگر دے رہے ہیں تو یہ بھی دیکھو کہ مسلم ارباب فن میں سے کسی نے اسے ثقہ تو نہیں قرار دیا' اگر ثقہ قرار دیا ہو تو پھر لوگوں کا یہ کہہ دینا فضول ہوگا کہ یہ ضعیف ہے' اسے ثقہ ہی سمجھیں گے' صرف ضعیف یا اور کوئی لفظ جرح کہہ دینا مبہم جرح ہے مثلاً ابنِ معینؒ کا یہ کہنا کہ فلاں راوی ضعیف ہے کافی نہ ہوگا۔"

حافظ سیوطی "تدریب الراوی' شرح تقریب النوادی" میں لکھتے ہیں:

"اگر جرح مجمل ہو اور جس راوی پر یہ جرح کی گئی ہے اس کی توثیق بلند پایہ استاداِن فن میں سے کسی ایک نے بھی کردی ہو تو اس جرح کا اعتبار نہ ہوگا' اس لئے کہ اس توثیق سے اسے ثقاہت کا درجہ مل گیا' لہٰذا یہ ثقاہت اس وقت تک زائل نہیں ہوسکتی جب تک کوئی ایسی ہی واضح اور مفصل چیز سامنے نہ آئے جس سے اس راوی کا ناقابل اعتبار ہونا ثابت ہوسکے کیونکہ بلند پایہ ماہرین فن کسی شخص کو قابل اعتماد اسی وقت ٹھہراتے ہیں جب اس کے دین اور اس کی روایات کو خوب جانچ پرکھ لیتے ہیں' وہ بیدار مغز لوگ ہیں پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کی مبہم جرح اس کی تردید کے لئے کافی ہو"۔ (صفحہ ۱۱۲)

کشف الاسرار شرح اصول البزدوی (جلد ۳ صفحہ ۶۸) میں کہا گیا ہے:

اما الطعن من ائمة الحديث فلا يقبل مجملاً
ای مبہما بان يقول هذا الحديث غير ثابت او
منكر اوفلان متروک الحديث اوذاهب
الحديث اومجروح او ليس بعدل من غيران
يذكر سبب الطعن وهو مذهب عامة الفقهاء
والمحدثين

ائمہ حدیث کی طرف سے مجمل و مبہم طعن قبول نہیں کیا
جائے گا مثلاً وہ کہیں کہ یہ حدیث غیر ثابت ہے' یا منکر ہے' یا
فلاں راوی متروک الحدیث یا مجروح ہے' یا عادل نہیں ہے
اور یہ وضاحت نہ کریں کہ آخر ایسا کیوں ہے تو ایسے طعن و
جرح کا کوئی اعتبار نہیں' اور یہی مذہب ہے عام فقہاء و
محدثین کا۔

یہ تو ایک عام اصول ہوا۔ اب جو لوگ متعنت (۱) ہیں ان کی جرح مبہم تو تعدیل ثقات (۲) کی موجودگی میں اور بھی ساقط الاعتبار ہے جیساکہ مولانا عبدالحی لکھنوی ظفر الامانی علی مختصر الجرجانی ص ۲۷۲ میں فرماتے ہیں :

وهذا (ای تجريح الراوی بما لايجرح به) صنيع
المتشددين حيث يخرجون الراوی بادنیٰ جرح
و يبالغون فيه ويطعنون عليه بمالا تترک به
روايته كابن تيمية وابن الجوزی و اضرابهما۔

اور یہ یعنی راوی پر ایسی جرح کرنا جس سے حقیقتاً وہ مجروح
نہیں قرار پاتا سخت گیروں کا عمل ہے' یہ لوگ بہت معمولی

(۱) تعنت کہتے ہیں جرح میں شدت اور عجلت کو۔ متعنت وہ شخص جو کسی راوی پر جرح کرنے میں سخت گیر اور بے درد ہو۔ (۲) تعدیل ثقات یعنی معتبر لوگوں نے عادل قرار دیا ہو۔

کمزوری کو عیب بنا کر پیش کرتے ہیں اور اس میں مبالغہ ہوتا
ہے' اور یہ لوگ راوی کو ایسی باتوں پر مطعون کرتے ہیں جن
کی وجہ سے ان کی روایات چھوڑی نہیں جاسکتیں' جیسے ابنِ
تیمیہؒ اور ابنِ الجوزیؒ اور اسی مزاج کے دوسرے حضرات۔

ابنِ معینؒ اور ابنِ عدیؒ اور نسائیؒ کا متعنت ہونا' جن کتابوں میں مذکور ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں :

ابنِ حجرؒ کی "الہدی الساری" اور انہی کی "المسدد فی الذب عن مسند احمد۔" مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی "الرفع والتکمیل" اور "ظفر الامانی" حافظ سخاویؒ کی "تدریب الراوی" مولانا لکھنویؒ نے تو "نسائی" اور ابنِ معین اور ابن القطان وغیرہ کے لئے "تعنت" کے ساتھ اسراف فی الجرح(۱) کے الفاظ بھی سپردِ قلم فرمائے ہیں۔

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنا تحصیل حاصل ہی ہوگا کہ ابنِ سعدؒ کے بارے میں ابنِ معینؒ کی جرح اور بے اطمینانی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی' جب کہ بہت سے استادان فن کھل کر تعدیل و توثیق کر رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یوں تو دنیا میں کوئی کتاب سوائے کتاب اللہ کے ایسی نہیں جس کا حرف حرف وحی ہو' لیکن اعتبار غالب حال ہی کا ہوا کرتا ہے' چنانچہ "نسائیؒ" کو یہ جانتے ہوئے بھی "صحاح ستہ" میں رکھا گیا کہ اس میں بہت سی روایتیں معتمد فیہ نہیں ہیں۔

اسی طرح "طبقات ابنِ سعد" کی ہر ہر روایت کو تو قطعیت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا' لیکن اسے رد کرنے کے لئے بھی قوی دلائل کی ضرورت ہے خصوصاً جب دیگر متابعات(۲) موجود ہوں تو ایک ہزار محمد میاں بھی اس کی تکذیب میں معتبر نہیں ہوسکتے۔

(۱) جرح میں فضول خرچی کی حد تک فیاض (۲) اسی کے موافق دوسری روایتیں یہ عام فہم مفہوم ہے۔

زیرِ بحث روایت کے "متابعات" کا حال یہ ہے کہ ابنِ عساکرؒ نے بھی اسے اسی امام زہریؒ کے واسطے سے نقل کیا ہے جس سے ابنِ سعدؒ کر رہے ہیں' محب الدین طبریؒ نے بھی "الریاض النضرہ" میں (ص ۴۴ اپر) اسے لیا ہے۔ مزید دس حوالے ہم دے سکتے ہیں مگر کیوں نہ ایک ہی حوالہ دے دیں جو اہل علم کے لئے بہتیرے حوالوں پر بھاری ہو۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے متعدد ارشادات ہم نقل کر چکے ہیں۔ علم حدیث میں ان کا جو پایہ ہے' میاں صاحب کو چاہئے نہ معلوم ہو مگر اہلِ علم تو جانتے ہی ہیں' بعض خوش عقیدہ تو انہیں اس خاص دائرے میں ان کے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے بھی فائق مانتے ہیں' اور پھر یہ بھی ہم جتاتے چلے آ رہے ہیں کہ "تحفہ اثنا عشریہ" میں وہ اہلِ سنت کے وکیل ہیں اور کسی بھی ایسی روایت کو جو کسی صحابیؓ کی غلطی سے مطلع کرتی ہو حتی الوسع رد کرتے ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بس اس وقت ایسی روایت کو درست مانتے ہیں جب دیانتاً اس کی تکذیب ممکن نظر نہ آئے۔

"تحفۂ اثنا عشریہ" طعن ثالث کے جواب میں وہ مروان کو "خمس" دینے کی غلط سلط روایات کی تردید کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ اصل صحیح قصہ کیا تھا' یہ صحیح قصہ انہوں نے ایک صفحہ پر لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے "خمس" کو مدینے تک بھیجنا کافی دشوار نظر آ رہا تھا' تو عبداللہ ابن سعد نے اسے مروان کے ہاتھ ایک لاکھ اشرفیوں میں بیچ دیا' یہ معاملہ ادھار ہوا' اِدھر مدینے والے لڑائی کی ٹھیک خبر نہ ملنے کی وجہ سے متفکر تھے' مروان "خمس" لے کر پہنچا اور فتح کا مژدہ سنایا تو سب بے حد مسرور ہوئے' اور قدرتی بات ہے کہ ایسا مژدہ لانے والے سے بھی وہ خوش ہوئے' اب تک مروان سے ایسا کوئی قبیح فعل ظہور میں نہیں آیا تھا جو لوگوں کو اس سے اس حد تک بدگمان کرتا کہ اس موقعہ پر بھی وہ اسے اچھی نظر سے نہ دیکھتے' چنانچہ اسی خوشی کے ماحول میں حضرت عثمانؓ

نے وہ رقم مروان کو معاف کر دی جو اسے اسی "خمس" کے بدلے ادا کرنی تھی۔

یہ ہے امامِ حدیث شاہ عبد العزیزؒ کا اعتراف جو وہ اس عدالت میں فرما رہے ہیں جہاں ان کی حیثیت صحابہؓ کے وکیل صفائی کی ہے' تنہا یہی ایک شہادت اتنی قوی ہے کہ اگر دوسری بے شمار شہادتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تب بھی مولانا محمد میاں جیسے حضرات کی طفلانہ زبان درازی اور لفاظی اسے ساقط الاعتبار نہیں بنا سکتی۔

حق یہ ہے کہ جو مواد اب تک ہم پیش کر آئے ہیں اس کے بعد "شواہد تقدس" کی مزید خرافات پر گفتگو ضروری نہیں۔

دیگ کے بیسیوں لقمے چکھا کر ہم نے آپ کو محسوس کرا دیا کہ سالن کڑوا اور متعفن ہے' اس کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ دیگ کا باقی سالن اس سے مختلف ہو' لیکن ہم دو وجہ سے مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں' ایک تو اس لئے کہ عامۃ الناس کم علمی کی بناء پر بآسانی یہ نہیں سمجھ سکتے کہ چند اصولی اور بنیادی امور کی تردید سے باقی تمام فروعات کی تردید کیسے ہو گئی' للذا ہم نے تہیہ کیا ہے کہ جو مولانا صاحب ہمارے بے شمار علمائے سلف کو جھٹلا رہے ہیں' علم و فن سے ٹھٹول کر رہے ہیں' ابنِ سعدؒ جیسے بزرگوں کے لئے فنی گالیاں گھڑ کر انہیں انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ ابنِ حجرؒ سے منسوب کر رہے ہیں' اور علمِ حدیث سے کورے ہوتے ہوئے بھی چند سنی سنائی اصطلاحات کو کمالِ بے علمی سے دہرا کر سادہ لوح عوام کو ورغلا رہے ہیں' ان کے علم و فہم کا روئے زیبا اس طرح بے نقاب کر دیں کہ وہاں ایک دھجی بھی نظر نہ آئے۔

دوسرے اس لئے کہ اس بہانے سے ہم اپنے عام بھائیوں کو علم حدیث کے بارے میں کم سے کم بنیادی معلومات پہنچا دیں گے جن کی تحصیل ان کے لئے کسی اور ذریعہ سے آسان نہیں۔

اللہ ہمارا والی و ناصر ہو اور پناہ مانگتے ہیں ہم اس منحوس گھڑی سے جب ہمارے قلم سے کسی کی ضد اور دشمنی میں ایسی باتیں نکلیں جو علم کے خلاف ہوں'

دین کے خلاف ہوں، عقل سلیم کے خلاف ہوں۔

خدا ہمارے باطن کا شاہد ہے، یہ ساری خامہ فرسائی ہم مولانا محمد میاں کی عداوت یا مولانا مودودی کی عقیدت میں نہیں کررہے ہیں، بلکہ ہماری عداوت و محبت کا واحد محور صرف دین ہے، وہ دین جس کی خاطر بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے کٹ سکتا ہے۔

لیکن اس اہم موضوع کا تقاضہ ہے کہ اسے ایک ہی وقت میں پیش کیا جائے، یہ شمارہ اس کا متحمل نہ ہوسکے گا لہٰذا اسے اگلے شمارے پر رکھیئے، جب تک میاں صاحب کے جمال صد رنگ کی اور جھلکیاں دیکھ کر دل و دماغ کو فرحت دیجئے۔

حدیث طحاویؒ :

اب ہم ایک ایسی اہم روایت پیش کررہے ہیں جو انشاء اللہ اہل علم کے لئے بھی فکر انگیز ہوگی، اہل علم جانتے ہیں کہ ابو جعفر الطحاوی حنفیؒ کس پائے کے فقیہ محدث گذرے ہیں، مگر ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمیں اپنے قارئین کی استعداد کا بھی خیال رکھنا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ عام ہی لوگ میاں صاحب کی بندوقِ جہالت کا آسانی سے شکار ہوسکتے ہیں۔

حدیث کی ایک کتاب ہے ''شرح معانی الآثار'' یہ اپنے مصنف کے معروف لقب ہی سے ملقب ہوکر ''طحاوی'' کہلائی جاتی ہے، یہ دو جلدوں میں ہے۔ جلد اول ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخل نصاب ہے، ہم جلد ثانی سے ایک حدیث لارہے ہیں اس لئے طلباء کے لئے بھی شاید تحفہ نادرہ ہو۔

لیکن اپنے عام بھائیوں کو پہلے ہم یہ بتادیں کہ طحاویؒ کس درجے کے آدمی ہیں، ان کا نام نامی ہے احمد بن محمد ابو جعفر الطحاویؒ، چوتھی صدی ہجری کی پہلی چوتھائی میں انتقال فرمایا (۳۲۱ھ) ان کی دسیوں کتابیں ہیں جو اہل علم میں مقبول ہیں۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنی کتاب ''الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ مع

التعلیقات" میں ان کا تعارف کراتے ہیں' اس کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے :
(بخوف طوالت عربی متن حذف کر رہے ہیں' مکمل حوالہ ساتھ ہے جس کا جی چاہے ملا کر دیکھے)

"امام جلیل القدر' دنیا بھر میں مشہور' نہ جانے کتنے اوراق ان کے ذکر جمیل سے لبریز ہیں"......

"ان کی تصانیف بڑی دقیع اور معتبر ہیں"......

"امام سیوطیؒ اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں کہ وہ حفاظ حدیث میں سے تھے' ثقہ تھے' صاحب استقامت تھے' فقیہ تھے' ان کے بعد ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا"......

"انساب سمعانی میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ وہ امام تھے' ثقہ تھے فقیہ و عاقل تھے' ان کے بعد ان جیسا کوئی نہ ہوا"۔

"مراۃ الجنان" میں یافعی کہتے ہیں کہ وہ بالغ نظر تھے حدیث اور فقہ میں" سیوطیؒ' یافعیؒ' اور ابنِ خلکانؒ تینوں نے ایک ہی بات کہی ہے کہ انتهت الیه ریاسة الحنفیة بمصر (مصر میں ان پر احناف کی ریاست ختم ہو گئی)' اتقانی (ان کے علم و اجتہاد وغیرہ کی تعریف کرنے کے بعد) کہتے ہیں کہ شرح معانی الآثار (طحاوی) کو دیکھو' ہمارے حنفی مذہب میں تو درکنار کیا کسی اور مذہب میں بھی (شافعی و حنبلی وغیرہ میں بھی) تمہیں اس کتاب کی نظیر ملتی ہے۔"

یہ تو "فوائد بہیہ" کا خلاصہ ہوا (ص ۱۸) اب "تعلیقات" پر بھی نظر ڈالیئے' مصنف مغفور حاصل بحث کے طور پر کہتے ہیں :

"امام طحاویؒ مجتہد منتسب(۱) تھے لیکن انہوں نے اپنے امام کی

(۱) مجتہدینؒ کی متعدد قسمیں ہیں' مجتہد منتسب وہ ہے جو اجتہاد تو کرے مگر خود کو کسی امام کی طرف منسوب کرتے ہوئے اور اصول اس کے اپنے بنائے ہوئے نہ ہوں۔

تقلید نہیں کی' نہ اصول میں نہ فروع میں کیونکہ انہیں
آلاتِ(۱)اجتہاد میسر تھے"۔

اس کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی رائے "بستان المحدثین" سے (عربی ہی میں) نقل کرتے ہیں :

"طحاوی" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مذہب حنفی کی
تقلید محض نہیں کرتے تھے بلکہ مجتہد تھے"

پھر آخر میں اپنی جچی تلی رائے بیان فرماتے ہیں :

"وہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے طبقے اور صف کے آدمی ہیں'
قول صحیح یہی ہے کہ وہ ان حضرات سے کمتر نہیں تھے۔"

(التعليقات السنيه على الفوائد البهيه ص۱۸ مطبع مصطفائى)

تو اے قارئین کرام! یہ ہیں امام طحاوی حنفیؒ۔ اپنی کتاب طحاوی کی جلد دوم میں صفحہ ۱۸۳ پر پوری سند بیان کرنے کے بعد روایت پیش فرماتے ہیں (ذکر بیت المال ہی کے پیسے کا ہے)۔

محمد بن اسحق قال سالت ابا جعفر فقلت
ارایت علی ابن ابی طالب رضی اللّٰہ عنه حیث
ولی العراق وماولی من امرالناس کیف صنع فی
سهم ذوی القربیٰ قال سلک به واللّٰه سبیل ابی
بکر وعمر (رضی اللّٰہ عنهما)۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ میں نے ابو جعفر (محمد بن علی)
سے ایک سوال کیا' میں نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو علیؓ نے
"عراق" کا والی اور وہاں کے لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار بن
جانے کے بعد (اموالِ فئ و غنیمت میں سے) رشتہ داروں

(۱) یعنی وہ صلاحیتیں اور علوم جو اجتہاد کے لئے شرط ہیں۔

کے حصے کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟۔ ابو جعفرؒ
بولے خدا کی قسم وہ اس معاملہ میں ابو بکرؓ و عمرؓ ہی کے طریقے
پر چلے۔ (طحاوی ج ۲۔ مطبع مکتبہ رحیمیہ دہلی)

اس کے بعد ایک سوال کے جواب میں حضرت محمد بن علیؒ پھر قسم کھا کر کہتے ہیں:

کرہ واللہ ان یدعی علیہ بخلاف سیرۃ ابی بکرؓ و عمرؓ۔ بخدا علی رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی طرف ابو بکرؓ و عمرؓ کی راہ سے ہٹ کر چلنے کی نسبت کی جائے۔

اس کے بعد امام طحاوی بہت شد و مد سے یہ کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے طریق پر چلنا تقلیداً ہرگز نہیں تھا، نہ ان جیسی شخصیت کے لئے شیخینؓ کی تقلید کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے، وہ تو خود اس درجے میں تھے کہ اپنی مستقل رائے رکھیں، چنانچہ متعدد مسائل میں انہوں نے شیخینؓ سے اختلاف کیا ہے، اس خاص معاملہ میں چونکہ وہ دیانتاً ابو بکرؓ و عمرؓ ہی کے مسلک اور تعامل کو حق سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے بھی اسی کو اختیار کیا۔

امام شافعیؒ کا بھی یہی موقف ہے، جیسا کہ "طحاوی" سے بھی اور "فتح القدیر" سے بھی ظاہر ہے۔

اب یہاں دوسری جزئیات سے ہمیں بحث نہیں، دیکھنا صرف اتنا ہے کہ آخر محض شیخینؓ ہی کا ذکر کیوں؟ حضرت عثمانؓ کا کیوں نہیں، بالکل ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا طرزِ عمل "بیت المال" سے اقرباء کو دینے نہ دینے کے باب میں اگر شیخینؓ جیسا ہوتا تو انہیں مستثنیٰ رکھنے کا کوئی جواز نہ شرعی تھا نہ منطقی۔

حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ "بیت المال" سے اپنے اقرباء کا کوئی خصوصی حصہ کبھی نہیں نکالتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ قرآن میں جو "ذوی القربیٰ" کا ذکر آیا ہے وہ بس حضورؐ کے لئے خاص تھا اور خاص بھی ایسا کہ آپ نے تمام رشتہ داروں کو حصہ

نہیں دیا بلکہ بنو ہاشم و بنو مطلب میں محدود رکھا اور وہ بھی اس لئے کہ ان دونوں خانوادوں نے قبل اسلام بھی اور بعد اسلام بھی آپ پر جان چھڑکی تھی(۱) پھر کیونکر شیخینؓ اپنے رشتہ داروں کو پھوٹی کوڑی بھی دے دیتے' مگر سیدنا عثمانؓ کا اجتہاد اس سے مختلف تھا' اور وہ بلاشبہ اس عظمت و رفعت کے آدمی تھے کہ اجتہاد کرتے اور جس بات کو حق سمجھتے اسی پر عامل ہو جاتے' ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہر اجتہاد و رائے کی پیروی نہ ان پر فرض تھی نہ حضرت علیؓ پر' وہ ان تینوں کی طرح خلیفۂ راشد بھی تھے' سابق الاسلام بھی' خدمت اسلام میں ممتاز بھی' حضورؐ کے محبوب بھی' انہوں نے اپنی فہم کے مطابق اجتہاد کیا اور فہم کے پیچھے انسانی فطرت کے میلانات و عواطف اکثر و بیشتر کارفرما ہو ہی جاتے ہیں' خصوصاً جب کہ آیت قرآنی عام تھی' حضورؐ کے لئے اس میں تخصیص کا کوئی لفظ نہ تھا' پھر کیونکر ان کے اجتہاد کو دلیل کی حد تک بے بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے' ہاں یہ الگ بات ہے کہ ان کا اجتہاد خطا کر گیا ہو اور مصیب(۲) باقی تینوں خلفاء ہی رہے ہوں۔

آیئے امام طحاویؒ کی اس روایت کا مقام فقہاء کے یہاں بھی دیکھ لیں' زیادہ طوالت کی ضرورت نہیں' ہم ایک ہی شافی کافی مثال پیش کیئے دیتے ہیں۔

امام ابن الہمامؒ کی فتح القدیر:

پھر ہمیں اپنے عام قارئین سے خصوصی خطاب کرنا ہوگا "ھدایہ" کے بارے میں ہم بتا آئے کہ اس کی متعدد شرحوں میں تین بہت مشہور ہیں "بنایہ"، "عنایہ"، اور "فتح القدیر"، اور ان تینوں میں "فتح القدیر"، سب سے زیادہ ممتاز ہے' شارح کا نام ہے امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمامؒ (متوفی ۸۶۱ھ) ان کے درجہ و مقام کا کچھ تعارف بھی سن لیجئے۔

مولانا عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

(۱) جیسا کہ آپ خود حضورؐ ہی کی زبان سے سن چکے۔ (۲) جس کا اجتہاد باصواب ہو

"ابن الہمام فقہ اور اصول اور نحو و صرف اور معانی و بیان
وغیرہ میں غیر معمولی قسم کے محقق تھے"
"ان کی اکثر تصانیف میں خصوصاً "فتح القدیر" میں مسلک
اعتدال وانصاف ہی کی جلوہ گری ہے وہ مذہبی تعصب (۱) سے
دامن کش ہیں' ان میں کج روی نہیں پائی جاتی" (الفوائد
البھیۃ ص: ۱۸۰)

پھر تعلیقات میں ہے:

"ابن نجیمؒ نے "بحر الرائق" میں انہیں اہلِ ترجیح میں شمار کیا ہے
اور بعض اہل نظر نے انہیں اہل اجتہاد میں گنا ہے' اور یہی
رائے عمدہ ہے جس پر ان کی کتابیں گواہ ہیں"۔

(تعلیقات فوائد بہیۃ ص ۱۸۰)

یہ ہیں ابن الہمام حنفیؒ۔

اب ان کی "فتح القدیر" شرح ہدایہ چوتھی جلد کھولیئے تو کتاب السیر باب المغنم میں صفحہ ۳۲۹ پر آپ طحاویؒ کی یہی مذکورہ روایت پائیں گے جسے دورانِ بحث میں وہ لائے ہیں اور اس کے تعلق سے امام شافعیؒ کے مسلک پر فنی گفتگو کی ہے' اس سے یہ بات بالکل منقح ہو گئی کہ طحاویؒ کی ذکر کردہ روایت نہ صرف مضبوط ہے بلکہ اس درجہ لائق اعتناء ہے کہ اونچے درجے کے فقہاء اسے بنیاد بنا کر کسی بحث میں پیش کر سکتے ہیں۔

حدیث و فقہ کا اتنا بڑا دفتر بفضلہ تعالیٰ موجود ہے' کہیں نہیں دکھایا جا سکتا کہ "بیت المال" کے سلسلے میں کسی فقیہ و محدث نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ چاروں خلفاء کا رویہ اس کے بارے میں قطعاً یکساں تھا اور جن روایات میں حضرت عثمانؓ کے رویہ کو "خلفائے ثلثہ" کی روش اور سیرت و تعامل سے مختلف دکھایا گیا ہے وہ غلط ہیں۔

(۱) مذہب سے مراد حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی وغیرہ مذاہب فقہ ہیں۔

اب اے علماء دین اور اے قارئین عزیز اور اے طلبائے سلیم الطبع! آپ ہی فرمایئے' ان بے شمار دلائل قاہرہ اور شواہد متواترہ کے باوجود اگر مولانا محمد میاں علیہ ماعلیہ فقط "طبری" سے دو فقرے اٹھا کر اور انہیں من مانے معنی پہنا کر یہ وظیفہ رٹنے لگیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی مال کے سوا کبھی کچھ اقرباء کو نہیں دیا' اور داد و دہش کے سارے افسانے مودودی کی طینت بد کا آوردہ ہیں تو بتایئے ایک واقف حال کا خون کھولے گا یا نہیں' اور علم و ہنر کی یتیمی پر اسے رونا آئے گا یا نہیں ؟۔

ہم کہیں کہیں الفاظ سخت لکھ گئے ہیں اور آئندہ بھی ان سے کف قلم دشوار ہی ہے' مگر ہمیں بھاڑ میں جھونکئے' ہم نہ عالم نہ شیخ الحدیث نہ ادیب نہ استاد' ہمیں بد زبانی' تلخ گفتاری' ناشائستگی کا ہر الزام منظور' لیکن خدارا علم دین کی حرمت اور علمائے سلف کی عزت کا لحاظ کر کے اس ظلم فاحش اور جفائے مبین پر تو توجہ فرمایئے' جس کا جلوہ مکردہ "علمائے دیوبند" کے ایک معروف ترجمان مولانا محمد میاں صاحب طال اللہ بقاۂ نے دکھلایا ہے۔

طبریؒ کی ایک اور روایت :

میاں صاحب کا طریقہ اپنی کتاب میں یہ ہے کہ "طبری" کے حوالے سے مختلف عبارتوں کے ٹکڑے پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور درمیان میں جو بھی روایت یا عبارت ایسی آتی ہے کہ اس سے مودودی کے موقف...... یا یوں کہیئے امر واقعہ کو تائید ملتی ہو اسے بلا تکلف چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بد دیانتی کا شاہکار ہے' پھر ان کی جس قابلیت کے چہرے سے ہم نے نقاب الٹی' کیا اس کی موجودگی میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو تراجم وہ پیش کرتے گئے ہیں خود ان میں بے شمار غلطیاں اور خیانتیں نہ ہوں گی ؟۔

"طبری" کی اسی پانچویں جلد میں جس سے بے شمار عبارتیں انہوں نے

• ویٹس کیں صفحہ ۳۸ اور ۱۳۹ پر یہ روایت ملتی ہے' پوری سند بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے:

كان ربيعة ابن الحارث بن عبدالمطلب شريك عثمانؓ في الجاهلية فقال العباس بن ربيعة لعثمانؓ اكتب لي الى ابن عامر ليسلفني مأة الف فكتب فاعطاه مأة الف وصله بها واقطعه داره دار العباس ابن ربيعة اليوم

عبدالمطلب کے پوتے ربیعہ بن حارث زمانہ جاہلیت میں حضرت عثمانؓ کے شریک (بزنس پارٹنر) تھے' ان کے بیٹے عباس نے ایک دن حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ابن عامر کو آپ لکھ دیجئے کہ مجھے ایک لاکھ قرض دے دیں' حضرت عثمانؓ نے لکھ دیا (وہ خط لے کر ابنِ عامر کے پاس پہنچے) ابنِ عامر نے انہیں ایک لاکھ عطا کیے' مگر قرض نہیں بطور بخشش' اور مزید بر آں اپنا ایک مکان بھی ان کے نام الاٹ کر دیا' یہ مکان آج بھی (زمانہ طبریؒ میں تجلی) دارالعباس بن ربیعہ کے نام سے موجود ہے۔

یہ ابنِ عامرؓ کون تھے' حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی' جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر اور کہن سال صحابی کو ہٹا کر حضرت عثمانؓ نے انہیں "بصرے" کا گورنر بنایا تھا' تو ان کی عمر بیس بائیس سے زیادہ نہ تھی' تنہا یہی بات اس شکایت میں اضافے کا ایک معقول سبب تھی' جو لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی غیر معمولی اقرباء نوازی سے تھی۔

اب ان ماموں زاد کا انداز خسروانہ بھی دیکھئے' بجائے قرض کے ایک لاکھ ہدیتاً دیتے ہیں اور مکان بھی عنایت کرتے ہیں' مکان کی حد تک تو اعتراض نہیں

کہ ان کا اپنا تھا' لیکن ایک لاکھ کی بخشش کم سے کم دو خلفاء کی روش سے تو جوڑ نہیں کھاتی' یہ ان بادشاہوں کے رویے کے مطابق ہے جن کے لئے "بیت المال" بطور خزانہ ذاتی رہا کرتا تھا۔

اگر ابوبکرؓ یا عمرؓ سے کسی قدیم شناسا نے عباس جیسی درخواست کی ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ وہ قبول فرماتے' اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ ان کا کوئی گورنر بیت المال سے اس قسم کی داد و دہش کر کے اپنی کھال بچا لے جاتا۔

میاں صاحب جیسے خانہ زاد شیخ الحدیث اگر ایک لاکھ بار بھی یہ وظیفہ رٹیں گے کہ حضرت عثمانؓ نے نہ کبھی "بیت المال" سے قرض لیا' نہ اپنے عزیزوں کو نوازا تو حقائق میں بال برابر فرق نہیں آسکے گا۔

بینائی سے محروم آدمی اگر شور مچاتا رہے کہ چاند سورج کا وجود ہی نہیں تو اس سے نہ سورج کی حرارت کم ہوگی نہ چاند کی گردش میں فرق آئے گا۔

ابنِ سعدؒ کی روایت :

طبقات کی تیسری جلد صفحہ ۴۴ پر ابنِ سعدؒ پوری سند کے ساتھ ذیل کی روایت بیان کرتے ہیں :

امّ بکر بنت المسور کے والد نے کہا۔

سمعت عثمان يقول أيها الناس أن ابابكرؓ و عمرؓ كانا يتأوّلان في هذا المال ظلف انفسهما وذوى ارحامهما واني تأوّلت فيه صلة رحمي (طبقات طبع في مدينة ليدن)

میں نے عثمانؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ اے لوگو! ابوبکرؓ اور عمرؓ تو اس مال کے سلسلے میں یہ پسند کرتے تھے کہ خود بھی سختی جھیلیں اور اپنے رشتہ داروں کو بھی سختی میں رکھیں اور میں یہ

پسند کرتا ہوں کہ اس میں سے رشتہ داروں کے ساتھ
سلوک کروں۔

یہ غیر مال کا ذکر ہے؟ "بیت المال" ہی کے مال کا تو' نہ کہ اس ذاتی کمائی (ملب مال) کا جس کی رٹ طوطے کی طرح میاں صاحب لگائے جا رہے ہیں۔

ہم نے اس روایت کے ایک ایک راوی کو "اسماء الرجال" کی کتابوں سے جانچ لیا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی راوی متروک و مردود نہیں ہے۔

سچ کہیئے! کیا میاں صاحب کی مثال کنوے کے اس مینڈک کی سی نہیں ہے جو سمندر کی پہنائیوں میں گشت کرنے والی دیو پیکر مچھلیوں کو خیال ہی خیال میں منہ چڑائے اور نعرہ لگائے کہ وہ مارا!

جھوٹ در جھوٹ کا سلسلہ :

عبداللہ بن سعدؓ کو (وہی جن کا زندہ رہ جانا حضور ﷺ کو ناگوار گزرا تھا) حضرت عثمانؓ نے "افریقہ" کا خمس الخمس دیدیا تھا' اس سے اتفاقاً میاں صاحب کو بھی انکار نہیں (اتفاقاً ہی کہیئے ورنہ کسی بھی ثقہ سے ثقہ روایت کو جھٹلا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' بس زبان سے کہہ دیا کہ وہ غلط ہے اور غلط ہو گئی!) مگر اس سے چونکہ اسی حقیقت کی تائید ہو رہی تھی کہ حضرت عثمانؓ اقرباء کو "بیت المال" سے نوازتے رہے' اس لئے میاں صاحب نے بلا تکلف جھوٹ کا طومار باندھا:

> "نفل' یعنی حوصلہ افزائی کے لیے مجاہدین سے کسی انعام کا وعدہ کر لینا کوئی نئی بات نہیں تھی' بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آن حضرت ﷺ پھر سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرماتے رہے تھے' اسی اصول اور رائج شدہ قاعدے کے بموجب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

کو "فتح افریقہ" کے لئے روانہ فرمایا توان سے "خمس الخمس" کا
عدہ فرمالیا تھا"۔ ص ۱۶۹

اس عبارت میں جتنے بھی دعوے کئے گئے ہیں ان کے لئے کوئی حوالہ میاں صاحب نے نہیں دیا' سارے دعوے گھر کی چارپائی پر بیٹھ کر گھڑے گئے ہیں' ایک ایک بات' حضرت عثمانؓ کی طرف جو قول اس عبارت میں منسوب کیا گیا ہے وہ بھی میاں صاحب کا من گھڑت ہے۔

"طبری" میں حضرت عثمانؓ نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ حضورؐ اور ابو بکرؓ و عمرؓ بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرماتے رہے تھے' بلکہ یہ ہے کہ میں اپنے ذاتی مال سے رسول اللہؐ اور ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانے میں اقرباء کو بڑی بڑی رقمیں دیتا رہا ہوں۔ (۱)

دیکھا آپ نے فرق' اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ میاں صاحب روایات کے ترجمے اور شرح میں کتنے ایمان دار ہیں ؟ بغیر کسی جھجک کے انہوں نے حضرت عثمانؓ کے ارشاد کا مفہوم بدلا اور اس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ اور شیخینؓ کے کردار سے وہ بات منسوب کر دی' جو صریحاً کذب ہے' کسی بھی کتاب میں وہ دکھائیں کہ حضورؐ نے یا ابو بکرؓ و عمرؓ نے کسی سالارِ لشکر سے یہ وعدہ کیا ہو کہ تم فلاں میدان سر کر لو تو تمہیں یہ انعام دیں گے۔

جہاں تک حضورؐ کا تعلق ہے وہ اجازت قرآنی کے مطابق اپنے اقرباء کی مالی امداد فرماتے تھے اور وہ بھی سب کی نہیں صرف "بنو ہاشم" اور "بنو مطلب" کی' ان دو کے علاوہ مزید دو قبیلے تھے جن کی قرابت حضورؐ سے ٹھیک ایسی ہی تھی جیسی ان سے۔

بنو نوفل اور بنو عبد شمس' حضورؐ کے جد ثالث کا نام عبد المناف تھا' "نوفل" اور "عبد شمس" بھی اسی طرح ان کی اولاد ہیں جس طرح "ہاشم" اور

---

(۱) اصل الفاظ یہ ہیں : ولقد كنت اعطى العطية الكبيرة الرغيبة من صلب مالي ازمان رسول الله وابي بكر و عمر رضي الله عنهما (طبری ج د ص)

"مطلب" لیکن نہیں دکھایا جاسکتا کہ چاروں قبیلوں کو حضورؐ نے داودہش سے نوازا ہو' کیوں؟ اللہ کے رسول ﷺ خود فرماتے ہیں کہ :

انهم لم يزالوا معى هكذا فى الجاهلية والا سلام وشبك من اصابعه (كشف الاستارحاشية الدر المختار. باب المغنم ص ٣٤٤ وكذا فى العنايه شرح الهدايه)

یہ بنو ہاشم اور بنو مطلب اسلام اور جاہلیت دونوں میں میرے اس طرح ساتھ رہے ہیں جیسے ...... یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں اس طرح دیں جس طرح پنجہ کشی میں دی جاتی ہیں ("کشف الاستار" ص ۳۴۴ و عنایہ)

تاریخ شاہد ہے کہ جب قریش حضور ﷺ کو شہید کرنے کے درپے تھے' تو انہیں دونوں قبائل نے حضور ﷺ کی پشت پناہی کی تھی' بس اسی لئے حضور ﷺ نے انہیں نوازا۔

ایسا کوئی واقعہ تاریخ سے پیش نہیں کیا جاسکتا جس میں حضورؐ نے کسی سالار سے یہ وعدہ فرمایا ہو کہ تم اگر فلاں میدان سر کرلو تو تمہیں یہ خصوصی انعام دیا جائے گا' ایسا آپ فرما کیسے سکتے تھے' "غنیمت" کی تقسیم تو قرآن نے متعین کردی' ایک سپاہی جس نے کوئی زخم نہ کھایا ہو' نہ کسی دشمن کو زخم پہنچا سکا ہو' اگر شریک جہاد ہے تو "مالِ غنیمت" سے اس کا حصہ ٹھیک وہی ہے جو دوسرے ان مجاہدین کا ہے جنھوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے ہوں' اور جسم پر بیس بیس زخم کھائے ہوں' الا یہ کہ دوران قتال میں مجاہد اپنے مدمقابل کو قتل کرکے اس کے ہتھیار وغیرہ پر قابض ہو جائے' مگر اس میں بھی تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے۔

اسی طرح ابوبکرؓ و عمرؓ کی سوانح میں کوئی واقعہ نہیں دکھایا جاسکتا کہ بڑے بڑے انعام کا وعدہ بھی انہوں نے محاذِ جنگ کی طرف جاتے ہوئے کسی سالار لشکر

سے کیا ہو۔

اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد سے پیشگی وعدہ فرمایا تھا' میاں صاحب کوئی ٹوٹی پھوٹی ہی روایت کہیں دکھلائیں' یہ تو بڑی ہی ڈھٹائی اور بے ایمانی کی بات ہے کہ جو منہ میں آیا کہتے چلے گئے' آخرت کی جوابدہی سے اس درجہ تو لاپروا نہیں ہونا چاہیئے۔

قارئین دیکھ لیں کہ ایک سانس میں کتنی جھوٹی باتیں یہ بزرگ کہتے چلے گئے ہیں' ابوبکرؓ و عمرؓ نے "بیت المال" سے اگر نوازا ہے تو آقاؐ کے اقرباء کو نوازا ہے جو ہدایت قرآنی اور اسوۂ رسولؐ کے عین مطابق ہے' اپنے اقرباء کو انہوں نے خلاف اصول پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی' اور کسی جرنیل سے انہوں نے کوئی خصوصی وعدہ انعام نہیں کیا' حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ان کے جرنیلوں کی خارا شگاف تلواروں نے کیسے کیسے پہاڑ کاٹے ہیں' وہ خالد بن ولیدؓ جن کے جسم کا کوئی انچ زخم کے نشان سے خالی نہ تھا انہیں بھی وہاں تو کوئی خصوصی انعام نہیں ملا' نہ کسی میدان کے لئے پیشگی وعدہ انعام سے مشرف ہوئے۔

امام سرخسیؒ حنفی کیا کہتے ہیں :

"مال غنیمت" کے سلسلہ میں حضور ﷺ کا فیصلہ کیا ہے؟ اسے مختصراً دیکھ لیجئے "المبسوط" میں امام سرخسیؒ حنفی لکھتے ہیں :

لما سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الغنيمة .الخ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "مال غنیمت" کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں ایک حصہ اللہ کا ہے اور چار مجاہدین کے' اس پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا "غنیمت" کی کسی چیز پر کسی مجاہد کو دوسرے مجاہد کے مقابلہ میں زیادہ حق بھی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں' حتیٰ کہ اگر میدان جہاد میں کوئی تیر تیرے پہلو میں ترا[illegible] ہو جائے اور تو اسے

پہلو سے نکالے تو اس تیر میں بھی تیرا حق تیرے شریک جہاد ساتھی سے زیادہ نہیں ہے۔ (المبسوط جلد عاشر۔ صفحہ ۱۳۶ باب لآخر فی الغنیمۃ۔ المطبعۃ السعادہ۔ مصر)

اس کے بعد امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ولان السبب الخ (ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ "مال غنیمت"، کا استحقاق صرف اس قوت و جبروت کی بنا پر ہے جس کی وجہ سے دین کو عزت ملتی ہے اور ایک عام سپاہی اس معاملہ میں ممتاز اور ذی منصب مجاہدین کے مساوی ہے۔)

تبارک اللہ۔ جس تیر نے آپ کو لہولہان کر دیا اور اسے بدن سے کھینچنے میں بھی آپ ہی نے محنت کی' اس پر بھی آپ کا حق دوسرے تمام شریک جہاد ساتھیوں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں ہے' وہ چار پیسے کا تیر بھی آپ "اموال غنیمت"، میں جمع کریں گے اور جمع کرنے سے پہلے ختم ہو گئے تو دوسرے لوگ اسے "غنیمت" کے ڈھیر میں رکھ دیں گے' اور تقسیم کے وقت یہ بھی مجموعی حساب میں شامل ہو جائے گا' امام سرخسیؒ کی تصریح کے مطابق یہاں بڑے سے بڑا صف شکن اور صاحب تدبیر اور منصب دار دوسرں کے مساوی ہے' جس سپاہی نے ایک بھی دشمن کو ہلاک نہیں کیا' ایک بھی زخم نہیں کھایا' بس شامل لشکر ہے' اس کا حصہ وہی ہے جو اس زبردست فوجی افسر کا ہے جس کی تدبیر یا شجاعت دشمن کو زیر و زبر کر کے رکھ دے' یا جس کی تلوار نے بیسیوں گردنیں اڑا دی ہوں۔

ہاں ایک چیز اور ہے جسے اصطلاحِ فن میں "نفل" اور "تنفیل" کہتے ہیں' وہ یہ ہے کہ امام کسی طرف سریہ (رجمنٹ) بھیجے اور جب وہ کامیاب ہو کر "مالِ غنیمت" ساتھ لائے تو "امام خمس" نکالنے کے بعد باقی چار حصوں کو بالکل برابر نہ بانٹے بلکہ کسی ٹکڑی یا شخص کو کچھ زیادہ دے دے۔

اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضورؐ نے نجد کی طرف چار ہزار کا لشکر بھیجا تھا' اسے کامیابی ہوئی' تو بہت لوٹ ہاتھ لگے' ہر ایک مجاہد کے حصہ میں بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ آئے' مگر حضورؐ نے پندرہ آدمیوں کی اس ٹکڑی کو جس میں اس حدیث کے

راوی ابنِ عمرؓ شامل تھے' مزید ایک ایک اونٹ دیا۔(موطا امام مالک باب جامع النفل فی الغزو)

اس تنفیل کی بحث انیق انشاء اللہ فن حدیث کے ذیل میں "فتح القدیر" وغیرہ کے حوالے سے آرہی ہے' یہاں اتنا ہی سمجھئے کہ یہ "تنفیل کوئی قاعدہ شرعیہ نہیں ہے" امام کی مرضی پر موقوف ہے' یہاں ۱۵ اونٹ بچ گئے تھے تو چار ہزار میں کیسے بٹتے' بہر حال یہاں مختلف مسالک فقہیہ کو چھوڑیئے' بتانا صرف اس قدر ہے کہ "نفل" کوئی پیشگی وعدہ نہیں۔

پیشگی وعدے کی ایک شکل اور ہے جسے فقہاء نے بایں طور بیان کیا ہے کہ امام اگر مناسب سمجھے تو کسی فرد سے وعدہ کر سکتا ہے کہ اگر تم نے فلاں میدان سر کر لیا تو "مالِ غنیمت" سے بیت المال کا حصہ (خمس) نکالنے کے بعد تمہیں چوتھائی یا آدھا یا سارا دے دیا جائے گا (گویا تمام لشکر میں نہیں بٹے گا' بلکہ تمہاری ہی رجمنٹ کو مل جائے) یہ بھی اختلافی ہی مسئلہ ہے تاہم یہ طے ہے کہ اس میں بھی فقط سالار کو سب کچھ یا بہت زیادہ نہیں مل جاتا' حالانکہ یہی نکتہ یہاں معرض بحث ہے۔

ایک شکل زیادہ استحقاق کی اس حدیث رسولؐ کے تحت پیدا ہوتی ہے جو سوائے "نسائی" کے "پانچوں صحاح" میں اور "موطا امام مالک" میں موجود ہے کہ من قتل قتیلاً فله سلبه (جس نے میدانِ جہاد میں مدمقابل کو قتل کیا' مقتول کے ہتھیار وغیرہ اسی کے ہیں) بشرطیکہ وہ گواہ رکھتا ہو شوافعؒ کے نزدیک حضور کا یہ ارشاد ایک قاعدہ کلیہ ہے' مگر احنافؒ کے نزدیک ایسا نہیں بلکہ یہ بھی امام ہی کی مرضی پر موقوف ہے جیسا کہ موقع پر ہم تفصیل بتائیں گے۔

خلاصہ یہ کہ امتیاز کی جتنی بھی شرعی شکلیں ہیں ان کا کوئی تعلق اس غلط دعوے سے نہیں ہے جو میاں صاحب نے کیا ہے اور اسے بلا دلیل حضرت عثمانؓ کی طرف بھی منسوب کر دیا ہے۔

زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بہت ہی خاص حالات میں امام ضروری سمجھے کہ فلاں "سریے" یا لشکر کے سالار کو خصوصیت کے ساتھ کسی پیشگی وعدے سے نوازنا ہے تو وہ تنہا اپنی صوابدید پر یہ کام نہیں کر سکتا بلکہ شوریٰ کا اتفاق رائے حاصل کرنا ہوگا' اسی لئے حضرت عثمانؓ کو وہ انعام واپس لینا پڑا جو عبداللہ بن ابی سرح کو دیا گیا تھا' حالانکہ اس کے لیے کوئی پیشگی وعدہ آپؓ نے ہرگز نہیں کیا تھا' لیکن اگر کیا ہوتا تب بھی وہ قواعد شرعیہ کے دائرے سے باہر ہی ہوتا اور صحابہؓ کے اعتراض پر وہ مسترد ہو جاتا۔

ہم سے پوچھیے تو حضرت عثمانؓ کے اجتہاد کی شرعی بنیاد یہ دونوں امور تھے' ایک تو حضورؐ کا بنو ہاشم و بنو مطلب کی مالی مدد کرنا اور دوسرے بعض مواقع پر "تنفیل" فرمانا' پھر آیت قرآنی سامنے موجود تھی' آیت اور حضورؐ کے عمل پر قیاس کر کے اگر انہوں نے "بیت المال" سے وہ معاملہ کیا جو ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں کیا تھا' تو یہ کوئی گناہ نہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ اجتہاد میں وہ "مصیب" نہ رہے ہوں' نتائج سیاسیہ کے اعتبار سے ان کا طرز عمل نقصان دہ ہوا لیکن خیانت اور گناہ کا سوال اس معاملے کی حد تک کہاں پیدا ہوتا ہے؟

یہ تو میاں صاحب کے اور ان جیسے بعض اور حضرات کے ذہنوں کا (خطا معاف) "مراق" ہے جو انہیں حقائق ثابتہ اور علم و خبر سے بہت دور لے گیا ہے' وہ الٹی سیدھی باتیں کر کے قطعیات پر زبان درازی کا پردہ ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ کسی اللہ کے بندے کو مطعون کر سکیں' ورنہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے۔

<u>بے سر و پا</u>: مودودی نے لکھا تھا:

> "یہ تمام واقعات اس امر کی ناقابل تردید شہادت بہم پہنچاتے ہیں کہ فتنہ کے آغاز کی اصل وجہ وہ بے اطمینانی ہی تھی جو

اپنے اقرباء کے معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کی وجہ سے عوام اور خواص میں پیدا ہو گئی تھی، اور یہی بے اطمینانی ان کے خلاف سازش کرنے والے فتنہ پرداز گروہ کے لئے مددگار بن گئی' یہ بات تنہا میں ہی نہیں کہہ رہا' بلکہ اس سے پہلے بھی بہت سے محققین یہی کہہ چکے ہیں"۔(خلافت وملوکیت ص ۳۴۲)

میاں صاحب اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں :

"اس کے بعد مودودی صاحب نے تین حضرات کے اقوال بھی نقل کیئے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ ہم ان حضرات کی تقلید کیوں کریں جب کہ کھلے ہوئے واقعات ہمارے سامنے ہیں جن کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اور انہیں حضرات مؤرخین کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے جس پر یہ سب حضرات اعتماد کرتے ہیں"۔ ص ۱۲۷

ہم بڑے ادب سے کہیں گے کہ اے محترم شیخ الحدیث! غصے اور تعصب نے آپ کے فہم و شعور کو بالکل ہی سرمہ بنا دیا ہے' اتنا بھی آپ نہیں سمجھتے کہ "تقلید" کا سوال افکار و نظریات اور افعال و کردار میں پیدا ہوتا ہے نہ کہ اخبار و اطلاعات میں، کسی فقہی مسئلے یا اجتہادی رائے میں آپ ابو حنیفہ کی تقلید کریں یا نہ کریں یہ آپ کی مرضی پر ہے' لیکن جب کچھ لوگ ایک واقعے کی اطلاع دے رہے ہوں تو اسے درست نہ ماننا تکذیب ہے جھٹلانا ہے' تقلید اور عدم تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ناظرین ملاحظہ کریں کہ کون سے تین بزرگ ہیں جن کی شان میں یہ پھلجھڑیاں چھوڑی جا رہی ہیں۔

یہ ہیں (۱) امام ابن حجرؒ (۲) محب الدین الطبریؒ اور (۳) خاتم المحدثین

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیریؒ۔ مولانا انور شاہ تو "دار العلوم دیوبند" ہی
کے وہ استاد ہیں جن کے تبحر فی الحدیث میں دور اول کے محدثین کی شان تھی'
حافظے کا یہ عالم کہ بیس سال قبل دیکھی ہوئی کتاب کا کوئی بھی فقرہ صفحے اور بعض
مرتبہ سطر کے تعین کے ساتھ زبانی سنادیا کرتے تھے' وسعت علم کا یہ حال کہ کیا
علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کیا مولانا بدر عالمؒ کیا دوسرے قابل تلامذہ ان کے آگے طفل
مکتب تھے 'بڑے سے بڑے حدیثی معمے میں پھنس گئے ہیں' نہیں حل ہوتا تو
انور شاہ کی خدمت میں چلے گئے ہیں' حضرت نے سنا ایک لحظہ توقف کیا پھر علم کا
دریا یوں بہایا کہ اس کا مطلب یہ ہے اس کے بارے میں فلاں کتاب کا فلاں صفحہ
اور فلاں شرح کے فلاں حاشیہ میں یہ لکھا ہے۔ وغیر ذالک۔

ان انور شاہ کی شرح بخاری (فیض الباری ج ۲ ص ۲۲) سے مودودی نے جو
کچھ نقل کیا اس کا کچھ حصہ آپ بھی ملاحظہ فرمالیں :

> "پھر ان فتنوں کے بھڑکنے کا سبب یہ ہوا کہ امیر المومنین
> عثمان رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ داروں کو مناصب حکومت پر
> مقرر کرتے تھے' اور ان میں سے بعض کا طرز عمل اچھا نہ تھا'
> اس پر لوگ معترض ہوئے اور ان کی شکایات لوگوں نے
> حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں' مگر حضرتؓ نے ان
> کو سچ نہ سمجھا اور خیال کیا کہ یہ لوگ میرے رشتہ داروں سے
> خواہ مخواہ جلتے ہیں"۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۳۵)

یہ کوئی نظری اور فقہی مسئلہ ہے یا ایک خبر' ایک اطلاع' ایک علمی شہادت'
یہی سب ابن حجرؒ اور محب الدین طبریؒ نے اپنے الفاظ میں تفصیل سے لکھا ہے' حد
ہے کہ "طبری" اور "طبقات" کی روایتوں کے مطابق حضرت عائشہؓ' حضرت طلحہؓ
اور حضرت زبیرؓ بھی اس صورتِ حال سے ناراض تھے۔

مگر زعم و استکبار کی کوئی انتہا ہے کہ میاں صاحب ان سب کو جھٹلاتے ہوئے

چرب زبانی کیئے جارہے ہیں کہ واقعات وہی ہیں جو میں کہہ رہا ہوں اور یہ بھی ارشاد ہے کہ میں انہیں مؤرخین کے حوالے سے صحیح واقعات بیان کر چکا ہوں۔

الشر اخبث ما اوعیت من زاد!

حالانکہ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے صرف "طبری" سے' وہ بھی اس طرح کہ جہاں جہاں سے جی چاہا تھوڑا تھوڑا ترجمہ پیش کرتے چلے گئے' درمیان سے جو چاہا حذف کیا اور جتنی غیر متعلق تفصیلات چاہیں بیان کر دیں' حضور کی بو الفضولی کا عالم یہ ہے کہ قطعاً بے محل تفاصیل جگہ جگہ دیئے جاتے ہیں اور حوالوں کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں ضرورت ہے وہاں کوئی حوالہ نہیں' جہاں ضرورت نہیں وہاں صرف یہ دکھانے کے لئے کہ میں بھی عالم فاضل ہوں' حوالے دیدیئے ہیں۔

مثلاً صفحہ ۱۹ پر "بشره بالجنة معها بلاء يصيبه (ان کو جنت کی بشارت دے دو' ساتھ ساتھ یہ بشارت دے دو کہ ان کو ایک آزمائش میں مبتلا ہونا ہوگا"۔

اس کے لئے انہوں نے بخاری کا حوالہ دیا' پھر اگلی ہی سطر میں علی بلوی ستصيبه کے الفاظ لکھ کر پھر بخاریؒ کا حوالہ دیا' حالانکہ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی' اس طرح نام کو تو بخاریؒ کے دو حوالے ہو گئے' لیکن نفس بحث سے ان کا کیا تعلق؟ پھر اس کی شرح انہوں نے جو کی وہ بے محل بھی ہے اور بے تکی بھی۔

فرماتے ہیں کہ حضور کا یہ ارشاد "واضح کر رہا ہے کہ جو کچھ آپ کے ساتھ (یعنی حضرت عثمانؓ کے ساتھ) کیا گیا وہ آپ کی غلطیوں کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ بہت بڑا امتحان یہ تھا کہ غیر مجرم کو مجرم گردانا گیا"۔

"بے محل" اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کے مبشر بالجنة ہونے میں کسے اختلاف ہے' اور "بے تکی" اس لئے کہ اس حدیث سے ہرگز یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اب حضرت عثمانؓ سے زندگی بھر کوئی غلطی ہوگی ہی نہیں' غلطی تو ہلکا لفظ ہے اس میں اس سے بھی مطلق بحث نہیں کہ کوئی گناہ سرزد ہوگا یا نہ ہوگا' وہ شخص یقیناً پیر نابالغ ہے جو "عشرہ مبشرہ" کے بارے میں یہ تصور رکھتا ہے کہ جنت کی خوش خبری

انہیں اس لئے دی گئی تھی کہ وہ گناہ سے بالاتر ہو گئے تھے' تمام شارحین بخاری میں سے اگر ایک کا بھی حوالہ میاں صاحب دے سکیں' جس نے اس حدیث کی شرح میں وہ بات کہی ہو جو میاں صاحب کہہ رہے ہیں تو ہم خط غلامی لکھ دیں گے۔

اس کی شرح صرف یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو ایک شدید آزمائش پہنچے گی جس کا اخروی حاصل' جنت ہے' چنانچہ مودودی بھی کھول کھول کر کہہ چکا ہے کہ انہیں قتل کرنے والا گروہ بدترین ظالم تھا' اس نے بہتیرے جھوٹے الزامات لگائے اور حد درجہ شقاوت و شرارت کا مظاہرہ کیا۔ وغیر ذالک

مودودی بار بار کہتا ہے کہ حضرت عثمانؓ مجرم نہیں تھے' انہوں نے کوئی فعل خیانت کا نہیں کیا' شریعت کے خلاف ایک قدم نہیں چلے' صرف اجتہادی غلطی تھی کہ اپنی فطرت کے تحت اقرباء کو اتنا نوازا کہ لوگوں کو سوء ظن کا موقعہ ملا' اسی کا نام پالیسی کی غلطی ہے' پھر کیا حاصل میاں صاحب کی اس طول کلامی سے۔

اسی صفحہ پر اس مشہور روایت کے لئے کہ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو قبل از وقت شہید قرار دیا تھا' بخاریؒ کا حوالہ موجود ہے' بھلا کون اس کا منکر تھا کہ عربی متن اور حوالہ دونوں موجود' نام یہ ہو گیا کہ لیجئے ایک ہی صفحہ میں تین جگہ بخاری کا حوالہ' مگر نفس گفتگو سے اس کا کوئی ربط نہیں۔

صفحہ ۲۲ پر اس معروف حدیث کے لئے کہ "اے عثمانؓ! اللہ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا' تم اسے مت اتارنا"۔ "ترمذی" کا حوالہ دیا گیا...... کیوں؟ کیا مودودی مناقب عثمانؓ کا منکر ہے؟ کیا اس نے اس حدیث کا انکار کیا تھا؟ پھر یہیں اسی حدیث کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا قول "ترمذی" کے حوالہ سے دیا گیا کہ "میں اپنے وعدے پر جما ہوا ہوں"۔ بھلا کیا بحث تھی اس کی متعلقہ گفتگو میں۔

صفحہ ۲۶ پر ایک بار اور ص ۲۷ پر دو بار دور عمرؓ کی کچھ غیر متعلقہ باتوں کے لئے "البدایہ والنہایہ" کا حوالہ ٹانکا گیا ہے' ص ۲۸ و ۲۹ پر دو جگہ بخاری کا حوالہ مع متن ہے' مگر دوسرے قضیوں میں' اسی طرح کہیں کہیں "ابن خلدون" اور "ابن

اثیر" کے حوالے ہیں مگر ایسے احوال کے سلسلے میں جو موضوعِ بحث سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے۔

خللِ دماغی کی انتہا یہ ہے کہ اگر مودودی نے دورانِ بحث میں یہ کہہ دیا تھا کہ سعید بن عاصؓ حضرت عثمانؓ کے عزیز تھے تو اب چلے جا رہے ہیں کئی کئی صفحے میں یہ گل افشانی فرماتے ہوئے کہ سعیدؓ ایسے تھے اور ویسے تھے' انہوں نے قرآن کی نقلیں کیں اور وہ سخی تھے' اس کے لئے بھی "الاستیعاب" کا حوالہ مع متن موجود' کیا یہ خبط کے علاوہ بھی کچھ ہے ؟ کیا اسے فضول گوئی نہیں کہیں گے ؟ نقطہء گفتگو حضرت سعیدؓ کی حضرت عثمانؓ سے رشتہ داری تھی' پھر کیا مناقب کے یہ صفحے اور یہ حوالے رشتہ داری کو ختم کر دیں گے۔

قطعاً غیر ضروری حوالے جگہ جگہ ہیں اور ان میں بھی شانِ جہالت سر ابھارے بغیر نہیں رہی ہے' مثلاً صفحہ ۱۹۶ پر بالکل بے ضرورت ابو سفیان کا قصہ لکھتے ہیں کہ وہ کنجوس آدمی تھے' ایک تو قصہ بے محل اور پھر اس پر حاشیہ دے کر بخاریؒ کے حوالے سے دو حوالے دیئے' گویا کوئی کہہ رہا ہے کہ ابو سفیان کنجوس نہیں تھے۔

اِنّ اَبُوسفیان! :

خیر' بے ضرورت حوالہ تو "شواہد تقدس" کا وصف خاص ہے' آپ یہ دیکھئے کہ یہاں حوالہ کیا ہے' پہلا حوالہ یوں ہے :

"ابوسفیان رجل مسیک"۔ اس کا اردو ترجمہ نہیں دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ حوالہ صرف عربی دانوں کے لئے ہے' آگے بخاری کا نام بطور حوالہ لکھا گویا یہ الفاظ اس سے نقل ہیں' مگر طلباء عزیز حیرت کریں گے کہ "بخاری" میں حرف "اِنّ" موجود ہے اور میاں صاحب بجائے "اباسفیان" کے "ابوسفیان" لکھ رہے ہیں' کیا "نحو میر" پڑھنے والا بچہ بھی ایسی غلطی کرے گا' ہم

نے بچپن میں یہ شعر پڑھا تھا آج تک یاد ہے۔

اِنَّ بااَنَّ کَاَنَّ لَیتَ لٰکِنَّ لَعَلَّ
ناصب اسم اند رافع درخبر ضد ماولا

اور لیجئے :

ماشاء اللہ میاں صاحب نے مودودی کی عربی پر بھی گرفت کی ہے' خدا کی قدرت ہے ۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کے ایک فقرے کا مفہوم بیان کیا تھا کہ :

"میں ایسے خاندان سے ہوں جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں"۔

میاں صاحب فرماتے ہیں کہ :

"حالانکہ الفاظ یہ ہیں : انافی رھط اھل عیلة وقلة معاش۔ ("طبری" ص ۱۰۱ ج ۵) یعنی صرف قلیل المعاش نہیں بلکہ یہ بھی کہ صاحب فقر و فاقہ ہیں' اہل عیلة (صاحب فقر و فاقہ) اور قلیل المعاش"۔ ص ۱۹۶

خوب صاحب! گذارش میاں صاحب سے یہ ہے کہ لغات عرب کی کتابیں تو دنیا سے ناپید نہیں ہو گئیں' مودودی کو اصلاح دینے کی کوشش مبارکہ فرمائی تھی' تو کسی ایک لغت کا حوالہ بھی عطا کر دیا ہوتا...... یا یہ بھی روایتوں جیسا معاملہ ہے کہ جو آپ کے جی میں آئے گا معنی لیں گے اور جس مفہوم کو چاہیں گے غلط قرار دیں گے۔

فاقہ یا فقر و فاقہ کے لئے "العالة" آتا ہے نہ کہ "العیلة" فاقہ کش کو جائع اور مجوع کہتے ہیں نہ کہ عائل "عیلة" کے معنی ہیں غربت' ناداری' افلاس' جن اہل زبان نے اس کا ترجمہ "فقر" کیا ہے' ان کی بھی مراد فقر سے وہ نہیں ہے جس سے

اردو میں "فقیر" بولا جاتا ہے' اس کی کئی دلیلیں ہیں "المنجد" یا "معجم الوسط" میں آپ دیکھیں "العالۃ" کے معنی ملیں گے "الفقر" و "الفاقۃ"۔ مگر اسی کے متصل "العیلۃ" کے معنی ملیں گے "الفقر" و "الحاجۃ" اس سے صاف ظاہر ہے کہ فاقہ کشی تک نوبت پہنچادینے والا فقر لغتاً اور ہے اور صرف غربت واحتیاج والا فقر اور صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ الاسم العیلۃ۔ اذا افتقر مگر یہ واضح کرنے کے لئے کہ فقر سے مراد غربت ہے نہ کہ فاقہ کشی اور تجوع' شعر پیش کرتے ہیں :

وما یدری الفقیر متی غناہ

وما یدرالغنی متی یعیل

یعنی عیلہ کا اطلاق جس فقر پر ہوتا ہے وہ دولتمندی کا مقابل ہے جو شخص دولتمند نہیں ہے وہ فقیر (عائل) ہے۔(۱)

دوسری دلیل قرآن میں موجود ہے' "سورۂ والضحیٰ" میں فرمایا گیا ووجدک عائلا فاغنی حضرت شیخ الہندؒ نے عائل کا ترجمہ "مفلس" کیا' مولانا اشرف علیؒ نے "نادار" "شاہ عبدالقادرؒ نے "مفلس" ' مولانا احمد سعید (صاحب کشف الرحمٰن) نے "نادار"۔ "فقیر" کسی نے نہیں کیا کیونکہ اردو میں "فقیر" جس آخری درجہ افلاس پر منطبق ہوتا ہے وہ "عیلۃ" میں متصور نہیں۔

یہاں میاں صاحب جیسے عقلاء کھٹ سے اعتراض کر سکتے ہیں کہ دیکھئے حضورؐ تو فاقے کیا کرتے تھے لیکن کسی صاحب فہم کو اس لغو اعتراض کی جرأت نہ ہوگی کیونکہ حضورؐ کا فقر اختیاری تھا فاقے تو آپؐ آخر عمر تک کرتے رہے' حالانکہ قرآن کی تصریح کے مطابق آپؐ کبھی کے "غنی" (۲) بنائے جاچکے تھے'

(۱) مزید اطمینان کے لئے یہ سہل الحصول کتبِ لغت دیکھ لی جائیں۔ مصباح اللغات۔ قاموس الجدید۔ بیان اللسان۔ (۲) بعض مترجمین نے یہاں "غنی" کا ترجمہ بے پروا کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا' مال وجاہ سے بے پروا تو آپ ﷺ ہوش سنبھالنے کے وقت ہی سے تھے ایسا کوئی دن آپؐ کی زندگی میں قبلِ رسالت بھی نہیں گذرا کہ مال وجاہ کی "پروا" آپ ﷺ کے اندر آئی ہو' واللہ اعلم

اس سے ثابت ہوا کہ "عیلۃ" کا اطلاق فقر اختیاری پر نہیں ہوتا بلکہ اس ناداری پر ہوتا ہے جو مجبوری کے قبیل سے ہو۔

جہاں تک فاقے کا تعلق ہے آقا ﷺ نے اس دور میں زیادہ فاقے کیئے ہیں جب آپؐ "غنی" بنائے جاچکے تھے' اس سے قبل "عائل" ہونے کے زمانے میں آپؐ کا گھر انہ اتنا نادار نہیں تھا کہ دووقت کی روٹی نہ ملتی' حضرت خدیجہؓ کی تجارت میں بطور مضارب (۱) شرکت کے بعد آپ "غنی" ہو چکے تھے اور پھر ہجرت کے بعد تو آپؐ کے پاس لاکھوں آتے رہے' مگر آپؐ نے انہیں ایک رات بھی اپنے گھر میں نہیں رہنے دیا' یہی وہ فقر اختیاری تھا جس پر کائنات کے سارے خزانے قربان' فداہ امی وابی ﷺ۔

غرض جس دور کو اللہ نے حضورؐ کا دور "عیلۃ" کہا ہے وہ بس دورِ غربت ہی تھا نہ کہ دور "فقر و فاقہ" اور جہاں تک فاقے کا تعلق ہے میاں صاحب کا اپنا تراشیدہ لفظ ہے' کسی لغت سے وہ "العیلۃ" کے یہ معنی نہیں دکھا سکتے' اب جب کہ "عیلہ" کا اردو مرادف غربت یا ناداری طے ہو گیا تو ظاہر بات ہے کہ مودودی صاحب کا ترجمہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کافی شافی ہے۔

زیادہ سے زیادہ کچھ کہا جاسکتا تھا تو یہ کہ "قلۃ معاش" کے الفاظ کے ساتھ متن میں "اھل عیلۃ" کے الفاظ بھی موجود ہیں' ان کا ترجمہ کیوں نہ کیا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ "خلافت و ملوکیت" ایک "قانونی" نوع کی کتاب ہے' جذباتی خروش سے خالی' اس میں مصنف نے ایک ایک لفظ جانچ تول کر رکھا ہے ضرورت سے زائد الفاظ کا اس میں کوئی کام نہیں ہے' حضرت عثمانؓ کی تقریر بہت پیارے اور پاکیزہ جذبات سے مملو تھی' اسی لئے انہوں نے اپنے خاندان کی عام معاشی حالت کا اظہار دوہرے لفظوں میں کیا' اس کی مثال عام ہے' مثلاً آپ رقیق القلب آدمی ہیں تو کسی مفلس کی حالت یوں بیان کریں گے کہ بچارا بڑا غریب و

(۱) یعنی پیسہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا۔ کام آپ ﷺ کا۔ نفع میں دونوں شریک۔

نادار ہے' یہ ایک ہی مفہوم کے دو لفظ غریب اور نادار آپ کی جذباتی کیفیت نے کہلائے' مگر جب اسی بات کو جذبات سے ہٹ کر ایک واقعے کے طور پر بیان کیا جائے گا تو صرف اتنا کہنا کافی ہو گا کہ وہ شخص غریب ہے' دوسرا مرادف لفظ لانے کی ضرورت نہ ہو گی' "اھل عیلۃ" اور "قلیل المعاش" معنی مرادف ہیں۔ مودودی لفظی ترجمہ نہیں کر رہا' بلکہ میاں صاحب کے اعتراف کے مطابق بھی مفہوم ہی بیان کر رہا ہے تو اعتراض کہاں سے نکل آیا...... ہاں میاں صاحب کی شامت اعمال کہہ لیجئے کہ یہ اعتراض پیدا کر کے انہوں نے اپنی عربی قابلیت کا مزید ایک نمونہ فراہم کر دیا ہے۔

مقصد کیا ہے؟:

یہ بھی سن لیجئے کہ اس کیڑے ڈالنے کا مدعا کیا تھا' فرمایا جاتا ہے:

> "اب اگر صاحب فقر و فاقہ اور قلیل المعاش حضرت مروان ہیں کیونکہ بخشش کے سلسلہ میں انھیں کا نام لیا جاتا ہے تو تعجب ہوتا ہے کہ یہی راوی حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ "افریقہ" کا خمس حضرت مروان نے پانچ لاکھ میں خرید لیا تھا (ابن خلدونؒ و ابن کثیرؒ) تو یہ "اہل عیلہ" اور "قلیل المعاش" عجیب ہیں جو لاکھوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں اور فقیر و مسکین بھی ہیں"۔ (ص ۱۹۶ و ۱۹۷)

تعجب تو خیر میاں صاحب جیسے حضرات کو ہونا ہی چاہیئے کہ عجب کا علاج سوائے علم و عقل کے کچھ نہیں' مگر ان دونوں اشیاء کو وہ طلاق مغلظہ دے چکے ہیں۔

بہر حال شانِ دانشوری یہ ملاحظہ فرمایئے کہ اگر حضرت عثمانؓ نے اپنے خاندان کو غریب کہہ دیا تھا' تو انہوں نے مطلب یہ نکالا کہ اب اس کا ہر ہر فرد غریب ہونا ضروری و لازم ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے "ہندوستان" کے

ایک غریب ملک ہونے کا مطلب یہ نکالا جائے کہ یہاں کے ٹاٹا' برلا' ڈالمیا سب افسانہ ہیں' یہاں کوئی آدمی ٹھاٹ سے دو وقت روٹی نہیں کھاتا' سب جانتے ہیں کہ اکثر پر کل کا حکم لگایا جاتا ہے' ''امریکا'' دنیا کا امیر ترین ملک ہے مگر وہاں بھی غرباء موجود ہیں۔

خیر اس طرح کی غلطیاں ہم کہاں تک پکڑے جائیں۔

تماشہ تو یہ کیجئے کہ ''خمس'' کو ادھار خریدنے کی روایات میاں صاحب پڑھ چکے ہیں' برابر وہ ''خلافت و ملوکیت'' میں دیکھ رہے ہیں کہ قیمت معاف کیئے جانے کا تذکرہ ہے' مگر پھر بھی یہ منہ زوری ہو رہی ہے' لکھنے کے بعد حضور کو خیال آیا کہ ممکن ہے میری کتاب کو کوئی ایسا قاری بھی مل جائے جو ہوش و خرد سے بالکل فارغ نہ ہو' اور اس کی سمجھ میں آجائے کہ پیچھے تو ادھار خریداری کی بات تھی' پھر یہ کیسا اعتراض' یہ خیال آنے کے بعد میاں صاحب نے اپنے اعتراض کو کاٹا نہیں بلکہ اس پر یہ حاشیہ دیا۔

''کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پانچ لاکھ معاف(۱) فرمادیئے تھے' اگر بفرض محال اس کو صحیح مان لیا جائے تو معافی تو بعد میں ہوئی' سوال یہ ہے کہ ایک فقیر و مسکین کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ پانچ لاکھ کا سودا کرے''۔ ص ۱۹۷

''بفرض محال'' کی داد دیئے بغیر آگے بڑھنا بد مذاقی ہو گی' حسن مذاق کا سرمایہ ڈاکٹر اقبال سے بہتر کہاں ملے گا' فرماتے ہیں ؎

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود

مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

کل تک ہم بھی محال ہی سمجھتے تھے کہ کوئی شیخ الحدیث اور صدر مفتی علم و فہم کا اس قدر ریری ہو جائے گا' مگر آج ہم بصد ندامت سوچ رہے ہیں

(۱) یہ ایک لاکھ اور پانچ لاکھ کا حل انشاء اللہ آگے ملاحظہ کریں گے۔

کس حماقت میں مبتلا تھے ہم

میاں صاحب کو بتائیے کہ یہ تو فقط لاکھوں کا معاملہ تھا' اگر فرض کیجئے دس کروڑ کی مالیت کا ساز و سامان غریب زید کو دو کروڑ میں بایں طور ملنے لگے کہ بھائی بیچ کر پیسے چکا دے تو "ہمت" خریدنے کے لئے اسے ولایت نہ جانا پڑے گا' "خمس" کی خرید و فروخت کا تفصیلی ماجرا ناظرین' شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی "تحفہ اثنا عشریہ" سے معلوم کر چکے ہیں۔

اگر مروان مفروضہ طور پر فقیر و مسکین بھی ہوتا تو یہ فقر و مسکنت اس "مفت کے سودے" میں حائل ہونے والے کہاں تھے۔

ویسے یہ میاں صاحب ہی کا دم ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے سایہ عاطفت میں پلنے والے مروان کو "فقیر و مسکین" کہہ رہے ہیں! زندہ باش!

عالی جاہ کا ایک حوالہ :

ہم صفحہ ۱۳۱ پر "شواہد تقدس" کے صفحہ ۲۶۰ کی عربی عبارت نقل کر کے دکھا چکے ہیں کہ ترجمہ غلط کیا گیا' پھر ایک بار اس پر نگاہ ڈال لیجئے' اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ شیخ الحدیث محترم نے حوالہ میں کیا کیا کمال فرمایا ہے :

اس عربی عبارت سے قبل انہوں نے یہ جملہ لکھا :

"علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں" (ص ۲۶۰)

اس کے بعد عبارت مع ترجمہ دے کر حوالہ دیا :

"مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۳۸"۔

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہوا کہ جو عبارت یا قول انہوں نے نقل کیا ہے وہ علامہ ابن عبدالبرؒ کا ہے اور ابن صلاح نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر اسے ان کے قول کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔

اب ذرا مقدمہ "ابن صلاح" اٹھا کر اس کا صفحہ ۴۵ کھولیے' صفحے کے اس

فرق پر ہمیں اعتراض نہیں، ہو سکتا ہے باریک لکھائی اور بڑے سائز کے کسی ایڈیشن میں یہ عبارت صفحہ ۳۸ پر آگئی ہو، ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ عبارت خود ابن صلاحؒ کی ہے حافظ ابن عبدالبرؒ کی نہیں، انہوں نے النوع الحادی و عشرون کے تحت اسے سپرد قلم فرمایا ہے، عنوان ہے "معرفة الموضوع" آس پاس آگے پیچھے ابن عبدالبرؒ کا کہیں ذکر ہی نہیں، میاں صاحب نے یہ قطعاً غلط لکھ دیا ہے کہ :

"علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں"۔

اب ممکن ہے کہ وہ کسی پرائیویٹ مجلس میں یوں کہیں کہ عامر خبیث تو خوردہ گیر ہے، دراصل ہم نے یہ عبارت ابن عبدالبر کی فلاں کتاب سے لی تھی اور ابن عبدالبرؒ نے چونکہ اسے "مقدمہ ابن صلاح" سے نقل کیا ہے اس لئے حوالے میں سہواً ہم سے "مقدمہ ابن صلاح" کا نام پڑ گیا، اس سے آخر کیا فرق پڑتا ہے؟

تعجب نہیں وہ ابن عبدالبر کی کسی کتاب کا نام بھی لے دیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں تحقیق کا مرض آج کل کم سے کم اہل اسلام میں بہت کم پایا جا رہا ہے، اور ممکن ہے یہ بھی کہہ دیں کہ کاتب یا پریس کی غلطی سے "مقدمہ ابن صلاح" کا نام پڑ گیا ہے۔

لیکن ہم انہیں اس فریب کا بھی موقع نہیں دیں گے، حافظ ابن عبدالبر خیر سے ۴۶۳ھ میں انتقال فرما چکے ہیں اور شیخ الاسلام تقی الدین معروف بہ ابن صلاح ایک سو چودہ سال بعد ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے ہیں، دنیا کے علم میں ابھی تک ایسا کوئی طریقہ نہیں آیا کہ ایک مصنف اپنی تصنیف میں کسی ایسے عالم کا قول نقل کر دے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔

پھر آخر یہ چکر کیا ہے؟ ہمارا قیاسی جواب یہ ہے کہ میاں صاحب نے "مقدمہ ابن صلاحؒ" سرے سے دیکھا ہی نہیں، نہ انہیں یہ علم ہے کہ ابن خلدون کی طرح "ابنِ صلاح" بھی ایک بزرگ کا نام ہے، کسی اردو کتاب میں کسی نے مقدمہ ابن صلاح کے حوالے سے یہ عبارت نقل کی ہوگی اور آس پاس ابن عبدالبر کا بھی ذکر ہوگا۔

میاں صاحب نے اس کا مطالعہ کرتے ہوئے سمجھا کہ ہو نہ ہو "مقدمہ ابن صلاح" ابن عبدالبر کی کسی کتاب کا نام ہے بس دیدیا وہاں سے حوالہ اگر معاملہ یوں نہیں ہے تو پھر وہی بتائیں کہ اس پہیلی کا کیا حل ہے ؟۔

ایک بات ہم اور بتادیں ' ٹھیک یہی عبارت محض برائے نام فرق سے "ظفر الامانی علیٰ مختصر الجرجانی" میں بھی صفحہ ۲۵۴ پر آئی ہے ' وہاں بھی ابن عبدالبرؒ کے ذکر کا سوال پیدا نہیں ہوتا 'البتہ ہمارے اس فیصلے کی تصدیق صاحب "ظفر الامانی" نے ضرور کردی ہے جو ہم زیردست شمارے کے(۱) صفحہ ۳۱ پر کر آئے ہیں کہ لکشف عوارھا ومحوعارھا میں ضمیر "ھا" کا مرجع "موضوعات" ہے 'وہاں وضاحت کی گئی ہے کہ ای تلک الاخبار الموضوعة۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ہر علمی صداقت سے عناد :

کمال فن کی داد کہاں تک دی جائے 'بچارے مودودی نے کہہ دیا تھا کہ :

> "یہ امام زہریؒ کا بیان ہے جن کا زمانہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے قریب ترین تھا 'اور محمد بن سعدؒ کا زمانہ امام زہریؒ کے زمانے سے بہت قریب ہے ' ابن سعدؒ نے صرف دو واسطوں سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے"۔

بس شروع کردی میاں صاحب نے تقریر لاجواب......

"یہ دوسرا مغالطہ ہے یا دھول جھونکنے کی دوسری کوشش ہے ؟" کئی لائنوں میں اسی طرح گرجتے برستے چلے گئے ' "واہ صاحب واہ یہ کوئی تعمیر ہے کہ صرف دو پشتیں گذری ہیں تو بھی مضبوط ہو گی"۔ وغیر ذلک ص ۱۸۹

انہیں کچھ خبر نہیں کہ محدثین کے یہاں کم سے کم واسطوں والی روایات کی

(۱) زیردست کتاب میں صفحہ ۲۷، ۳۷، ۴۷ پر (مرتب)

کیا اہمیت ہے اور امام بخاریؒ کس طرح اپنی ثلاثیات (۱) پر ناز کیا کرتے تھے' ان کی صحیح بخاری میں ۲۲ "ثلاثیات" ہیں' (ان میں سے بیس حنفی شیوخ سے حاصل کردہ ہیں) امام ابو حنیفہؒ کی بہتیری حدیثیں ثنائیات (۲) ہیں جن پر اہل علم بجا طور پر ناز کرتے ہیں' قدر دان سلف تو رباعیات (۳) تک کو اشرفیوں سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔

قرب الاسناد :

واسطوں کی کمی کا باعثِ فخر ہونا اہل علم کے لئے امور ثابتہ میں سے ہے' لیکن واسطہ ہمیں پڑا ہے بڑے بے ڈھب بزرگوار سے' اس لئے زیادہ نہیں تو ایک مثال ہم اور پیش کریں گے۔

"عقودا للآلی فی الاحادیث المسلسلة والعوالی"، شیخ شمس الدین جزریؒ کی ایک تصنیف ہے' یہ بزرگ ماثورہ دعاؤں کی شہرہ آفاق کتاب "حصن حصین"، کے بھی مصنف ہیں۔

"الجمال فی اسماء الرجال اور البدایه فی علوم الروایة والهدایه اور المسند فیما یتعلق بمسند احمد اور توضیح المصابیح وغیرہا بھی ان کی تصانیف ہیں' خلاصہ یہ کہ صاحب علم آدمی ہیں۔

"عقودا للآلی" کے آغاز ہی میں حمد و ثنا کے بعد اپنی کتاب کے تعارف میں لکھتے ہیں :

> فهذه احاديث مسلسلات صحاح وحسان عوال صحيحة عشارية عالية الشان لايوجد فی الدنيا اعلیٰ منها ولا يحسن لمومن الاعراض فيها اذ قرب الاسناد و علوّه قرب منّ اللّٰه تعالیٰ

(۱) وہ حدیثیں جن میں خود محدث اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف تین راوی ہوں۔
(۲) صرف دو واسطوں والی۔ ویسے امام ابو حنیفہؒ بقول اصح تابعینؒ میں سے تھے۔
(۳) چار واسطوں والی۔

ورسوله صلی اللّٰہ علیه وسلم۔
پس یہ ایسی احادیث کا مجموعہ ہے جو "متصل الاسناد" ہیں، صحیح ہیں، حسن ہیں بلحاظ سند درست ہیں، ایسی ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) ان میں بس دس واسطے ہیں، رفیع الشان ہیں، دنیا میں ان سے اعلیٰ روایات نہیں پائی جاتیں، کسی صاحب ایمان کے لئے یہ بات پسندیدہ نہیں کہ ان سے بے تعلقی برتے، اس لئے کہ اسناد کا قریب اور بلند پایہ ہونا اللہ اور رسول ﷺ سے قرب کے مرادف ہے۔

واقعتاً اس کتاب میں حتی الوسع صحیح الاسناد ہی احادیث جمع فرمائی ہیں، مگر یہاں اس سے بحث نہیں، ممکن ہے ان سے کہیں چوک بھی ہوئی ہو، دکھانا صرف یہ ہے کہ دس راویوں کے واسطوں کو وہ خصوصیت کے ساتھ جتا کر اس پر فخر کر رہے ہیں۔

بظاہر دس راویوں کا توسط زیادہ معلوم ہوگا، مگر یوں سمجھئے کہ بخاریؒ، مسلمؒ، مالکؒ اور دیگر مشہور محدثین تو پہلی دو صدیوں کی شخصیتیں ہیں، ان کے تعلق سے تو پانچ چھ کا توسط بھی بہت ہے لیکن شیخ جزریؒ کم و بیش آٹھویں صدی ہجری کے خاتمے پر کتاب لکھ رہے ہیں، آٹھ صدیوں میں صرف دس واسطوں سے بہ اتصال سند حدیث بیان کرنا یقیناً ایسا ہی ہے جیسے امام بخاریؒ کا تین چار واسطوں (۱) سے بیان کرنا، یہی وجہ ہے کہ اپنی پیش کردہ احادیث کی تحسین میں وہ جہاں دوسرے الفاظ کہتے ہیں وہیں "عشاریہ،، بھی کہتے ہیں، یعنی صرف دس واسطوں

(۱) ہمیں بخاری وغیرہ پڑھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا چاہئے کہ مثلاً بخاری کی ثلاثیات ہمارے لئے اس لئے رباعیات بن گئیں کہ فقط امام بخاریؒ کا واسطہ بڑھا، چھپی ہوئی کتاب پڑھ لینا شیء دیگر ہے، دیکھنا یہ ہوگا کہ ہم نے جس استاد سے بخاری پڑھی ہے اس میں اور امام بخاری میں کتنے شیوخ واساتذہ کا توسط ہے، ظاہر ہے کہ سینکڑوں ہی ہوں گے۔

والی' اور مزید زور ڈالنے کے لئے "قرب الاسناد،، کے الفاظ بھی حوالہ قلم کرتے ہیں' سند کا عالی اور نفیس ہونا الگ خوبی ہے' قرب اسناد اور قلت توسط اس کے علاوہ ایک حسن خاص ہے' جس پر فخر و ناز بجا' اور کیوں نہ ہو' قرب وبعد تو اضافی چیزیں ہیں' اگر آج ہم تقریباً چودہ سو سالوں بعد بیس واسطوں ہی سے کوئی حدیث پا سکیں تو یہ بات اس لئے قابل فخر ہو گی کہ اپنے محبوب آقا اور خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس نوع کی بھی قربت غلام کو حاصل ہو جائے نعمت ہی نعمت ہے۔ مگر ہائے اب یہ زمانہ آگیا کہ ایک شیخ الحدیث آنکھیں نکال کر کہہ رہے ہیں کہ کیا بکواس ہے' واسطوں کی کمی بیشی سے کیا ہوتا ہے!

حالانکہ علم حدیث سے بے خبر ایک عام آدمی بھی بشر طیکہ ذہین ہو' یہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی روایت میں جتنے واسطے بڑھتے جائیں گے تحریف و تغیر کا امکان فزوں ہوتا جائے گا' زید کی بات بکر اس سے سن کر کہیں بیان کرتا ہے تو بہت کم اندیشہ ہے کہ نقل میں غلطی ہو' لیکن یہی بات بکر سے سن کر طلحہ کہیں بیان کرے گا تو الفاظ وغیرہ کے بدل جانے کا امکان نسبتاً زیادہ ہو جائے گا' اسی طرح جتنے واسطے بڑھیں گے امکان تغیر بڑھے گا' ہر راوی کا اپنی جگہ سچا ہونا اور قصداً تبدیلی نہ کرنا بھی اس امکان کا راستہ نہیں روک سکتا' اسی لئے محدثین عظام کم سے کم واسطوں والی حدیثوں پر جان چھڑکتے تھے۔

کھلی بات ہے کہ یہ گفتگو ثقہ راویوں ہی سے متعلق ہے' غیر ثقہ راوی تو ایک بھی روایت کو لے ڈوبے گا' ثقہ راویوں سے مروی احادیث میں کم سے کم واسطوں والی حدیثیں بالاتفاق محدثین کے یہاں محبوب و ممتاز رہی ہیں۔

کیسی روایت کس سے لی جائے :

مودودی نے لکھا تھا :

"واقدی" کے متعلق یہ بات اہل علم کو معلوم ہے کہ صرف

احکام و سنن کے معاملہ میں ان کی احادیث کو رد کیا گیا ہے'
باقی رہی تاریخ اور خصوصاً مغازی اور سیر کا باب تو اس میں آخر
کون ہے جس نے واقدی کی روایات نہیں لیں،،۔

(خلافت وملوکیت ص: ۱۰۷)

یہ ایک ایسی بات تھی جو واقفین علم حدیث کے یہاں ابتدائی معلومات کی فہرست میں ہے' ہم تو کہیں گے کہ مولانا مودودی نے واقدی کی قدح میں قدرے مبالغہ ہی کر دیا ورنہ نقطہ اعتدال کچھ اور ہے جسے ہم آگے "واقدی،، کے مستقل عنوان سے واضح کریں گے۔

یہاں تو بس بتانا یہ ہے کہ میاں صاحب مودودی کی اس عبارت کو نقل کر کے بہت بگڑے ہیں' ان کا اعتراض یہ ہے اور اسے انہوں نے طنز کے پیرائے میں بیان فرمایا ہے کہ لیجئے صاحب مسجد سے کون سا پیر پہلے نکالیں اور غسل میں وضو پہلے کریں یا بعد میں' ایسے مسائل میں تو واقدیؒ کی عبارت معتبر نہ ہو' لیکن حضرت عثمانؓ جیسے زبردست صحابیؓ کی ثقاہت و دیانت اور عزت و عظمت پر حملہ کرنے والی روایات ان کی معتبر مان لیں۔(ص: ۱۹۲)

یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے' میاں صاحب نے کسی مغفل آدمی کی طرح ایک مفروضہ بنا لیا ہے کہ اقرباء نوازی کی روایات سچ مان لی گئیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ حضرت عثمانؓ بد دیانت تھے' اس مفروضے کی لغویت ہم واضح کر چکے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ جو روایات اہل علم نے قواعد فن کے تحت درست مان لی ہیں' وہ درست ہی ہیں خواہ ان سے کسی صحابیؓ کی طرف گناہ کا انتساب ہوتا ہو' آخر قرآن کی ان آیات کو کہاں لے جائیں گے جن میں انبیاء علیہم السلام کے "ذنوب" بیان ہوئے ہیں اور پیچھے آپ نے "بخاری" و "مسلم" کی وہ روایت پڑھی جس میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف "تین کذبات" کی نسبت ہے مزید تفصیل انشاء اللہ صحابیت کی بحث میں آئے گی۔

خیر میاں صاحب کا فساد خیال تو اپنی جگہ' ثبوت ہم اس کا پیش کرتے ہیں کہ مودودی نے یہاں جو کچھ کہا وہ ایک مسلمہ ہے جسے میاں صاحب جیسے ہزار نام نہاد شیوخ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے' میاں صاحب نے اور کتابیں نہیں پڑھیں مگر ''تقریب التقریب'' تو بہر حال دیکھی ہی ہے' اسی کو پہلے اٹھائیے۔

ابن حجرؒ سیف بن عمر کے ترجمے میں لکھتے ہیں :

ضعیف فی الحدیث عمدة فی التاریخ

وہ حدیث کے باب میں ضعیف ہے' مگر تاریخ کے باب میں عمدہ ہے۔

کیا یہ بیان کرنا تاریخ کے علاوہ بھی کچھ ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ نے کیا کیا اور عثمانؓ و علیؓ نے کون سی روش اختیار کی؟ صاف نظر آ رہا ہے کہ امام فن ابن حجرؒ کے نزدیک بھی احکام و سنن اور تاریخ و سیر کے دو الگ الگ معیار ہیں' جو شخص حدیث یعنی احکام و سنن والی روایات میں ضعیف ہے وہی تاریخ میں عمدہ قرار دیا جا رہا ہے۔

اب آیئے ایک ایسی کتاب کی طرف جسے میاں صاحب نے شاید دیکھا بھی نہ ہو' چلئے اب وہ دیکھ لیں اور اس نقطہ نظر سے دیکھ لیں کہ عامر شیطان نے اقتباسات میں کچھ خیانت تو نہیں کی ہے۔

یہ کتاب ہے مشہور محدث اور جرح و تعدیل کے امام خطیب بغدادی کی ''الکفایہ فی علم الروایہ''۔ مصنفؒ باب التشدد فی احادیث الاحکام کا عنوان دے کر پہلے لکھتے ہیں :

> ''اسلاف میں متعدد حضرات کا موقف یہ رہا ہے کہ جو احادیث حلال و حرام سے متعلق ہوں' وہ تو کسی ایسے راوی سے نہ لی جائیں جو متہم ہو (یعنی ثقہ نہ ہو) لیکن جو روایات ترغیب اور مواعظ اور دیگر اقسام کی ہیں (جن میں تاریخ و سیر بھی داخل ہیں) تمام طرح کے اساتذہ سے لے لینی چاہئیں''۔

اس کے بعد حضرت سفیان ثوریؒ کا مقولہ اسی بات کی تائید میں نقل کرتے ہیں۔ پھر ابن عیینہؒ کی تائید لاتے ہیں، پھر امام احمد بن حنبلؒ جیسے محتاط فی الروایہ بزرگ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں :

اذا روینا عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الحلال والحرام والسنن والاحکام تشددنا فی الاسانید واذا روینا عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی فضائل الاعمال وما لا یضع حکما ولا یرفعہ تساھلنا فی الاسانید۔

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور سنن واحکام سے متعلق کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو سند میں بہت مضبوطی (۱) کو ملحوظ رکھتے ہیں، لیکن جب فضائل اعمال میں اور ایسی چیزوں میں جن سے نہ تو کوئی حکم عائد ہوتا ہو، نہ کسی حکم کی نفی ہوتی ہو حدیث روایت کرتے ہیں تو سند کے معاملہ میں تساہل برتتے ہیں (ڈھیل ڈالتے ہیں)۔

پھر ابو زکریا عنبریؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں :

الخبر اذا ورد لم یحرم حلالاً ولم یحل حراماً ولم یوجب حکماً وکان فی ترغیبٍ او ترھیبٍ او تشدیدٍ او ترخیص وجب الاغماض عنہ والتساھل فی رواتہ۔

روایت اگر ایسی ہے کہ نہ تو کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتی ہے، اور نہ کوئی حکم شرعی عائد کرتی ہے (بلکہ) رغبت دلانے یا ڈرانے یا شدت ورخصت کے مضمون پر مشتمل ہے

(۱) ہم نے تشددنا کے بجائے شددنا کا ترجمہ کیا ہے کیوں کہ نسخہ استنبولیہ میں شددنا ہی ہے جو ہماری ناقص رائے میں زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

تواس سے چشم پوشی واجب ہے' اور اسکے راویوں کے سلسلہ
میں ڈھیل دینی چاہئے' (کتاب الکفایہ صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴۔
مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن)

یہ تو اصولی وضاحت ہوئی 'اب ایک تمثیلی ثبوت بھی ملاحظہ ہو :

"ہدایہ" کی اہمیت آپ معلوم کر چکے(۱) اس کے مسائل کن احادیث پر مبنی ہیں' یہ دکھانے کے لئے امام زیلعی حنفیؒ نے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے "نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ"، خود امام زیلعیؒ کا کیا پایہ اہل علم میں ہے ذرا پہلے اسے بھی سن لیجئے۔

مولانا لکھنوی مغفور "الفوائد البہیہ"، میں لکھتے ہیں :

کان من علماء الاعلام وبرع فی الفقه والحدیث
مات ۷٦۲ھ له تخریج احادیث الهدایه وغیره

زیلعیؒ بہت اونچے علماء میں سے ایک تھے' اور حدیث و فقہ
دونوں میں انہیں امتیازی شان حاصل تھی' ۷٦۲ھ میں
انتقال کیا' انہوں نے "ہدایہ" وغیرہ کے مسائل سے متعلق
احادیث کی تخریج کی ہے۔

مولاناؒ مزید فرماتے ہیں :

وتخریجه شاهد علی تبحره فی فن الحدیث و
اسماء الرجال ووسعة نظره فی فروع الحدیث
الی الکمال وله فی مباحث الحدیث انصاف
لایمیل الی الاعتساف۔

اور ان کی تخریج(۲) فن حدیث اور "فن اسماء الرجال" میں ان

(۱) اہل علم معاف فرمائیں ان سے خطاب نہیں ہے۔ اپنے عام قارئین سے ہے۔
(۲) ہدایہ کے مسائل کے لیے وہ احادیث تلاش کر کے لائے ہیں' یہی مطلب ہے تخریج کا۔

کے تبحر کی شاہد اور علم حدیث کی تمام شاخوں میں تاحد کمال
ان کی وسعت نظری کی گواہ ہے' اور حدیث کے مباحث میں
ان کے اندر انصاف پایا جاتا ہے' وہ تعصب اور خود رائی کی
طرف مائل نہیں ہیں۔ (الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیۃ مع
التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البھیۃ ص: ۹۵ مطبع مصطفائی ۱۲۹۳ھ)

تو یہ ہیں امام زیلعیؒ حنفی طاب اللہ سراہ' کھلی بات ہے کہ "ہدایہ" کی تخریج میں وہ گری پڑی روایات نہیں لا سکتے' یہ تو احکام و مسائل کا معاملہ ہے' ویسے بھی ان کے پیش نظر اس پروپیگنڈے کی تکذیب ہے کہ "فقہ حنفی زیادہ تر قیاسات کا مجموعہ ہے،، کمزور روایات سے استدلال کر کے وہ معترضین کو گرفت کا موقعہ کیسے دیتے؟۔

اس تفصیل کے بعد ان کی "نصب الرایہ،، کی تیسری جلد کھول کر "کتاب السیر،، نکالئے' اس میں فقط چند صفحات کے اندر آپ کو بلا تکلف واقدیؒ کی روایات سے استدلال ملے گا۔

مثلاً صفحہ ۴۰۳ پر روی الواقدی فی کتاب المغازی۔
ص: ۴۱۹ پر روی الواقدی فی المغازی۔
ص: ۴۱۷ پر رواہ الواقدی فی المغازی۔
ص: ۴۳۰ پر رواہ الواقدی فی کتاب المغازی وغیرہا

حتیٰ کہ ص: ۳۹۵ پر انہوں نے "بخاری" و "مسلم" کی روایت کی شہادت میں "واقدی" کی روایت پیش کی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ زیلعیؒ کا مقصد تاریخ بیان کرنا نہیں بلکہ "ہدایہ" میں بیان کئے گئے مسائل شرعیہ پر احادیث کا برہان پیش کرنا ہے' وہ "فقہ،، کے زیر عنوان کلام کر رہے ہیں' انہیں احکام فقہیہ کی مضبوطی دکھلانی ہے' اس کے باوجود وہ بغیر کسی تامل کے واقدیؒ کی روایات پیش کئے چلے جاتے ہیں' تو اس سے صاف

ظاہر ہے کہ "مغازی و سیر" کے دائرے میں فقہائے اعلام کے نزدیک واقدی حجت ہیں' حتیٰ کہ ان کی روایات سے ان احکام شرعیہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے جن کا تعلق جہاد' غنیمت' فئے' خراج' جزیہ اور غدر و صلح وغیرہ سے ہے۔

(یہاں یہ لطیفہ بھی سن لیجئے کہ ابن سعدؒ کی جس سند میں میاں صاحب نے اس لئے کیڑے ڈالے ہیں کہ وہ واقدیؒ کے واسطے سے بیان ہوئی ہے' ٹھیک وہی سند یہیں "نصب الرایہ" جلد ۳ میں صفحہ ۴۰۶ پر موجود ہے' اس کی مفصل تفہیم انشاءاللہ آگے "فن حدیث،، کے زیر عنوان آرہی ہے)

اب ہمیں کوئی بتائے کہ مودودی نے کون سی نرالی بات کہہ دی تھی' جو میاں صاحب آپے سے باہر ہوگئے' یہ مثال تو ہم نے تفصیلاً اس لئے پیش کی کہ فقہاء کا موقف سامنے آجائے جو کمزور روایات سے دور بھاگتے ہیں۔

رہیں اجمالی مثالیں تو کیا حافظ ابن حجرؒ کیا ابن اثیرؒ کیا طبریؒ ' کیا بلاذریؒ کیا ابن کثیرؒ سب تاریخ و مغازی وغیرہ میں واقدیؒ کی روایات استعمال کرتے ہیں' اور کریں کیوں نہ' تاریخ کے لئے بھی اگر وہی کسوٹی استعمال کی گئی جو احکام و سنن اور عقائد و ایمانیات کی روایات کے لئے موزوں ہے تو سلسلہ تاریخ کی صرف تھوڑی سی ٹوٹی پھوٹی بے ربط کڑیاں ہاتھ میں رہ جائیں گی اور جو "سلسلۃ الذہب" امت کے حال و مستقبل کو ماضی سے مربوط کرتا ہے اس کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

فاعتبروا!:

"طبریؒ" کی ایک روایت مودودی نے بطور "متابع" بیان کی تھی جو یہ ہے۔

> "افریقہ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے وہاں کے بطریق سے تین سو قنطار سونے پر مصالحت کی تھی۔ فامر بہ لآل الحکم۔ پھر حضرت عثمانؓ نے یہ رقم الحکم' یعنی مروان بن حکم کے باپ کے خاندان کو عطا کردینے کا حکم دیا۔"

اس پر فرماتے ہیں کہ :

"اس بیان کو نقل کرنے میں مودودی صاحب نے کمال یہ کیا ہے کہ اس بیان کا آخری لفظ جس سے روایت کا بوگس اور متضاد ہونا ثابت ہو وہ نقل ہی نہیں کیا' قلت اولمروان قال لاادری۔" (ص ۱۹۴)

یعنی مولانا مودودی بھی میاں صاحب ہی کی طرح غیر ضروری چیزیں نقل کرتے جاتے تو یہ خوبی کی بات ہوتی' اس متروکہ ٹکڑے کا مطلب یہ ہے' اور خود میاں صاحب نے بیان فرمادیا ہے کہ جب روایت بیان کرنے والے سے دریافت کیا گیا کہ "آلِ حکم" سے کون مراد ہے' کیا خاص مروان کو یہ رقم دی گئی تھی ؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ میرے علم میں نہیں۔

بتایئے اس میں تضاد کیا ہوا' ایک شخص کو بس اتنا معلوم ہے کہ فلاں رقم فلاں خاندان کو دی گئی' یہ نہیں معلوم کہ براہ راست مروان کو دی گئی یا کسی اور کو؟ تو وہ لاعلمی کے سوا کس چیز کا اظہار کرے گا' اس اظہار سے یہ کیسے نکلا کہ رقم دینے ہی کی خبر غلط ہے' اس متروکہ ٹکڑے کا تو نفس مدعاء سے کوئی تعلق ہی نہیں' مدعا صرف رقم دینے کا اثبات ہے' پھر بھلا مودودی صاحب بے ضرورت ٹکڑے کو نقل کر کے کیوں جگہ برباد کرتے' ان کی زیرِ بحث کتاب تو ایک ایسی قانونی کتاب ہے جس میں کوئی فقرہ کسی بھی جگہ زائد نہیں' نہ وہ میاں صاحب کی طرح جگہ جگہ جذبات کی شاعری فرماتے ہیں' نہ غیر متعلق تفصیلات میں وقت برباد کرتے ہیں۔

اور عقل دشمن شیخ الحدیث نے اس روایت کو بھی ان روایات کے "تضادات" میں شامل کر لیا ہے جن کا الگ مستقل روایت ہونا کسی تصریح کا محتاج نہیں۔

مزید در مزید ایک اختلاف یہ بھی بیان کیا کہ یہ تو پانچ لاکھ کے بجائے تین سو قنطار رہ گئے' بڑے طنطنے سے فرمایا

"تین سو قنطار کتنا بھی ہوتا ہو' پانچ لاکھ نہیں ہوتا" صفحہ ۱۹۵ سطر ۳
بھلا یہاں ان پانچ لاکھ کا سوال کہاں پیدا ہو گیا جو خمس ادھار خرید نے والی روایت سے متعلق تھے۔

مگر ٹھہریئے ہم ہر رخ سے میاں صاحب کا نقاب الٹیں گے' تحقیق نہ کرنے کی تو ان صاحب نے قسم کھا رکھی ہے' معمولی فہم کا آدمی بھی خیال کر سکتا تھا کہ قنطار عربی لفظ ہے' لاؤ لغت دیکھ لو پھر "مصباح اللغات" تو "دلی" ہی میں چھپی ہے' اسے اٹھا کر دیکھتے تو صفحہ ۱۰۷ پر قنطار کا وزن مل جاتا' سو رطل۔ رطل بھی نہیں جانتے تھے تو "را" کی تختی کھول لیتے' معلوم ہو جاتا کہ ایک رطل چالیس تولے کا ہوتا ہے۔ (ص ۲۹۸)

اب اگر علم حدیث کی طرح حساب میں بھی بے بس تھے' تو محلے کے کسی دکاندار ہی سے کہہ دیتے کہ بھائی چالیس کو سو سے اور پھر حاصل ضرب کو تین سو سے ضرب دے کر بتاؤ کیا بنا؟ وہ منٹ بھر میں بتا دیتا کہ بارہ لاکھ تولے یعنی اسی کے تول سے پندرہ ہزار سیر یا تین سو پچھتر من۔

بھلا کیا چیز؟...... سونا...... ذہب' اصل اور ترجمے دونوں میں موجود' آج کل تو دو سو روپے تولہ سے اوپر ہے میاں صاحب بتائیں اُس زمانے میں کیا بھاؤ لگائیں گے' ہم سمجھتے ہیں کہ دو روپے تولہ میں تو اعتراض نہ ہو گا' تو چوبیس لاکھ روپے بنے' پھر دینار تو شاید سبھی جانتے ہیں کہ سونے کا سکہ تھا' میاں صاحب نہ مانیں تو انہیں "بیان اللسان" (عربی سے اردو ڈکشنری جو ہر جگہ دستیاب ہے) کھول کر صفحہ ۲۵۹ دکھایئے وہاں ملے گا "ایک طلائی سکہ" 'طلائی کا مطلب بھی وہ نہ سمجھتے ہوں تو انہیں کسی پرائمری اسکول میں داخلہ دلوایئے اور ہاتھوں ہاتھ بتا دیجئے کہ بھائی "طلائی سکہ" سونے کے سکے کو کہتے ہیں' اگر اسے ساڑھے چار روپے کا بھی لگا لیا جائے تو چوبیس لاکھ روپوں کے کم و بیش پانچ لاکھ دینار بن جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ پانچ لاکھ دینار والے راویوں نے آنہ پائی سے تو بتایا نہ ہو گا کہ دس بیس کم یا زیادہ!

آپ کہیں گے سنجیدہ تنقید کی جگہ ہم نے تفنن شروع کر دیا...... آپ ہی بتایئے ہنسیں نہیں تو کیا روئیں..... رو بھی لیتے مگر کہاں تک' آپ دیکھ رہے ہیں کہ تحقیق کا مادہ میاں صاحب میں مطلق ہے ہی نہیں' ایک غریب آدمی کو اچانک ایک لاکھ کی لاٹری مل گئی تھی' بیچارہ ہوش کھو بیٹھا' غالباً میاں صاحب بھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ حضرت عثمانؓ کسی کو پانچ لاکھ دینار جیسی خطیر رقم بخش دیں حالانکہ یہ وہ دور تھا جب مفتوحہ ممالک سے حاصل شدہ "اموال غنیمت" اور "اموال فے" نے سلطنت میں نہ جانے کتنے لکھ پتی پیدا کر دیئے تھے۔

ممدوح کی درایت عظیمہ نے جتنے نوادرات پیدا کیئے تھے ان کا تعارف ہم کرا چکے' مگر ان کی "روایتی" تنقید کا جائزہ لینے سے قبل درایت ہی کا ایک اور نمونہ پیش خدمت کر دیں۔

آپ نے "طبری" کی ایک روایت پکڑ رکھی ہے اور بار بار اسے دوہرا کر دوسری ہر روایت کو بلا تکلف جھوٹی قرار دیتے چلے جا رہے ہیں۔ روایت یہ ہے:

"جہاں تک ان کو دینے کا تعلق ہے تو میں جو کچھ ان کو دیتا ہوں اپنے مال سے دیتا ہوں اور مسلمانوں کے مال نہ میں اپنے لئے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لئے' "طبری"

(شواہد تقدس ص ۸۵ وغیرہ)

آپ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کا یہ بیان ہر اس روایت کو جھٹلانے کے لئے کافی ہے جس میں "بیت المال" سے کسی عزیز کو کچھ نہ دیئے جانے کی اطلاع ہو' حالانکہ ہم شروع میں دکھا آئے ہیں کہ میاں صاحب نے مودودی کو "قوت بینائی سلب" ہونے کا مژدہ سناتے ہوئے تسلیم فرمایا تھا کہ:

"عبداللہ بن سعد کو جو انعام حضرت عثمانؓ نے عطا فرمایا تھا وہ بعد میں واپس ہو گیا۔" (شواہد تقدس ص ۱۷۳)

اب اگر حضرت عثمانؓ کے مذکورہ بیان کا یہی مطلب ہے کہ وہ بس اپنے اس

مال سے اقرباء کو دیتے تھے جو "بیت المال" سے الگ ان کی نجی ملکیت تھا' تو یہ عبداللہ بن سعدؓ کے انعام کی واپسی کا کیا قصہ؟ کوئی کیسے حضرت عثمانؓ سے یہ کہہ سکتا تھا کہ آپ نے جو اپنی جیب سے عبداللہ کو انعام دیا ہے واپس لیجئے' اور کیسے وہ اس قسم کے واہی اور خلاف عقل مطالبے کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے اور پھر یہ کیوں کہا جاتا کہ "وہ مال واپس ہو گیا" اس کے بجائے یوں کہا جاتا کہ "اپنا مال انہوں نے واپس لے لیا" لوگوں کے اعتراض پر واپس کر دینے کا واحد مطلب یہ ہے کہ انعام "بیت المال" سے دیا گیا تھا۔

اب اگر میاں صاحب اپنی اسی ضد پر قائم ہیں کہ "بیت المال" سے دینے کا لازمی مفہوم "خیانت" ہے (حالانکہ یہ خود میاں صاحب کا مفروضہ ہے) تو انہوں نے کم سے کم ایک بار کی "خیانت" خود تسلیم فرمالی اور اگر "خیانت" نہیں مانتے تو ثابت ہوتا ہے کہ اپنے مال سے حضرت عثمانؓ کی مراد یقیناً وہ مال بھی ہے جو ابھی "بیت المال" سے الگ کر کے انہوں نے اپنی ملک نہیں بنایا ہے' مگر وہ اپنی خدمات کے عوض اسے اپنا سمجھ رہے ہیں۔

دوسری طرح سمجھئے' ایک ہی قائل کے جو دو قول ہوں ایک مجمل اور ایک مفصل' تو مسلمہ اصول ہے کہ قول مجمل کا کوئی ایسا مطلب نہیں لیا جا سکتا جو قول مفصل کے خلاف ہو' مثلاً قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ (الزمر آیت ۵۳)۔

اور دوسری جگہ آیا ہے کہ وہ (اللہ) ہر گناہ کو معاف کر سکتا ہے مگر کفر و شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ (النساء آیت ۴۸)

اب ظاہر ہے کہ پہلا قول نسبتاً مجمل ہے لہٰذا اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں لے سکتے کہ شرک و کفر کی بھی معافی ہو گی' بلکہ یہ لیں گے کہ یہاں باوجود استثناء نہ لیئے جانے کے کفر و شرک مستثنیٰ ہی ہیں۔

بس اسی طرح یہاں حضرت عثمانؓ کی دو تقریریں ہیں ایک وہ جو نسبتاً مجمل

ہے اور اس کا ایک فقرہ میاں صاحب لیے ہوئے ہیں' اور دوسری وہ جو بہت مفصل ہے اور اسے ہم نے "خلافت و ملوکیت" سے مع تین حوالوں کے نقل کر دیا ہے' مجمل کا مطلب اگر وہی لیا جائے جو میاں صاحب رٹ رہے ہیں تو وہ مفصل کے خلاف ہے 'لہٰذا لازمی طور پر "اپنے مال" کا دائرہ حضرت عثمانؓ ہی کی تصریح کے مطابق اس مال تک محیط ماننا ہو گا جو "بیت المال" سے حضرت عثمانؓ کی طرف منتقل نہیں ہوا ہے' بلکہ اسے حضرت عثمانؓ اپنی خدمات کا جائز صلہ تصور کرتے ہوئے "اپنا مال" سمجھ رہے ہیں۔

مزید یہ کہ بیت المال کا مال جب "مسلمانوں کا مال" ہے تو کیا حضرت عثمانؓ مسلمان نہیں ہیں' اگر مسلمان ہیں تو ہر دوسرے مسلمان کی طرح وہ بھی اس میں حصے دار ہیں' خلیفۂ وقت کی حیثیت سے اس میں ان کا حق دوسرے کی بہ نسبت زیادہ ہی ہے۔ زیادہ نہ مانو تو برابر تو مانو گے۔

اب فرض کیجئے ایک مشترکہ کاروباری فرم ہے' اس میں آپ بھی حصہ دار ہیں اور اس کا پورا انتظام بھی آپ ہی کے سپرد ہے' اب آپ کسی کو ہزار پانچ سو روپے عطا فرما دیتے ہیں تو ایک معترض کے جواب میں آپ یہی کہیں گے کہ میں نے تو اپنے حصہ میں سے دیا ہے' وہ میرا ہی مال تھا' کسی اور کے حصے میں سے ہرگز نہیں دیا ہے۔

بتایئے پھر کیا فرق ہوا مودودی کی نقل کردہ تقریر اور میاں صاحب کی رٹی ہوئی تقریر میں...... ؟

اور غایت مافی الباب ہم میاں صاحب کی دلداری کے لئے پل بھر کو مانے ہی لیتے ہیں کہ ان کی پسند فرمودہ روایت ایسے ہی معنی رکھتی ہے کہ تمام دوسری متذکرہ روایتیں اس سے متصادم ہیں اور مطابقت کی کوئی صورت نہیں' تو ایک سوال پھر بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ میاں صاحب کی روایت کیا آیت قرآنی ہے یا بخاریؒ و مسلمؒ کی کوئی حدیث یا خود حضرت عثمانؓ ان کے گھر آ کر کہہ گئے تھے کہ

میرا یہ فقرہ رٹ لو' اور دوسرا کوئی بھی فقرہ میری طرف کوئی منسوب کرے تو اسے دیوار پر ماردو۔

اے سقراط زماں شیخ الحدیث! یہ فقرہ بھی تو اسی "طبری" کا ہے جس کی متعدد روایات کو آپ بے دھڑک جھوٹی قرار دیئے چلے جارہے ہیں' حالانکہ ان کی تصدیق دوسرے ثقہ مؤرخین بھی کررہے ہیں' کیا جناب نے اپنی والی روایت کو فنی طور پر "روایت صحیحہ" ثابت کر کے باقی روایات کا فنی ضعف اپنی کتاب میں عیاں کر دیا ہے' اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ معقولیت کی کون سی قسم ہے کہ اس روایت کو آپ وحی مانیں' اور باقی کو کذب و دروغ' کس ادا سے کہا ہے آپ نے کہ :

> "خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ' کا بیان تسلیم کرتے ہوئے گویا ان کی (مودودی کی۔ تجلی) روح قبض ہوتی ہے' ہم نہیں جانتے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ارشاد کو تسلیم نہ کیا جائے جو آپ نے اہل مدینہ کے مجمع عام میں فرمایا تھا کہ میں نے جو کچھ دیا اپنے پاس سے دیا' میں مسلمانوں کے مال کو نہ اپنے لئے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی شخص کے لئے"۔ ص ۱۹۸

ماشاء اللہ "من مالی" کا ترجمہ کئی جگہ "اپنے مال سے" کرتے کرتے یہاں "اپنے پاس سے" بھی کر دیا گیا تاکہ بالکل "جیب" ہی کی طرف ذہن جائے۔

ملاحظہ کر لیجئے' مودودی نے تو حضرت عثمانؓ ہی کے اس مشرح بیان پر اعتماد کیا تھا جو اجل صحابہؓ کی موجودگی میں سامنے آیا تھا' اس پر اعتماد کرنے سے اس بیان کی تکذیب نہیں ہوتی جسے میاں صاحب دوہرا تہرا رہے ہیں' بلکہ اسی طرح تائید و توثیق ہوتی ہے جس طرح متذکرہ بالا آیات میں آیتِ ثانیہ کو ماننے سے آیت اولیٰ کی تکذیب نہیں بلکہ تشریح و تصویب ہوتی ہے۔

خود اقرار مگر پھر بھی انکار :

وہ کہاوت ہے نا۔ لونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی' میاں صاحب نے حضرت عثمانؓ کی وہ تقریر جس کے دو فقرے لے کر وہ چنیں چناں کیئے جارہے ہیں خود مفصلاً صفحہ ۹۳ سے ۹۷ تک نقل کی ہے' اس میں حضرت عثمانؓ کا یہ اعتراف ہے :

> "ایک اعتراض یہ ہے کہ میں نے ابن ابی سرح کو پورا مال غنیمت دے دیا ہے' یہ غلط ہے' میں نے خمس کا خمس یعنی مال غنیمت میں بیت المال کا پانچواں حصہ ہوتا ہے میں نے اسے پانچویں کا پانچواں بطور انعام دیا تھا' وہ ایک لاکھ ہوتا تھا۔ (شواہد تقدس ص ۹۵)

بس یہی تو وہ بات ہے جسے ثابت کرتے کرتے ہمارے قلم کی نوک گھسی جارہی ہے' حضرت عثمانؓ نے "مالِ فے" میں سے اپنے اعزاء کو ایسا مال دیا کہ لوگوں کے نزدیک وہ قابل اعتراض تھا' کیا لوگوں کے اعتراض ہی کے طور پر میاں صاحب اس سے اگلی سطور میں حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد نقل نہیں کررہے ہیں کہ لوگوں کے اعتراض اور ناگواری کی وجہ سے میں نے یہ انعام واپس لے کر اہل لشکر میں تقسیم کردیا۔

میاں صاحب کی اس قابلیت کا ذکر تو کیا کریں کہ وہ "غنیمت" اور "فے" کا فرق بھی نہیں جانتے' انہوں نے اپنی قابلیت کے مطابق "فے" کو غنیمت بنادیا۔ طبریؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں :

> انما نفلته خمس ما افاء الله عليه من الخمس فكان مأة الف۔
>
> میں نے (حضرت عثمانؓ کہہ رہے ہیں) ابن ابی سرح کو اس

مال سے جو اللہ نے بطور "فے" اسے عطا کیا تھا خمس کا خمس
بطور انعام دے دیا جو ایک لاکھ تھا۔

مگر میاں صاحب ترجمہ کر رہے ہیں "یعنی مالِ غنیمت"۔ حالانکہ "غنیمت" اور "فے" کا فرق ہر صاحب علم کو معلوم ہے اور ہم اسے مفصل بیان کر آئے ہیں 'لوٹ کر دیکھئے' یہی تو اعتراض محب الطبریؒ نے نقل کیا تھا کہ :

جعل كل الصلاة من مال الفئى
حضرت عثمانؓ نے مالِ فے میں سے ہر طرح کے انعامات
دے ڈالے۔

بہر حال میاں صاحب ہی کی نقل فرمودہ روایت سے اصل زیر بحث دعویٰ مسلم ہو گیا' رہا یہ کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی "مالِ فے" سے اس طرح دادو دہش کرتے رہے ہوں تو اس کا ثابت کرنا میاں صاحب کے ذمے ہے' ہم تو یہی جانتے ہیں اور خود یہ روایت بتا رہی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اگر یہ استدلال کیا تھا تو اسے درست نہیں تسلیم کیا گیا جیسا کہ انعام کی واپسی سے ظاہر ہے۔

مودودی صاحب کی نقل کردہ تقریر میں بڑے بڑے صحابہؓ کی موجودگی اور اعتراض کا تذکرہ ہے' اگر حضرت عثمانؓ کا یہ طریقہ ابو بکرؓ و عمرؓ کے طریقے سے مطابقت رکھتا تو کیا ممکن تھا کہ چوٹی کے صحابہؓ اس پر اعتراض کرتے اور پھر حضرت عثمانؓ ان کے آگے لاجواب ہو جاتے۔؟

اسی طرح میاں صاحب کی نقل فرمودہ تقریر میں حضرت عثمانؓ نے مخاطبین کو یہ یاد دہانی بھی کرائی ہے کہ :

"اور میں خاص اپنے مال سے بڑے بڑے عطیے آں حضرت ﷺ کے دور مبارک میں بھی دیتا رہا ہوں اور حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی"۔ ص ۹۶

''طبری'' میں ''من صلب مالی'' کے الفاظ ہیں جن کا ترجمہ میاں صاحب نے ''خاص اپنے مال سے'' کیا ہے' اس سے بھی ظاہر ہوا کہ اب زمانہ خلافت میں جن عطایا پر اعتراض ہو رہا ہے وہ ''صلب مال'' سے نہیں ہیں اور حضرت عثمانؓ جو کچھ آج کل دے رہے ہیں وہ اگرچہ ان کے خیال کے مطابق ان کا اپنا ہی مال ہے وہ خیانت ہرگز نہیں کر رہے ہیں مگر اس کیلئے وہ ''صلب مال'' کا لفظ نہیں بولتے بلکہ فقط ''من مالی'' فرماتے ہیں' ماضی میں بے شک انہوں نے جو حیرتناک انفاق اللہ کی راہ میں بہتیری بار کیا تھا' وہ اپنی ذاتی کمائی اور صلب مال سے کیا تھا' مگر زمانہ خلافت میں جس مال کے انفاق پر اعتراض ہو رہا ہے وہ صلب مال سے نہیں ہے' ''فے'' کے اموال سے ہے اور اس کے ''انفاق فی سبیل اللہ'' ہونے سے صف اول کے صحابہؓ تک کو اتفاق نہیں ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی۔

اگر یہ بدیہی باتیں بھی میاں صاحب کے لمبے چوڑے دماغ میں نہیں سماتیں تو پھر انہیں اللہ کے یہاں اپنے اس جرم سیاہ کی سزا پانے کی لیے تیار رہنا چاہیئے کہ وہ ابن جریرؒ اور ابنِ سعدؒ اور ابن خلدونؒ وغیرہ کو جاہل اور احمق قرار دے رہے ہیں آخر اس سے انکار تو ممکن نہیں کہ وہ روایات ان حضرات نے قبول کر کے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں جن کے بارے میں میاں صاحب اصرار کر رہے ہیں کہ ان سے حضرت عثمانؓ پر خیانت کا الزام لگتا ہے اور ان پر اعتبار کرنا صحابہ دشمنی ہے' تو گویا یہ بزرگ نہ صحابہؓ کی عظمت سے واقف تھے نہ ان کا احترام کرتے تھے' پھر ان بزرگوں کا تخطیہ اور تحقیر حافظ ذہبیؒ' امام ابنِ حجرؒ' حافظ سخاویؒ' ابنِ کثیرؒ' خطیب بغدادیؒ' ابنِ اثیرؒ' اور ابنِ خزامہؒ سب کا تخطیہ اور تحقیر ہے' کیونکہ ان حضرات کی رائے ابن جریرؒ اور ابن سعدؒ اور سعدؒ کے بارے میں آپ کو معلوم ہو چکی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ عالم و فاضل دنیا میں اکیلے میاں صاحب ہی ہیں باقی سارے اسلاف جھک مارتے رہے ہیں۔

عوض معاوضہ گلہ نہ دارد :

میاں صاحب نے ایک بے سروپا تقریر جھاڑتے ہوئے صفحہ ۱۰۹ پر مودودی صاحب کی طرف رخ کر کے یہ شعر بھی رسید فرمایا ہے :

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

یعنی ان کی خوش فہمی یہ تھی کہ ''شواہد تقدس'' چھپتے ہی مودودی صاحب کا جامۂ شہرت و وجاہت صاف اتر جائے گا اور لوگ تالی پیٹ دیں گے کہ واہ میاں مودودی آپ تو جاہل نکلے' لیکن جامہ کس کا اترا ہے ؟ یہ برادرانِ اسلام خود فیصلہ کریں۔

ہم تو بعد سلام مسنون اپنے خوش فہم بزرگ سے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ نبح الکلاب لا یضر بالسحاب (قارئین معاف فرمائیں ہم اس فقرے کے ترجمے کی پوزیشن میں نہیں!)

رہا ان کے شعر کا جواب تو بے شک وہ ہم پر ان کا حق ہے' یہ حق ہم تین زبانوں میں ادا کریں گے' اردو میں تو یوں کہہ لیجئے کہ ہمارے عالی مرتبہ بزرگ نے خود اپنے پیروں میں کلہاڑی ماری ہے' فارسی میں ''چاہ کندہ راچاہ در پیش'' والی کہاوت موروں رہے گی' اور عربی میں ایک چھوٹا سا فقرہ ان کی نذر ہے۔ بحث عن حتفه بظلفه (ہمارے بہت ہی محترم بزرگ نے اپنی موت کو اپنے ہی سم سے کھود نکالا!)

ابھی قارئین کرام ''شواہد تقدس'' کے مزید ''عجائبات'' ملاحظہ فرمائیں گے' جائزے کا حصہ دوئم کتابت ہو رہا ہے' بس سمجھئے اگلا شمارہ اب آیا اور تب آیا۔ امید ہے کہ شروع نومبر میں آپ کو مل جائے۔ واللہ المعین۔(۱)

(۱) یہاں اس کتاب میں حصہ دوم بھی ساتھ ہی اور یکجا ہے۔ (مرتب' نقوی)

احوال واقعی

بہت سے قارئین کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے کہ "تجلی" کے مضامین کی رنگارنگی قائم رکھی جائے' ہم نے اس اشاعت میں "شواہد تقدس" کے جائزے کا کچھ حصہ روک کر بعض اور مضامین شامل کر دیئے ہیں' آئندہ بھی یہی ارادہ ہے کہ مضامین کا تنوع قائم رکھا جائے گا' اور ضروری علمی مباحث کو جزوی جگہ دی جائے گی' اس اشاعت میں ہم نے "امارت و صحابیت" پر نقد کا بھی اعلان کیا ہے' قارئین گھبرائیں نہیں یہ نقد بہت طویل نہ ہو گا' بلکہ ہم چند علمی خیانتوں کی نشاندہی کر کے قصہ تمام کر دیں گے' جب یہ پتہ چل جائے کہ فلاں شخص حق پوشی اور بد دیانتی کا مرتکب ہو رہا ہے' تو اس کی تحریر د تقریر علمی و تحقیقی رخ سے دفتر بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہ پیش نظر شمارہ دو مہینوں پر مشتمل ہے' اکتوبر د نومبر' پچھلے شمارے میں ڈیوڑھے صفحات دیئے گئے' مگر مہینہ ایک ہی ڈالا گیا' اب کے بھی اتنے ہی صفحات ہیں' لہٰذا دو شمارے تین شماروں کے برابر ہو گئے' اب انشاءاللہ "دسمبر" میں آپ کو "دسمبر" کا پرچہ ملے گا۔

پچھلا پورا شمارہ ایک ہی مضمون کی نذر ہوا' اور یہ شمارہ بھی تقریباً اسی نہج کا ہے' اس سے پرچے کی رنگارنگی اور تنوع میں جو فرق آیا ہے اس کا ہمیں بھی احساس ہے' اور جو قارئین اس سے اکتاہٹ محسوس کر رہے ہوں' ان سے ہم معذرت خواہ ہیں' لیکن جس کام کو کر ڈالنا ہم نے اپنا فرض سمجھا تھا' اس میں تاخیر اس لئے پسند نہ کی کہ معلوم نہیں کب آنکھیں بند ہو جائیں۔

الحمد للہ ! یہ کام اس حد تک انجام پا گیا کہ اگر اب ہم اگلا شمارہ نکالنے سے پہلے ہی ملک عدم کو سدھار جائیں' تو اس سے کوئی خلا واقع نہ ہو گا' تنقید کا کچھ حصہ

آا پہ روک لیا گیا ہے جو انشاء اللہ اگلی بار شائع ہوگا' مگر یہ حصہ نہ بھی شائع ہو تو "شاہد تقدس" کے فاضل مصنف کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا' کیونکہ جس ن واسطے سے ہم تنقید کر چکے وہ بجائے خود شافی وکافی ہے۔

بعض حضرات محسوس کریں گے کہ مناسب شرح وبسط کی حدود سے گذر کر ہم بعض مقامات پر غیر ضروری طول اور اکتا دینے والی تفصیل میں جا پھنسے ہیں' واقعی یہ احساس غلط نہیں ہے' لیکن ہم نے اس طول میں یہ مصلحت پائی کہ مدارسِ عربی کے طلباء کو بہت سا ایسا مواد مل جائے گا جو ان کے بہت کام کی چیز ہے' اصول فن کی جن کتابوں کا ہم نے دوران تنقید میں ذکر کیا ہے وہ بالعموم ایسی ہیں جو مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل نہیں ہیں' اور اسی لیے اکثر وبیشتر طلباء اور بہتیرے اساتذہ ان کے ناموں تک سے واقف نہیں' ہماری ناچیز تحریر کے ذریعے اگر وہ ان سے متعارف ہو جائیں تو اپنی زندگی کے کسی بھی علمی مرحلے میں ان سے استفادہ ممکن ہوگا' عام قارئین جس جگہ اکتاہٹ محسوس کریں ایک دو ورق چھوڑ کر پڑھیں' عام عادت ہماری یہ نہیں رہی ہے کہ ہر بات کے لئے کتابوں کے حوالے بھی ضرور دیا کریں' مگر تنقید کے میدان میں حوالوں کی بڑی اہمیت ہے' خصوصاً تاریخی بحثوں میں تو حوالوں کے بغیر دو قدم بھی چلنا کیس کو لنزد کر دیتا ہے' اسی لئے ہم نے قارئین کی اکتاہٹ کا لحاظ کئے بغیر ہر ہر بات کے لئے حوالے ساتھ ساتھ دیئے ہیں۔

طلبائے عزیز خصوصیت سے یہ سن لیں کہ علم و تفقہ کے میدان میں شخصیات کی کوئی اہمیت نہیں ہے' بلکہ اصل اور تمام اہمیت دلائل کی ہے' جب کوئی علمی معرکہ درپیش ہو تو یہ ہرگز نہیں دیکھنا چاہئے کہ بات مولانا محمد میاں کی زبان سے نکل رہی ہے یا عامر عثمانی کی' تائید مولانا مودودی کی ہو رہی ہے یا اپنے کسی شیخ کی' خدا کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آپ تمام تعصبات اور غالی عقیدتیں اور سیاسی مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر بے لاگ تفقہ اور

غیر جانبدارانہ علمی دراست سے کام لیں، ہمیں معلوم ہے کہ بعض حضرات آج بھی یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں کررہے ہیں کہ عامر بزرگوں کو گالیاں دیتا ہے' ان حضرات کی ہاں میں ہاں ملانے والوں کی بھی کمی نہیں، لیکن اللہ نے جن لوگوں کو عقل دی ہے وہ سوچیں کہ اس طرح کی باتیں سوائے اس کے کیا معنی رکھتی ہیں کہ یہ حضرات دلائل کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے' ان میں طاقت نہیں کہ دلیل کا جواب دلیل سے دے سکیں' یہ خود پرستی کے مریض اور گوناگوں تعصبات کے اسیر ہیں، بہر حال ہم پہلے بھی اعلان کر چکے ہیں اور پھر کرتے ہیں کہ جو شخص بھی ہماری کسی غلطی کو دلائل سے واضح کرے گا' اس کی تحریر کو ہم شکریہ کے ساتھ "تجلی" میں جگہ دیں گے' اور اس کا احسان بھی مانیں گے کہ اس نے ہمیں غلطی سے رجوع کا موقعہ فراہم کیا' علم کے معاملے میں ہٹ دھرمی اور ضد سے ہمیں شدید نفرت ہے' دوسروں سے بھی ہم یہی چاہتے ہیں کہ علمی مباحث میں جانب داری' ضد اور دھاندلی کی راہ اختیار کرکے آخرت برباد نہ کریں' اللہ سے رشتہ داری نہ "علمائے دیوبند" کی ہے نہ مولانا مودودی کی' اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ تمام اختلافی مسائل میں حق ہمیشہ "علمائے دیوبند" ہی کے ساتھ ہوگا اور دوسرا فریق لازماً غلطی پر ہوگا تو یہ ایک سفیہانہ خوش فہمی ہے جس کی قیمت علم و متانت کے بازار میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔

ہماری صاحب سلامت "دارالعلوم" کے جن اساتذہ سے ہے ان سے زبانی بھی ہم نے عرض کردیا ہے کہ تحسین و تعریف کی بھوک ہمیں بالکل نہیں' آپ ہمیں ہماری غلطیوں سے مطلع فرمائیے "تجلی" آپ کی خدمت میں ہدیتاً حاضر کردیا گیا ہے' اسے پڑھیئے اور بتایئے کہ تیرا فلاں دعویٰ' فلاں دلیل' فلاں معارضہ غلط ہے' فلاں مقام پر تو نے ٹھوکر کھائی ہے' فلاں اعتراض غلط کیا ہے' اگر آپ نے یہ زحمت گوارا کی تو ہم تہہ دل سے شکر گزار ہوں گے' اب ظاہر ہے کہ اس کے بعد ہمیں کوئی بزرگ اپنی رائے عالی سے نہ نوازیں' تو عندالناس اور عنداللہ ہم بری

ہوئے' یہ شکایت ہمارے کانوں میں برابر آرہی ہے کہ طرزِ تحریر ہم نے بڑا کرخت استعمال کیا ہے' لب ولہجہ ہمارا بڑا درشت ہے۔

بے شک اپنا یہ گناہ ہمیں تسلیم' اللہ ہمیں معاف کرے' بحث و نظر میں سخت گوئی اور تند گفتاری کے مریض ہم ہمیشہ سے ہیں ''شواہد تقدس'' کے جائزے پر بھی اس مرض کا سایہ کیوں نہ پڑتا' لیکن اہل انصاف اس حقیقت کو نظر انداز نہ فرمائیں کہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا اندازِ تحریر بھی کچھ کم سخت نہیں ہے اور جہاں تک معانی و مطالب کا تعلق ہے انہوں نے عدل و صداقت کے ساتھ وہ بیدردانہ سلوک کیا ہے کہ ہزار گالیاں اس کے سامنے ہیچ اور لاکھ تند گفتاریاں اس کے سامنے بے وزن' غضب ہے کہ یہ بزرگ احادیث کو موضوع اور ضعیف قرار دینے میں ایسی بے تکلفی برتتے ہیں کہ علمِ حدیث کا احترام کرنے والوں کے قلوب میں بھالا اتر جاتا ہے۔

ایک افسوسناک حقیقت اور اس سے بھی زیادہ غضب یہ ہے کہ ان کے یہاں ہر وہ شخصیت محترم اور محبوب ہے جس سے ہمارے آقا' سید الابرار' خاتم الانبیاء ﷺ کی ناراضگی معروف و معلوم ہے' ایسے تکالیف دہ منظر سے اگر آقا کا ایک غلام اشتعال میں آجائے' اور اس کے قلم سے کرخت الفاظ نکل جائیں تو اسے غیر قدرتی تو نہیں کہہ سکتے۔

ایک بات اور حیرت ناک ہے' دین اور دنیا دونوں کے قانون میں سخت گوئی کے مقابلے میں ''خیانت افتراء پردازی اور فریب دہی زیادہ بڑے جرائم ہیں'' ہم نے دستاویزی ثبوتوں سے مبرہن کر دیا ہے کہ مولانا محمد میاں نے علمی خیانت بھی کی ہے' افتراء بھی کیا ہے اور فریب دہی کے بھی مرتکب ہوئے ہیں' اس کے باوجود ہماری تلخ کلامی کا شکوہ کرنے والے حضرات کی زبان سے ہم نے مولانا محمد میاں کے بارے میں ایسا کوئی ریمارک نہیں سنا' جس سے مترشح ہوتا کہ انھیں مولانا موصوف کے جرائم کا بھی کچھ احساس ہے ''عجیب ہے یہ انصاف'' نالائق عامر کا

لب و لہجہ تو ان کے دل و جگر میں اتر گیا لیکن مولانا محمد میاں کے دجل و دغا اور خیانت و جسارت اور صریح جہالت نے ہلکی سی سوئی بھی نہیں چبھوئی' حالانکہ اقبال سے تو ہم نے یہ سنا تھا کہ :

الفاظ کے پھندے میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

ہمارا یہ مطلب نہیں کہ تند گفتاری پر ہمیں مطعون نہ کیجئے' ضرور کیجئے' ہم سخت لہجے کو کوئی ہنر نہیں سمجھتے چنانچہ اس مرتبہ ہم نے قلم کو اچھی خاصی لگام دی ہے مگر یہ تو بے انصافی کی انتہا ہو گی کہ مولانا محمد میاں صاحب کی غلط کاریوں اور خطاؤں کا مشاہدہ کر لینے کے باوجود ان کی مذمت میں کوئی لفظ اساتذہ کرام کی زبان سے نہ نکلے' اگر یہی تقویٰ اور عدل اور دیانت ہے تو پھر اس سے زیادہ ہم کیا کہیں کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب حق پوشی' جانب داری اور ظلم کے لیے کوئی بہانہ کام نہ آسکے گا' اللہ اس دن کی سختیوں سے ہر صاحبِ ایمان کو محفوظ رکھے۔

ہماری ایک بھول

پچھلے شمارے میں کتابت کی جو غلطیاں رہ گئی تھیں ان کا "صحت نامہ" تو آگے ہم دے رہے ہیں لیکن ایک غلطی ہم سے مضمون میں بھی ہوئی ہے جس کا ادراک ہمیں رسالہ سپرد ڈاک ہونے سے قبل ہی ہو گیا تھا لیکن کوئی صورت باقی نہ رہی تھی کہ اس کی تلافی کرتے' اب یہاں اس کا اعتراف کر رہے ہیں۔

پچھلے شمارے میں صفحہ ۱۲۳ پر عنوان دیا گیا تھا...... "جھوٹ در جھوٹ کا سلسلہ"' اس کے ذیل میں ہم نے لکھا تھا کہ...... "اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعدؓ سے پیشگی وعدہ فرمایا تھا' میاں صاحب کوئی ٹوٹی پھوٹی ہی روایت کہیں دکھلائیں"۔

بلاشبہ یہاں ہم سے چوک ہو گئی' چوک کی وجہ یہ ہوئی کہ بحث "شواہد

تقدس" میں اُس انعام کی چل رہی تھی جو عبداللہ بن سعدؓ کو ۲۷ھ کے الگ بھگ دیا گیا ہے' ہم اسی "سن" اور اس کے بعد کے واقعات میں الجھے رہے' ضروری یہ تھا کہ میاں صاحب خود اس روایت کا حوالہ دیتے جس میں حضرت عثمانؓ نے انعام کا وعدہ کیا ہے' مگر انہوں نے نہ روایت نقل کی نہ حوالہ دیا' بس اپنے طور پر ایک بات کہہ دی۔

بہر حال دورانِ مطالعہ "طبری" میں ہمیں ایک روایت ملی ہے' جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۵ھ میں حضرت عثمان نے عبداللہ ابن سعدؓ سے انعام کا وعدہ کیا تھا' یہ روایت مل گئی تو ہم اپنا یہ الزام واپس لیتے ہیں کہ "انعام کے وعدے کی بات جھوٹ ہے" خدا ہمیں معاف کرے' مولانا محمد میاں صاحب سے بھی اس الزام کی حد تک ہم عفو خواہ ہیں۔

لیکن اس سے نفس بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا' حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعدؓ سے وعدہ فرمایا تھا تو اسے بھی ایک ایسا ہی فعل کہیں گے جو سیرتِ شیخینؓ سے مطابقت نہیں رکھتا' نہ حضور ﷺ کی سوانح میں ایسا کوئی واقعہ ملتا ہے کہ سپہ سالار سے آپ نے انعام کا کوئی وعدہ فرمایا ہو' شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایفائے وعدہ کے طور پر عبداللہ بن سعدؓ کو انعام دیا تو لوگ معترض ہوئے اور انعام واپس کرنا پڑا' اسوۂ رسولؐ یا عملِ شیخینؓ میں اگر اس کے لئے نظیر موجود ہوتی تو لوگ اس پر معترض نہ ہوتے اور واپسی کی بھی نوبت نہ آتی' مولانا محمد میاں صاحب کو اگر اس پر اصرار ہے کہ آنحضرتؐ اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی سپہ سالاروں سے پیشگی بڑے بڑے انعامات کا وعدہ فرماتے رہے تھے' تو انہیں مفصل حوالہ دینا چاہئے ورنہ اس دعوے کی حد تک وہ بہر حال غلط بیانی کر رہے ہیں۔

اس شمارے میں ہمارے مصادر و مآخذ

ہم نے کوشش کی ہے کہ کوئی دعویٰ بے دلیل نہ کریں اور حوالوں کے لئے بھی ہم نے وہی کتابیں منتخب کی ہیں جن کا ہمارے دیوبندی حلقوں میں اعتبار ہے اور

عموماً وہ "دارالعلوم" کے کتب خانے میں موجود ہیں، یہاں بس وہ کتابیں ذکر کی جارہی ہیں جن سے جائزے کے اس حصۂ دوم میں فائدہ اٹھایا ہے، ہر ایک کے سامنے صرف وہ صفحہ لکھ دیا گیا ہے جہاں پہلی بار اس کتاب کا حوالہ آیا ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سال وفات	صفحہ
۱۔	"ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی"	مولانا عبدالحیٔ لکھنوی	۱۳۰۴ھ	۳۲
۲۔	"ساعۃ القرآن فی توضیح شرح النخبہ"	مولانا عبدالحیٔ الخطیب جامع رنگون		۳۲
۳۔	"شرح الفیہ"	حافظ سخاوی (محمد شمس الدین)	۹۰۲ھ	۳۲
۴۔	"نخبۃ الفکر"	مع نزہۃ النظر حافظ ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	۳۲
۵۔	"تدریب الراوی"	امام نوویؒ	۶۷۷ھ	۳۳
۶۔	"الرفع والتکمیل"	مولانا عبدالحیٔ لکھنوی	۱۳۰۴ھ	۳۳
۷۔	"فتح الملہم"	علامہ شبیر احمد عثمانی	۱۳۶۹ھ	۳۴
۸۔	"علل حدیث"	ابو محمد عبدالرحمٰن الرازیؒ	۳۲۷ھ	۳۴
۹۔	"مقدمہ ابن صلاح"	تقی الدین بن صلاح	۶۴۳ھ	۳۹
۱۰۔	"صحیح بخاری"	ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ	۲۵۶ھ	۳۹
۱۱۔	"توجیہ النظر"	طاہر بن صالح الجزائریؒ		۴۱
۱۲۔	"فتح المغیث"	حافظ سخاوی (شمس الدین)	۸۶۰ھ	۴۱
۱۳۔	"کتاب الکفایہ"	خطیب بغدادیؒ	۴۶۳ھ	۴۱
۱۴۔	"تاریخ ابن عساکر" (المہذب)	ابن عساکر (تہذیب عبدالقادر آفندی)	۵۷۱ھ	۴۱
۱۵۔	"تہذیب التہذیب"	حافظ ابن حجرؒ	۸۵۲ھ	۴۸
۱۶۔	"نصب الرایہ"	امام زیلعیؒ	۷۶۲ھ	۴۹
۱۷۔	"طبری"	امام ابن جریر طبری	۳۱۰ھ	۵۳
۱۸۔	"الفیۃ الحدیث"	قاضی زین الدین عراقی	۸۰۶ھ	۵۶
۱۹۔	"معرفۃ علوم حدیث"	ابو عبداللہ نیشاپوری (ابن البیع)	۴۰۵ھ	۵۶

نمبر	کتاب	مصنف	سنہ وفات	صفحہ
۲۰۔	"میزان الاعتدال"	حافظ ذہبیؒ	۷۴۸ھ	۶۲
۲۱۔	"کامل ابن عدی"	(ابو احمد عبد اللہ بن عدی)	۳۶۵ھ	۶۳
۲۲۔	"الخیرات الحسان فی مناقب النعمان"	ابن حجر مکیؒ (احمد بن محمد)	۹۷۵ھ	۶۴
۲۳۔	"غنیۃ الطالبین"	شاہ عبد القادر جیلانیؒ	۵۶۱ھ	۶۴
۲۴۔	"انتقاد المغنی"	حسام الدین القدسیؒ		۶۴
۲۵۔	"عیون الاثر"	ابن سید الناسؒ (حافظ فتح الدین)	۷۳۴ھ	۶۵
۲۶۔	"امام الکلام"	مولانا عبد الحیؒ لکھنویؒ	۱۳۰۴ھ	۶۵
۲۷۔	"الہدی الساری"	حافظ ابن حجرؒ	۸۵۲ھ	۶۶
۲۸۔	"شرح شرح النخبہ"	ملا علی قاریؒ	۱۰۱۴ھ	۶۶
۲۹۔	"شرح الالمام باحادیث الاحکام"	تقی الدین محمد بن علیؒ (ابن دقیق العید)	۷۰۲ھ	۶۷
۳۰۔	"شرح الفیہ"	قاضی زین الدین عراقیؒ	۸۰۶ھ	۶۷
۳۱۔	"امعان النظر بشرح شرح نخبۃ الفکر"	مولانا اکرم بن عبد الرحمن السندیؒ		۶۷
۳۲۔	التبیین شرح المنتخب الحسامی	اتقانیؒ (امیر کاتب بن امیر)	۷۵۸ھ	۶۷
۳۳۔	"التوضیح شرح التنقیح"	صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعودؒ	۷۴۷ھ	۶۷
۳۴۔	"شرح المنار"	ابن الملک (عبد اللطیف بن عبد العزیز)	۸۸۵ھ	۶۷
۳۵۔	"البنایہ شرح الہدایہ"	ابو محمد محمود بن احمد العینیؒ	۸۵۵ھ	۶۷
۳۶۔	"مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول ملا خسرو"	(محمد بن فراموز الرومی)	۸۸۵ھ	۶۷
۳۷۔	"فتح الباقی شرح الفیۃ العراقی"	زکریا بن محمد (شاگرد ابن الہمام)	۹۲۶ھ	۶۷
۳۸۔	التقریر والتحبیر (شرح التحریر)	ابن امیر الحاج شمس الدین	۸۷۹ھ	۶۷
۳۹۔	فتح الغفار شرح المنار	(المنار امام نسفی م ۷۱۰ھ) شرح ابن نجیم	۹۷۰ھ	۶۸
۴۰	فتح القدیر شرح الہدایہ	امام ابن الہمام حنفی	۸۶۱ھ	۶۸
۴۱	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبد العزیز البخاریؒ	۷۳۰ھ	۷۷

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات	صفحہ
۶۴۔	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	تاج الدین سبکی	۷۷۱ھ	۱۱۹
۶۵۔	مناقب الامام الاعظمؒ	صدر الائمۃ المکیؒ	۵۶۸ھ	۱۲۰
۶۶۔	جامع بیان العلم	حافظ ابن عبد البرؒ	۴۶۳ھ	۱۲۰
۶۷۔	العواصم من القواصم	قاضی ابوبکر ابن العربیؒ	۵۴۳ھ	۱۲۵
۶۸۔	الفصل	امام ابن حزمؒ	۴۵۶ھ	۱۲۵
۶۹۔	الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم	حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمنیؒ	۸۴۰ھ	۱۲۵
۷۰۔	تاریخ اسلام	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادیؒ		۱۳۱
۷۱۔	ترمذی شریف	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃؒ	۲۷۹ھ	۱۳۱

☆ ☆

کل ما افتیت به فقد رجعت عنه الا ما وافق الکتاب والسنة

(قاضی ابی یوسفؒ)

ان فتووں کے علاوہ جو قرآن اور سنت کے مطابق ہوں' میں نے اپنے تمام فتووں سے رجوع کر لیا ہے

قلب مومن

ہم رجوع کرتے ہیں

"تجلی" کے دیرینہ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ ہم نے مہینوں تک جناب محمود احمد عباسی کی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی حمایت میں صفحات سیاہ کئے ہیں' ہمارا مقصد یزید کی حمایت نہ تھا' بلکہ ہم حضرت معاویہؓ کا دفاع کرنا چاہتے تھے' اور حضرت معاویہؓ کا دفاع بھی مقصود بالذات نہیں تھا' بلکہ نفسِ صحابیت کی تکریم پیشِ نظر تھی' لیکن یکلخت ہم نے اس موضوع کا دروازہ بند کر دیا اور اس کے بعد سے آج تک خاموش ہی خاموش ہیں۔

کیوں............؟

یہ سوال بڑا نازک ہے' ہم غیبت سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں' لیکن معاملہ حق وصداقت کا ہے اس لئے تھوڑا سا پردہ رکھتے ہوئے ہم اتنا ضرور بیان کریں گے کہ "خلافت معاویہ ویزید" کی بے تکان حمایت کے بعد ہمارا "کراچی" جانا ہوا تھا' وہاں اس کتاب کے مصنف جناب محمود احمد عباسی نے اپنے دولت کدے پر ہماری دعوت کی' اور ہمیں ان سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا' بس وہ دن اور آج کا دن ہم نے کوئی لفظ اس موقف کی حمایت میں نہیں کہا جو "خلافت معاویہ و

یزید" میں عباسی صاحب نے اختیار کیا ہے' یہ سکوت دراصل اس لئے ہم پر
منتولی ہوا کہ اس ایک ہی ملاقات میں ہمیں اندازہ ہو گیا کہ محترم عباسی صاحب
چاہے یزید اور حضرت معاویہؓ کے فدائی ہوں یا نہ ہوں' مگر حضرت علیؓ اور دیگر
"اہل بیت کرام کے بارے میں ان کے خیالات وہ نہیں ہیں جو اہلِ ایمان کے
ہونے چاہئیں" یہ اندازہ ایک ضربِ شدید تھا' جس نے ہمارے دل و دماغ کو لرزا
کر رکھ دیا' یاالٰہی! کیا "حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہلِ بیت اطہار" سے عداوت
رکھ کر بھی کوئی مسلمان صراطِ مستقیم کا رہرو کہلا سکتا ہے؟ کیا حضورﷺ کی آنکھ
کے تاروں سے کینہ اور بیر رکھنے کے معنی اس کے سوا بھی کچھ ہیں کہ دل و دماغ
سے آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا سایہ تک غائب ہو جائے؟ اور
جب حضورﷺ ہی کی محبت نہیں تو خدا کی محبت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ وہ خدا
جس نے دنیا کو اپنی ذات و صفات اور اپنے احکام و ہدایات سے آگاہی بخشنے کے لئے
آخری پیغمبرﷺ کو مبعوث کیا' اسے ماننے کی طرح ماننے کا کوئی امکان ہی نہیں'
اگر اس آخری پیغمبرﷺ کی محبت ہی سے قلب و ذہن خالی ہو جائیں' ان پر
ہمارے ماں باپ' ہماری جانیں' ہمارے اموال' ہماری اولادیں سب قربان' وہ تو
خود بھی متنبہ فرما چکے ہیں کہ خدا کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو مجھے اپنی
جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے (او کما قال) اور ربِ دوجہاں گواہ ہے کہ ہم نے جب
"خلافت معاویہ و یزید" والے موقف کی حمایت کی تھی جب بھی ہمارے قلب و
روح پر "اہل بیت" سے بغض و عداوت کی پرچھائیں تک نہ تھی' اور شاید یہی وجہ
ہے کہ ہمارے رؤف و رحیم خدا نے ہم سے منہ نہیں پھیرا' اور اس سے پہلے کہ
وقت ہم سے توبہ اور رجوع کا موقعہ چھین لے' اس نے ہمارے لئے ان
حقائق تک پہنچنے کا دروازہ کھول دیا جن سے بے خبر ہونے کی بنا پر ہم اس خوش
فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ "خلافت معاویہ و یزید" ایک اچھی عالمانہ کتاب ہے۔
داستان کو مربوط رکھنے کے لئے ہم ذرا پیچھے لوٹیں گے' ابھی عرض کر رہی

چکے کہ عباسی صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہونے کے بعد ہمیں کس تاثر سے دوچار ہونا پڑا تھا' اس تاثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ "کراچی" سے لوٹتے ہی ہم نے اپنے دفتر کو یہ ہدایت دی کہ آئندہ عباسی صاحب کی "خلافت معاویہ ویزید" ہرگز نہیں چھاپی جائے گی' اس کی پلیٹیں کاٹ دی جائیں'(١) آپ کہیں گے کہ پھر کیوں نہ ہم نے جبھی اپنی "توبہ" چھاپ دی؟ کس لئے منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے رہے؟ ہم عرض کریں گے کہ "توبہ" تو اس وقت چھاپتے جب ہم علمی رخ سے بھی یہ جان گئے ہوتے کہ جس موقف کی ہم نے حمایت کی ہے وہ غلط ہے' عباسی صاحب کی نیت اور باطن سے بدگمانی الگ بات ہے اور ان کے تشہیر کردہ موقف کے علمی اسقام سے مطلع ہونا الگ بات' ہمیں اب تک اطمینان تھا کہ موقف بہرحال غلط نہیں ہے' پھر کیسے اس سے رجوع کرتے۔

اور آخرکار مولانا مودودی کی معرکۃ الآراء کتاب "خلافت و ملوکیت" مارکیٹ میں آئی اور دفعتاً ہمارے دل و دماغ کو ایسا دھکا لگا جیسے "تجلی" کا تار چھو گیا ہو' ہماری مولانا مودودی سے عقیدت و محبت ڈھکی چھپی چیز نہیں' مگر ان سے جس دین کی خاطر محبت ہے ٹھیک اسی کا تقاضا یہ بھی تھا کہ "خلافت و ملوکیت" کا رد لکھیں اور نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو اس اندراج کا موقعہ نہ دیں کہ جس موقف کو یہ بدبخت عامر دیانتاً درست سمجھتا تھا' جب اس کے خلاف مولانا مودودی کی کتاب آئی تو اس نے اپنی دیانت کو بالائے طاق رکھ کر مودودی کے تعقب اور رد سے جان چرالی۔

استغفر اللہ' مولانا مودودی سے ہمارا کیا رشتہ ہے اگر دین ہی سے ہمارا رشتہ کمزور ہو' دین سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس پر دوسری ہر چیز نچھاور

(١) جو حضرات طباعتی کاموں سے واقف نہیں وہ شاید سوچ میں پڑیں کہ یہ "پلیٹیں" کیا بلا ہیں دراصل کتابت شدہ کاپیاں اب دھات کی پلیٹوں پر جم کر چھپتی ہیں۔ "خلافت معاویہ ویزید" مکتبہ تجلی چھاپتی تھی لہذا اس کی پلیٹیں بھی اس کے پاس موجود تھیں جن سے وہ جب چاہے اس کتاب کو چھاپ سکتا تھا

کر دی جائے۔

مولانا مودودی تو ہمارے کچھ بھی نہیں لگتے' اس کے باوجود ہمیں وہ اس لئے عزیز ہیں کہ ان کی قابلِ رشک خداداد صلاحیتوں نے دین کو نکھارا ہے' اس کے اصل چہرے سے گرد و غبار کی تہیں ہٹائی ہیں' اسے ایک زندہ اقدامی اور متحرک قوت کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے' اور اسے پوری زندگی کا نظام العمل بنانے والی ایک جماعت تیار کی ہے' اسی لئے ہم اپنے خدا سے نہ جانے کتنی بار دعا مانگ چکے ہیں...... اور نہ جانے کتنی بار مانگیں گے کہ اے رؤف ور حیم' زندگی کے آخری سانس تک ہمیں یہ طاقت اور توفیق دیئے رکھنا کہ تیرے دین کے ایک مظلوم خادم ابوالاعلیٰ مودودی پر ظلم ڈھانے والے ظالموں کی پردہ دری کرتے رہیں۔

خلافت و ملوکیت کی تائید و وکالت کے اصل محرکات :

بات شاید بے ربط ہو گئی' ہم کہہ یہ رہے تھے کہ جب ''خلافت و ملوکیت'' کو ہم نے اپنے مزعومات کے خلاف پایا تو بلا کسی جھجک اور تامل کے قصد کر لیا کہ اس کا رد لکھیں گے' لیکن رد لکھنا کھیل تو نہیں' کھیل ان لوگوں کے لئے ضرور ہے جو یا تو خوفِ خدا سے بے نیاز ہیں' یا جہل مرکب میں مبتلا ہیں' چنانچہ ''خلافت و ملوکیت'' کے منظر عام پر آتے ہی نہ جانے کتنے مضامین کتنے پمفلٹ اور کتنی کتابیں اس کی مخالفت میں اس طرح بازاروں میں پھیل گئیں جس طرح برسات میں خودرو گھاس پھیل جاتی ہے' اس وقت ''پاکستان'' اور ''ہندوستان'' کے مابین اخبارات و رسائل کی آمد و رفت بند نہ تھی' پاکستانی رسائل میں تو گویا ''رد مودودیت'' کا مینابازار ہی لگ گیا' لیکن ہم یہ روش اختیار نہ کر سکتے تھے کہ قلم اٹھائیں اور جو جی میں آئے ہانکتے چلے جائیں' ہم محسوس کرتے تھے کہ ''خلافت و ملوکیت'' ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو ایک طرف علم و تفقہ کا پہاڑ ہے' اور دوسری طرف دینِ حق سے اس کی محبت سورج کی طرح عیاں ہے' لہٰذا اس کا رد

بجواس کے ذریعہ نہیں' بلکہ علم و تحقیق ہی کے ذریعے کیا جانا چاہئے' اس فیصلے پر پہنچ کر ہم نے خود کو "امہات کتب" کے حضور پہنچایا' اور کم وبیش دو ماہ اس طرح گذارے کہ چوبیس گھنٹوں میں فقط چار گھنٹے سوئے' ایک وقت میں ایک روٹی سے زیادہ نہیں کھائی' فرائض و واجبات اور حوائج ضروریہ کے علاوہ دنیا کے ہر شغل سے کٹ گئے' ارادہ ظاہر ہے کہ "خلافت و ملوکیت" کے خلاف مواد حاصل کرنے ہی کا تھا' لیکن یہ اعتراف کرنے میں ہمیں کوئی جھجک نہیں کہ جوں جوں مطالعہ وسیع ہوتا گیا' یہ حقیقت ہمارے سامنے ابھرتے ہوئے سورج کی طرح آتی چلی گئی کہ "متعلقہ موضوع پر ہمارے بعض مزعومات کم علمی پر مبنی تھے" جن کی وکالت ہم اس خوش فہمی میں کر رہے تھے کہ حق یہی ہے' ہم پر کھلتا گیا کہ "خلافت معاویہ ویزید" ایک فریب ہے' جو تاریخ اسلام کے ساتھ کیا گیا ہے اور "خلافت و ملوکیت" اس فریب کا ایک ایسا علمی جواب ہے جو محققین سلف کے ذہن کا ترجمان' محدثین و فقہاء کے موقف کا امین اور قرآن و سنت کی صداقتوں کا سرمایہ دار ہے" ہم نے صاف دیکھا کہ "خلافت و ملوکیت" کے رد میں لکھی ہوئی تحریروں میں سے بعض انتہائی بد دیانتی پر مبنی ہیں" بعض جہالت و حماقت پر اور بعض غلط فہمی اور مغالطے پر' حتیٰ کہ بعض اہلِ علم اور ارباب تقویٰ نے بھی دانستہ یا نادانستہ حق و صداقت کا خون کیا ہے اور "رد مودودی" کا جذبہ ان کے محاسبہ آخرت کے احساس پر غالب آگیا ہے۔

اعتراف غلطی اور اعلان حق :

کیسی قیامت گذر گئی ہو گی ہمارے دل و دماغ پر......... اندازہ کیجئے' جس موقف کی حمایت پر ہم نے تقریباً سال بھر تک جھک ماری' وہی ہمارے سامنے جہالت و بے خبری کا مکروہ مجسمہ بن کر سامنے آکھڑا ہوا' ہم نے بہتیری کوشش کی کہ قرآن و حدیث اور کتب تاریخ سے اپنے موقف کے حق میں دلائل چنیں' مگر

اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ خیانت اور حق پوشی کا جذبہ خبیث دل میں ایک لمحے کو بھی پیدا نہیں ہوا' یہ احساس برابر قلب و ضمیر پر طاری رہا کہ آخرت میں ہاتھ منہ کان ناک سب مسئول ہیں' قلم سے جو کچھ لکھا گیا اس کا بھی حساب دینا ہوگا' اسی احساس نے آخر کار اس پر آمادہ کر ہی دیا کہ دنیا چاہے کچھ ہی کہے' جاہل کہے' احمق کہے' ساقط الاعتبار کہے' غیر ذمہ دار کہے' ہر حال میں ہمیں یہ اعلان کر دینا ہے کہ ''خلافت معاویہ و یزید'' کی حمایت ہم نے ازراہ جہل کی تھی' سچائی وہ نہیں ہے جس کی صورت گری اس کتاب میں کی گئی ہے' بلکہ سچائی وہی ہے جو مولانا مودودی ''خلافت و ملوکیت'' میں منقح کر رہے ہیں' جزئیات کا معاملہ تو الگ ہے کہ دنیا کی کون سی کتاب سوائے قرآن کے سہو و خطا اور لغزش و قصور سے بچی ہوئی ہے' مگر بحیاد' سمت' اصول اور حقائق کے لحاظ سے ''خلافت و ملوکیت'' حرفِ آخر ہے' اس کی زبان' اس کا لہجہ' اس کا دروبست' اس کا مواد' اس کی آوٹ لائن اور اس کی ''معنوی دراست'' سب نے مل کر بحیثیت مجموعی اس کتاب کو ایسا شاہکار بنا دیا ہے جس کی کوئی نظیر ناچیز کے علم اور مطالعے کی حد تک اسلامی لٹریچر میں نہیں ہے۔

....

آپ نے دیکھا' عنوان سے بھی اوپر ہم نے قاضی ابو یوسفؒ کا ایک عربی فقرہ نقل کیا ہے' یہ قاضی ابو یوسفؒ کون ہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کے شہرۂ آفاق شاگرد...... تبع تابعین میں صفِ اول کے فقیہ و محدث' زندگی کا طویل حصہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کی مسندِ اعلیٰ پر گذارا' لیکن درس و تدریس کا سلسلہ منقطع نہ ہوا اور بیٹے کا انتقال ہوتا ہے تو اسی حال میں ہمسایوں اور رشتہ داروں کے سپرد تجہیز و تکفین کا انتظام کر کے امام صاحب کی مجلس میں چلے جاتے ہیں کہ ناغہ نہ ہونے پائے' ان کی کتاب ''کتاب الخراج'' کا کچھ تذکرہ آگے جائزے میں آ رہا ہے' اللہ تعالیٰ انہیں بہشت کے بہترین درجات عطا کرے ان کا منقولہ زیرِ نظر فقرہ ہم نے حافظ ذہبیؒ کی ''تذکرۃ الحفاظ'' جلد اول صفحہ ۲۶۷ سے لیا ہے۔

قال یحییٰ بن یحییٰ التمیمی سمعت ابا یوسف یقول عند وفاتہ۔ گویا یہ بات آپ نے مرض الموت میں فرمائی تھی' ہم پر بفضلہ تعالیٰ ابھی مرض الموت کے آثار ظاہر نہیں ہیں لیکن ہم بلا تاخیر اعلان کرتے ہیں کہ جو اعلان ابو یوسفؒ کا تھا وہی ہمارا بھی ہے' فرق اتنا ہے کہ انہوں نے "افتیت" کا لفظ کہا جو بلا شبہ ان کی شان کے مطابق تھا' مگر ہم فتوے کے اہل کہاں یہ بہت بلند منصب ہے' ہم اس لفظ کی جگہ صنفت یا حررت کا لفظ استعمال کرتے ہیں' یعنی جو کچھ بھی آج تک ہم نے لکھا' یا آئندہ لکھیں گے اس کے صرف اسی حصے پر ہمیں اصرار ہے جو قرآن و سنت کے موافق ہو' باقی تمام وہ تحریریں' اور خیالات جو ہمارے جہل یا کم فہمی کی بناء پر قرآن و سنت کے کسی بھی حصے سے متعارض و متصادم ہوں ان سے رجوع اور توبہ کا اعلان ہر قاری "تجلی" نوٹ کر لے' اور کراماً کاتبین (۱) تو آپ سے آپ نوٹ کر ہی لیں گے۔

....

"خلافت و ملوکیت" کے رد میں آج تک کوئی تحریر خواہ وہ مضمون کی شکل میں ہو' یا کتاب کی صورت میں ہماری نظر سے ایسی نہیں گذری جسے پڑھ کر ہمیں یہ محسوس ہوا ہو کہ لکھنے والا تحقیقی علم بھی رکھتا ہے اور دیانت و تقویٰ بھی' اہلِ علم کے مابین اختلاف رائے کوئی نئی چیز نہیں' اس سے تو پوری تاریخ عالم بھری پڑی ہے' فقہاء و محدثین کے اختلافات ہم نے سبقاً سبقاً بھی پڑھے ہیں' اور بطور خود بھی ان کا خاصا مطالعہ کیا ہے' اونچے درجے کے اہلِ علم کو اکثر و بیشتر ایسا پایا کہ وہ نہ تو فریقِ ثانی کے مرتبہ و مقام کو نظر انداز کرتے ہیں نہ اس پر کوئی الزام لگاتے ہیں نہ اس کے کسی قول کا ایسا مطلب لیتے ہیں جس سے وہ انکار کر رہا ہو' نہ اس کے رد میں دیانت و امانت کو بالائے طاق رکھتے ہیں' نہ اس پر مصر ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے سمجھا وہی عین حق ہے اور جو کچھ فریق ثانی سمجھ رہا ہے وہ سر تا سر باطل ہے' نہ وہ

(۱) نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے۔

نیتوں پر حملہ کرتے ہیں' نہ صدق و دیانت کو نشانہ بناتے ہیں' بس اپنی تحقیق مع دلائل پیش کی اور آگے بڑھ گئے' مگر "خلافت و ملوکیت" کا رد لکھنے والوں میں ہمیں ان اوصاف میں سے کوئی بھی وصف نظر نہیں آیا.......... بڑا غضب یہ ہے کہ جن لوگوں کی حیثیت عرفی تک مشکوک ہے جو علومِ دین کے سمندر میں سطح سے گز دو گز بھی نیچے نہیں اتر سکے ہیں' جنہیں اپنے اسلاف کے اقوال و آراء اور مجتہدین و محدثین کے اصول و فروع کا قطعاً کوئی علم نہیں' جن کی عقل کا معیار چوتھے درجے سے آگے نہیں بڑھا' اور جو صرف نام اور ہیئتِ ظاہری کے اعتبار سے "مولانا" ہیں وہ بھی خم ٹھونک کر قلم کی لاٹھی چلا رہے ہیں' اور چاند پر خاک اڑانے والے بچوں کی طرح اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اب کبھی زمین پر چاندنی نہیں پھیلے گی۔

"شواہد تقدس" کا حال آپ نے جائزہ کی قسط اول میں دیکھ لیا' اب قسط ثانی بھی سامنے موجود ہے' اگلے شمارے میں انشاء اللہ ہم ایک اور کتاب کا چہرہ مہرہ آپ کو دکھلائیں گے جس کا نام ہے :

"امارت و صحابیت جواب خلافت و ملوکیت"

اس کتاب کے مصنف کوئی بزرگ ہیں مولانا.......... بلکہ حضرت مولانا علی احمد بنارسی' یہ ناول سائز کے ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے' اور سنا ہے کہ مفت تقسیم ہوئی ہے' واللہ اعلم' اسے ہم نے پڑھا تو طبیعت اس قدر منقبض ہوئی کہ کیا کہہ دیں؟ تکنیک' اسلوب' انشاء' مواد کسی اعتبار سے بھی یہ اس لائق نہیں کہ اس پر سنجیدہ علمی توجہ دی جائے' مگر آفت یہ ہے کہ اس میں ورق ورق پر بڑی بڑی کتابوں کے حوالے اور عربی عبارتیں موجود ہیں' انہیں دیکھ کر عوام الناس اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ یہ ایک علمی اور تحقیقی کتاب ہے' اس مغالطے کا پردہ چاک کرنے کے لئے ہم اگلی صحبت میں دکھلائیں گے کہ اس میں کیسی کیسی علمی خیانتیں اور ٹلبہ فریبیاں موجود ہیں' بہتیرے دوا فروش دواؤں کے نام اور خواص

ایسے انداز میں لیتے ہیں کہ لوگ انہیں طبیب سمجھ لیتے ہیں حالانکہ طبابت سے انہیں کوئی مس نہیں ہوتا' اسی طرح بعض "مولانا" آیات واحادیث اور کتابوں کے اقتباسات کا ڈھیر تو خوب لگادیتے ہیں' مگران کے صحیح مطالب ومصادیق اور مراد ومنشاء کا انہیں کوئی علم نہیں ہوتا' بس اٹکل پچو انہیں اپنی خواہشات کے ڈھرے پر چلاتے ہیں اور کم علم عوام کو فریب دیتے ہیں۔

بہر حال اگلے شمارے میں انشاءاللہ اس کتاب پر کچھ روشنی ڈالی جائے گی۔

وباللہ التوفیق۔

کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کے لئے
برق کی زد پر گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

"خلافت وملوکیت" کے رد میں لکھی ہوئی مولانا محمد میاں صاحب کی کتاب

شواہد تقدس

کا بھرپور جائزہ

معرکۂ نور و ظلمت

(حصہ دوم)

فن حدیث :(۱)

روایت کا فن دنیا میں جتنا مبسوط اور جامع اہل اسلام کے پاس ہے دنیا میں کسی قوم کے پاس اس کا عشر عشیر بھی نہیں، کسی بھی قوم کی کتب تاریخ دیکھ لیجئے' کسی بھی جگہ یہ نہیں ملے گا کہ مورخین جو اپنے سے سو دو سو سال پہلے کے واقعات سنا رہے ہیں وہ آخر اس تک کن کن لوگوں کے ذریعے پہنچے ہیں' اور یہ لوگ کس بناء پر قابل اعتماد سمجھ لئے گئے ہیں' صرف مسلمانوں کی تاریخیں یہ بتاتی ہیں کہ اب سے ہزار برس یا پانچ سو سال پہلے جو واقعات پیش آئے تھے انہیں کس نے دیکھا' کس سے بیان کیا اور کس کس آدمی سے نسلاً بعد نسل یہ روایات ہم تک پہنچیں' پھر صرف آدمیوں کے نام سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ یہ نہ معلوم

(۱) عام اصطلاح میں تو "حدیث" نام ہے حضور ﷺ کے قول و فعل کا لیکن فن روایت میں ہر روایت کو حدیث ہی بولا جاتا ہے خواہ وہ کسی سے متعلق ہو' چنانچہ جس طرح کتب حدیث میں حدثنی (مجھ سے بیان کیا) کہہ کر روایت کی جاتی ہے اسی طرح تاریخ کی کتابوں میں بھی حدثنی استعمال ہوتا ہے۔

ہو تاکہ کون آدمی کیسا تھا' کس حد تک قابلِ اعتبار تھا کیا کردار اور سیرت رکھتا تھا' کہ اس سے جھوٹ کی توقع نہ کی جائے' اس مشکل ترین سوال کا عملی جواب دینے کے لئے علمائے حق کو جس چیز نے ابھارا! وہ تھی دین سے ان کی بے پایاں محبت' اس محبت نے تقاضا کیا کہ جس پیغمبر ﷺ کے اقوال وافعال پر دین کا مدار ہے اس کی سیرت اور ارشادات کے تحفظ کا انتظام کیا جائے' تاکہ ان میں مسخ و تحریف اور حذف واضافہ نہ ہونے پائے' کسی منضبط فن اور معیار کی عدم موجودگی کے باعث بے شمار روایات غلط اور مبالغہ آمیز چل پڑی تھیں' اور کوئی ایسی کسوٹی موجود نہیں تھی کہ اس پر گھس کر یقین کے ساتھ کہہ دیا جائے کہ فلاں روایت صحیح ہے اور فلاں غلط' اب دین سے والہانہ شیفتگی رکھنے والے خدا کے نیک بندوں نے کمر ہمت باندھ لی' اور ان لوگوں کے احوال کی تحقیق وتفتیش میں لگ گئے' جن کا نام لے کر روایتیں بیان کی جارہی تھیں' سب سے پہلے انہوں نے صحابہ کرامؓ کے احوال پر گہری نظر ڈالی اور محتاط نقدو نظر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ صحابی سے اور کوئی بھی گناہ سرزد ہو جائے' مگر اس گناہ سے اس کا دامن سیرت پاک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑے' یعنی کوئی ایسا قول یا فعل ان کی طرف منسوب کرے جو خلاف واقعہ ہو' اس فیصلے پر پہنچنا نقدو نظر کے بعد ہی ممکن تھا کیوں کہ بظاہر تو وہ دیکھ رہے تھے کہ صحابہؓ "معصوم عن الخطاء" نہیں ہیں' ان کے بہتیرے گناہ ثابت ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ تو قرآن ہی نے کر دیا ہے' حسان بن ثابتؓ جیسے صحابی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف تہمت تراشی کے فعل رکیک میں شرکت کی سزا خود اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں دی' جب کہ قرآن نے حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی تصدیق فرمادی' حضرت ماعز اسلمیؓ کو زنا کی پاداش میں سنگسار کیا گیا' کعب بن مالکؓ اور مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہؓ پچاس یوم تک راندہ درگاہ رہے' حالاں کہ دو ان میں سے "غزوہ بدر" کی شرکت کا شرف عظیم پائے ہوئے تھے' بعض کو شراب نوشی کی سزا دی گئی' اور

کتنے ہی دوسرے ذنوب اور بھی معلوم و معروف ہیں' ایسی صورت میں بہ آسانی یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ صحابہؓ جھوٹ نہیں بول سکتے' کیوں کہ جھوٹ بھی ایک گناہ ہے اور گناہ سے وہ بالاتر نہیں تھے' لیکن جب ان اربابِ ہمت نے خوب تحقیق کی' تو پتہ چلا کہ دوسری نوع کے گناہوں کے باوجود تمام صحابہؓ کا دفتر عمل حضور پر جھوٹ بولنے کے جرم عظیم سے سر تا سر خالی ہے' اور اس جرم پر جو سخت وعید انہیں اللہ کے رسول نے سنائی تھی' وہ ان کے دل و دماغ میں اس طرح گھر کر گئی ہے کہ جان دینا منظور کر لیں گے مگر حضور ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کریں گے' ان میں کے وہ افراد بھی جو ظاہری سیرت و کردار کے لحاظ سے ممتاز نہیں رہے ہیں' حدیث رسول ﷺ کے معاملے میں بے داغ پائے گئے' اسی لئے اربابِ علم میں رفتہ رفتہ یہ اصولِ قطعی مان لیا گیا کہ الاصحاب کلھم عدول(۱) (تمام صحابیؓ حضور ﷺ سے روایت کرنے میں قابل اعتماد ہیں) صحابہؓ کے بعد پھر کوئی طبقہ ایسا نہیں تھا جسے پورے کے پورے کو بلا تخصیص معتبر مان لیا جائے لہذا ان اہل عزیمت نے صرف تابعیت(۲) کی سند پر کسی کو عادل قرار نہیں دیا' بلکہ ایک ایک کے حال احوال کی تحقیق کی' سفر کئے' گھر گھر گئے' تمام ممکن ذرائع یہ معلوم کرنے کے اختیار فرمائے کہ کون کیا سیرت و کردار رکھتا ہے' اور کس حد تک اس کی راست گوئی پر بھروسہ مناسب ہے' یہ معمولی کام نہ تھا' اس کام پر عمریں صرف کر دی گئی ہیں' خون کو پسینہ کر کے بہا دیا گیا ہے' اسی کے نتیجے میں آج کم و بیش ایک لاکھ انسانوں کے احوال ہمارے پاس محفوظ ہیں اور ان کی روشنی میں ہم فیصلہ کر سکتے ہیں ''کس روایت کا کیا پایہ ہے''۔؟

لیکن صرف یہی کام کافی شافی نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ بہت سے اور اصول و ضوابط بھی وضع نہ کئے جائیں' کون شخص ایسا ہے جسے دس آدمی بھلا کہیں تو ایک

(۱) ان الفاظ نے ''اصول'' کی حیثیت اگرچہ بعد میں اختیار کی ہے لیکن معنا یہ امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے زمانے میں بھی موجود تھے۔

(۲) ''تابعی'' وہ جس نے صحابی کو دیکھا ہو' تابعیت اسی وصف کا نام ہے' جیسے ''صحابی'' سے صحابیت۔

بُرا کہنے والا بھی موجود نہ ہو' اسی طرح نسلاً بعد نسلِ اہل دین یہ تحقیق و تفحص کا کام کرتے گئے' اور اسے کاغذ پر منتقل کیا' کون کس کی رائے میں کیسا ہے یہ سب لکھ لیا' نہ جانے کتنی کتابیں مدون ہوئی ہوں گی' جن میں سے بہت سی عنقا ہو چکیں' مگر انہیں سامنے رکھ کر اگلوں نے جو ضخیم کتابیں تیار کیں وہ بفضلہ تعالیٰ آج بھی دستیاب ہیں' مثلاً "تہذیب التہذیب" "میزان الاعتدال" "لسان المیزان" وغیرہ ضرورت بھی اسی کی تھی کہ سینکڑوں الگ الگ کتابوں کے عوض ایک دو مبسوط کتابیں امت کو مل جائیں جو کافی شافی ہوں۔

یہ آسان نہ تھا' اس کی دشواریوں کا اندازہ چند مثالوں سے لگایئے' آپ عامر عثمانی کا حال تحقیق کرنے باہر سے آتے ہیں' ہمسایوں سے دریافت کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو بڑا اچھا آدمی ہے' صوم وصلوٰۃ کا پابند ایسا اور ویسا' آپ مطمئن ہو کر چلے جاتے ہیں اور اپنی ڈائری میں لکھ لیتے ہیں کہ عامر قابل اعتماد ہیں' اس کی روایت قبول کی جاسکتی ہے۔ اب دوسرے صاحب آتے ہیں انہیں کوئی ایسا شخص ہاتھ لگ جاتا ہے جو عامر کو اندر سے جانتا ہے' وہ کچھ ایسی باتیں بتاتا ہے کہ یہ صاحب کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں' اور الٹے پیروں لوٹ کر نوٹ کر لیتے ہیں کہ عامر بوگس آدمی ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں' پھر تیسرے صاحب تشریف لاتے ہیں تو انہیں دونوں انداز کی خبریں ملتی ہیں' اور وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ عامر بہت جھوٹا بھی نہیں بہت سچا بھی نہیں۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عامر واقعی بھلا آدمی ہو اور تحقیق کرنے والے صاحب کسی ایسے شخص کی بات پر اعتماد کر لیں جو عامر کا دشمن ہو اور گھڑ کر اس کے بارے میں کچھ سنا دے' بس پھر تو یہ صاحب لکھ لیں گے کہ خبردار' اس کی روایت مت قبول کرنا' یا معاملہ برعکس ہو۔

یہ چند صورتیں تو سچے اور جھوٹے ہونے کے رخ سے تھیں' ابھی وہ فرق بھی تو باقی ہے جو انسانوں کی دوسری صفات کی گونا گونی سے پیدا ہوتا ہے' کوئی طبعاً

محتاط ہے کوئی غیر محتاط‘ کسی کا حافظہ تیز ہے مگر مزاج میں مبالغہ بھی ہے‘ کسی کا مزاج معتدل ہے مگر عقل کم ہے بات کی گہرائی تک پہنچنے کی استعداد نہیں رکھتا‘ کوئی نفسیاتی مریض ہے‘ کسی پر جذباتی شدت کی گرفت ہے‘ جس کے نتیجے میں یہ توقع نہیں کہ وہ اپنی ممدوح یا مبغوض شخصیتوں سے متعلق روایات میں خالص حقیقت پسندی سے کام لے گا۔

اندازہ فرمایئے کتنی کٹھن منزل تھی محققین کے سامنے‘ جتنے چہرے اتنی ہی قسمیں‘ پھر بعد والوں کے لئے مزید پیچیدگی یہ تھی کہ جس شخص نے فلاں راوی کے حالات کی تحقیق کی ہے وہ بذات خود کیسا تھا‘ اگر طبعاً وہ غیر محتاط ہوا تو آسانی سے ہر بات کو قبول کرتا چلا گیا ہوگا‘ کم عقل ہوا تو ضروری نہیں کہ حاصل شدہ معلومات سے صحیح نتیجہ بھی اخذ کر سکا ہو‘ متشدد ہوا تو عین ممکن ہے کہ فقط اتنی ہی بات پر اس نے عامر عثمانی کو غیر ثقہ لکھ دیا ہو کہ وہ حقہ پیتا ہے۔

تیسری پیچیدگی یہ کہ اچھائی اور برائی‘ اعتماد اور بے اعتمادی کے بھی تو ہزاروں اسٹیج ہیں‘ زید پر آپ ایک روپے کا اعتبار تو کر لیتے ہیں مگر سو کا نہیں‘ بکر پر ہزار کا بھی کرتے ہیں‘ کسی پر ایک دھیلے کا نہیں‘ کسی کے ہاتھ میں اپنے سیف کی کنجی دے دینا بھی کوئی مضائقہ آپ کے نزدیک نہیں رکھتا‘ طلحہ آپ کی نظر میں بڑا عبادت گزار ہے مگر اس کی سرشت کا یہ پہلو آپ کے علم میں ہے کہ اگر مالی مفاد یا جاہ و منصب کا مسئلہ درپیش ہو تو وہ دروغ و دغا سے بھی گریز نہیں کرے گا‘ جمیل کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ جاہ و مال سے اسے کوئی دلچسپی نہیں‘ مگر رشتہ داروں کی خاطر وہ سو بار جھوٹ بول سکتا ہے‘ متین سے جھوٹ کی توقع نہیں‘ بہت عابد و زاہد ہے مگر آپ جانتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کے سلسلے میں اسے غلو کی عادت ہے‘ اور ناپسندیدہ لوگوں کے خلاف اس کی آراء تعصب پر مبنی ہوتی ہیں۔

اندازہ فرمایئے کتنی دشواریاں تھیں ان اہل عزیمت کے لئے‘ جو دنیا کو ایک

نیااور نادر فن دینے چلے تھے' ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف جب پچھلوں
کی یادداشتیں اور تحریریں منتقل ہوئیں توان کی حیثیت ایک بے شیرازہ دفتر کی سی
تھی' رجال (افراد) کے احوال کی تفصیل کے ساتھ اس دفتر میں وہ قواعد و ضوابط
بھی بکھرے ہوئے تھے' جنہیں پچھلوں نے اس فن کے زیر تعمیر ایوان کی بنیاد کے
طور پر تیار کیا تھا' ہر اگلی نسل کے ارباب علم و خرد نے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ کیا
اور آخر کار گردش ماہ و سال نے دو ایسے انسان امتِ محمدیہ کو دیئے' جن کے اندر
اس پیچیدہ' خشک اور دقیق فن کی تکمیل و تہذیب کی بہترین صلاحیتیں اللہ نے
ودیعت کر دی تھیں' ان کے اسماء گرامی ہیں ابن حجرؒ (متوفی ۸۵۲ھ) اور محمد بن
عثمان الذہبیؒ (متوفی ۷۴۸ھ) ان کے پاس فراست بھی تھی' علم و تحقیق کی راہ
میں خون پسینہ ایک کرنے کا جذبہ بھی' دین کی گہری محبت بھی' ذہبی پہلے ہیں اور
ابن حجر بعد میں' حق یہ ہے کہ ذہبی کی محنت بہت زیادہ ہے اور خود ابن حجر بھی
انہیں کامل استاد فن مانتے ہیں' لیکن ابن حجر کی بعض صلاحیتیں ذہبی سے ممتاز ہیں'
ذلك فضل الله یوتیه من یشاء' بہر حال جو دفتر پچھلوں سے منتقل ہوتا چلا آرہا
تھا' ان لوگوں نے اسے نئی تہذیب و ترتیب اور نفیس اضافوں سے مرصع کیا' بے
شمار آراء و افکار کے جنگل سے گھاس پھونس کاٹے' دوڑے' بھاگے' دن کو دن اور
رات کو رات نہ سمجھا' آخر کار وہ ایک ایسا کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو گئے'
جس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ہے' یعنی گذرے ہوئے بے شمار انسانوں کے
حالات کا اتنا شاندار "زائچہ" کہ اس سے بڑھ کر انسانی دسترس ہی میں نہیں ہے'
محتاط اندازے کے مطابق ایک لاکھ انسانوں کے احوال محفوظ ہیں' پھر ان
حضرات نے پچھلوں کے وضع کردہ قانون و ضوابط کی بھی تنقیح کی' ان کے
بکھرے ہوئے اجزاء کو جوڑ کر ایک حسین پیکر بنایا' جہاں جہاں خلا رہ گیا وہاں وہاں
نئے اجزاء تیار کر کے جوڑے' اور امت کو اس فن کا ایسا مدون اور مہذب دفتر

دے دیا کہ بہت آسانی سے وہ ہر وقت معلوم کر سکتی ہے کہ گیارہ یا بارہ یا تیرہ سو سالوں قبل جو فلاں راوی نے روایت بیان کی تھی' وہ کیسا تھا' اور کس حد تک اس کی روایت قابل قبول ہے یا قابل رد' اس کی مثال اس مشین کی سی سمجھئے جس کے اندر بے شمار تار ہوں' اور اس کے بنانے والوں نے انتہائی مہارت کے ساتھ اوپر بٹن لگا دیئے ہوں کہ فلاں بٹن کو دباؤ تو فلاں تار کام کرے گا' اب ظاہر ہے کہ لاکھوں میں چند ہی ہو سکتے ہیں جو اندر کے تاروں کی سائنس اور نزاکتوں سے واقف ہوں' باقی تو سب صرف بٹنوں کے ذریعے فائدہ اٹھا سکتے ہیں' ٹھیک اسی طرح یہ روایت کا فن بے حد پیچ دار اور ذیل در ذیل ہے' جیسے گھنی زلفوں کے شکن' بڑے بڑے ماہرین "ابن حجر" اور "ذہبی" کے بعد بھی پیدا ہوئے ہیں' اور انہوں نے بعض "فروعات" میں اپنی الگ رائے بھی بنائی ہے' لیکن اس اختلاف کا تعلق مباحث سے ہے' یا پھر اصولوں کے انطباق سے' ایسا نہیں ہوا ہے' نہ ہو سکتا ہے کہ وہ بنیادی خطوط سے باہر نکلے ہوں' یا متفق علیہ اصولوں سے منحرف ہو گئے ہوں' "اسماء رجال" (۱) میں انہیں بہر حال متقدمین ہی کے پیچھے چلنا تھا' کیوں کہ ماضی کا کوئی واقعہ عقل و تفقہ سے نہیں گھڑا جا سکتا' ان ماہرین کے سوا تمام امت کے لئے ابن حجر اور ذہبی کی کتابیں مشین کی مثال کے مطابق' ان بورڈوں کی حیثیت رکھتی ہیں جن پر بٹن لگا دیئے گئے ہیں' اور جس کا جی چاہے ان بٹنوں کو صحیح طور پر استعمال کر کے صدہا سال پہلے کی روایت کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے۔

حافظ ذہبی کی کتاب کا نام "میزان الاعتدال" ہے' ابن حجرؒ نے اس پر کچھ اضافہ کیا اس کا نام ہے "لسان المیزان" اور خود ابن حجرؒ نے کافی ضخیم کتاب مرتب کی' جس کا نام ہے "تہذیب التہذیب" ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ "تقریب التہذیب" دراصل اسی کی ایک جامع فہرست ہے' یا یوں کہیے بہت چھوٹا فوٹو' پھر اصول فن میں ابن حجر نے نخبۃ الفکر (۲) کا تحفہ دنیا کے لئے چھوڑا اور ان کی

(۱) راویوں کے احوال کی چھان پھٹک کے فن کو "فن اسماء الرجال" کہا جاتا ہے۔ (۲) مع نزھۃ النظر۔

شرح بخاری کا مقدمہ ''الھدی الساری'' بھی اصول فن میں معرکہ کی چیز ہے۔
پچھلوں نے جو کتابیں اس فن میں ترتیب دی تھیں' وہ اب اکثر وبیشتر نایاب ہیں'
لیکن خدا بھلا کرے ان مذکورہ حضرات کا انہوں نے بڑی دیانت کے ساتھ وہ سب
کچھ ہمیں اکھٹا اور مربوط طور پر پہنچادیا ہے جو ان کتابوں میں تھا' ان حضرات نے یہ
نہیں کیا ہے کہ راویوں کے بارے میں بس اپنی رائے درج کر دی ہو' بلکہ پچھلے
ارباب فن کی آراء بھی ہمرشتہ بیان کی ہیں' خواہ وہ ان کے موافق ہوں یا مخالف'
اس طرح ہر باصلاحیت آدمی کے لئے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جب ضرورت ہو کسی
بھی راوی یا روایت کے بارے میں تحقیق کر لے کہ متقدم و متاخر اساتذہ کے
نزدیک اس کا کیا حال ہے' مثال کے طور پر دورہ حدیث کے طلباء میں سے ہزار
میں ایک بھی ایسا نہ ہو گا جس نے ''بخاری'' و ''مسلم'' کے تمام راویوں کی جانچ
پرکھ کی ہو' پھر بھی وہ اطمینان رکھتا ہے کہ ان کتابوں کی روایتیں معیار اعلیٰ کی
صحت رکھتی ہیں' کیوں کہ پچھلے ارباب فن ان کی توثیق کر چکے ہیں' لیکن اگر کسی
کے دل میں شیطان یہ وسوسہ ڈالے کہ ممکن ہے امام ''بخاری'' و ''مسلم'' سے غالی
عقیدت رکھنے والوں نے غیر ضروری طور پر انہیں معتمد مان لیا ہو' تو وہ بہت
آسانی سے مذکورہ دونوں آئمہ فن کی کتابیں اٹھا کر یہ اطمینان کر سکتا ہے کہ
عقیدت کا اس میں کوئی دخل نہیں' یہ تو علم و فن کا معاملہ ہے اور ان کتابوں میں
ہر اس راوی کا حال درج ہے جس سے بخاری و مسلم نے روایات لی ہیں' ہزار
ہزار سلام پہنچے ان ارباب عزیمت کو جنہوں نے اپنی عمر بھر کا حاصلِ تحقیق
بہترین ترتیب و تسہیل اور تہذیب و ترصیع کے ساتھ ہمیں منتقل کر دیا' اور ہم
روایات کے ردو قبول میں حیرت و سرگشتگی سے بچ گئے۔

اس تقریر سے آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ روایات کا معاملہ خالی عقلی تگ و دو
کا نہیں ہے بلکہ خبر و شہادت کا ہے' واقعات کا ہے' اس میں جو بھی گفتگو ہو سکتی ہے
مسلم اساتذہ کے اصولوں اور وضاحتوں کے دائرے ہی میں رہ کر ہو سکتی ہے' یہ

نہیں کہ کوئی بھی آدمی کھٹ سے اٹھے اور پھٹ سے کہہ دے کہ فلاں روایت غلط ہے' یا فلاں راوی جھوٹا ہے' فن روایت کی نزاکتوں کا جو اندازہ ہماری یہاں تک کی تقریر سے آپ کو ہوا ہو گا وہ اگرچہ معمولی نہیں لیکن صحیح اندازے سے آپ اب بھی اتنی دور ہیں جیسے زمین سے چاند' مزید واقفیت کے لئے ہم کچھ باتیں نمونتاً اور بتاتے ہیں' بظاہر تو موٹی سی بات ہے کہ روایت غلط ہو گی یا صحیح اور راوی سچا ہو گا یا جھوٹا' لیکن حقیقتاً یہ اتنی سادہ بات نہیں' مدارج اور اختلاف احوال اور طریق روایت اور مضمون روایت اور دوسرے گوناگوں پہلوؤں کی وجہ سے جتنی بے شمار شکلیں وقوع پذیر ہوتی رہی ہیں ان سب کے لئے ماہرین فن نے الگ الگ اصطلاحیں بنائی ہیں۔

مثلاً روایت کے اقسام دیکھئے تو درجنوں ملیں گے' احاد' متواتر' مشہور' عزیز' حسن' صحیح' غریب' فرد' مقبول' محفوظ' شاذ' منکر' منسوخ' مرسل' منقطع' معضل' مقلوب' متروک' موضوع' مضطرب' مصحف وغیرہا

راویوں کے اقسام دیکھئے تو وہ بھی کثیر ہیں پھر جرح و تعدیل (۱) کے الفاظ ملاحظہ کیجئے تو حیرت کریں گے کہ ہر ہر لفظ اپنا الگ الگ مصداق و مفہوم رکھتا ہے مثلاً ثقہ حافظ کہا تو اس سے مراد وہ درجہ نہیں ہے جو صرف "صدوق" یا صرف "ثقہ" سے مراد ہے اور "موثق" کہا تو یہ متقن' ثبت' عدل' سے الگ ایک درجہ ہے' اسی طرح لاشئی' فیہ شئی' فیہ نظر' منکر الحدیث اور متروک الحدیث وغیرہ میں بھی فروق ہیں' اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک استاد فن 'لاشئی' کہہ کر جو مراد لیتا ہے وہی دوسرا استاد بھی لیتا ہو' ایسی بہت سی اصطلاحیں ہیں جن کا صحیح منشا اس وقت تک سمجھا ہی نہیں جا سکتا' جب تک یہ نہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کس نے استعمال کی ہے' آپ حیران ہوں گے کہ حدثنی اور اخبرنی میں بھی بعض کے نزدیک لطیف فرق ہے جب کہ دونوں کے معنی بظاہر ایک ہیں (۲) اور نقل اور

(۱) جرح کہتے ہیں اس ریمارک کو جو اعتماد میں کمی کرے اور تعدیل جو اعتماد بڑھائے۔

(۱) حدثنی ہم سے بیان کیا اخبرنی ہمیں خبر دی۔

نُقِلَ یا حُکِیَ اور رَوَیٰ اور رُوِیَ میں بھی فرق ہے' اگر کہا گیا کہ رَوَیٰ عن زید تو مطلب یہ ہوگا کہ روایت کرنے والے نے بذات خود زید سے روایت سنی ہے' لیکن رُوِیَ عن زید میں شک کا پہلو ہے اسی لئے مجہول کے ان صیغوں کو "صیغہء تمریض" کا نام دیا گیا ہے' بال سے باریک فرق۔

صدہا دقیق ضوابط میں سے چند نمونتاً دیکھتے چلیئے' نمبر ڈالے دیتے ہیں تاکہ آگے میاں صاحب کے علم دخبر کا مزید تعارف کراتے ہوئے اگر کسی قاعدے کا حوالہ دینا پڑے تو نمبر دیدیا جائے۔

(۱) ارباب فن کسی راوی کو اگر ثقہ یا ضعیف کہتے ہیں تو ضروری نہیں کہ ہمیشہ اس سے ان کی مراد یہ ہو کہ یہ راوی قوی ہے یا ضعیف' بلکہ یہ ریمارک بطور تقابل ہوتا ہے' مثلاً عثمان دارمی نے ایک بار "ابن معین" (۱) سے پوچھا کہ علاء بن عبدالرحمٰنؒ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں' تو ان کا حال کیسا ہے' ابن معینؒ نے جواب دیا' علاء" کی روایت میں کوئی خرابی نہیں' عثمان نے پوچھا کیا علاءؒ آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا سعید المقبری' فرمایا سعید اوثق ہیں اور علاء ضعیف' اب یہاں ابن معین کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ علاء ضعیف ہیں یہ ہوتا تو پہلے لیس به باس کیوں کہتے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ سعید درجہ ثقاہت میں ان سے اونچے ہیں۔ (ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی ص ۳۶)

(۲) لیس بشیء کا عام مطلب یہ ہے کہ راوی التفات کے قابل نہیں ہے' لیکن ہر استاد فن اس کی یہ مراد نہیں لیتا' ابن القطانؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن معین جب راوی کے بارے میں لیس بشیئی کہتے ہیں تو ان کی مراد بس یہ ہوتی ہے کہ اس راوی نے زیادہ حدیثیں روایت نہیں کی ہیں تھوڑی سی کی ہیں (نہ یہ کہ اس کی روایت کا اعتبار نہیں) حوالہ مذکور ص ۳۴

(۳) فلان ضعیف یا فلان لیس بشیئی مبہم جرحیں ہیں' ان کا کوئی اعتبار

(۱) یہ بھی اس فن کے استاد ہیں۔

نہیں جب کہ یہ کسی ایسے راوی کے بارے میں ہوں جسے کسی اور استاد نے ثقہ مانا ہے۔(سلعة القربی' ص ۱۱۹ مطبع مجیدیہ)

(۴) حدیث منکر روایات مردودہ کے زمرے میں شامل نہیں' جب کہ حدیث متروک قابل رد ہے۔ (نخبة الفكر خلاصة) لیکن بعض اساتذہ متروک اور منکر کے الفاظ ایک ہی مفہوم میں راوی کے لئے استعمال کر جاتے ہیں' جیسے ''دارقطنی'' کا قول حسن بن غفیر کے بارے میں یہ احتمال رکھتا ہے' کہ دونوں الفاظ واحد مفہوم میں بولے گئے ہوں' (كذا ذكره السخاوی (۱) فی ''شرح الالفیه'' ص۳٦)

(۵) مجہول و مستور (۲) راوی کی روایت ایک گروہ کے نزدیک جس میں ابو حنیفہؒ بھی شامل ہیں مقبول ہے بلا قید (بشرطیکہ کسی معروف العدالت نے اس سے روایت کیا ہو) اور جمہور کے نزدیک اس کا معاملہ معلّق ہے' جب کسی اور ذریعہ سے تائید یا تردید ہو جائے گی' تو فیصلہ کیا جائے گا اور امام الحرمین ابو المعالی نے اس رائے پر اعتماد ظاہر کیا ہے اور ''ابن صلاح'' تو کہتے ہیں کہ اگر اس مجہول الحال کے بارے میں کوئی جرح بھی علم میں آجائے مگر مجمل ہو' مثلاً کسی نے کہا ہو وہ ضعیف ہے' یا لاشے ہے' تب بھی روایت رد نہیں کی جائے گی' کیونکہ رد کے لئے جرح مفسّر ضروری ہے (نخبة الفكر وسلعة القربی ص ۷۴و۷۵)

(٦) ابن حجرؒ کی تصریح کے مطابق حافظ ذہبیؒ نے جو ابن حجر کے نزدیک بھی اس فن کے کامل استاد ہیں' فرمایا ہے کہ کوئی دو مستند اور بیدار مغز اساتذہ کسی ایسے راوی کی توثیق پر متفق نہیں ہو سکتے جو واقعتاً ضعیف ہو' اور نہ کسی ایسے راوی کو ضعیف قرار دے سکتے ہیں جو واقعتاً اعتماد کے قابل ہو' (نخبة الفكر ص ۱۱۸ مجیدی پریس)

(۱) حافظ سخاویؒ نے شرح الفیہ میں ایسا ہی بیان کیا ہے۔

(۲) جس کا حال معلوم نہ ہو کہ کیسا ہے۔ سچا جھوٹا۔ برا بھلا

(۷) بعض ائمہ ایسے ہیں جو جرح کے معاملے میں متشدد اور تعجیل پسند ہیں۔ مثلاً ابن عدی، ابن معین، عقیلی، ابن حبان، نسائی، ابن الجوزی، ابن تیمیہ (۱) یہ تعدیل دیر میں کرتے ہیں اور تجریح بہت جلد، ان کی مجمل جرحوں کے قبول میں غور و فکر چاہیئے اور کوئی بھی ایسا راوی جس کی توثیق کسی امام فن نے کی ہو، ان کے فقط یہ کہہ دینے سے مجروح نہیں ہوتا کہ وہ ضعیف ہے، یا لاشے ہے، یا منکر الحدیث ہے وغیرہ۔ ہاں مفصل و مفسر جرح لائق توجہ ہو گی۔

(۸) ہمارے علمائے احناف اور بہتیرے ارباب الحدیث نے صراحت کی ہے کہ ضعفِ روایت دور ہو جاتا ہے اگر کئی طریق سے یہ روایت پائی جا رہی ہو، پس ان سے حجت پکڑنا درست ہے۔ (ظفر الامانی ص ۹۱)

(۹) ابن صلاح کے نزدیک ضعیف راوی کی دو قسمیں ہیں جو راوی صدوق ہو اگر اسے اس لئے ضعیف قرار دیدیا جائے کہ اس کے رواۃ (۲) حافظے کی خرابی کے مریض ہیں تو یہ الزامِ ضعف ہٹ جائے گا اگر وہ اپنی روایت دوسرے راویوں سے لائے۔ (ایضاً)

(۱۰) اگر ایک امامِ فن کسی روایت کے ایک یا متعدد راویوں کو ضعیف کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ مت سمجھو کہ اس روایت کا متن (۳) بھی ضعیف ہے، ہو سکتا ہے امام کی تضعیف (۴) کا تعلق صرف اسناد سے ہو اور یہی مضمونِ روایت کسی اچھی سند سے بھی مروی ہو، ہاں اگر امام وضاحت کر دے کہ یہ روایت کسی بھی صحیح سند سے مروی نہیں، تب حدیث ضعیف مانی جائے گی۔ (تدریب الراوی ص ۱۰۷)

(۱۱) اگر ایک روایت متعدد ایسی سندوں سے مروی ہو جو سب کی سب اچھی ہیں یا کچھ ضعیف اور کچھ صحیح ہیں، پھر اس کے مضمون میں تخالف پایا جا رہا ہو تو یہ رد نہیں کی جائے گی، بلکہ حتی الوسع اس تخالف کو تطابق سے بدلا جائے گا اور

(۱) ظفر الامانی۔ تدریب الراوی۔ الرفع والتکمیل۔ (۲) راوی کی جمع۔ (۳) یعنی جو مضمون اس میں بیان ہوا ہے۔ (۴) ضعیف قرار دینا۔

اگر اساتذۂ فن یہ فیصلہ کر دیں کہ کسی علمی تاویل سے یہ تخالف دور نہیں ہو سکتا تو روایت کا صرف وہ جز معرض بحث میں آئے گا جو محلِ تخالف ہے' باقی حصہ جو مختلف اسناد سے یکساں مروی ہوا ہے مقبول(۱) ہو گا۔

(۱۲) احکام اور دیگر امور کی روایت کے معیار یکساں نہیں ہیں' احکام پر دین کے تحفظ کا مدار ہے اس لئے ان کے معاملے میں غیر معمولی احتیاط برتی جائیگی' لیکن دوسرے امور ذیلی ہیں' اگر ہمیں یہ خبر غلط ملی ہے کہ مثلاً خلافتِ عمرؓ کی فلاں جنگ میں فلاں محاذ پر فلاں صحابی سپہ سالار تھے' تو اس غلطی سے ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوتا' لیکن اگر یہ غلط اطلاع مل جائے کہ حالتِ جنابت میں قرآن چھو سکتے ہیں تو دین کی بربادی لازم آئے گی' اسی لئے امام ابن حجرؒ جیسے امامِ زمانہ نے "باب الاحکام" سے ہٹ کر اپنی تصنیفات میں ایسے بہت سے راویوں کی روایات لی ہیں جن پر "باب الاحکام" میں وہ زیادہ اعتماد نہیں کرتے' یہ طرزِ عمل بجائے خود دلیل ناطق ہے اس بات کی کہ دونوں نوع کی روایتوں میں یکساں معیار فن استعمال نہیں کیا جاتا' لیکن محترم شیخ الحدیث قبلہ مولانا محمد میاں کی بے خبری کا پورا جغرافیہ سمجھانے کیلئے ہم اس معلوم حقیقت کو مزید دلائل سے مزین کریں گے:

ذهب قوم الى جواز الاخذ بالضعيف والتساهل فى اسانيده وروايته من غير بيان لضعفه اذاكان فى غيرالاحكام. والعقائد مثل فضائل اعمال والقصص۔ (فتح الملهم ص ۵۸)

ایک معتدبہ گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ حدیث ضعیف سے کام لینا اور اس کی سند کے معاملے میں تساہل برتنا اور یہ ظاہر کئے بغیر کہ یہ ضعیف روایت ہے اسے بیان کرنا جائز ہے جبکہ وہ احکام وعقائد سے تعلق نہ رکھتی ہو بلکہ فضائلِ اعمال اور

(۱) مستفاد من "تدريب الراوى" و "نخبة و ظفرالامانى"۔

قصوں حکایتوں سے تعلق رکھتی ہو۔

اس کے بعد بتایا گیا کہ اس جواز کے قائلین میں احمد ابن حنبلؒ جیسے حضرات ہیں، پھر امام سخاویؒ کا قول نقل کیا گیا کہ :

"ضعیف روایت سے استدلال کیا ہے امام احمدؒ امام ابو داؤدؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے اور یہ لوگ اسے قیاس و رائے سے مقدم جانتے ہیں جب کہ اس باب میں کوئی اور روایت موجود نہ ہو۔"

پھر فرمایا گیا :

"جب کسی ضعیف روایت (۱) کو امت میں قبول عام حاصل ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، اسی وجہ سے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ لا وصیة لوارث والی حدیث اگر چہ اہل حدیث کے قواعد سے مضبوط طور پر ثابت نہیں، مگر امت میں اسے قبول حاصل ہو گیا ہے اور سب اسی پر عامل ہیں حتیٰ کہ انھوں نے اسے آیتِ وصیت کیلئے ناسخ مان لیا ہے۔"

ایک سطر بعد :

"امام نوویؒ نے اپنی متعدد تصانیف میں بیان کیا ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل اہل حدیث وغیرہ کا اجماعی موقف ہے۔"

حد ہے کہ ابنِ تیمیہؒ جیسے متعنّت (۲) منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں کہ :

"ہمارا قول ہے کہ حدیثِ ضعیف رائے سے بہتر ہے البتہ ضعیف سے مراد حدیثِ متروک نہ لے لی جائے۔"

مزید ائمہ حدیث کا قول نقل کیا گیا :

"ضعیف روایت ہمارے لئے قیاس سے زیادہ محبوب ہے۔"

(فتح الملہم شرح مسلم ج ۱ ص ۵۸)

(۱) امت سے مراد عوام کی بھیڑ نہیں ہے بلکہ علماء و فضلاء اور مجتہدین و محدثین ہیں، ان کے پیچھے قوم آپ سے آپ آجاتی ہے۔ (۲) یعنی جو راویوں کی کمزوریاں پکڑنے میں سخت گیر ہیں۔

یہاں ان قواعد پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے جو چند صفحات قبل ہم "کشف الاسرار" وغیرہ سے نقل کر آئے ہیں' اب غالباً اچھا خاصا اندازہ قارئین کو ہو گیا ہو گا کہ فنِ روایت کتنا زلف در زلف ہے حالانکہ یہ نمونے اس کی مجموعی نزاکتوں کا بس اتنا ہی تصور دے سکتے ہیں جتنا پچاس میل سے کسی پہاڑ کا دھندلا منظر' تنہا علل حدیث پر متعدد کتابیں ہیں جن میں الامام ابی محمد عبدالرحمٰن الرازی الحافظ کی "علل حدیث،، ۹۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔(دو جلدیں)

یہ جو بھی قواعد ہم نے بیان کئے ہمارے گھر کے نہیں ہیں اساتذۂ فن کے ہیں' اور ہر ایک کا پورا حوالہ ہم نے پیش کر دیا ہے' اب آگے بڑھنے سے پہلے اتنا تو نوٹ کر ہی لیجئے کہ قاعدہ ۲ کے مطابق اس ابن سعد کی ثقاہت و صداقت جسے میاں صاحب نے دل سے گھڑ کر فنی گالیاں دی ہیں سورج کی طرح روشن ہو گئی' اس قاعدے کی رو سے صرف ذہبیؒ اور ابن حجرؒ کا انھیں ثقہ مان لینا ہی حرفِ آخر سے کم نہیں تھا' مگر آپ نے دیکھ ہی لیا کہ خطیب بغدادیؒ ابن خلکانؒ اور حافظ سخاویؒ وغیرہ بھی ہمنوا ہیں۔

چیست یارانِ طریقت بعد ازاں تدبیر ما

درایت:(۱)

درایت تو دنیا کے ہر علم و فن میں درکار ہے پھر فنِ حدیث میں کیوں نہ ہو گی لیکن اسے اندھے کی لاٹھی کی طرح کہیں بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا' یہ درایت کس جگہ کیونکر استعمال ہو گی' یہ بھی ہمیں ماہرین فن سے پوچھنا ہو گا اور جب ہم بجائے اسناد کے مضمون حدیث پر گفتگو کریں گے تو ہمیں مجتہدین و فقہاء کی خدمت میں حاضری دینی ہو گی کیونکہ مضمون کا تعلق فن روایت سے نہیں فکر و فہم سے ہے' راوی بس الفاظ اٹھا کر دے سکتا ہے معانی نہیں' علم کے یہ دونوں شعبے الگ الگ ہیں' اسی لئے بڑے سے بڑے امامِ روایت مثلاً ابن حجرؒ اور ذہبیؒ بھی

(۱) فہم و تفقہ' سوجھ بوجھ' منطق۔

معانی اور مطلب کے باب میں حرفِ آخر نہیں ہیں بلکہ فقہاء و مجتہدین کو اس راہ کا رہنما ماننا ہوگا' لیکن فنِ روایت کے دائرے میں فقہاء و مجتہدین کے بجائے ائمہ روایت ہی کا سکہ چلے گا۔

اللہ تعالیٰ مولانا شبلیؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے' وہ سیرت النبی ﷺ میں ابن الجوزیؒ کے واسطے سے اصول درایت بیان کر گئے ہیں' لیکن انہیں تصور بھی نہ ہوگا کہ مولانا محمد میاں جیسے شیخ الحدیث دنیا میں ظہور کرنے والے ہیں جو درایت کو "درانتی" کے ہم معنی بنا دیں گے' انہیں ابن الجوزیؒ اور ملا علی قاریؒ کی توضیحات پر یہ اضافہ ضرور کرنا چاہئے تھا کہ مولانا محمد میاں جیسا کوئی سمجھدار اسے نہ پڑھے!

بات شاید موضوع سے ہٹ گئی' ہم کہنا یہ چاہ رہے تھے کہ جب کوئی روایت اصولِ فن کے اعتبار سے "صحیح" ثابت ہو جائے' تو پھر اس کا مضمون خواہ کچھ ہو اسے رد نہیں کیا جا سکتا' بلکہ تاویلِ حسن کی کوشش کی جائے گی' اور یہ تاویل بلا شبہ فقہاء و مجتہدین کا حق ہے نہ کہ فنِ روایت کے ائمہ کا' ثابت شدہ روایت کو درایت کے بل پر رد کرنا فنِ روایت کی بنیادیں کھودنے کے ہم معنی ہے جس کی کچھ تفصیل پیچھے "ثلثۃ کذبات" والی روایت کے ذیل میں آ چکی ہے۔(۱)

حضرت میاں صاحب کے فرمودات :

علم حدیث سے وہ کتنے واقف ہیں اس کا نظارہ آپ خوب کر چکے' مگر آیئے خود ان کی زبانی ان کے اناڑی پن کا اعتراف سنوائیں' اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۴ سطر ۶ تا ۹ میں انہوں نے شامتِ اعمال سے یہ اعتراف فرمایا ہے کہ آج ہی یعنی اے۹۱ء میں یہ حقیقت بھی ان کے سامنے آگئی کہ احادیث بخاری کے لئے :

"سات ہزار دو سو پچھتر کی جو تعداد بیان کی گئی اس میں تین

(۱) حصہ اول ص : ۲۰۴ تا ۲۱۰ (مرتب)

ہزار دو سو پچھتر حدیثیں مکرر ہیں"

حوالہ اس کے لئے مقدمہ "فتح الباری" کا دیا ہے...... گویا آپ مقدمہ "فتح الباری" کو بھی سمجھ سکتے ہیں.........! خیر یہ بھی فرض کر لیجئے' دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو بات دورۂ حدیث کے ہر طالب علم کو سندِ فراغت ملنے سے پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے وہ میاں صاحب کو آج معلوم ہو رہی ہے جب کہ شیخ الحدیث بنے انہیں غالباً بیسیوں سال ہو گئے ہیں۔

ہم جو توضیحات کر آئے ان کی روشنی میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ روایات کے سلسلے میں ہم سب کے لئے بس دو ہی راستے عافیت کے ہیں...... یا تو ہم یہ دیکھ لیں کہ فلاں روایت کو علمائے محققین میں سے کسی نے قبول کیا ہے یا نہیں' اگر کیا ہے تو ان کے بھروسے پر ہم بھی قبول کر لیں' اور نہ کیا ہو تو سمجھیں کہ اس میں کچھ نقص ہے' یا پھر ہم وہ زبردست قابلیت پیدا کریں جو روایات کی ماہرانہ جانچ پرکھ کے لئے ضروری ہے' اور پھر تمام قواعد فن کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطور خود روایات کے درجات کا پتہ چلائیں' یہ راستہ بڑا کٹھن اور طویل ہے' زبردست علم اور ذہنی بیداری اور ژرف نگاہی اور فہم واستحضار چاہتا ہے' لاکھوں میں کوئی خدا کے فضل سے اس کا اہل ہو سکتا ہے' اب یہ علم وفن کے ساتھ کتنا بڑا مذاق ہے کہ وہ لوگ "روایات" پر "ذاتی نقد" فرما رہے ہیں جن کے علم وفہم کا طول وعرض آپ دیکھ چکے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی سیکھڑ مستری سائیکل تک کی سائنس نہ جانتا ہو مگر اپولو کے میکنزم پر استادانہ لہجے میں گفتگو کرے...... ہم غلط نہیں کہتے "شواہد تقدس" اٹھا کر دیکھ لیجئے' ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی طفلِ مکتب کو امام رازیؒ سرزنش فرما رہے ہیں حالانکہ امام رازیؒ کا بھیس بدلنے والا اپنے کاسۂ سر میں چڑیا کا بھیجا بھی نہیں رکھتا.........!

میاں صاحب کا دفتر منطق :

اب ذرا ورق الٹ کر ایک بار اس روایت کو پھر پڑھ لیجئے جس پر بحث ہے'

میاں صاحب اس پر نقد کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ ابن سعد واقدی کے شاگردوں میں ہیں اور :

> "حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمہما اللہ نے جو رائے ابن سعد کے متعلق ظاہر فرمائی ہے' اس کی تصدیق خود اس روایت سے ہوتی ہے یعنی امام زہری کا جو قول پیش کیا ہے' وہ خود اس کا ثبوت ہے کہ ابن سعد نقل روایت کے بارے میں قطعاً غیر محتاط ہیں" ص ۱۸۸

حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ذہبیؒ نے جن آراء کا اظہار کیا تھا وہ ہم نقل کر چکے' ایکبار پھر پڑھ لیجئے اور خدا کے لئے کوئی صاحبِ علم ان بقراطِ زمانہ کے پاس "تقریب التہذیب" "تہذیب التہذیب" اور "میزان الاعتدال" کی جلدیں لے کر جائیں اور ان کے سر پر ماریں (مگر زور سے نہیں) اور کہیں کہ لیجئے دکھایئے وہ پانچ سطر کی صلواتیں اس میں کہاں درج ہیں جو آپ نے "من العاشرہ" کی کھال ادھیڑ کر جادو کے کنگن کی طرح نکالی ہیں' یا کم سے کم یہی دکھلا دیں کہ عامر خبیث نے فلاں بات غلط نقل کر دی ہے۔

ہائے یہ عجوبہ روزگار شیخ الحدیث!

چلئے آگے چلئے' امام زہریؒ کا قول کیوں کر ابن سعدؒ کے غیر محتاط ہونے کا ثبوت ہے اس کی دلیل دیتے ہیں کہ :

> "آخری چھ سالوں میں رشتہ داروں کے تقرر کا قول ایک ایسا غلط قول ہے جو ابن زہری کا تو ہو نہیں سکتا جو فنِ حدیث کے امام مانے جاتے ہیں" ص ۱۹۳

یعنی اپنا ایک گھڑا ہوا خیال تو مثل وحی اور ہر حقیقت اس کے سامنے افسانہ' ذرا دیکھئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محرم ۲۴ھ میں خلافت سنبھالتے ہیں' کیا ۲۹ھ کے خاتمے پر چھ سال پورے نہیں ہو گئے' عبداللہ بن عامرؒ ۲۹ھ کے آخر

میں حاکم بنائے جاتے ہیں' سعید بن العاصؓ کو ۳۲ھ میں والی بنایا جاتا ہے' مروان پہلے سے حضرت عثمانؓ کے پاس تھا لیکن اس کی حاکمانہ حیثیت کا ظہور آخری ہی سالوں میں ہوتا ہے (مروان کی وکالت میں میاں صاحب نے کس طرح حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجہ محترمہ پر گند اچھالی ہے اس کی تفصیل "مروان" کی بحث میں آئے گی)

پھر قارئین پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ شیخ محبّ الطبری نے الریاض النضرہ میں مشہور تابعی سعید بن المسیب کا جو قول نقل کیا ہے اس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں کہ :

"اپنی خلافت کے آخری چھ سالوں میں آپ نے بنی عم کو خصوصیت سے دوسروں پر فوقیت دی اور والی و حاکم بنایا......"

تو گویا ہمارے محترم شیخ الحدیث "ابن سعدؒ کے مصنوعی زہری(۱)" کی طرح اب حضرت سعید بن المسیب کو شیخ محبّ کا مصنوعی سعید کہیں گے (اے اللہ! آسمان کو تھامے رکھنا)

دنیا جانتی ہے کہ خلافتِ عثمانیہ کے آخری چھ سال ہی اضطراب و ہیجان کا گہوارہ رہے ہیں اگر امام زہری اور سعید المسیبؒ جیسے اکابرین نے ان چھ سالوں کا خصوصی ذکر کیا تو یہ ایک قدرتی بات تھی جسے مولانا محمد میاں کے سوا شاید ہی کوئی جھٹلا سکے۔

مذکورہ عبارت کے متصل بعد میاں صاحب نے فرمایا :

"یہ ایک ایسی علت ہے کہ فنِ حدیث کے اصول کے لحاظ سے اس علت کی بنا پر یہ قول معلول ہو گیا معلول قول قابلِ اعتبار نہیں ہوتا......" ص ۱۹۳

جس طرح "فی العاشرہ" کے تحت میاں صاحب نے فنِ حدیث کی دہ

(۱) یہ تمسخر میاں صاحب ہی نے فرمایا ہے ملاحظہ ہو ان کی کتاب صفحہ ۱۹۵' سطر ۸......اور یہ بھی سن لیجئے کہ امام زہریؒ امام بخاریؒ کے شیخ الشیوخ ہیں۔

اصطلاحیں جو لفظی طور پر آپ کو یاد تھیں خواہ مخواہ دہرادی تھیں' اور بے چارے عام قارئین سمجھے ہوں گے کہ یہ شخص تو بڑا محدث ہے' اسی طرح یہاں بھی موصوف نے علت اور معلول کے الفاظ فنِ حدیث کے عنوان سے دہرائے ہیں اور بے چارے قارئین مزید مرعوب ہو گئے ہوں گے کہ واقعی ایں شخص امام زمانہ است ......!

مگر جو لوگ فنِ حدیث سے تھوڑا مس رکھتے ہوں گے وہ "فی العاشرہ" والے مقام کی طرح یہاں بھی کانپ گئے ہوں گے کہ یا اللہ! کس طرح ٹھٹول کیا جا رہا ہے حدیث کے مقدس فن سے۔

عبرتِ عام کے لئے ہم حقیقتِ واقعہ سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

علت و معلول:

فنِ حدیث میں علت اور حدیث معلول یا حدیثِ معلل(۱) کا تمام تر تعلق صرف اور صرف ان روایات سے ہے جن کی سند میں تمام راوی ثقہ ہوں' ماہرین نے ان روایات کو "صحیح" قرار دیا ہو اور کسی بھی راوی میں کوئی ایسا نقص نہ پایا جاتا ہو' جس کی بنا پر اسے ضعیف قرار دیا جا سکے۔

کوئی دعویٰ ہم بلا دلیل نہیں کریں گے' صاحبِ "فتح الملہم" علمائے فن کا خلاصہ کلام ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں(۲)۔ ج ا ص ۵۴

> "فی الحدیث المعلل" الخ حدیثِ معلل وہ حدیث ہے جو بظاہر "صحیح" ہو' جملہ عیوب ظاہری سے پاک ہو مگر اس میں کسی مخفی عیب کا پتہ چلے جس کی بنا پر وہ داغدار ہو جائے' اور اس معاملے کا تعلق تمام تر اس سند سے ہے جس کے جملہ

(۱) معلول اور معلل دونوں ہی الفاظ محدثین نے بکثرت استعمال کیے ہیں۔ اصطلاح ایک ہی ہے۔

(۲) بخوف طوالت ہم عربی عبارت چھوڑ رہے ہیں مگر ہم اپنے ترجمے کی صحت کے لئے ایک ایک لفظ کے ذمہ دار ہیں۔

راوی ثقات ہوں' اور ظاہراً ان میں وہ تمام صفات پائی جارہی
ہوں جو حدیثِ صحیح کے راویوں میں ہونی چاہئیں"۔

اور عوام یہ بھی سمجھ لیں کہ "صحیح" ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے' ایسی روایت جس کے راویوں کو ائمہ فن نے ثقہ' سچا' ضابط اور عادل قرار دیا ہو۔

اب دیکھئے میاں صاحب جس روایت پر گفتگو کر رہے ہیں اس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہے' لہذا سند نا قابل اعتبار ہو گئی' اس میں "تدلیس" بھی ہے لہذا بالکل بوگس، (تدلیس کی بحث آگے آرہی ہے) اس سے ظاہر ہوا کہ کمال جہالت میں وہ اپنی تردید آپ کر گئے' یعنی ان کے نزدیک روایت صحیح تو کیا ہوتی' معمولی ضعیف بھی نہیں' بلکہ "ردی کی ٹوکری(۱)" میں پھینک دینے کے قابل ہے...... مگر وہ اصطلاحیں استعمال کر رہے ہیں' علت اور معلول کی جن کا تمام تر تعلق صحیح الاسناد روایات سے ہے' سمجھے آپ کیا لطیفہ ہوا؟...........!

ایک مثال شاید پوری طرح سمجھا دے گی' زید ایک سانس میں تو زور شور سے یہ تقریر کر رہا ہو کہ الف کو جیم کا ترکہ ملنا چاہئے کیوں کہ الف مرحوم کا بیٹا ہے اور دوسرے سانس میں وہ اس پر اصرار کرے کہ جیم لاولد مرا ہے اس کے ہرگز کوئی بیٹا نہیں تھا۔

یہاں میاں صاحبؒ کے جہل نے کچھ اسی قسم کا لطیفہ پیدا کیا ہے' حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہی نہیں' اور فرماتے ہیں کہ "معلول" بھی ہے جب کہ معلول کی اصطلاح فن حدیث میں خالصتاً صحیح احادیث کے لئے وقف ہے' اگر میاں صاحب اصولِ حدیث کی ابجد بھی جانتے' تو یہ الل ٹپ باتیں خواب میں بھی نہ کرتے چہ جائیکہ بیداری میں۔

دوسری بات اور سنئے۔ "عللِ حدیث" کا شعبہ فنِ حدیث میں سب سے

(۱) یہ انہیں کے الفاظ ہیں صفحہ ۱۹۷' سطر ۱۵۔

مشکل اور دقیق مانا گیا ہے' امامِ فن ابن حجرؒ "نخبۃ الفکر" میں فرماتے ہیں :

"وھومن اغمض الیٰ آخرہ (حدیث معلل کی شناخت مشکل ترین علوم حدیث میں سب سے زیادہ دقیق معاملہ ہے' اس سے وہی شخص عہدہ بر آہو سکتا ہے جسے اللہ نے بہت ہی روشن عقل' وسیع حافظہ اور راویوں کو پہچاننے کی کامل استعداد اور روایات کی سندوں اور متنوں کے نکات و رموز سمجھنے کا قوی ملکہ عطا کیا ہو۔" (نخبۃ الفکر' ذکر حدیث معلل)

امام ابن صلاحؒ فرماتے ہیں :

"علل حدیث الیٰ آخرہ" حدیث کی علتوں کا علم علوم حدیث کا سب سے دقیق اور سب سے معظم علم ہے' اس کی آگاہی صرف ان لوگوں کو ہو سکتی ہے جو بہترین حافظہ اور وسیع آگاہی اور فہم رسا رکھتے ہوں۔" (الفتح الملہم ج ۱ ص ۵۴)

امام سخاویؒ کہتے ہیں :

"یہ قسم علوم حدیث میں سب سے غامض اور دقیق ہے اسی لئے سوائے اعلیٰ درجے کے اساتذۂ فن اور کامل آگاہی رکھنے والے ائمہ اور زبردست فہم رکھنے والے خواص کے اس میں کوئی گفتگو کی جرأت نہیں کرتا' مثلاً ابن المدینیؒ اور امام احمدؒ اور امام بخاریؒ اور یعقوب بن شیبہؒ اور ابی حاتمؒ اور ابی زرعہؒ اور دار قطنیؒ جیسے ماہرین ہی زبان کھولتے ہیں' اس کے اسرار کا یہ عالم ہے کہ بعض حفاظِ حدیث نے تو یہ کہدیا ہے کہ عللِ حدیث سے ہماری واقفیت جاہل و ناواقف لوگوں کے لئے کہانت(۱) جیسی چیز ہے۔" (حوالہ مذکورہ)

(۱) غیب کی باتیں بتانا۔

اس کے بعد صاحبِ "فتح الملہم" نے تمثیل کے انداز میں اس شعبہ فن کی پیچیدگیوں کو بارہ تیرہ لمبی سطور میں سمجھایا ہے۔

اس وضاحت کے بعد اگر ہم یہ کہیں تو شاید بے جا نہ ہو گا کہ میاں صاحب جیسی استعداد کے لوگوں کا اصولِ حدیث کی بات کرنا کم وبیش ایسا ہی ہے جیسے پرائمری میں سائنس کی پہلی کتاب پڑھنے والا ایک غبی لڑکا خلائی جہازوں اور برقی دماغوں کی سائنس پر منہ کا دہانہ کھولے۔

عام قارئین مزید یہ بھی سن لیں کہ میاں صاحب کا یہ کہنا بھی لغو ہی ہے کہ "معلول قول قابل اعتبار نہیں ہوتا۔" حدیث معلل ہوتی ہے اور بارہا اس کا مضمون واجب القبول رہتا ہے' آپ کی دلچسپی اور معلومات میں اضافے کے لئے ہم ایک دو مثالیں دیں گے۔ (میاں صاحب کی طرف تو روئے سخن ہی اس بحثِ لطیف میں بیکار ہے' وہ منہ ڈھک کر پڑ سکتے ہیں؟)۔

حدیثِ معلل کے تین نمونے :

خرید و فروخت سے متعلق ایک حدیث ہے جسے ایک نہایت ثقہ راوی یعلی بن عبید نے سفیان ثوریؒ سے 'انھوں نے عمرو بن دینارؒ سے 'انھوں نے عبداللہ ابن عمرؓ سے' اور انھوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے' اب یہ سارے ہی راوی اعلیٰ درجے کے سچے اور مستند ہیں' بہ اعتبارِ فن کسی میں کوئی داغ نہیں' روایت "صحیح" ہے' لیکن ژرف نگاہ ماہرین نے اس میں ایک علت پکڑلی' وہ یہ کہ راوی نے جو یہ کہا کہ سفیان ثوریؒ نے عمرو بن دینارؒ سے روایت لی ہے تو حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ روایت عمرو سے نہیں عبداللہ بن دینار سے لی گئی ہے' جناب سفیان ثوریؒ کے دوسرے ساتھیوں نے عبداللہ ہی کا نام لیا ہے' اور یہاں یعلی بن عبید سے جو اپنی جگہ ثقہ ہیں نادانستہ چوک ہو گئی ہے کہ عبداللہ بن دینارؒ کہنے کے بجائے عمرو بن دینار کہہ گئے۔

دیکھا آپ نے کیسی لطیف گرفت ہے جس کا تمام تر مدار راویوں کے حالات وعادات کی مکمل واقفیت اور استحضار اور بیدار مغزی سے ہے' اس گرفت نے حدیث کو "صحیح" نہیں رہنے دیا مگر بس اصطلاحاً' ورنہ مضمونِ حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہے۔

دوسرا نمونہ :

"مسلم شریف" میں ایک حدیث ہے :

خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نھم الحدیث (میرے زمانے کے لوگ سب سے بہتر ہیں پھر متصل بعد کے زمانے کے)

اس میں ایک عجیب علت پکڑی گئی' اس کی سند کا آخری حصہ یوں ہے کہ عمرو بن علی نے ازہر سے' انھوں نے ابنِ عون سے' انھوں نے ابراہیم سے' انھوں نے عبیدہؓ سے' انھوں نے عبداللہؓ سے' انھوں نے حضور علیہ ﷺ سے روایت کیا۔

عمرو بن علی نے یہ روایت یحیٰی بن سعید کے آگے بیان کی' تو انھوں نے کہا کہ ابن عون کی روایت میں عبداللہ کا نام نہیں ہے' عمرو نے کہا جناب ہے' انھوں نے پھر کہا کہ نہیں' عمرو نے پھر سند دہرائی اور اصرار کیا کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں' انھوں نے کہا کہ بھائی! ازہر تو ایک مرتبہ خود اپنی کتاب سمیت میرے پاس آئے تھے' میں نے کتاب کو دیکھا تھا اس میں یہ روایت عبداللہؓ کے واسطے سے نہیں تھی۔

عمرو بن علیؒ کہتے ہیں کہ تقریباً دو ماہ بعد میں ازہر سے جا کر ملا' اور ان کی کتاب کھول کر روایت دیکھی' تو واقعی وہاں عبداللہ کا نام نہیں تھا' بلکہ عبیدہؓ نے عبداللہ کے واسطے کے بغیر حضور علیہ ﷺ سے روایت کیا تھا۔

یہ دونوں مثالیں سند میں علت کی ہوئیں' ایک مثال متن (۱) میں علت کی دیکھ لیجئے۔ (مقدمہ ابن صلاح ۴۱ فتح الملہم ۵۴)

(۱) یعنی مضمون کے الفاظ۔

مسلم شریف کتاب الصلوٰۃ میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ :

> "میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ نماز ادا کی' میں نے کبھی نہیں سنا کہ ان میں سے کسی نے بسم اللہ پڑھی ہو"۔

اب دیکھئے' بات بالکل درست ہے' راوی سب ثقہ ہیں مگر اہل علم کے ایک گروہ نے اسے معلل قرار دیا' اس کا کہنا یہ ہے کہ اکثر ثقہ اصحاب حدیث کو ہم نے اس طرح بیان کرتے پایا ہے کہ :

> "جب حضور ﷺ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ نماز شروع کرتے تھے تو الحمدللہ رب العالمین سے آغاز کرتے تھے۔"

گویا نفسِ حکم میں اختلاف نہیں ہے' یہ بھی اسی کو درست مانتے ہیں کہ امام کو آغازِ صلوٰۃ میں بہ آواز بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے' مگر فرق یہ محسوس کیا کہ "مسلم" کی روایت میں بسم اللہ پڑھنے کی صریح نفی کی گئی ہے' اس سے تخطیہ (۱) کا ایہام ہوتا ہے اور بخاری یا بعض اور محدثین کی روایت میں بسم اللہ کا ذکر ہی نہیں ہے انھوں نے بس یوں کہا ہے :

> "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ نماز الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔" (بخاری ج ۱۔ باب مایقرء بعدالتکبیر)

اس طرح بعض بزرگوں نے "مسلم" والی روایت کو معلل قرار دے دیا حالانکہ فی الواقع ان کی یہ نکتہ رسی قابلِ لحاظ نہیں ہے کیونکہ ترمذی' نسائی' اور ابن ماجہ' تینوں میں عبداللہ ابن مغفل کی زبانی ان کا اپنا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ میں نے نماز شروع کی تو بہ آواز بسم اللہ پڑھی' میرے والد سن رہے تھے' فوراً بولے کہ ارے بیٹے یہ تو بدعت ہے' خبردار بدعت سے دور رہو' خود میں نے حضور ﷺ

(۱) یعنی بسم اللہ چونکہ معظم چیز ہے اس لئے پیغمبر ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کی طرف اس کے نہ پڑھنے کی نسبت ایسے انداز میں کرنا غیر موزوں سا معلوم ہوا۔

اور ”خلفائے ثلاثہ“ کے ساتھ نماز پڑھی ہے‘ ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ کی قراۃ کرتے نہیں پایا‘ جب تم نماز شروع کرو تو الحمدلله رب العلمين سے شروع کرو۔(۱)

اس روایت میں بھی بسم اللہ کی صریح نفی موجود ہے‘ اور بعض اور روایات بھی ہیں‘ لہذا علت نکالنے والوں کی نکتہ سنجی کو محض وہم ہی کہیں گے تاہم اگر ”مسلم“ کی روایت کو معلل یا معلول مان ہی لیں‘ تو ظاہر ہے کہ اس سے نفسِ مضمون اور حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جن بزرگوں نے ”معلل“ کہا ہے انھوں نے اس باب میں کوئی ایسا باریک قاعدہ وضع کر رکھا ہو جس کے تحت ان کے لئے ایسا کہنا درست ہو‘ بہر حال وضاحت یہ مقصود ہے کہ جس چیز کو اصطلاح فن میں ”علت“ اور ”معلول“ اور ”معلل“ کہتے ہیں‘ اس کے علم میں اور میاں صاحب جیسی استہ راو کے شیوخ میں کم سے کم اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کنویں کی تہہ اور مریخ کی بلندی میں‘ آپ نے دیکھ لیا کہ تینوں معلول‘ یا معلل‘ حدیثوں کے مضمون پر علت کا کوئی اثر نہیں پڑا‘ اور میانصاحب کہہ رہے ہیں کہ فنِ حدیث کے اصول کے لحاظ سے ”معلول“ قول قابلِ اعتبار ہی نہیں ہوتا!

اے خدا تجھ سے ہی فریاد ہے!

اتتني بخائن رجلاه:(۲)

میاں صاحب کے دوسرے فرمودات کا تجزیہ کرنے سے پہلے ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان کے علم و خبر کا فنی تعارف کچھ اور کرا دیں‘ ابھی آپ نے دیکھا

(۱) بسم اللہ اور ثناء پڑھنے کی مخالفت مقصود نہیں ہے بلکہ باآواز پڑھنے کی مخالفت مقصود ہے۔

(۲) یوں سمجھئے ”لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آ گیا“ اگر میاں صاحب اترا اترا کر علم حدیث کی اصطلاحیں استعمال نہ کرتے تو ان کا پردہ ڈھکا رہتا۔ یہ غلطی کر کے انہوں نے خود ہی اپنی نیک نامی کی قبر کے لئے تختے مہیا کئے ہیں۔

کہ علت و معلول کی فنی اصطلاحیں انھوں نے کس قدر غیر عالمانہ سطح پر استعمال
لیں' اب دیکھئے کہ صفحہ ۱۹۱ پر وہ تدلیس' مدلِّس اور مدلَّس کی اصطلاحیں استعمال
کررہے ہیں' بیچارے عام قارئین تو درکنار اچھے خاصے اہلِ علم بھی رعب
کھاجائیں گے کہ بے شک یہ شخص خاتم المحدثین اور زبدۃ الائمہ معلوم ہوتا ہے'
مگر ہم دکھاتے ہیں کہ ان صاحب نے اصولِ حدیث کی جتنی بھی اصطلاحیں اپنی
کتاب میں استعمال کی ہیں وہ ایسی عیاری کے ساتھ کی ہیں جیسے ایک مڈل کلاس کا
بد شوق طالب علم مزدوروں کے جلسے میں اپنی قابلیت کا رعب ڈالنے کے لئے
کہیں سے کچھ اصطلاحی الفاظ رٹ لے اور پھر یوں کہے کہ دیکھئے پروفیسر بائی زن
برگ کا نظریہ عدم تعین' اور نیلسن بوہر کا کوانٹم نظریہ' اور آئن اسٹائن کا نظریہ
اضافت' اور برکلے کا فلسفہ تصوریت' اور پروفیسر ریڈ نگٹن کا آفاقی ذہن' اور مارکس
کی جدلیاتی مادّیت' سب کے سب مزدوروں کی حمایت کرتے ہیں!

ظاہر ہے بیچارے مزدور منھ پھاڑے آنکھیں پھیلائے یہ سب سنتے رہیں
گے اور سوچیں گے کہ یہ لیڈر تو بڑا ہی کامل فاضل ہے' ہزار افسوس کہ آجکل
ہمارے اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی ان مزدوروں ہی کی سطح پر آگئے ہیں کہ نہ علمی
دراست نہ فنی استحضار' نہ ذوقِ تحقیق' یہی وجہ ہے کہ ہم جیسے گدھوں کو بتانا پڑ رہا
ہے کہ نام نہاد شیخ الحدیث کا مبلغ علم کیا ہے؟ امید ہے کہ عام قارئین بھی اس
موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہماری خشک بحثوں کو ہضم کرنے کی سعی کریں گے۔

تدلیس:

ابن سعد نے واقدی سے' انھوں نے محمد بن عبداللہ سے' اور انھوں نے امام زہری
سے' روایت کی ہے جس پر میاں صاحب مشقِ ناز فرمار ہے ہیں' اب آپ نے
فنی اعتراض اس پر یہ کیا کہ محمد بن عبداللہ تو "تقریب التہذیب" میں ستتر
ہیں' کیسے معلوم ہو کہ یہ کونسے محمد بن عبداللہ ہیں' ہو سکتا ہے محض فرضی شخص

ہو لہذا" ایسے راوی کو مجہول کہا جاتا ہے اور سند میں اس طرح مبہم اور مجہول نام پیش کر دینا تدلیس (۱) کہلاتا ہے' جو ائمہ حدیث کی نظر میں ایک ایسا عیب ہے جس کی بنا پر نہ صرف وہ روایت ساقط ہوتی ہے بلکہ اس راوی کو بھی نا قابل اعتبار قرار دیدیا جاتا ہے کہ مُدَلِّس ہے' مدلِّس کی روایت قابلِ تسلیم نہیں ہوتی۔" (شواہد تقدس ص ۱۹۱)

اسی کے ساتھ یہ بھی سن لیجئے کہ میاں صاحب کے نزدیک واقدی جھوٹے نہیں ہیں' اگر وہ کسی ثقہ آدمی سے روایت کریں تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔ (شواہد تقدس ص ۱۹۱)

اب ہم تفصیل میں جانے سے پہلے جملہ قارئین کو یہ بتادیں کہ حضرت میاں صاحب نے جگہ جگہ اصولِ فن اور اصولِ حدیث کا نام لے کر فیصلے تو خوب صادر کئے ہیں مگر کسی ایک جگہ بھی اصولِ فن کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے' یہیں دیکھئے کہ اپنی بات کو انھوں نے "ائمہ حدیث" سے منسوب کیا ہے مگر کیا مجال کسی ایک امامِ حدیث کا قول نقل کیا ہو' ہم یہ غیر علمی طریقہ اختیار نہیں کریں گے' اصولِ فن کسی کے خانہ زاد نہیں' ان کے بارے میں پتہ چلنا چاہئے کہ کونسا اصول کہاں سے لیا جارہا ہے۔

میاں صاحب کے علمِ اصول کا حال یہ ہے کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس روایت میں "تدلیس" ثابت ہو جائے وہاں مدلِّس کا اطلاق کس پر ہوگا' وہ اس غریب راوی ہی کو مدلِّس قرار دے بیٹھے ہیں جو بقول ان کے مجہول الحال ہے' یعنی محمد بن عبداللہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب تفصیل ملاحظہ کیجئے "دلس" کہتے ہیں روشنی اور تاریکی کے خلط ملط ہونے کو' اس سے اہلِ فن نے ایک اصطلاح بنائی "تدلیس" اس کی تین قسمیں

(۱) آگے کی تفصیل سے آپ اندازہ کریں گے کہ میاں صاحب تدلیس کی تعریف اور اقسام وغیرہ سے بالکل بے خبر ہیں۔

ہیں۔ (۱) تدلیس الا سناد۔ (۲) تدلیس الشیوخ۔ (۳) تدلیس التّسویة علی الترتیب تینوں کی فنی تفصیل یہ ہے :

تدلیس الاسناد : صاحبِ "فتح الملہم" لکھتے ہیں :

المدلس: ان کان الا سقاط صادراً ممن عرِف لقائه لمن روی عنه (ص ۳۸)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :

المدلس: سمّی بذلك لکون الرّاوی لم یسم من حدّثه واو هم سماعه للحدیث ممن لم یحدّ ثه (نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر ص ٥٦)۔

مزید حوالے یہ ہیں : توجیه النّظر ص۱۸۲: فتح المغیث ص۷۳ مقدمه ابن صلاح ص۳۲: کتاب الکفایه ص۳۵۸: تهذیب تاریخ ابنِ عساکر۔ جلدثانی۔ المهذب ص ٢٤۔ تدریب ص ۷۷ ۔ظفر الامانی ص ٢١٥

قارئین ہمیں معاف کریں' ان کی اکتاہٹ کا ہمیں بھی خیال ہے لیکن اس علمی موضوع پر ہمارے نزدیک وہ طریق گفتگو جو میاں صاحب نے اختیار فرمایا ہے نہایت لغو ہے' وہ تو بلا تکلف فنی دعوے اور فنی اصطلاحیں ثبتِ قرطاس کئے چلے جاتے ہیں مگر کسی صاحبِ فن کا حوالہ نہیں دیتے' گویا علم حدیث کیا ہوا خالو جی کی دکان ہوئی اب ہم عام قارئین کو سمجھاتے ہیں کہ "تدلیس اسناد" کیا چیز ہے ؟

(۱) فرض کیجئے زید نے ایک بات فاروق سے سنی' اور فاروق نے طلحہ سے' اب زید کو یوں بیان کرنا چاہیئے تھا کہ مجھ سے فاروق نے اور فاروق سے طلحہ نے یہ بات کہی، لیکن اسکے بجائے وہ یوں کہتا ہے کہ طلحہ نے ایسا بیان کیا گویا بیچ سے فاروق کا نام اڑا دیا۔

اب متعدد صورتیں ہیں' اگر زید کے جاننے والوں کو معلوم ہے کہ زید اور طلحہ کا

زمانہ ایک نہیں ہے اور زید براہ راست طلحہ سے نہیں سن سکتا' تو اسے ارسال جلی(۱) کہتے ہیں نہ کہ "تدلیس" گویا زید کے جاننے والے فوراً سمجھ لینگے کہ اس نے درمیان کے راوی کا نام اڑایا ہے۔

اور اگر جاننے والوں کو معلوم ہے کہ زمانہ ایک ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ زید اور طلحہ میں ملاقات ہوئی ہے یا نہیں تو اسے "ارسالِ خفی" کہیں گے۔

اور اگر معلوم ہے کہ زمانہ بھی ایک ہے اور دونوں میں ملاقات بھی ہوئی ہے تو اسے "تدلیس الاسناد" کہیں گے بشرطیکہ چھان بین سے پتہ چل جائے کہ زید نے بیچ کا راوی اڑایا ہے' چھان بین کی شرط اس لئے ہے کہ بظاہر تو زید کا طلحہ سے براہ راست سننا قرینِ قیاس ہے کیونکہ ان کی ملاقات بھی ثابت ہے' بغیر تجسّس اور تحقیق کے کیسے معلوم ہوگا کہ بیچ کا راوی حذف کر دیا گیا ہے۔

بعض اہلِ فن "تدلیس" اور "ارسال خفی" میں فرق نہیں کرتے' ان کے نقطۂ نظر سے "تدلیس" کے لئے بس یہ شرط کافی ہے کہ راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہو' ملاقات ہونے کا علم ضروری نہیں۔

پھر ایک اور باریکی بھی نظر میں رکھیئے' اوپر کی تمثیل میں زید نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ "طلحہ نے ایسا بیان کیا" ان الفاظ میں صریح طور پر یہ دعویٰ نہیں کیا گیا ہے کہ میں نے طلحہ سے خود سنا' بلکہ الفاظ ایسے ہیں جن کے دونوں ہی مطلب ہو سکتے ہیں' خود سننے والا بھی اس طرح کہہ سکتا ہے' اور بالواسطہ سننے والا بھی' لہذا یہ "تدلیس" ہے۔ زید کو مدلِّس کہیں گے اور اس روایت کو مدلَّس۔

لیکن اگر زید یہ الفاظ استعمال کرتا کہ "مجھ سے طلحہ نے بیان کیا" تو یہ خود سننے کے صریح دعوے پر مبنی ہیں' لہٰذا دیکھا جائے گا کہ زید ثقہ آدمی ہے یا نہیں' اگر ثقہ ہے تو یہ "تدلیس" مردود نہیں ہوگی' بلکہ ایسی روایت کو قبول کیا جائے گا

(۱) ویقال للاسناد الذی یکون السقوط فیه واضحاً المرسل الجلی (فتح الملهم ص ۳۸)
الارسال لا یتضمن التدلیس لانه لایقتضی ابهام السماع ممن لم یسمع منه (الکفایه ص ۳۵۷)

اور اس سے استدلال درست ہوگا'(۱) چنانچہ "بخاری و مسلم" اور دوسری معتبر کتبِ حدیث میں ایسی روایات بہت ہیں جن میں "تدلیس" ہے(۲)۔ اور بعض تو ایسے الفاظ سے ہیں جو ذو معنی ہیں' مثلاً عن فلان لیکن "بخاری و مسلم" کے حسن ظن پر انھیں قبول کیا گیا ہے(۳)۔

حسن بصریؒ نے فرمایا۔ خطبنا ابن عباس و خطبنا عتبة بن غزوان (ابن عباس اور ابن غزوان نے ہم سے خطاب کرتے ہوئے فلاں بات کہی) لیکن ثابت ہے کہ ان دونوں حضرات کے خطبوں میں حسن بصری موجود نہیں تھے اور اس قول کی حد تک وہ مدلِّس ہیں لیکن یہ "تدلیس" محلِ اعتراض نہیں کیونکہ "ہم" سے ان کی مراد ان کے "اپنے ہم وطن" ہیں' اور ان سے ہی یہ خطبات ملخصاً انھوں نے سن لئے تھے۔

یا جیسے حسن بصریؒ نے فرمایا حدثنا ابو ھریرۃؓ۔ یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ انھوں نے ابو ہریرۃؓ سے خود سنا' مگر واقعۃً ایسا نہیں ہے' یا جیسے طاؤس کا قول کہ قدم علینا معاذالیمن (ہمارے پاس "یمن" میں حضرت معاذ تشریف لائے) طاؤس نے معاذ کو نہیں پایا ہے اس لئے یہ اصطلاحاً "تدلیس" ہے مگر کسی بھی اہل فن نے حسن بصریؒ یا طاؤسؒ کے ان اقوال کو رد نہیں کیا۔ (یہ اتنی تفصیل ہم یہ سمجھانے کے لئے پیش کر رہے ہیں کہ میاں صاحب کی شانِ علمی کا آپ کو آخری تہہ تک علم ہو جائے' کس بے تکلفی سے انھوں نے فرما دیا کہ ' "مدلّس کی روایت قابلِ تسلیم نہیں ہوتی۔"

(۱) من ثبت عنه التدليس اذا كان عدلاً ان لا يقبل منه الا ما صرح فيه بالتحديث على الاصح (النخبة الفكر. ذكر المدلس) وقال صاحب فتح الملہم بعد التحقيق واما ما رواه بلفظ يبين الاتصال نحو سمعت وحدثنا واخبرنا و اشباهها فهومقبول محتج به (ص ۳۹ ج ۱)

(۲) وفى الصحيحين وغيرهما من الكتب المعتبرة حديث الرواة المدلسين مما صرحوافيه بالتحديث كثير (حواله مذكوره)

(۳) بل ربما يقع فيها من معنعنهم ولكن هو الخ (حواله مذكوره)

تدلیس الشیوخ :

فهوان یروی عن شیخ حدیثاً سمعه منه فیسمّیه اویکنّیه اوینسبه اویصفه بمالا یعرف به کیلا یعرف (وسماه فخرالاسلام تلبیساً)۔"فتح الملهم ص ۳۹ "فتح المغیث ص۷۸ " مقدمه ابنِ صلاح ص ۳۲: توجیه النظر ص۱۸۲ "تاریخ ابن عساکر ج۲۔ المهذّب ۲۴ "الکفایه ص ۳۵۸

زید نے جس سے روایت لی ہے اس کا نام تو لے' مگر اس طرح کہ جس نام یا کنیّت یا لقب سے وہ مشہور ہے اسے حذف کر جائے اور اس طرح سننے والے کو تیقن کے ساتھ پتہ نہ چلے کہ یہ کون صاحب ہیں' مثلاً مولانا ابو الکلام سے روایت لے' اور یوں کہدے کہ مجھ سے آزاد صاحب نے بیان کیا' گویا ابو الکلام کا لقب غائب کر گیا' اسے "تدلیس الشیوخ" کہتے ہیں (بعض ائمہ نے اسے "تلبیس" بھی کہا ہے) مگر یہ بھی ہر حال میں مردود نہیں ہے' کبھی مردود ہے' کبھی مکروہ اور کبھی بلا کراہت مقبول' چنانچہ آپ(۱) حیرت کریں گے کہ امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ کے ایک شیخ محمد بن یحیٰ ہیں اور "ذھلی" کے لقب سے مشہور ہیں مگر امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں کہیں ایک جگہ بھی ان کا نام نہیں لیتے' نہ "ذھلی" کہتے ہیں بلکہ کہیں تو کہدیا حدثنا محمد (ہم سے محمد نے روایت بیان کی) کہیں محمد بن عبداللہ کہدیا' حالانکہ عبداللہ ان کے باپ کا نہیں دادے کا نام ہے' اور کہیں محمد بن خالد کہدیا حالانکہ خالد ان کے پردادے کا نام ہے' مگر کیا کسی میں جرأت ہے کہ "تدلیس" کی بناء پر ان کی یہ روایات رد کردے' اور عقلِ کل میاں صاحب کی طرح بلا قید یوں کہے کہ مدلس کی روایت قابل تسلیم نہیں ہوتی۔

ہم جانتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے ایسا کیوں کیا' لیکن میاں صاحب کے لئے

(۱) اہل علم معاف کریں ان سے خطاب نہیں ہے۔

شاید یہ عجوبہ ہو' اندازہ کیجئے مشہور امام وقت ابن دقیق العید (۱) فرماتے ہیں :

ان فی تدلیس الشیخ الثقة مصلحة وھی امتحان الاذھان واستخراج ذلك والقائه الی من یراد اختبار حفظه و معرفته بالرجال ۔

(شیخ ثقہ کی تدلیس میں مصلحت ہے' اور یہ امتحان ہے ذہنوں کا' اور شیخ یہ طریقہ اس لئے اختیار کرتا ہے کہ جو لوگ اپنے حفظ و ضبط اور رجال (۲) سے اپنی واقفیت کو آزمانا چاہیں وہ پتہ چلائیں کہ "تدلیس" کی نوعیت کیا ہے اور وہ شخص کون ہے جس کا نام شیخ نے مبہم کر کے لیا) ("فتح الملہم" ص ۳۹)

"تدلیس الشیوخ" میں یہ نہیں ہوتا کہ جس کا نام لیا ہے اس سے روایت نہ سنی ہو' روایت اسی سے سنی مگر نام مبہم لیا۔

تدلیس التسویۃ :

یہ قسم بعض کے نزدیک "تدلیس الاسناد" ہی میں داخل ہے' چنانچہ ابن صلاح سیوطی اور امام نیشاپوری وغیرہ بطور قسم مستقل اس کا ذکر نہیں کرتے لیکن صاحب "فتح الملہم" اور صاحب "مختصر الجرجانی" اور صاحب "فتح المغیث" ذکر کرتے ہیں' بلکہ جرجانی نے تو "تدلیس" کی نو قسمیں ذکر کی ہیں جن کی تفصیل "ظفر الامانی" میں دیکھی جا سکتی ہے' لیکن یہ فرق اصطلاحی ہے' بعض نے "تدلیس" کی مختلف نوعیتوں کو مختلف نام عطا کر دیئے' بعض نے چند ہی ناموں میں ان سب کو سمو لیا۔

بہر حال "تدلیس تسویہ" جو "تدلیس الاسناد" ہی میں داخل ہے' یہ ہے کہ دو ثقہ کے درمیان سے ایک ضعیف راوی ساقط کر دیا جائے' مثلاً زید نے کہا کہ

(۱) ساتویں صدی کے مجدد تقی الدین ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ

(۲) رجال سے مراد وہ تمام افراد جو فن روایت سے متعلق ہیں' خواہ راوی ہوں یا شیوخ۔

مجھ سے فلاں بات طلحہ نے اور طلحہ سے بکر نے بیان کی 'طلحہ اور بکر دونوں ثقہ ہیں' لہذا سند عمدہ ہو گئی 'مگر واقعہ یوں تھا کہ طلحہ نے براہِ راست بکر سے یہ بات نہیں سنی تھی بلکہ درمیان میں ایک کمزور راوی کا واسطہ تھا' زید نے اس واسطے کو غائب کر کے سند بیان کر دی' یہ ہے "تدلیس تسویہ" ' یہ بلاشبہ "تدلیس" کی وہ قسم ہے جو نہایت معیوب ہے 'اور ایسے مدلِس کو ثقہ شیوخ پاس نہیں پھٹکنے دیتے 'اصطلاحاً ایسی روایت کے لئے جس میں اس نوع کی "تدلیس" کی گئی ہو' یوں بولتے ہیں کہ جوّدہ فلان یعنی اس روایت کے بیان کرنے والے نے بیچ سے راویِ ضعیف کو تو اڑا دیا اور ساری سند جیاد(۱) سے مرصع کر دی۔

لیکن بعض حالتوں میں ایسی "تدلیس" بھی مردود نہیں ہوتی' جس کی مثال یہ ہے کہ بعض اونچے درجے کے ائمہ نے اپنی حدیثوں میں " ثور عن ابن عباس " کہا ہے (یعنی ثور نے ابن عباس سے روایت کیا) لیکن "ثور" کی ملاقات ابن عباس سے نہیں ہوئی ہے لہذا وہ راوی غائب ہے جس نے بذاتِ خود ابن عباس سے سنکر "ثور" کو روایت سنائی تھی' یہ راوی کون تھا' عکرمہ ' اسے ان ائمہ نے اس لئے حذف کر دیا کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ نہیں تھا' لیکن اس تدلیس کے باوجود یہ روایات مردود نہیں قرار دی گئیں۔

امید ہے آپ "تدلیس اور مدلِس اور مدلَس" کا مطلب سمجھ گئے ہوں گے' بالکل واضح بات ہے کہ "تدلیس" کا پتہ وہی چلا سکتا ہے جو علم روایت کا ماہر ہو' تمام "اسماء رجال" اس کی نظر میں ہوں' شیوخ کے احوال و عادات اور راویوں کی کنیتیں اور معروف نام اور نسب اس پر منکشف ہوں' خصوصاً جب شرط ہی یہ لگ گئی کہ راوی کا سقوط(۲) خفی ہو تو اس کا سراغ لگانا خواص الخواص ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

اب میاں صاحب کی پوزیشن ملاحظہ فرمایئے' آسمان کی بات تو جانے دیجئے

(۱) جید' عمدہ ' ثقہ لوگ (۲) جس راوی کا نام حذف کیا ہے اس کا پتہ چلانا آسان نہ ہو' آسان اور واضح ہوا تو اسے "تدلیس" نہیں ارسال جلی کہیں گے۔

انہیں یہ زمین کی بات بھی نہیں معلوم کہ "تقریب التہذیب" میں بارہ طبقات کی فہرست ہے اور "فی العاشرہ" سے اسی طرف اشارہ ہے' انہیں اتنا بھی نہیں پتہ کہ "علت و معلول" کس چڑیا کا نام ہے؟ انہیں "شاذ و منکر" کی تعریف بھی نہیں معلوم (جیسا کہ آرہا ہے) انہیں اس فن کی ابتدائی اصطلاحات تک کا علم نہیں۔

"تدلیس" کی پہلی اور تیسری قسم میں تو آپ نے دیکھ ہی لیا کہ ایک راوی حذف ہونا ضروری ہے ورنہ "تدلیس" کی بحث ہی نہیں اٹھے گی' میاں صاحب کسی راوی کے حذف کا دعویٰ نہیں کر رہے' لہذا اتفاقاً اگر کوئی مشابہت زیر بحث روایت کو "تدلیس" سے ہو سکتی ہے تو وہ "تدلیس" کی قسم ثانی یعنی "تدلیس الشیوخ" سے ہو سکتی ہے' لیکن اس کا دعویٰ کوئی شخص اسی وقت کر سکتا ہے' جب وہ یہ ثابت کر دے کہ محمد بن عبداللہ کا کوئی اور مشہور لقب یا کنیت بھی تھی جسے واقدی نے حذف کر دیا ہے' اور اگر اس نے یہ ثابت کر دیا تو پھر بھی روایت قابل رد اسی صورت میں ہو گی' جب یہ بھی ثابت کر دے کہ محمد بن عبداللہ ضعیف ہے نا قابل اعتماد ہے' ورنہ اگر وہ ثقہ ہوا تو مطلق کوئی اثر روایت کی صحت پر نہیں پڑے گا جیسا کہ آپ دیکھ چکے "بخاری و مسلم" جیسی کتابوں میں "مدلِس" راویوں کی روایتیں کثیر تعداد میں موجود ہیں اور خود امام بخاری اپنے شیخ ذہلی کے سلسلے میں "مدلِس" ہیں مگر "ذہلی" چونکہ ثقہ ہیں اس لئے بخاری کی "تدلیس" نے ذرا سا بھی اثر روایات کی مقبولیت اور صحت پر نہیں ڈالا۔

اب اندازہ کیجئے' کچھ ثابت کرنے کا جھمیلا تو دور کی بات ہے میاں صاحب اتنا بھی نہیں کر سکے کہ "تہذیب التہذیب" اٹھا کر دیکھ لیں جس میں ہمنام راویوں کی ایسی خصوصیات عموماً مل جاتی ہیں' جن سے انہیں پہچانا جا سکے' وہ بس "تقریب التہذیب" دیکھتے ہیں جو کم و بیش فہرست ہے نہ کہ اصل کتاب' ہم ہی بتا چکے ہیں کہ اس میں ابن حجرؒ نے ہر راوی کا تعارف ایک سطر کے اندر کرایا ہے' ظاہر ہے کہ یہاں متعدد ہم نام راویوں کے امتیازات وہ کیسے دے دیتے' لیکن میاں

صاحب اس فہرست میں ستتر (۷۷) محمد بن عبداللہ دیکھ کر فیصلہ کر ڈالتے ہیں کہ اس راوی کے حالات کا اتا پتا کہیں نہیں ہے۔

چلئے منٹ بھر کو یہی مان لیا کہ سراغ دشوار ہے مگر اس سے یہ راوی فقط مجہول ہی تو ٹھہرا، مجہول و مستور، کے بارے میں ہم حوالوں کے ساتھ نقل کر آئے ہیں، کہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ تو بلا قید اس کی روایت قبول کرتے ہیں، اور جن حضرات کو اس میں اختلاف ہے وہ بھی صرف یہ کہتے ہیں کہ فی الحال نہ قبول کرو نہ رد کرو، تحقیق کر لو، اگر قرائن سے پتہ چل جائے کہ راوی جھوٹا نہیں ہے تب قبول کرو، اب میاں صاحب کی گل افشانی دیکھئے کہ بلا تکلف فرمائے چلے جا رہے ہیں کہ مجہول راوی سے روایت کرنا "تدلیس" ہے اور "تدلیس" ائمہ حدیث کی نظر میں ایسا عیب ہے جس کی بنا پر روایت ساقط ہو جاتی ہے یعنی دعوے کا ہر جز جہالت پر مبنی، نہ تو مجہول راوی سے روایت کرنے کو "تدلیس" کہتے ہیں نہ مجہول کی روایت ساقط الاعتبار ہے، (ائمہ حدیث شاید یہاں بھی انہوں نے اپنی ذات شریف مع اہل و عیال کو قرار دے لیا ہے ورنہ ہمارا چیلنج ہے کہ وہ فن کی کسی کتاب سے ایک بھی حوالہ اپنے غیر فنی دعووں کے حق میں پیش نہیں کر سکتے) یہ فرما کر تو انہوں نے کمال ہی کر دیا کہ :

> "اس راوی کو بھی نا قابل اعتبار قرار دے دیا جاتا ہے کہ مدلس ہے مدلس کی روایت قابل تسلیم نہیں ہوتی"۔

یعنی "تدلیس" اگر یہاں ثابت بھی ہوتی تو مدلس کہا جاتا واقدی کو، مگر میاں صاحب کو چونکہ علم حدیث کی ابجد کی بھی کچھ خبر نہیں ہے اس لئے اس محمد بن عبداللہ ہی کو مدلس کہہ رہے ہیں جس غریب کا کوئی قصور نہیں، قصور اگر ہو سکتا تھا تو واقدی کا ہو سکتا تھا، کہ انہوں نے "تدلیس" کی، وہی مدلس کہلاتے بشرطیکہ "تدلیس" ثابت ہو جاتی، میاں صاحب نے فن حدیث کو پنواڑی کی دکان سمجھ رکھا ہے کہ پان سگریٹ تھوڑی سی سجالی اور بن گئے پان مرچنٹ، پوچھئے تو کہیں

گے کہ الحمدللہ ہم خالص حنفی ہیں اور شیخ وقت بھی ہیں' مگر یہ شعور نہیں کہ جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اس کے بارے میں ابو حنیفہؒ کی رائے معلوم کر لیں اور فن حدیث کیا کہہ رہا ہے یہ دیکھ لیں۔

یہ لطیفہ خوب رہا کہ اگر کوئی راوی مجہول ہے تو وہ بھی فوراً نا قابل اعتبار! خواہ اس سے روایت کسی ثقہ ہی نے لی ہو' میاں صاحب واقدی کو سچا مانتے ہیں' وہ لکھتے ہیں :

"واقدی کسی ثقہ یا کم از کم معروف یعنی غیر مجہول سے روایت
کریں تو اس صورت میں اس روایت کو صرف اس بنا پر کہ
واقدی روایت کر رہے ہیں ساقط نہیں کریں گے۔" ص ۱۹۱

اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ واقدی جائے خود سچے ہیں دغاباز نہیں' اگر ایسے نہ ہوں تو پھر وہ چاہے کتنے ہی ثقہ اور معروف راوی سے روایت کریں کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے واقعتاً اس سے روایت سنی' یا خواہ مخواہ اس کا نام لے دیا' کسی شخص پر یہ بھروسہ کرنا کہ وہ ثقہ اور معروف راوی سے روایت کرے تو اس کی روایت ساقط الاعتبار نہیں ہو گی' لازماً یہ معنی رکھتا ہے کہ اس کی اپنی راست گوئی اور ثقاہت پر آپ کو بھروسہ ہے' تب کیا ابھی ہم نے متعین مثالوں سے نہیں دکھایا کہ ثقہ لوگوں کی "تدلیس" مردود نہیں مقبول ہوتی ہے' بخاریؒ اور حسن بصریؒ اور طاؤسؒ کو سچا ماننے ہی کی وجہ سے تو ان کی مدلّس روایات کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اور فی الحقیقت یہاں کسی بھی قسم کی "تدلیس" ہے ہی نہیں' "تدلیس" تو اس وقت ثابت مانی جاتی جب میاں صاحب تحقیق کر کے بتا سکتے کہ جس شخص کا نام محمد بن عبداللہ ہے وہ عام طور پر اس نام سے معروف نہیں تھا' بلکہ فلاں لقب سے معروف تھا' اور واقدی نے یہ لقب حذف کر دیا ہے' ورنہ اگر اس کا کوئی اور معروف لقب تھا ہی نہیں تو اس میں واقدی کا کیا قصور اور وہ اس سے زیادہ کیا کرتے کہ مع والد کے راوی کا نام بیان کر دیا۔

اور اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ واقعی کوئی اور معروف لقب موجود تھا' تو پھر

یہ ثابت کرنا ہوگا کہ محمد بن عبداللہ غیر ثقہ ہے' ورنہ اگر وہ ثقہ نہ ہو تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی روایت رد ہو' اہل فن کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت مقبول ہوگی اور جس نے "تدلیس" کی ہے اس پر کوئی حرف نہیں آئے گا' یہی تو وہ نزاکتیں ہیں' جن کی بناپر اہل فن نے قید لگادی ہے کہ معاملہ گہرا اور خفی ہونا چاہئے ورنہ "تدلیس" نہیں کہلائے گی۔

تضاد :

لطف یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ واقدی کو جائے خود سچا مانتے ہیں مگر دوسری طرف یہ بھی فرمایا جاتا ہے کہ

"محمد بن عبداللہ فرضی شخص بھی ہو سکتا ہے" ص ۱۹۱

یعنی واقدی نے دل سے گھڑ کر ایک نام لے دیا ہے...... ! ...... بتائیے اس کے سوا کیا منشا ہوا؟ روایت واقدی نے براہ راست محمد بن عبداللہ سے لی ہے' پھر یہ امکان نکالنا کہ یہ راوی محض فرضی ہو' کیا یہ کہنے کے ہم معنی نہیں ہے کہ واقدی جائے خود بھی سچے نہیں' وہ راویوں کے سچ اور جھوٹ کو پہچاننے ہی میں سادہ لوح نہیں' بلکہ جب جی چاہے کوئی فرضی راوی بھی گھڑ لیتے ہیں۔

کیا جواب ہے میاں صاحب کی فہم و فراست کا!

خیر سے میاں صاحب جگہ جگہ اس قسم کے جملے بلا تکلف لکھ جاتے ہیں کہ "تمام صاحب بصیرت پر ظاہر ہے" یا "ہر صاحب عقل کے نزدیک مسلم ہے" یا "جملہ اہل فن کی نگاہ میں درست ہے" وغیر ذلک' لیکن حال یہ ہوتا ہے کہ دعویٰ ان کا کہیں مذہب ابو حنیفہؒ کے خلاف ہوتا ہے' کہیں تمام ہی اہل فن کے خلاف۔ مثالیں آپ دیکھتے ہی جارہے ہیں' اس کے برخلاف ہمارا حال یہ ہے کہ تمام مواد اصول فن کی مستند کتابوں سے لے رہے ہیں اور والے ساتھ ساتھ ہیں کہ جس میں صلاحیت ہو اصل سے مقابلہ کر کے دیکھ لے۔

امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے مسالک :

ہم امام صاحب کا مسلک مجہول راوی کے بارے میں بتا چکے ہیں' کچھ تفصیل اور لیجئے۔

حافظ ابن حجرؒ "نخبتہ الفکر" میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ مجہول و مستور کی روایت ایک جماعت بلا کسی قید کے تسلیم کرتی ہے وہاں صاحب "سلحتہ القربلی" حاشیہ دیتے ہیں۔ منهم ابو حنيفة رضى الله عنه وتبعه ابن حبان الخ (اس جماعت میں ابو حنیفہؒ بھی ہیں اور ابن حبان نے بھی ان کا اتباع کیا ہے' ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی بھی راوی میں اگر عدل قدرتاً موجود ہے' تو جب تک کوئی عیب اس کا نہ معلوم ہو گا ہم اسے عادل مانیں گے' لوگ اپنی عام حالت میں عدل و صلاح پر ہی سمجھے جائیں گے' حتیٰ کہ ان میں سے کسی کے بارے میں ایسی بات کا پتہ چلے جو عدالت کو مجروح کرنے والی ہو اور انسان ان چیزوں کے مکلف نہیں ہیں جو ان کے دائرہ علم سے باہر ہوں وہ تو اس کے مکلف ہیں کہ ظاہر پر حکم لگائیں"۔

گویا جو شخص مجہول و مستور ہے وہ اپنی قدرتی حالت عدل پر ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے ہر شخص غیر مجرم ہے' حتیٰ کہ اس پر کوئی جرم ثابت ہو جائے' مجہول کہتے ہی اس کو ہیں جس کے بھلے برے کا ہمیں علم نہ ہو' اہل فن اگر باوجود کوشش کے اس کا سراغ نہیں لگا سکے ہیں تو اب ہمیں حسنِ ظن سے کام لینا چاہئے' ظاہر یہی ہے کہ جب اس کا کوئی عیب ہمارے علم میں نہیں آیا تو وہ اس پوزیشن میں ہے کہ سچا مانا جائے۔ (یہ گویا خلاصہ ہوا امام ابو حنیفہؒ کی رائے اور استدلال کا)

حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ اسی رائے پر کثیر کتب حدیث میں عمل ہوا ہے اور شارح مسلم امام نوویؒ نے اپنی "شرح مہذب" میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے' کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ جس مجہول الحال راوی سے فقط ایک آدمی نے روایت کی ہو' اسے ہم معتبر نہیں مانیں گے' ہاں ایک سے زائد نے کی ہو تو مان لیں گے'

مگر بعض اہل علم نے ثابت کیا کہ مسلک حنفی کے مطابق ہی اکثر علمائے حدیث بھی مجہول راوی کی روایت علی الاطلاق قبول کرتے ہیں' خواہ اس سے ایک آدمی نے روایت کی ہو یا کئی نے' چنانچہ امام مسلمؒ نے "مقدمہ شرح مسلم" میں کثیر محققین کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ ایسے مجہول راوی کی روایت سے حجت پکڑتے تھے' اور یہی مذہب ہے ابن خزیمہ کا' وہ کہتے ہیں کہ وہ شخص کلیتاً مجہول کہاں رہا' جس سے کسی جانے پہچانے شخص نے روایت لے لی' اس چیز کی طرف ابن خزیمہ کے مشہور شاگرد ابن حبان نے بھی اشارہ کیا ہے اور اپنی "کتاب الثقات" میں اس موقف کے لئے دلیل دی ہے کہ دیکھئے ایوب الانصاری سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں اور ان سے مہدی بن میمون روایت کرتا ہے' ہم بالکل نہیں جانتے کہ مہدی بن میمون کون ہے مگر اس کی اس طرح کی روایت کا اعتبار کرتے ہیں' اس سے واضح ہوا کہ کسی مجہول سے جب کوئی ثقہ روایت کرے تو مجہول کو عادل سمجھا جائے گا الا یہ کہ کوئی وجہ اسے مجروح کرنے کی مل جائے۔

حافظ ابن صلاح نے "صحیح بخاری" سے اس کے لئے نظائر دیئے ہیں' ان نظائر پر امام نوویؒ نے اعتراض کیا تو حافظ زین الدین عراقی نے ایک اور نظیر بخاری ہی سے پیش کر دی' اس نظیر کو بھی بعض محققین نے توڑنے کی کوشش ضرور کی ہے لیکن وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے ہیں کیوں کہ انہوں نے مجہول راویہ جویریہ کا تشخص لفظ ارجح سے کیا' جو صرف ظن پیدا کرتا ہے ظنِ غالب نہیں۔(۱)

محمد بن عبد اللہ کون ہیں :

یہاں تک گفتگو ہم نے میاں صاحب کے اس مفروضے کو تسلیم کرتے ہوئے کی کہ محمد بن عبد اللہ راوی مجہول ہے' ہمیں یہ دکھانا تھا کہ مجہول مان کر بھی

(۱) تدریب الراوی' ظفر الامانی' فتح المغیث' فتح الملہم۔ عام قارئین ہمیں معاف کریں یہاں اس نکتے کی شرح سے ہم بخوف طوالت رک گئے ہیں۔ اہل علم کے لیے اشارہ کافی ہے۔

میاں صاحب کا فیصلہ فن سے ناواقفیت اور ماہرین فن کے مسالک سے مکمل بے خبری کا ثمرہ ہے' آپ نے دیکھ لیا کہ یہاں "دلس و تدلیس" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اب یہ دیکھئے کہ میاں صاحب خود بتارہے ہیں کہ محمد بن عبداللہ ستتر (۷۷) ہیں' لیکن ان میں سے وہ زیر بحث شخص کو تلاش نہ کر سکے' کیوں...... ؟...... اس کی دو وجہ ہیں' ایک یہ کہ ان میں تحقیق کا مادہ ہی سرے سے عنقا ہے' اندازہ کیجئے کہ جس فن میں اساتذہ نے ایک لاکھ انسانوں کے در کی خاک چھانی ہو' اور ایسے پیچ در پیچ قوانین میں جان کھپائی ہو جن کے نمونے ہم نے پیش کئے' اس فن میں وہ شخص گفتگو کرنے چلا ہے جو صرف ستتر (۷۷) راویوں کے چھپے چھپائے ترجمے نہیں پڑھ سکتا......!۔

دوسری یہ کہ انہیں علم ہی نہیں ہے کہ بہت سے ہم نام راویوں میں مطلوبہ راوی کو تلاش کیسے کیا جاتا ہے ؟ انہوں نے "تقریب التہذیب" دیکھی ہی پہلی مرتبہ ہے اور اس شان سے کہ "فی العاشرہ" کے معنی وہ کر گئے ہیں جن سے آپ عبرت حاصل کر چکے' ایسا آدمی بھلا کیا جادۂ فن پر دو قدم بھی چل سکے گا؟

اپنا بار جہالت دوسروں کی گردن پر :

کتنی دلچسپ بات ہے کہ میاں صاحب فن حدیث سے ناواقف' راویوں کے احوال سے ناواقف' اور اپنی ناواقفیت کی بنا پر جس راوی کو پہچان نہیں پارہے ہیں اسے مجہول کہنے میں ذرا باک محسوس نہیں کرتے' اگر کوئی راوی اس لئے مجہول ہو جاتا ہے کہ میاں صاحب اس سے واقف نہیں' تو پھر تو حدیث کی سب سے فائق کتاب "صحیح بخاری" کے بھی بے شمار راوی مجہول ہو جائیں گے' آپ کسی جگہ سے بخاری کھول لیجئے' متعدد ایسے راویوں کے نام نظر آئیں گے جن کا کوئی امتیازی وصف وہاں درج نہیں ہوگا' مثلاً ہم نے سامنے رکھی ہوئی "بخاری جلد ثانی" کو یوں ہی کھولا۔ صفحہ ۵۶۸' ۵۶۹ سامنے آگیا' آپ دیکھئے باب

شہود الملائکۃ بدراً میں پہلی ہی روایت کی سند یوں ہے۔حدثنا حماد عن یحییٰ عن معاذ بن رفاعہ......اب نہ تو حماد کے ساتھ باپ کا نام موجود ہے نہ یحییٰ کے ساتھ' دونوں ناموں کے راوی بیسیوں ہیں علیٰ ہذا اس سے اگلی روایت کی سند یوں ہے حدثنا اسحاق ابن منصور اخبرنا یزید اخبرنا یحییٰ سمع...... یہاں بھی یزید اور یحییٰ کے باپوں تک کا نام نہیں' دونوں ہی ناموں کے راوی ''اسماء الرجال'' کی کتابوں میں ڈھیروں نظر آرہے ہیں' لہذا میاں صاحب بلا تکلف فرما سکتے ہیں کہ لیجئے بھلا ہم کیسے ''بخاری'' کی ان روایتوں کو قبول کرلیں ان میں تو ''تدلیس ہے'' راوی مجہول ہیں......بلکہ میاں صاحب تو فرطِ دانشمندی میں یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ استغفراللہ یزید پلید سے روایت بیان ہو رہی ہے' توبہ توبہ' کون مانے اسے۔

بے شک ناواقفانِ علم و فن کے لئے تو سارے ہی راوی مجہول ہوں گے' مگر جو لوگ فن میں نظر رکھتے ہیں ان کے لئے راوی اس آسانی سے مجہول نہیں ہو جاتا' اب اندازہ کیجئے' امام زہری سے روایت کرنے والوں میں ایک ہی محمد بن عبداللہ اربابِ فن میں معروف ہیں' وہ ہیں محمد بن عبداللہ بن ابی عتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق القرشی التیمی المدنی' واقدی کو کیا خبر تھی کہ میاں صاحب جیسے خوش مذاق بھی چودھویں صدی میں راویوں کی بحث اٹھانے والے ہیں' انہوں نے محمد بن عبداللہ کہہ کر اطمینان کا سانس لیا کہ ہر باخبر فوراً سمجھ لے گا کون ہیں یہ ابن عبداللہ۔

میاں صاحب کے پیش نظر تحقیق حق ہوتی تو ستتر (۷۷) محض ستتر ناموں میں یہ ڈھونڈ لینا مشکل نہیں تھا کہ امام زہری سے روایت کرنے والے محمد بن عبداللہ کون ہیں' ''تہذیب التہذیب'' جلد ۹ کے صفحہ ۲۷۷ پر انھیں راوی نمبر ۴۷۷ کے تعارف میں پتہ چلتا ہے کہ امام زہریؒ سے روایت کرنے والا محمد بن عبداللہ کون ہے کیا ہے؟ لیجئے ہم سنائیں یہ ثقات میں ہیں (ذکرہ ابن حبان فی

الثقات) "بخاری" و "مسلم" کے شیخ ذہلی فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الروایت ہیں' زہری سے حدیث لینے میں لائقِ اعتماد اور باسلیقہ ہیں' بخاری' میں بھی ان کی حدیث موجود ہے (مقروناً)(۱) ترمذی' نسائی' اور ابن ماجہ میں ان سے روایت کی گئی ہے۔(۲)

اور اگر میاں صاحب بجائے امام زہریؒ کے تلامذہ کے' واقدی کے شیوخ سے محمد بن عبداللہ کو تلاش کرنا چاہتے تو یہیں انہیں محمد بن عبداللہ بن ابی حرۃ الاسلمی کا نام مل جاتا' دیگر محدثین کی طرح واقدی بھی ان سے روایت کرتے ہیں (روی عنه فلان و فلان والواقدی) ابن معین کا ارشاد ہے کہ وہ ثقہ ہیں' ابن حبان نے بھی ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے "ابن ماجہ" میں ان کی روایت موجود ہے۔

یہ ہم نے میاں صاحب کے اناڑی پن کا لحاظ کر کے دوسرے محمد بن عبداللہ کا بھی تعارف پیش کر دیا ورنہ یہاں پہلے ہی والے محمد بن عبداللہ مراد ہیں' افسوس میاں صاحب نے مودودی کی تردید و تغلیط کے غیر معمولی جوش میں تحقیق اور احتیاط اور احساس ذمہ داری کو نظر انداز کر دیا ورنہ یہ سند (عن واقدی عن محمد بن عبدالله عن الزهری) تو بڑے بڑے فقہاء کے یہاں مقبول و مستند ہے' مثال میں ہم ایک رفیع الشان حنفی عالم عبداللہ ابن یوسف زیلعیؒ کی شہادت پیش کرتے ہیں' لگے ہاتھوں ان کا تعارف بھی گوش گزار کر لیجئے۔

مولانا عبدالحیٔ فرماتے ہیں :

> "زیلعیؒ اونچے درجے کے علماء میں سے تھے' حدیث و فقہ میں امتیازی شان رکھتے' انہوں نے "ہدایہ" وغیرہ کی احادیث کی تخریج کی ہے اور ان کی تخریج گواہ ہے کہ وہ فن حدیث اور فن "اسماء الرجال" میں گہری بصیرت رکھتے تھے' علم حدیث

(۱) اگر وہ شخص جس سے روایت لی گئی اور خود راوی عمر میں یا فلاں شخص سے روایت کرنے میں یا روایت سے متعلق کسی اور امر میں شریک ہوں تو یہ راوی جو روایت اس شخص سے کرے گا روایۃ الاقران کہلائے گی۔ (۲) تقریب التہذیب۔

کی تمام ہی شاخوں پر ان کی نظر تھی' اور مباحث حدیث میں
وہ انصاف سے کام لیتے تھے' ان کے اندر کج روی اور عصبیت
نہ تھی" (الفوائد البھیۃ ص ۸۲)

یہ ہیں زیلعیؒ' اب ان کی مشہور زمانہ کتاب نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کی تیسری جلد میں کتاب السیر کا باب الغنائم وقسمتھا کھولئے۔ صفحہ ۴۰۶ پر آپ کو ٹھیک یہی سند مل جائے گی جس پر میاں صاحب مشقِ کرم کر رہے ہیں اور جس کا ایک راوی محمد بن عبداللہ اس حد تک مجہول نظر آرہا ہے کہ بلا تکلف فرماتے ہیں :

"محمد بن عبداللہ فرضی شخص بھی ہو سکتا ہے" ص ۱۹۱

زیلعی نے یہ الفاظ دیئے :

"روی الواقدی فی کتاب المغازی حدثنی محمد بن عبداللہ عن الزھری عن سعید بن المسیب"۔ اس کے بعد عنوانِ باب سے متعلق روایت نقل کی ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ "ہدایہ" فقہ کی کتاب ہے' احکام و مسائل کا خزینہ' اور امام زیلعی ان مسائل و احکام کا ماخذ و منبع ارشادات رسول ﷺ میں تلاش کر کے لائے ہیں' وہ یہاں گری پڑی روایات پیش نہیں کر سکتے' یہاں تو وہی روایات لائی گئی ہیں جو مضبوط ہوں' معاند کے لئے بھی حجت ہوں' اگر انہیں پورا وثوق نہ ہوتا کہ محمد بن عبداللہ کون ہیں اور واقدی کی یہ سند سونا ہے یا پیتل' تو کبھی اسے ہاتھ نہ لگاتے' انہیں اچھی بری سندوں اور ضعیف و ثقہ راویوں کا علم تھا' اسی لئے وہ ایک جگہ نہیں جگہ جگہ واقدی کی روایات سے ان روایات کو چن لیتے ہیں جو قوی ہیں' مثلاً اسی جگہ آس پاس صفحہ ۴۰۳ پر اور صفحہ ۴۰۷ پر اور صفحہ ۴۳۰ پر واقدی کی روایات دیکھی جا سکتی ہیں۔

اب میاں صاحب کے یہ فقرے دیدۂ عبرت سے ملاحظہ کر لئے جائیں کہ :

"خود واقدی مجروح اور مجروح اور مجہول سے روایت کریں تو
وہ روایت تو کسی صاحب بصیرت کے نزدیک بھی قابلِ اعتبار
نہیں ہو گی' یہاں یہی صورت ہے کہ واقدی جن سے روایت
کر رہے ہیں وہ مجہول ہے لہذا روایت نا قابلِ اعتبار" ص ۱۹۱

یعنی ابن سعد تو بے بصیرت تھے ہی' وہ زیلعیؒ بھی بے بصیرت ٹھہرے جن کا درجہ و مقام ابھی آپ نے دیکھا' بہر حال اب کوئی میاں صاحب کے آگے "نصب الرایہ" کھول کر پوچھے کہ اے "قطب دوراں" بلکہ امام کائنات کہیے اب تو محمد بن عبداللہ کو پہچانا' اب تو آنکھیں کھلیں کہ کس کی داڑھی سے حضور کھیل رہے ہیں' اگر وہ جواب دیں' اور شاید دیں گے کہ ہم کیوں کسی کی تقلید کریں ہم نے تو اپنی کتاب میں صحیح صحیح واقعات مثل آفتاب عالمتاب کھول کر رکھ دیئے ہیں تو اے ناظرین محترم! اور اے علماء کرام! کیا اس کے بعد بھی یہ جواز پیدا نہیں ہوتا کہ آپ "نصب الرایہ" اٹھا کر ان کے سر پر دے ماریں! (آہستہ ہی سے سہی)

ویسے مانیں گے وہ اس کے بعد بھی نہیں' ان کی "میں نہ مانوں" کا عالم یہ ہے کہ مولانا مودودی نے ثبوتِ مزید کے طور پر "ابن خلدون" کی یہ روایت نقل کی تھی :

"صحیح بات یہ ہے کہ مروان نے یہ خمس پانچ لاکھ کی رقم میں
خرید لیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے یہ قیمت اسے معاف کر دی"۔

اس پر بزرگ محترم فرماتے ہیں :

"یہ خرید و فروخت کب ہوئی اور اس کا کیا ثبوت کہ حضرت
عثمانؓ نے معاف فرما دی اور کیا معاف کر دینے کا انہیں حق
تھا؟"۔ ص ۱۸۳

بتایئے ایسے شخص کو کون قائل کر سکتا ہے؟...... اگر یہ آئیں بائیں شائیں بھی ہوش و حواس کی سلامتی کا نشان ہے تو پھر میاں صاحب نے خواہ مخواہ لمبی بحثیں کرنے کی زحمت اٹھائی' وہ بڑی آسانی سے فقط اتنا کہہ کر قصہ تمام کر سکتے تھے

کہ...... ولید کو کب کس نے حاکم بنایا' اور اس کا کیا ثبوت کہ اس کے کوڑے لگے' اور پھر جب اس نے پی ہی نہیں تھی تو حضرت عثمانؓ و علیؓ کو کیا حق تھا کہ غریب کی کھال ادھیڑ دی۔

عبداللہ بن سعد' ابی سرح کے بارے میں بھی کہہ سکتے تھے کہ کون کہتا ہے وہ مرتد ہوا' کس نے کہا کہ اس سے حضور ﷺ خفا تھے' مورخین کو کیا حق ہے کہ وہ ایک صحابیؓ کی برائی کریں ؟ وھلم جراً۔

ان سب کے جواب میں ظاہر ہے میں اور آپ کتابیں ہی دکھا سکتے ہیں مگر میاں صاحب کے مذکورہ سوالات سے آپ نے اندازہ کر لیا کہ وہ تو فوٹو مانگتے ہیں' ابن خلدونؒ ابن اثیرؒ' طبریؒ' شاہ عبدالعزیزؒ اور دوسرے بے شمار حضرات جو چاہے کہے جائیں ان سوالات کا دروازہ کون بند کر سکتا ہے کہ کب ہوا کہاں ہوا کیوں ہوا تصویر دکھاؤ رجسٹری شدہ اسٹامپ لاؤ۔

اور خیر سے دفورِ جوش میں عقلِ کل خود بھی وہی اعتراض حضرت عثمانؓ پر دہرا گئے ہیں جو ان کے ہم عصر دہراتے تھے' اور ساری کتابیں ان کی تفصیل سے معمور ہیں' فرق میاں صاحب اور مودودی میں یہ ہے کہ مودودی حضرت عثمانؓ کو خائن نہیں مانتا بلکہ یہ توضیح کرتا ہے کہ وہ مجتہد تھے' انہوں نے دیانتاً اس طریق کار کو جائز سمجھا تھا' اور میاں صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کو اس کا حق کیا تھا؟

اے شامتِ اعمال ! تو ہمیں اور ہمارے بزرگوار کو معاف کر دے۔

نور علیٰ نور یہ کہ یہاں جس "ابن خلدون" کی داڑھی نوچ رہے ہیں اسی کے نام نامی کے حوالوں سے اپنی کتاب کو آپ نے اٹھارہ جگہ زینت دی ہے' ہے اس مسخرے پن کا کوئی جواب' گویا آپ تو "ابن خلدون" سے جو روایت لیں مستند مگر مودودی لے لے تو نعوذباللہ ! استغفر اللہ۔

پاکیٔ داماں کی حکایت

اے قارئین اور محترم جج ! آپ اس زید کو کیا کہیں گے جو آپ پر تو اس لئے

گرجے برسے کہ آپ تہجد نہیں پڑھتے اور مغلئی پاجامہ نہیں پہنتے مگر خود کھلے بندوں شراب خانے میں دادِ عیش دے اور نشے میں دھت ہو کر کپڑے اتار پھینکے؟

ذرا سوچئے کوئی اچھا سا القاب اس فنکار کے لئے...... تب تک ہم میاں صاحب کے ذکر مقدس سے ثواب دارین حاصل کرتے ہیں' آپ نے دیکھا کہ وہ صرف اتنی سی بات پر "ابن سعد" والی روایت خاک میں ملائے دے رہے ہیں کہ اس میں ایک راوی ان کے لئے مجہول الحال ہے اور آگے بھی آپ دیکھیں گے کہ مودودی کی پیش کردہ کسی روایت میں کوئی ایک بھی راوی ان کی دانست میں مجہول یا ضعیف ہو تو فوراً یہ روایت ردی کی ٹوکری کے قابل ٹھہر جاتی ہے' لیکن خود وہ کہاں کھڑے ہیں' یہ بھی دیکھ لیجئے۔

انہوں نے "طبری" سے ایک روایت کے یہ فقرے لے رکھے ہیں جو حضرت عثمانؓ کی ایک تقریر کا جز ہیں:

"جہاں تک ان کو دینے کا تعلق ہے تو میں جو کچھ ان کو دیتا ہوں اپنے مال میں سے دیتا ہوں اور مسلمانوں کے مال نہ میں اپنے لئے جائز سمجھتا ہوں نہ کسی بھی انسان کے لئے" ص ۱۸۵

ان فقروں کو وہ بار بار دہراتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ ان تمام روایات کو غلط ثابت کر دیتے ہیں جو مودودی نے لی ہیں (معناً ان میں اور مودودی والی روایات میں کیا تضاد ہے اس کی بحث آگے آئے گی' تضاد خود میاں صاحب کے کسی "صاحبزادے" کا نام ہو گا ورنہ ظاہر ہے تضاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔

اگر ہم یہ فرض ہی کر لیں کہ یہ روایت ایسا جادو کا ڈنڈا ہے تو سوال پھر وہی پیدا ہو گا جسے ہم حصہ اول میں سامنے لا چکے ہیں یعنی کیا یہ آیت قرآنی ہے یا "بخاری" و "مسلم" کی حدیث ہے یا حضرت عثمانؓ خود میاں صاحب کے گھر آ کر کہہ گئے تھے کہ یہ الفاظ میرے نوٹ کر لو۔

تماشا ہے کہ میاں صاحب خود ہی "طبری" کی متعدد روایات کو جھوٹی قرار

دیتے چلے گئے ہیں مگر اپنی لی ہوئی اس "طبری" کی روایت کو اس طرح دانتوں سے پکڑ رکھا ہے جیسے براہِ راست آسمان سے اتری ہو' دوسروں کی سند اور راویوں کے ساتھ جو دھینگا مشتی ہے وہ آپ کے سامنے ہے' اور آگے بھی دیکھیں گے مگر اپنی روایت کے راویوں کا ذکر تک نہیں گویا یہ روایت تو ثقہ راویوں سے مروی ہے۔

یہی ایک روایت نہیں' آپ نے اپنی تمام کتاب ہی "طبری" سے مرتب کی ہے' بعض اور کتابوں کے حوالے تو محض برائے بیت آئے ہیں' "طبری" کے حوالوں کی تعداد ۱۳۶ ہے (۱)' کرتے یہ ہیں کہ جہاں جہاں کوئی ایسی عبارت نظر آئی جو مودودی کے حق میں جاتی ہوا سے چھوڑ دیا' آگے پیچھے کی عبارتیں لے لیں' خیر یہ بھی معاف' سوال تو دوسرا ہے' کیا میاں صاحب کو یہ بھی ہوش ہے کہ جس روایت کو وہ قدم قدم پر ترنگے کی طرح لہرا رہے ہیں اس کی اسناد اور رواۃ کا کیا حال ہے؟ انہیں کیا ہوش ہوگا ہم بتاتے ہیں کہ صورت واقعہ کیا ہے:

"طبری" کی شکل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سوانح سے فارغ ہو کر ابن جریر نے دورِ خلافت کی بہت سی تاریخ جناب "سَرِی" کے توسط سے پیش کی ہے اور "سَرِی" کا سب سے بڑا سرچشمہ فیض "سیف" ہیں' اب اسی روایت کو دیکھئے جو میاں صاحب کا سرمایہ جان ہے' طبری جلد ۵ صفحہ ۱۰۰ پر امام طبری یہ سند بیان کرتے ہیں۔

"سری" نے شعیب سے' انہوں نے سیف سے انہوں نے بدر بن الخلیل بن عثمان بن قطبۃ الاسدی سے انہوں نے قبیلہ بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کیا۔

(۱) عبرت حاصل کیجئے۔ طبری کی روح بھی کیا یہ نہ کہتی ہوگی کہ اکلت تمری و عصیت امری (جس ہانڈی سے تو کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے) ۱۳۶ جگہ خود ان سے روایتیں لیں اور جہاں مودودی نے کوئی روایت ان سے اٹھائی تو ان نمک حلال بزرگ نے پھٹ سے اسے موضوع کہہ دیا "مرگ غیرت تری دہائی ہے!" ویسے لفظی ترجمہ بھی اس ضرب المثل کا دلچسپ ہے۔ "تو مری ساری کھجوریں کھا گیا ہے اور مجھی سے سرکشی کرتا ہے!"۔

صفحہ ۱۰۱ کے وسط تک اسی سند سے روایت چلتی ہے پھر وہ سند بدل کر ایک اور روایت پیش کرتے ہیں جو مودودی صاحب نے لی ہے اور آگے اس کی بحث آرہی ہے' اس روایت کے بعد پھر وہ سیف والی سند کی طرف یہ کہہ کر لوٹتے ہیں (رجع الحدیث) الیٰ حدیث سیف عن شیوخہ (۱) 'اب وہ طویل روایت بیان کرتے ہیں اسی کے وہ فقرے ہیں جنہیں ابھی ہم نے نقل کیا اور جو میاں صاحب نے پکڑ رکھے ہیں۔

دو ہی باتیں میاں صاحب یہاں کہہ سکتے ہیں' یا تو یہ کہ اس روایت کی سند وہ نہیں ہے جو صفحہ ۱۰۰ پر بیان ہوئی بلکہ کوئی اور سند ہے جس میں سیف کے دوسرے شیوخ شامل ہوں گے 'یا یہ کہ جی ہاں سند یہی ہے۔

پہلی صورت میں سند تقریباً غائب ہی ہو جاتی ہے کیوں کہ سیف کے بہت سے شیوخ ہیں' ان میں سے کس نے کس سے روایت لی اس کا پتہ نہیں چلتا' پھر کیا میاں صاحب کے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت لیں جس کے متعدد رلوی غائب ہیں ؟ محمد بن عبداللہ کا نام تو وہاں موجود تھا مگر پھر بھی انہوں نے اسے مجہول کہہ کر رد ّی کر دیا' یہاں نام تک نہیں اور کئی کئی راوی غائب۔

دوسری صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بدر بن الخلیل کون ہیں' کیا میاں صاحب ان کا تعارف کرا سکیں گے ؟ پھر "قبیلہ بنی اسد" کا وہ آدمی کون تھا جس سے بدر نے روایت لی' نام تک نہیں ؟ اس سے بڑھ کر مجہولیت کیا ہو گی۔

خیر مجہولیت کا عالم تو یہ ہے کہ "طبری" جلد ۵ کے جن صفحات سے میاں صاحب روایتوں پر روایتیں نقل کر رہے ہیں وہیں صرف چند صفحات میں مجہول راویوں کا ایک کیمپ لگا ہے' مثلاً المستنیر بن یزید (ص ۸۷ و ۹۲) غصن بن القاسم ص ۸۷ 'عطیہ بن یزید الفقعسی (ص ۸۰ '۹۰ '۹۸) قعقاع بن الصلت (ص ۸۰)

(۱) اب آگے کی روایت پھر سیف ہی کی ہے جو انہوں نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہے۔" شیخ" اس فن کی اصطلاح میں ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس سے روایت کی گئی ہو۔

ابن الخلحال بن ذری (ص ۸۰) بدر بن الخلیل (۱۰۰) میاں صاحب اگر دس جاسوس ملازم رکھ لیں تب بھی ان راویوں کے حالات کا سراغ نہ پا سکیں گے' کیوں کہ "اسماء الرجال" کی کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

مگر ہم کچھ اور کہنا چاہ رہے ہیں' ہم قارئین کے سامنے ابن سیف کا تعارف پیش کرتے ہیں جو "طبری" کی بیشتر روایات کے ساتھ ساتھ اس میاں صاحب والی روایت کے بھی راوی ہیں' ان کا نام سیف بن عمر ہے۔ ابن حجر "تقریب التقریب" میں بتاتے ہیں کہ ضعیف فی الحدیث عمدة فی التاریخ' اور اس کی شرح "تہذیب التہذیب" جلد ۴ صفحہ ۲۹۵ پر دیکھئے :

(۱) ابن معین نے فرمایا ضعیف ہیں (۲) کبھی فرمایا سیف سے بھلائی کی کوئی توقع نہیں (۳) ابو حاتم نے کہا کہ "متروک الحدیث" ہیں (۴) "ابو داؤد" نے ارشاد کیا کہ یہ قابل ذکر ہی نہیں (۵) "نسائی" نے بتایا کہ ضعیف ہیں (۶) دارقطنی نے بھی کہا کہ ضعیف ہیں (۷) ابن حبان نے فرمایا کہ ثقہ لوگوں کا نام لے کر یہ شخص دل سے روایات گھڑتا ہے (۸) یہ بھی فرمایا کہ اور لوگ بھی اسے حدیث گھڑنے والا کہتے ہیں (۹) ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن حبان نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ سیف بن عمر پر زندقہ (۱) کا الزام ہے (۱۰) حاکم نے بھی ایسا ہی کہا ہے (۱۱) دارقطنی کا قول برقانی نے نقل کیا ہے کہ سیف متروک الحدیث ہے (۱۲) حاکم نے یہ بھی کہا کہ روایت کے اعتبار سے یہ شخص ساقط ہے۔

تو یہ ہیں وہ سیف بن عمر التمیمی جن سے ملی ہوئی روایت کے دو فقرے میاں صاحب نے اس کروفر سے مٹھی میں دبا رکھے ہیں جیسے مٹھی کھل گئی تو پھدک کر بھاگ جائیں گے' انھیں فقروں کے بل پر وہ خود "طبری" کی دوسری مضبوط روایات' "ابن خلدون" کی شہادت' "ابن اثیر" کی توثیق اور "ابن کثیر" کی تائید کو دیوار پردے مار رہے ہیں۔

(۱) زندقہ اسے کہتے ہیں کہ آدمی حدیث و قرآن کے الفاظ تو نہ بدلے مگر معانی بدل دے۔

ضرورت تو نہیں مگر اتمام حجت کے طور پر سیف بن عمر کے ایک شیخ کا حال بھی سن لیں' یہ ہیں محمد بن السائب الکلبی' "تہذیب التہذیب" جلد ۷ میں صفحہ ۱۷۸ سے ۱۸۰ تک ان کا حال احوال پڑھیے' نمونہ از خروارے حاضر ہے۔

(۱) ابن مدین کہتے ہیں لیس بشئی ضعیف (۲) بخاری فرماتے ہیں کہ ابن معین اور ابن مہدی نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا (۳) ابو عوانہ کہتے ہیں کہ کلبی کفر بکتا ہے (۴) ابو جزء غصے میں آکر کہتے ہیں اشهد ان الکلبی کافر(۱) (۵) ابو حاتم بتاتے ہیں کہ سب لوگوں نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا (۶) "نسائی" نے کہا کہ وہ قابل اعتماد نہیں ہے اس کی حدیث نہ لکھی جائے (۷) علی بن الجنید اور حاکم اور ابو احمد اور دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے (۸) جوزجانی نے کہا کہ کذاب ہے' ساقط الاعتبار ہے (۹) ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس کا جھوٹا ہونا تو اس قدر ظاہر معاملہ ہے کہ اس کے حال احوال میں سر کھپانے ہی کی ضرورت نہیں (۱۰) ساجی نے کہا کہ وہ تو متروک الحدیث ہے' بے حد ضعیف ہے کیونکہ اس میں تشیع(۲) پایا جاتا ہے' (۱۱) ابن حجر فرماتے ہیں کہ فن روایت کے تمام مستند اساتذہ اس شخص کی مذمت اور ترک روایت پر متفق ہیں کہ احکام و فروع(۳) میں بالکل روایت نہ لی جائے۔

سیف کے ایک شیخ محمد بن اسحاق ہیں' یہ ہمارے نزدیک تو ثقہ ہیں لیکن ان میاں صاحب کے نزدیک ثقہ نہیں ہو سکتے جو حافظ ذہبیؒ کے لفظ صدوق (ہمیشہ سچ بولنے والا) کو بھی کافی نہیں سمجھتے جب تک وہ یہ نہ کہہ دیں کہ ہاں بھئی ان سے روایت لے لیا کرو' بڑی عنایت ہو گی!

(۱) "غصے میں آکر" کے الفاظ ہم نے اپنی طرف سے لکھے ہیں۔ اللہ کے بندے نے بچارے کلبی کو بالکل ہی جہنم میں دھکیل دیا۔

(۲) یہ صاحب ان لوگوں میں تھے جو کہا کرتے تھے کہ جبریل کو اللہ نے علی کے پاس وحی لے جانے کو بھیجا تھا انہوں نے غلطی سے محمد کو دیدی!

(۳) یعنی شرعی امور خواہ وہ اصول ہی سے ہوں یا جزئیات میں سے۔

کیوں نہیں ہو سکتے' یوں کہ درج ذیل جرحیں حاضر ہیں :

(۱) مجہولوں سے باطل احادیث نقل کرتے ہیں (۲) احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا ابن اسحاق مدلس ہے (۳) ابو عبداللہ کا قول ہے کہ ابن اسحاق حجت نہیں ہیں (۴) نسائی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہیں۔

تو یہ ہیں سیف کے شیوخ' اور سیف جیسے ہیں وہ آپ دیکھ ہی چکے ضرورت ہو تو ہم سری کو بھی مجروح دکھا سکتے ہیں مگر کیا حاصل طول سے' تنہا "سیف" ہی اس بات کے لئے کافی ہیں کہ ان سے آئی ہوئی روایات میاں صاحب پاس پڑوس بھی نہ آنے دیں' مگر واہ رے شیخ محترم! سیف ہی کی روایات سے پوری کتاب بھر دی' اور سیف ہی کی ایک روایت کا ٹکڑا مشین گن کی طرح استعمال کر کے ابن سعد اور ابن خلدون جیسے ثقہ بزرگوں کے سینے چھلنی کر ڈالے۔

کیا پھر سیف ہی پر بات ختم ہو گئی؟ جی نہیں' ابھی تو ایک اور صاحب کا تذکرہ باقی ہے جن کا نام نامی ہے ابو مخنف (لوط بن یحیٰی) انہیں طبری میں سر فہرست رکھئے تو مضائقہ نہیں' کیوں کہ پچاس فیصد سے زیادہ روایات میں یہ موجود ملتے ہیں' ان کی تعریف "لسان المیزان" میں یہ کی گئی ہے :

> "یہ ایسی خبریں گھڑتے تھے جن کی توثیق نہیں کی جا سکتی' ابو حاتم وغیرہ نے ان سے روایت لینا چھوڑ دیا' دار قطنی' ابن معین اور مرۃ انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں' ابن عدی انہیں سخت قسم کا شیعہ کہتے ہیں' عقیلی نے ان کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے"۔ (جلد ۴ ص ۴۹۲)

اب اے قارئین کرام اور منصف محترم! قسم سے بتایئے کہ ابھی جو تمثیل ہم نے زید کے نام سے پیش کی تھی اس میں اور اس صورت حال میں کیا فرق ہے...؟

طبری کے باب میں ہمارا موقف :

توکیا سیف بن عمر اور ان کے بعض شیوخ اور ابو مخنف کی وجہ سے ہم نے

"طبری" کو ساقط الاعتبار سمجھ لیا؟ ہرگز نہیں، علم و فن بڑا توازن چاہتے ہیں، دیکھنا یہ بھی تو ہوگا کہ خود صاحب طبری کا کیا پایہ ہے، وہ آخر کیسے اس طرح کے لوگوں کی روایات لئے چلے جا رہے ہیں۔

ابن جریر طبری کا کافی شافی تعارف "خلافت و ملوکیت" میں کرا دیا گیا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ دہرا لیجئے، ابن خلدونؒ، حافظ ذہبیؒ اور امام ابن خزیمہؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ، خطیب بغدادیؒ اور ابن الاثیرؒ جیسے شیوخ کہتے ہیں کہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم، ائمہ اسلام میں سے ایک بڑے امام، دین کے بہت قابل اعتماد رہنما، جامع العلوم، ایسے فاضل کہ ان کی رائے کی طرف رجوع اور ان کے قول پر فیصلہ کیا جاتا ہے، محدث ہیں، مجتہد ہیں، اہل سنت کے پیشوا ہیں، تاریخ میں سب عام و خاص ان پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ہم اس پر اتنا اضافہ اور کریں کہ خطیب بغدادی نے مزید فرمایا "ابن جریر طبری کتاب اللہ کے حافظ (۱) تھے، قرآن کا حقِ قرأت کیسے ادا ہو اسے خوب جانتے تھے، اس کے معانی میں بصیرت رکھتے تھے، اس کے احکام پر فقیہانہ نظر تھی، احادیث رسول ﷺ کے عالم تھے اور خوب جانتے تھے کہ کونسی حدیث صحیح ہے کونسی سقیم، کونسی ناسخ ہے کونسی منسوخ، حرام و حلال کے مسائل میں صحابہ و تابعین کے اقوال کا انھیں خوب علم تھا، لوگوں کے حال احوال سے باخبر تھے۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۰ تا ۱۰۳)

یہ ہیں امام التفسیر ابن جریر الطبری، پھر ہم ان سری صاحب کو دیکھتے ہیں جنھیں میاں صاحب کی روش اختیار کر کے تو چھٹ سے مجہول اور "مدلس" کہہ دیا جا سکتا ہے مگر ہم علم حدیث کو مذاق نہیں سمجھتے، ہمیں معلوم ہے کہ یہ سری بن یحیٰ بن ایاس ہیں، ثقہ، عدل، (ملاحظہ ہو "تہذیب التہذیب" ج ۳ ص ۴۶۰) تب ہم خود کو اس نتیجے پر کیسے نہ پہنچائیں کہ امام طبریؒ نے سیف اور ابو مخنف وغیرہ

(۱) آج کل کے "حافظ قرآن" مراد نہیں، بلکہ علوم قرآنیہ پر عبور رکھنے والے۔

کا کل دفتر نہیں لے لیا ہے بلکہ پوری محنت اور بیدار مغزی سے اس کی تنقیح کی ہے' معیار کی چھلنی میں چھانا ہے' دوسرے محدثین کی ثقہ روایات پر نظر رکھتے ہوئے متصادم روایات کو باہر پھینکا ہے' کھلی بات ہے کہ کوئی بھی جھوٹا یا غبی آدمی ہر بات تو جھوٹ نہیں کہتا سیف یا کلبی یا ابو مخنف بفرق مراتب ضعیف تھے' لیکن سب کا سب دفتر ان کا کذب و افترا نہیں تھا' جو کچھ اس میں امام کو ایسا ملا جس کی توثیق دوسری قوی روایتوں سے ہو رہی تھی اسے چھانٹ کر زیبِ کتاب کر لیا۔

لہٰذا یہ تو ممکن ہے کہ فن کے معروف قواعد سے ان کی کسی روایت کو مرجوح یا ساقط قرار دیا جائے' اس سے قرآن کے سوا دنیا کی کوئی کتاب بالاتر نہیں ہے چنانچہ "دار قطني" اس کی شاہد ہے کہ بخاری تک پر فن کی آزمائش کی گئی ہے۔(۱) لیکن بغیر قواعد فن اور بغیر دلیل قوی کے میاں صاحب کی طرح بے تکانِ کہے چلے جانا کہ فلاں روایت موضوع ہے' فلاں ضعیف ہے' فلاں مدلس ہے' ایسے ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو نہیں جانتے کہ علم اور علماء کا مقام کیا ہے؟ کیسی عبرت ناک بات ہے کہ جس "طبری" کے ۱۳۶ حوالے میاں صاحب نے اپنی کتاب میں دیئے ہیں اس کے پایہ اعتبار کے باب میں وہ اتنے گستاخ اور جری ہیں' ہماری یہ مجال نہیں کہ اپنی دو تولہ عقل کے غرّے میں دلیل فن کے بغیر کسی مستند عالم کی روایت کو جھٹلانا شروع کر دیں' یہ رویہ تو علم حدیث کی جڑیں کھودنے کے مرادف ہے' اور علم حدیث نہ ہو تو دین کے لئے جائے پناہ آخر کونسی ہے "طبری" میں غلط روایات بھی ہیں مگر ان کی غلطی کی نشاندہی اہلِ علم کے معروف طریقے سے ہونی چاہیے نہ کہ میاں صاحب کے طریقے سے۔

شاذ و منکر:

"شاذ و منکر" اصولِ حدیث کی دو اصطلاحیں ہیں اور میاں صاحب نے

(۱) امام دار قطني کی کتاب ہی کا نام "دارقطني" ہے۔ اس میں کم و بیش دو سو احادیث بخاری کو فن کے رخ سے ہدف اعتراض بنایا گیا ہے' یہ الگ بات ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" کے مقدمے میں ان کے قوی جوابات دیئے ہیں۔

یہیں انھیں استعمال فرمایا ہے' بہتر ہوگا اگر آپ یہاں مولانا مودودی کا وہ شہ پارہ بھی پڑھ لیں' جس سے چند الفاظ اٹھا کر کرم فرمانے "فنّی" گل افشانیاں کی ہیں۔ یہاں کاتب سے سہو ہو گیا ہے' یہ شہ پارہ پہلے ص ۹۸ پر پڑھ لیجئے پھر یہاں آیئے۔

اخلاص اور دلریشی کے ساتھ لکھے ہوئے اس نثرپارے کو دوبار پڑھئے' پھر اندازہ کیجئے کہ اتنے پاک وصاف بے غبار اور شائستہ خیالات واسالیب کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی میاں صاحب نے گندگی تلاش کرنے والی مکھی کی طرح نکہت و نزہت کا مطلق احساس نہیں کیا اور وہی رٹ لگاتے رہے جس کا سودا ان کے سر میں سما گیا ہے' ہم کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں اس سے زیادہ محتاط اور باصواب رائے کچھ ہو ہی نہیں سکتی' اِلاّ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور حضور ﷺ کو عالم الغیب سمجھنے والوں کی طرح کھوپڑی غلو سے مسموم ہو' اور دماغ کے تمام سوراخ میل کچیل سے اٹ گئے ہوں۔

آپ دیکھئے کہ اپنی تمام دولت اقرباء میں مساویانہ تقسیم کر دینا کیا اقرباء سے اسی غیر معمولی محبت کا ثبوت نہیں جسے ماننے پر میاں صاحب کسی طرح تیار نہیں' یہاں میاں صاحب نے اس روایت کو بالکل درست مانا ہے' مگر اسلئے نہیں کہ حضرت عثمانؓ سے انصاف کریں' بلکہ اس لئے کہ مودودی کا منھ نوچیں' ان عقل کل کو اسی عینک سے جو انھوں نے چڑھا رکھی ہے یہ نظر آیا کہ یہ روایت زہری والی روایت کے خلاف ہے' چنانچہ فرماتے ہیں کہ :

> لہٰذا اس مشہور اور مسلّم کے خلاف اس قول میں جو کچھ کہا گیا ہے کہ "بیت المال" میں سے اپنا حق لیکر ورثاء میں تقسیم کیا اصولِ روایت کے لحاظ سے شاذ و منکر اور ناقابلِ اعتبار ہے۔" ص ۱۹۳

حسنِ فہم کی داد دیجئے کہ کہاں کی بات کہاں لا ٹکرائی' ٹکراؤ تو جب ہوتا جب ابن سعد والی روایت میں یہ کہا گیا ہوتا کہ وہ جو حضرت عثمانؓ کے بارے میں بتایا جارہا ہے' کہ انھوں نے خود اپنی دولت ورثاء میں برابر برابر تقسیم کر دی وہ صحیح نہیں

(۱) مولانا مودودی کا محولہ نثرپارہ اس کتاب کے ص ۴۵۳ تا ۴۵۵ پر درج ہے۔ (مرتب)

بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ دولت انھوں نے "بیت المال" سے لیکر تقسیم کی تھی، اس صورت میں گویا ایک ہی واقعے کے متعلق دو مختلف شہادتیں ملتیں، جن میں سے ایک کا غلط ہونا ضروری ہوتا، مگر یہاں تو صریحاً دو الگ الگ واقعات ہیں، اپنی ذاتی دولت کو ورثاء میں تقسیم کر دینا مستقل ایک واقعہ ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، مگر اس کے بعد مختلف وقتوں میں "بیت المال" سے جو داد و دہش مختلف شکلوں میں اقرباء کے لئے ہوئی، وہ مستقل الگ امر واقعہ ہے، اسی کو ابن سعدؒ والی روایت ظاہر کر رہی ہے، غور کیجئے تو پہلا واقعہ دوسرے واقعے کے لئے ایک نفسیاتی تائید مہیا کرتا ہے، آخر جن حضرت عثمانؓ کو اقرباء سے اس درجہ محبت تھی کہ تمام ذاتی دولت ان میں بانٹ دی، ان سے اس کے سوا کس طرزِ عمل کی توقع کی جاسکتی ہے، کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی ایسا موقعہ آیا ہو کہ کسی عزیز کی مدد کرنا انھیں شرعاً درست معلوم ہوا ہو تو وہ "بیت المال" سے اس کی مدد کر گزرے ہوں، کیونکہ صدرِ مملکت کی حیثیت سے وہ "بیت المال" پر اپنا بھی حق سمجھتے ہیں اور ذاتی دولت بانٹی جاچکی ہے، اقرباء سے غیر معمولی محبت ان کی فطرتِ ثانیہ تھی جس سے انکار سورج کا انکار ہے، فطرت بدلا نہیں کرتی، اس کا تقاضا بہر حال یہ تھا کہ دیانت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب بھی ان کا اجتہاد اجازت دے کہ فلاں عزیز کی مدد کی جاسکتی ہے وہ اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کریں، مجتہد غلطی بھی کر جائے تو مضمونِ حدیث کے مطابق ایک اجر کا مستحق ہوا کرتا ہے۔

لیکن ٹھیریئے۔ ہم یہ واضح کرنے کے لئے کہ "شاذ و منکر" کے الفاظ میاں صاحب نے مفہوم سمجھے بغیر بولے ہیں کچھ دیر کو فرض کئے لیتے ہیں کہ دونوں روایتوں میں ایسا ٹکراؤ ہے کہ ایک کو ساقط ہی کرنا پڑے گا، تو آیئے دیکھیں اصولِ فن میں "شاذ و منکر" کس چیز کا نام ہے۔

شاذ : شاذ کی ایک تعریف تو قاضی زین الدین عراقی نے "الفیہ" میں ایک شعر

میں کی ہے۔ (صفحہ ۲۸)

و ذاالشذ وذمایخالف الثقة

فیه الملاء فالشافعیؒ حققه

قسطلانیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ شاذ وہ روایت ہے جس میں کسی ثقہ راوی نے متعدد ثقہ راویوں کے خلاف کیا ہو "ملاء" سے مراد ثقات کی جماعت ہے گویا اس ایک ثقہ راوی کے مقابلے میں بہت سے ثقہ حضرات موجود ہوں' امام شافعیؒ "شاذ" کی اسی تعریف کو باصواب سمجھتے ہیں۔ (الفیۃ الحدیث۔ ص ۲۸)

حافظ ابن حجر نے "نخبۃ الفکر" میں جو تعریف کی وہ اس سے بس اس قدر مختلف ہے کہ مقابلے میں بہت سے ثقات کا ہونا ضروری نہیں' اگر ثقہ راوی کسی ایک بھی ایسے ثقہ راوی کے خلاف کرتا ہے جو ضبط وعدالت یا کسی اور فنی وجہ سے نسبتاً زیادہ ثقہ ہو تو اسے "شذوذ" کہیں گے۔ (نخبۃ الفکر ذکر شاذ)

"توجیه النظر الیٰ اصول الاثر" میں الجزائری کے الفاظ یہ ہیں:

فان الشاذفانه حدیث یتفردبه ثقة من الثقات ولیس للحدیث اصل متابع لذلك الثقة (شاذ وہ حدیث ہے کہ کسی راوی نے ایسی بات کہی ہو جو دیگر ثقہ راویوں سے مختلف ہو۔(۱) اور اس حدیث کی کوئی ایسی اصل موجود نہ ہو جو اس ثقہ کی تائید کررہی ہو(۲)(۱۸۳ النوع الثامن وعشرین)

"ابن صلاح" نے یوں کہا ہے:

الشاذ: ان یروی الثقة مالایروی غیرہ انماان یروی الثقة حدیثاً یخالف ماروی الناس (ثقہ راوی ایسے روایت کرے جیسے دوسرے ثقہ راویوں نے نہ کی ہو اگر ثقہ راوی ایسی حدیث روایت کرتا ہے جو لوگوں کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو ایسی حدیث شاذ ہے۔ (مقدمہ ابن صلاح ص ۲۳)

(۱) "تفرد" کا یہ ترجمہ ہم نے تفہیم عوام کو [illegible] ورنہ تفرد [illegible] دینا کافی تھا۔

(۲) یہ ترجمہ بھی عوام ہی کے لیے ہے۔ "متابع" کے فنی معنی وہ مشکل سمجھ سکتے ہیں۔

گویا"شاذ" کا تعلق ہر حال میں ثقہ راوی سے ہے۔ (فتح المغیث ص ۸۲ : معرفتِ علوم حدیث ص ۱۱۹ : تاریخ ابن عساکر جلد ۲۔المہذب ص ۲۴)

پھر یہ بھی متفق علیہ ہے کہ "شاذ" کے مقابلے میں زیادہ صحیح روایت یا روایات ہونی چاہئیں جو اصطلاحِ فن میں محفوظ کہلائیں گی۔

ہم یہاں عام قارئین کی تفہیم کے لئے ایک مثال دیں گے۔

حدیث صحیح (۱) ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے عہد مبارک میں انتقال کر گیا' کوئی والی وارث چھوڑا نہیں حضورؐ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وارث تو کوئی نہیں بس ایک غلام ہے جسے مرحوم اپنی زندگی ہی میں آزاد کر گیا تھا' حضور ﷺ نے فرمایا "تو مرحوم کی میراث اسی آزاد کردہ غلام کی ہے" اب اس حدیث کو ترمذی' نسائی' اور ابن ماجہ' میں تو اس سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ابن عیینہ عن عمرو بن دینارٍ عن عوسجة عن ابنِ عباسؓ گویا ابن عباس صحابیؓ تک سلسلہ پہنچا دیا گیا' لیکن حماد بن زید نے سند عوسجۃ پر ختم کر دی' حضرت ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا' اب پہلی شکل میں چونکہ یہ روایت متعدد ثقہ حضرات نے کی ہے اور ابن جریج وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں لہٰذا ان کا مجموعی وزن حماد بن زید سے زیادہ ہو گیا' اور ان کی روایت محفوظ قرار پائی، حماد بن زید ثقہ ہیں مگر اتنے ثقات کے مقابلے میں اکیلے' لہٰذا ان کی روایت "شاذ" ٹھہری۔

اب آپ دیکھ لیجئے معاملہ محض سند کا ہے اور ثقہ راوی کا مضمون پر کوئی اثر نہیں' مضمون کے لحاظ سے تو روایت ایک ہی ہے لیکن محدثین کے یہاں چونکہ ہر سند ایک حدیث کہلاتی ہے' اس لئے حماد بن زید والی حدیث "شاذ" قرار پائی اور دوسرے راویوں کی "محفوظ"۔ بعض حضرات "شاذ" کی یہ تعریف بھی کرتے ہیں کہ جس کی فقط ایک سند ہو' پھر اگر صاحبِ روایت ثقہ نہ ہو تو یہ روایت چھوڑ دی جائے گی اور ثقہ ہو تو چھوڑی اگرچہ نہیں جائے گی مگر اس سے حجت بھی نہ پکڑ

(۱) یہاں صحیح سے اصطلاحی صحیح مراد ہے۔

ٹکیں گے' اس تعریف کے اعتبار سے "بخاری و مسلم" تک کی بہتری روایتیں "شاذ" قرار پا جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض کی دانست میں الاعمال بالنّیات (۱) جیسی حدیث "شاذ" رہ جاتی ہے' اسی لئے محققین کہتے ہیں کہ ضابط و ثقہ راویوں کا شذوذ قبول کیا جائے گا۔

قدیم محدثین کا موقف تحقیق و تفحص کے بعد یہ ظاہر ہوا ہے کہ شذوذ اور نکارت اور علت وغیرہ کو وہ صحتِ حدیث کے منافی نہیں سمجھتے تھے' اور شاذ و منکر یا معلل روایات کو حدیثِ صحیح کی قسم میں داخل کرتے تھے۔(۲)

اس طرح "شاذ" کی یہ تیسری تعریف تو یہاں قابلِ لحاظ ہو ہی نہیں سکتی' کیونکہ میاں صاحب ایک روایت کو رد کر رہے ہیں' پہلی ہی دو تعریفوں سے بحث کا تعلق رہ جاتا ہے' آپ نے دیکھا کہ "ابن سعد" والی روایت کو سند کے اعتبار سے وہ کسی قیمت پر بھی صحیح ماننے کو تیار نہیں' محمد بن عبداللہ کے مجہول ہونے پر انھوں نے کیا کیا نہیں کہا' مجہول راوی ہماری تصریحات کے مطابق لائق قبول ہو بھی تو بہر حال وہ فنی اصطلاح میں "ثقہ" نہیں کہلاتا' "ثقہ" تو وہ ہے جس کی عدالت و صداقت معلوم ہو" صحیح" روایت وہی کہلاتی ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہوں' اس طرح میاں صاحب کے "شاذ" کا تعلق ضعیف روایت اور مجہول راوی سے ہو گیا حالانکہ آپ نے دیکھ ہی لیا کہ "شاذ" کی اصطلاح حدیث صحیح سے مربوط ہے اور اس کا جوڑ ثقہ راوی سے ہے' اس کا مطلب اس کے سوا کیا نکلا کہ "شاذ" کی فنی تعریف سے میاں صاحب آگاہ نہیں۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس شاذ کا مقابل محفوظ کہاں ہے؟ جس روایت کو میاں صاحب مقابل بنا کر "مشہور اور مسلم" کہہ رہے ہیں' فن کے اعتبار سے اس کا مسلم اور مشہور ہونا اس پر موقوف ہے کہ میاں صاحب اس کی سند

(۱) حضور ﷺ نے فرمایا: اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

(۲) مستفاد از تدریب الراوی' فتح المغیث' فتح الملہم' نخبۃ الفکر' مقدمہ ابن صلاح۔

بیان کر کے ہر راوی کا ثقہ ہونا ثابت فرمائیں' اور پھر دو ثقاہتوں کا مقابلہ و موازنہ ہو' جو یہاں اسلئے ممکن نہیں کہ وہ ابن سعد کی سند کو ضعیف اور محمد بن عبداللہ کو مجہول مان رہے ہیں' تمثیلاً یوں سمجھئے کہ ثقہ راوی زندہ انسان کی مانند ہے اور ضعیف مردہ' بخار' کھانسی اور دیگر امراض زندوں ہی کو لاحق ہوتے ہیں اسی طرح ''شذوذ،، کے مرض کا تعلق ثقہ راوی سے ہے' شاذ وہ حدیث ہوتی ہے جسکے راویوں میں ضعیف یا مجہول راوی نہ گھس آئے ہوں بلکہ اسکی سند کے کسی اچھے خاصے ثقہ کو بیماری لگ گئی ہو' مگر ہمارے میاں صاحب کا کمال یہ ہے کہ وہ ایک سانس میں راوی کو مردہ منوانے پر بضد ہیں اور دوسرے سانس میں یہ فرمارہے ہیں کہ اسے انفلو ئنزا ہو گیا ہے' اس کے پیٹ میں درد ہے! اسے کہتے ہیں شانِ مسیحائی' ایک فنی عجوبہ اور بھی پیدا ہو گیا' آپ ابھی دیکھ آئے ہیں کہ میاں صاحب اسی ابن سعد والی روایت کو ''معلول'' بھی کہہ رہے ہیں اور اسی روایت کو ''شاذ و منکر بھی فرمایا جارہا ہے' حالانکہ جو حدیث ''معلول'' ہوگی وہ ''شاذ'' نہیں ہوگی اور جو ''شاذ'' ہوگی وہ ''معلول'' نہیں ہوگی' یہ بات دونوں کی فنی تعریفات ہی سے ظاہر ہے' تاہم حوالہ بھی پیش خدمت ہے' ''معرفۃ علوم حدیث'' میں امام نیشاپوری فرماتے ہیں۔(النوع الثامن والعشرین صفحہ ۱۱۹)

ھذاالنوع منہ فی معرفۃ الشاذمن الروایات وھوغیرالمعلول (علوم حدیث کی یہ نوع شاذ روایت کی پہچان میں ہے ''شاذ'' روایت غیر معلول ہوتی ہے)

یہی مضمون ''توجیہ النظر'' کے ص ۱۸۳ پر دیکھا جاسکتا ہے' اندازہ کر لیجئے' جب پہلی اینٹ میاں صاحب نے کج رکھی' تو دیوار اپنے ہر مرحلے میں ٹیڑھی ہوتی چلی گئی' وہ اگر راویوں کا کچومر نکالنے اور قوی روایات کو پرزے پرزے کرنے کے جوش میں آپے سے باہر نہ ہو گئے ہوتے تو اصطلاحاتِ فن کی کتابیں اتنی دور نہیں تھیں کہ ان کا ہاتھ ہی ان تک نہ پہنچتا۔

قولِ شافعیؒ :

امام نیشاپوریؒ (متوفی ۴۰۵ھ) اپنی کتاب معرفة علوم الحدیث میں امام شافعیؒ کا موقف ان کے ہی الفاظ میں یوں نقل کرتے ہیں۔ انما الشاذ ان یروی الثقة حدیثاً یخالف الناس هذا لشاذ من الحدیث۔ (شاذ یہ ہے کہ ثقہ راوی ایسی حدیث روایت کرے جو اس روایت کی مخالف ہو جسے متعدد لوگ روایت کررہے ہیں (صفحہ ۱۱۹۔) النوع الثامن والعشرین ۔ دار الکتب مصریہ قاہرہ۔ یہی بات امام شافعیؒ سے صاحبِ "فتح الملهم" نے بھی (صفحہ ۴۹ پر) ایک لفظ کے فرق سے منسوب کی ہے گویا وہی "ابن صلاح" والا متن۔

یہ تو آپ دیکھ ہی چکے کہ میاں صاحب والی روایت کا سند کے اعتبار سے کیا حال ہے، فرض کیجئے اس کی سند قوی مان لیں، تب بھی یہی "شاذ" ٹھیرتی ہے کیونکہ میاں صاحب "ابن خلدون" اور "ابن اثیر" اور "ابن سعد" اور "طبری" ہی کی دیگر روایات سے اسے مختلف المعنیٰ ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، اگر واقعی ایسی مخالفت موجود ہے تو اتنے لوگوں کی مخالفت اسے "شاذ" ہی ٹھیرائے گی، نہ یہ کہ الٹی گنگا بہے اور باقی روایات "شاذ" قرار پا جائیں۔

منکر :(۱)

اگر ضعیف راوی نے ثقہ کی مخالفت کی ہے تو ایسی روایت "منکر" کہلائے گی مثلاً ایک حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جس نے نماز پڑھی، اور زکوٰۃ دی، اور حج کیا، اور روزہ رکھا، اور مہمان کی تواضع کی، وہ جنت میں داخل ہوا" اب اس حدیث کو "ابن ابی حاتم" نے اس طرح روایت کیا ہے کہ حبیب بن حبیب نے ابو اسحاق سے، انھوں نے عیزار بن حریث سے، انھوں نے ابن عباسؓ سے، سنا کہ حضور ﷺ نے یوں فرمایا۔

(۱) ظفر الامانی ص ۲۰۰، تدریب الراوی ص ۸۳ المهذب لابن عساکر ج ۲ ص ۲۶، مقدمہ ابن صلاح ص ۳۵، فتح المغیث ص ۸۴، توجیہ النظر ص ۱۸۳۔

اب یہ حبیب ضعیف راوی ہے' دوسرے ثقہ راویوں نے ابو اسحاق سے اس حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ابن عباسؓ پر سند ختم کر دی' حضور ﷺ کا نام نہیں لیا' ایسی سند موقوف کہلاتی ہے (جبکہ حضور کا نام موجود ہو تو "مرفوع" کہتے ہیں) اس طرح یہ حدیث "منکر" بن گئی۔

"فتح المغیث" میں "منکر" کی ایک یہ تعریف ملتی ہے کہ جو متن (مضمون) ایک سند سے بیان ہوا ہے وہ کسی اور سند سے بیان نہ ہوا ہو' اور اس کا کوئی متابع ملے نہ شاہد۔ (۱) ("فتح المغیث" ۸۴) اس تعریف کی رد سے مولانا مودودی کی بیان کردہ روایت کے "شاذ" ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' کیونکہ اس کا مضمون حوالوں کے مطابق متعدد اسناد سے بیان ہوا ہے۔ مگر میاں صاحب کی روایت ضرور "شاذ" قرار پاجاتی ہے کیونکہ اس کیلئے کوئی اور سند نہیں' نہ متابع' نہ شاہد۔

ویسے یہ تو قارئین دیکھ ہی رہے ہیں کہ ابھی "منکر" کی مثال ہم نے جس حدیث سے دی' اس کے "منکر" ہونے کا مطلب بس یہ ہے کہ حبیب والی سند سے "منکر" ہے۔ "منکر" کا مقابل "معروف" کہلاتا ہے۔ دیگر ثقہ راویوں کی سند سے یہ روایت معروف کہلائے گی' مضمون اپنی جگہ ثابت و قائم' یہ نہیں کہ مضمون حدیث ہی رد ہو گیا۔

میاں صاحب ازراہ لاعلمی یہ تصور فرما رہے ہیں' کہ ہر "منکر" حدیث مردود ہوتی ہے' یہ بھی غلط' مولانا لکھنوی "الرفع والتکمیل" کے ایقاظ ے میں تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ گمان ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ قدیم اہل فن اگر کسی روایت کو "حدیث منکر" کہہ رہے ہیں تو لازماً اس کا راوی غیر ثقہ ہوگا' بارہا یہ حضرات "منکر" اس حدیث کو بھی کہہ دیتے ہیں جس کا راوی متفرد ہو' نیز اگر یہ حضرات یوں کہیں کہ فلاں شخص "منکر" حدیثیں روایت کرتا ہے یا اس کی فلاں حدیث "منکر" ہے تو ہرگز مت سمجھو کہ وہ راوی لازماً ضعیف ہوگا' حافظ ابن حجرؒ اور حافظ

(۱) یہ بھی فن کے اصطلاحی الفاظ ہیں۔

ذہبیؒ کے یہاں بھی اس طرح کی تنبیہات مع امثلہ موجود ہیں' محض ایک تمثیل دیکھ لیجئے' امام احمد ابن حنبلؒ محمد ابراہیم التیمی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یروی احادیث منکرۃ (وہ منکر احادیث روایت کرتا ہے) لیکن یہی محمد بن ابراہیم ہیں جن پر حدیث انما الا عمال بالنیات منحصر ہے' اور یہی ہیں جنھیں امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے ثقہ مانا ہے۔ (الرفع والتکمیل۔ ایقاظ ۷)

خلاصہ کلام :

اب اہلِ نظر اس مضحکہ خیز صورتِ حال کا اندازہ فرمائیں کہ میاں صاحب مودودی کی لی ہوئی روایات میں تو ایک ایک راوی کی کھال ادھیڑنے کا شغلِ مقدس اختیار فرمائے ہوئے ہیں' لیکن جو روایت وہ خود دانتوں سے پکڑتے ہیں اس کی سند اور راویوں کے حال احوال کا ذکر تک نہیں کرتے' یہ روایت جو انھوں نے جھنڈے کی طرح لہرا رکھی ہے "طبری" ہی کی ہے "طبری" کی ان متعدد روایات کو وہ بلا تکلف نا قابلِ اعتبار کہے چلے جا رہے ہیں جنھیں مودودی نے لیا ہے' اس سے ظاہر ہے کہ خود میاں صاحب کے نزدیک "طبری" ایسی کتاب نہیں جس کی ہر روایت واجب القبول ہو' پھر آخر اس کی کسی بھی روایت کی صحت کا دعویٰ بغیر اس کے کیسے کیا جا سکتا ہے کہ میاں صاحب اس کی سند بیان فرمائیں' اور ہر ہر راوی کو ثقہ ثابت کریں' لیکن انھوں نے غلط و صحیح کا معیار صرف یہ بنا رکھا ہے کہ جسے وہ غلط کہدیں وہ غلط ہے اور جسے وہ صحیح کہدیں وہ صحیح ہے' اللہ اللہ خیر سلّا..........!

ان سے پوچھئے کہ "شاذ و منکر" کے مقابلے میں تو محفوظ و معروف روایات کا وجود ناگزیر ہے' کیا آنجناب نے اپنی والی روایت کی سند پیش کر کے اسے بہ دلائل محفوظ و معروف ثابت کر دیا؟ کیا اپنی سند کا ذکر تک نہ کرنا اور دوسروں کی سند کے ایک ایک راوی کی نقاب الٹ کر دیکھنا بھلے لوگوں کا کام ہے' ناظرین ملاحظہ

کر چکے ہیں کہ میاں صاحب والی روایت کا حال سند کے اعتبار سے کیا ہے؟

مزید نمونہ تنقید:

ابن سعد والی روایت پر تنقید کی جو پھلجھڑیاں میاں صاحب نے چھوڑی تھیں' ان کا تماشا آپ فرما چکے' اب ذرا اس تنقید انیق کو بھی دیکھ لیجئے' جو موصوف نے "طبری" کی اس روایت پر کی ہے جسے مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کے تخطیۂ کے لئے نہیں بلکہ صفائی کے لئے حوالہ قلم کیا تھا' مولانا مودودی اس روایت کے بعد لکھتے ہیں:

> "ان روایات سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقرباء کو روپیہ دینے میں جو طرزِ عمل اختیار کیا تھا وہ ہر گز شرعی جواز کی حد سے متجاوز نہ تھا"۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۲۸)

مگر میاں صاحب کو چونکہ علم و خرد سے ضد ہو گئی ہے' اس لئے اس میں بھی کیڑے ڈالنے شروع کر دیئے۔

بات قارئین کی سمجھ میں پوری طرح آجائے اس لئے ہم پہلے وہ روایت ہی نقل کئے دیتے ہیں' ایک مجلس میں جہاں حضرت علیؓ' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ' حضرت زبیرؓ' حضرت طلحہؓ اور حضرت معاویہؓ موجود ہیں اور حضرت عثمانؓ کی مالی روش پر اعتراضات زیر بحث ہیں حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں:

> "میرے دونوں پیش رو (ابو بکر و عمر۔ تجلی) اپنی ذات اور اپنے رشتے داروں کے معاملے میں سختی برتتے رہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رشتہ داروں کو مال دیا کرتے تھے۔ میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں' اس وجہ سے میں نے اس خدمت کے بدلے میں

جو میں اس حکومت کی کر رہا ہوں اس مال میں سے روپیہ لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسا کرنے کا حق ہے' اگر آپ لوگ اسے غلط سمجھتے ہیں تو اس روپے کو واپس کرنے کا فیصلہ کر دیجئے'، میں آپ کی بات مان لوں گا' سب لوگوں نے کہا آپ نے یہ بات ٹھیک فرمائی' پھر حاضرین نے کہا کہ آپ نے عبداللہ بن خالد بن اسید اور مروان کو روپیہ دیا ہے' ان کا بیان تھا کہ یہ رقم مروان کو پندرہ ہزار اور ابن اسید کو ۵۰ ہزار کی مقدار میں دی گئی ہے' چنانچہ یہ رقم ان دونوں سے بیت المال کو واپس دلوائی گئی اور لوگ راضی ہو کر مجلس سے اٹھے"۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۲۸)

اس روایت کے لئے مولانا مودودی نے درج ذیل حوالے دیئے ہیں :

(۱) الطبری ج ۳ ص ۳۸۲ (۲) ابن الاثیر ج ۳ ص ۷۶ (۳) "ابن خلدون" تکملہ جلد دوم ص ۱۴۴۔

پہلے تو عجوبہ قدرت یہ ملاحظہ فرمایئے کہ میاں صاحب اس پر تزخ کر کہتے ہیں :

"کاش مودودی صاحب یا راوی روایت ان رشتہ داروں میں سے کسی ایک دو کا نام لے دیتے تو ہم یہ کہنے کی جرات نہ کرتے کہ یہ روایت اپنی تردید آپ کر رہی ہے"۔ ص ۱۹۶

سمجھے آپ' مروان اور عبداللہ بن خالد دو کے نام روایت میں صریح موجود ہیں' خود ہی اسے نقل بھی فرمایا ہے' مگر پھر یہ تقریر جاری ہے' اب اس پر حیرت کیا کیجئے' جبکہ آپ دیکھ ہی چکے کہ چھ محدثین کے تفصیلی حوالے موجود مگر یہ بڑی آنکھ والے بزرگ کہے جا رہے ہیں کہ حوالہ تو ایک بھی محدث کا نہیں دیا! (یاد کیجئے جائزہ حصہ اول ص ۱۱۰) (۱)

(۱) اس کتاب میں ص : ۲۳۸ (مرتب)

سانس لے کر اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ :

"خالد بن اسید اتنے قریبی رشتہ دار نہیں ہیں کہ ان کو خاندان
کا فرد کہا جاسکے"۔ (ص ۱۹۷)

اب کوئی پوچھے کہ کیا یہاں ترکہ بٹ رہا تھا' جو یہ نکتہ مفید ہوتا کہ فلاں کی رشتہ داری دور کی ہے لہذا اسے حصہ کم دیا جائے' خدا کے یہ نیک بندے میاں شیخ الحدیث اتنا نہیں سمجھتے کہ یہاں گفتگو "بنو امیہ" کی ہے نہ کہ قریب و بعید رشتہ داروں کی' عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ بن عبد شمس' قریشی' اموی' یہ ہے ان کا پورا تعارف' حضرت عمرؓ نے یہ نہیں کہا تھا کہ عثمانؓ اپنے بھائیوں بھتیجوں کو لوگوں کے سروں پر مسلط کردیں گے بلکہ بنو معیط کا نام لیا تھا جو دور قریب کی سب رشتہ داریوں کو حاوی ہے' لہذا میاں صاحب کا یہ شوشہ نکالنا کہ وہ قریبی رشتہ دار نہیں تھے ایک بچکانہ حرکت سے زیادہ کچھ نہیں۔

مزید فرماتے ہیں :

"اس کے علاوہ تمام روایتیں اس روایت کی تردید کرتی ہیں جن
میں "خمس افریقہ" کے عطا کرنے یا پانچ لاکھ میں فروخت
کرنے پر قیمت کو معاف کردینے کا افسانہ ہے" (ص ۱۹۷)

یہ تو کہنا بھی بے کار ہی ہوگا کہ اس ارشاد گرامی سے کون کون اکابر "افسانہ گو" قرار پائے' بھول گئے ہوں تو جائزے کا حصہ اول دیکھ لیجئے' قابل توجہ تو میاں صاحب کی عقل فلک رسا ہے جس نے یہ تجویز کیا ہے کہ یہ دونوں روایتیں الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہیں لہذا پندرہ ہزار اور پانچ لاکھ میں تضاد واقع ہو گیا۔ اب ہم کہاں سے وہ عقل خرید کر موصوف کو دیں جو یہ سمجھا سکے کہ سرکار عالی یہ دونوں الگ الگ واقعات کی کہانی ہے' ایک وقت کسی کو پندرہ ہزار دیئے گئے' تو دوسرے وقت کے پانچ لاکھ کی تردید اس سے کیسے ہوگئی' کیا بالکل ہی طے کر رکھا ہے کہ ہر اعتراض سر کے بل کھڑے ہو کر کیا جائے گا۔

ان فرمودات عالیہ کے بعد اب شیخ وقت روایت کی سند پر توجہ مبذول کرتے ہیں' اس کا بھی لطیفہ دوسرے لطائف سے کم نہیں' یہ بزرگوار اتنا نہیں سوچ سکے کہ مودودی نے اس روایت کے لئے تین کتابوں کے حوالے دیئے ہیں' اگر سند ہی پر بحث کرنی ہے تو پھر تینوں کتابوں کی سندوں کا جائزہ ضروری ہے' تنہا "طبری" والی سند پر چاندماری سے کیا ہوگا' اگر اسے کمزور بھی ثابت کر دیا جائے تو باقی دونوں کتابیں دریابرد نہیں ہو جائیں گی۔

خیر آیئے اس اکیلی ہی تنقید کا جائزہ لیں۔

اس میں سب سے پہلے عبداللہ بن احمد بن شبویہ کا نام ہے' یہ بے شک اسماء الرجال کی کتابوں میں ہمیں نہیں مل سکے' لیکن سوال یہ ہے کہ میاں صاحب ابن جریر طبریؒ کو قابل اعتماد مانتے ہیں یا ساقط الاعتبار' اگر ساقط الاعتبار مانتے ہیں تو پھر ان کی ساری ہی کتاب کا قصہ تمام ہو گیا' کیوں کہ "طبری" ہی سے اس کا پیٹ بھر اگیا ہے اور وہ اکلوتی روایت بھی "طبری" ہی کی ہے جس سے ٹکرا ٹکرا کر میاں صاحب ہر دوسری روایت کا کچومر نکال دینا چاہتے ہیں اس سے قطع نظر کہ "طبری" کے عام رواۃ کیسے ہیں خود طبری بھی ناقابل اعتماد ٹھہر جائیں تو پھر آگے کیا گفتگو ہے؟ اور اگر وہ بجائے خود قابل اعتماد ہیں تو پھر کسی "مجہول" سے ان کی روایت ساقط الاعتبار کیسے ہو سکتی ہے' ہم قاعدہ ۵ میں بتا آئے ہیں کہ ابو حنیفہؒ سمیت بہت سے بزرگ مجہول کی روایت کو قبول کرنے کے حق میں ہیں' اس کے بعد ہم نے حافظ ابن صلاحؒ' اور امام نوویؒ اور زین الدین عراقیؒ اور ابن حبانؒ کے حوالے دیئے ہیں' مزید ثبوت ہم آگے "فتح القدیر" کے تذکار میں دیں گے' لیکن جب کوئی ثقہ آدمی کسی مجہول سے روایت کرے تب تو سب ہی محدثین اسے مقبول قرار دیتے ہیں' اگر نہ دیں تو امام بخاریؒ تک کی وہ ساری روایات مردود قرار پا جائیں' جنہیں انہوں نے تعلیقاً یعنی بلا اسناد بیان کیا ہے' تا بدیگراں چہ رسد۔ لہذا میاں صاحب کا یہ کہنا کہ "مجہول راویوں کی روایت کا مقام ردی کی ٹوکری ہے"

(ص ۱۷۷) توہین حدیث کے سوا کچھ نہیں، خصوصاً جب "طبری" "عبداللہ کے باپ اور دادے تک کا نام بتا رہے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ وہ "تدلیس" و "تلبیس" بھی نہیں کر رہے' ایسی نیت ہوتی تو صرف نام پر اکتفا کرتے' باپ اور دادے تک کا نام بتا دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے راوی سے بالکل مطمئن ہیں اور ناقدین کو دعوت دے رہے ہیں کہ جی چاہے تو تحقیق کر لو۔

اب یہ ضروری تو نہیں کہ ائمہ فن کو تمام ہی رواۃ کے حال احوال کی تحقیق کا موقع ملا ہو' بہتیرے راویوں کی وہ تحقیق نہیں کر سکے ہیں' اس پر اعتراض کا کم سے کم اس شخص کو تو کوئی حق نہیں پہنچتا' جس کا اپنا تمام تر دارومدار "طبری" پر ہے کہ جس میں مجہول راویوں کی بھیڑ لگی ہے' اور مجہول تو خیر مجہول ہوا میاں صاحب کی موقوف علیہ روایات تو انتہائی ضعیف اور مجروح راویوں سے لی ہوئی ہیں (جیسا کہ تفصیلاً بیان کیا جا چکا) مجہول الحال بہر حال ان لوگوں سے بہتر ہے جن کی خرابی اور عیب کا علم ہو چکا' پھر مجہولیت کیا نقصان دے گی جب کہ روایت کے شواہد و متابعات "ابن خلدون" اور "ابن اثیر" کے یہاں موجود ہیں۔

اسحٰق بن یحیٰی ؒ :

اس روایت میں ایک راوی ہیں اسحاق بن یحییٰ' میاں صاحب ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

> " بسلسلہ "اسماء الرجال" ان کا تعارف کرایا گیا ہے مگر اس طرح کہ یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں شبہ لا شئی ایک دھوکا ہیں' ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے اور ابن معین فرماتے ہیں لا یکتب حدیثہ یہ اس قابل نہیں کہ ان کی حدیث لکھی جائے"۔ ص ۱۹۷

قارئین حصہ اول میں دیکھ چکے کہ مبہم جرحوں کا اعتبار محدثین کے یہاں

نہیں ہے' پیچھے قاعدہ نمبر ۷ بھی ملاحظہ فرمالیجئے' یہ دونوں منقولہ جرحیں مبہم ہیں' مجرد انہیں نقل کر کے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

لیکن ہمارا جواب بس اتنا ہی نہیں ہے بلکہ تفصیل کے ساتھ ہم ایسا مواد پیش کرتے ہیں جو میاں صاحب جیسے فاضلین تو خیر کس شمار میں ہیں بعض اچھے خاصے اہل علم بھی اس سے بے خبر ہیں' واللہ المعین۔

میاں صاحب نے "میزان الاعتدال" کی گرد جھاڑی اور ورق الٹ کر اسحٰق بن یحییٰ کا نام نکالا پھر سارے ترجمے میں سے فقط دو مبہم جرحیں چن کر کتاب میں ٹانک دیں کہ لیجئے راوی کا کام تمام ہو گیا' لیکن یہ "میزان الاعتدال" ہے کیا؟ اس میں حافظ ذہبی کا کیا موقف اور طریقہ ہے' انہوں نے کیا تنبیہات فرمائی ہیں اور ان کی کتاب سے فائدہ اٹھانے کے لئے کن صلاحیتوں کا پایا جانا ضروری ہے' اسے خود حافظ ذہبی کی زبانی بھی اور مولانا عبدالحئی لکھنوی کی زبانی بھی سن لیجئے' مگر پہلے مولانا عبدالحئی لکھنوی کا تھوڑا سا تعارف بھی ہو جائے تو بے محل نہیں۔

مولانا عبدالحئی لکھنویؒ :

آپ کا پورا نام ابو الحسنات محمد عبدالحئی لکھنویؒ ہے' رواں صدی کے بالکل آغاز میں رحلت فرمائی' سو سے اوپر کتابوں کے مصنف ہیں جن میں اسی (۸۰) کے قریب عربی میں ہیں منطق' صرف و نحو' تاریخ' فقہ' حدیث کوئی میدان ایسا نہیں جس میں آپ کی عمدہ تصنیفات یا تعلیقات موجود نہ ہوں' ہم جیسے اطفالِ مکتب کے لئے ان کی ہر کتاب بہترین رہنما ہے اور اونچے اہلِ علم کو ان کی بہت تعریف کرتے سنا ہے' اللہ تعالیٰ بہشت میں اونچے درجات سے نوازے۔

وہ الرفع والتکمیل میں فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے بہتیرے علماء "میزان الاعتدال" سے راویوں کے بارے میں جرحیں تو نقل کر دیتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ ذہبی کی "میزان الاعتدال" دراصل ابن عدی(۱) کی کتاب

(۱) ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی الشافعیؒ۔

"کامل" کا ملخص ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ ذہبی اور ابن عدی کے طریقے کیا ہیں؟ "میزان الاعتدال" میں بے شمار ایسے راوی ہیں جن کے بارے میں جرحیں منقول ہیں لیکن وہ قابل اعتماد راویوں میں گنے جاتے ہیں' لہذا اہل عقل کو سمجھ سے کام لینا چاہئے اور اس بات سے پرہیز کرنا چاہئے کہ اس کتاب میں کسی راوی کے بارے میں جو جرحیں منقول ہیں بس انہیں اٹھایا اور راوی کو نا قابلِ اعتبار قرار دے دیا۔ (ص ۲۱' ۲۲ ایقاظ ۲۱)

حافظ ذہبی "میزان الاعتدال" کے دیباچے میں خود بھی لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب میں ان بے شمار ثقہ راویوں کا بھی ذکر کر دیا ہے جن پر معمولی سی معمولی جرح بھی کی گئی ہے' اگر ابن عدی اور دوسرے مولفین اپنی جرح کی کتابوں میں ان کا ذکر نہ کرتے تو میں بھی ان کا تذکرہ نہ کرتا' میں نے یہ سوچا کہ اگر ایک بھی ایسا راوی میں نے حذف کر دیا جس پر کوئی ہلکی سے ہلکی جرح ائمہ مذکور کی کتابوں میں کی گئی ہے تو مجھ پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو گی' لہذا انہیں ذکر کیا ورنہ ان کے تذکرے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔

پھر خاتمہ کتاب پر (جلد ۳ ص ۴۰۰) فرماتے ہیں کہ "میزان" کا مقصد اصلی اور موضوع تو ضعفاء ہی کا تذکرہ کرنا ہے لیکن جارحین نے ثقات کی مخلوق کثیر کو ضعفاء میں شامل کر ڈالا ہے' لہذا میں نے ان کا ذکر اس لئے کیا کہ ان کی طرف سے دفاع کروں' یا یہ بتاؤں کہ ان کے بارے میں جتنی جرحیں ہیں وہ لاحاصل ہیں' ان سے ان کی ثقاہت مشکوک نہیں ہوتی۔

چند نمونے :

ان کے ارشاد گرامی کی روشنی میں کچھ نمونے بھی دیکھ لیجئے۔

"میزان" جلد اول ص ۱۸۶ پر جعفر بن ایاس الواسطی کا ترجمہ ہے' یہ بزرگ نہایت ثقہ ہیں لیکن ابن عدیؒ نے اپنی "الکامل" میں ان کو ایسا مجروح کیا

ہے کہ حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

"میزان" ج ا صفحہ ۲۷۹ پر حماد بن ابی سلیمان الکوفی کا ترجمہ ہے یہ امام ابو حنیفہؒ کے شیخ ہیں' حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ابراہیم نخعیؒ جیسے فقیہ سے فقاہت کا درس لیتے ہیں' پھر خود ان سے کیا ابو حنیفہؒ اور کیا سفیانؒ اور کیا شعبہؒ نہ جانے کتنے ثقہ روایت کرتے ہیں؟ مگر انہیں ابن عدی نے "مرجیہ" میں داخل کر چھوڑا۔ (ایک گمراہ فرقہ' تفصیل آگے آتی ہے)۔

ان ابن عدیؒ کا حال حافظ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" میں بھی دیکھئے' مثلاً ص ۸۳۷ پر ابو القاسم عبداللہ البغوی کے ترجمے میں' یہ کبھی تو ان کی تضعیف کرتے ہیں' کبھی قوی ٹھہراتے ہیں' ان کا موقف دراصل یہ ہے کہ جو بھی جرح کسی نے کردی ہے اسے نقل ضرور کردیں خواہ وہ کتنی ہی مہمل ہو' اس موقف کا ذکر حافظ سخاوی نے بھی "فتح المغیث" میں ص ۴۷۷ پر کیا ہے' ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عدیؒ کی "کامل" بلاشبہ مہتم بالشان کتاب ہے لیکن انہوں نے ثقہ سے ثقہ آدمی پر کی گئی جرحوں کو بھی بے تکلفی سے نقل کردیا ہے' پھر حافظ سخاویؒ "میزان الاعتدال" کی تعریف کرتے ہوئے اس پر یہ ریمارک دیتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے ابن عدی کی کتاب کا بڑا حصہ "میزان" میں جمع کر کے ایک ایسی نفیس کتاب تیار کردی ہے کہ بعد والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے' حالانکہ انہوں نے اس معاملے میں ابن عدیؒ کی پیروی کی ہے کہ ہر اس راوی کا ذکر کردیں جس پر جرح کی گئی ہے خواہ وہ ثقہ ہی ہو۔

تو اب اے قارئین کرام! آپ ہمارا مطلب سمجھ گئے ہوں گے کہ "میزان الاعتدال" میں جو ہر راوی پر کچھ نہ کچھ جرحیں نظر آرہی ہیں وہ اس لئے نہیں ہیں کہ جس کم فہم کا جی چاہے ان کا کچھ حصہ نقل کر کے تالی پیٹ دے کہ وہ مارا راوی کو' وہ تو اس لئے ہیں کہ جو کچھ ان جرحوں کی صحیح پوزیشن ہو' اسے صاحب "میزان" واضح کریں اور اہلِ ایمان کو ان دھوکوں سے بچائیں' جو غلط جرحیں

انہیں دے سکتی ہیں' چنانچہ جرحیں نقل کر کے وہ ان ائمہ کی آراء بھی پیش کرتے ہیں جنہوں نے ان جرحوں کا ٹھیک وزن کر کے اپنے فیصلے دیئے ہیں اور پھر خود اپنی رائے بھی سپرد کتاب کر دیتے ہیں' دیانت دارانہ طریقہ یہ ہے کہ ہم جیسے اناڑی کسی بھی جرح کو مستقل بالذات اہمیت نہ دیں بلکہ یہ دیکھیں کہ دوسرے مستند ائمہ نے کیا رائے ظاہر فرمائی ہے اور حافظ ذہبی نے جرح و تعدیل کا موازنہ کر کے کیا نتیجہ نکالا ہے؟

جب یہ نکتہ آپ نے سمجھ لیا تو اب یہ سمجھنا انشاء اللہ آپ کے لئے آسان ہو جائے گا کہ میاں صاحب نے جو حرکت کی ہے وہ کس قدر غیر علمی اور غیر دیانتدارانہ ہے' لیکن ابھی امر واقعہ کی نقاب کشائی سے پہلے ہم تھوڑا سا اور فائدہ شیخ لکھنویؒ کے فرمودات عالیہ سے اٹھائیں گے' وہ الرفع والتکمیل میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ علم و خبر سے تہی دامن ہیں وہ جب میزان الاعتدال یا تھذیب الکمال یا تقریب التقریب یا "اسماء الرجال" کی دیگر کتب میں دیکھتے ہیں کہ فلاں راوی کو مرجیٔ (۱) کہا گیا' یا اسی نوع کا کوئی الزام لگایا گیا (جیسے رفض' خارجیت وغیرہ) تو وہ سمجھتے ہیں کہ اسے اہلِ سنت والجماعت سے خارج کر کے گمراہ فرقوں میں داخل کر دیا گیا ہے حالانکہ یہاں تو حال یہ ہے کہ نہ جانے کتنوں نے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے رفیع الشان اصحاب اور شیوخ تک کی طرف ارجاء (۲) کی نسبت کر دی ہے (ایقاظ ۲۲)

چنانچہ اے قارئین کرام ملاحظہ فرمایئے "میزان الاعتدال" جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ پر مسعر بن کدام کے ترجمے میں محدث سلیمانی جو اہل سنت میں سے ہیں' اور کثیر کتابوں کے مصنف ہیں کا قول دسیوں بڑے بڑے علماء کے باب میں مل جائے گا کہ وہ "مرجیہ" میں سے تھے۔

(۱) فرقہ مرجیہ گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا ہے۔ جو چاہے کئے جاؤ سیدھے جنت میں جاؤ گے۔
(۲) یعنی مرجئہ میں داخل کر دیا ہے۔

الخیرات الحسان فی مناقب النعمان کی ۷ ۳ویں فصل میں ابن حجر مکی نے (صفحہ ۸۳ پر) ذکر کیا ہے کہ ایک اچھی خاصی جماعت نے امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ میں شمار کرلیا ہے۔

عثمان البتی (عثمان بن مسلم(۱) متوفی ۱۴۳ھ) نے امام ابو حنیفہؒ کو خط لکھا کہ تم "مرجئہ" ہو' اس کے جواب میں امام صاحبؒ نے اپنا وہ مسلک تفصیل سے لکھا جس کی بنا پر انہیں "مرجئہ" قرار دیا جاتا تھا' (یہ خط کافی دلچسپ اور مفید ہے۔ "مصر" سے چھپ چکا ہے' یہاں خلط مبحث نہ ہوتا تو جی چاہتا تھا کہ اس کا ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ خیر پھر کبھی سہی)۔

اور تو اور امام الا تقیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے "غنیۃ الطالبین" میں گمراہ فرقوں کی تفصیل دیتے ہوئے حنفیہ کو "مرجئہ" میں گنا ہے۔ (عربی نسخہ ص ۷۵' ۸۰ جلد اول) اردو نسخہ اٹھا دیکھئے' ہم نے مکتبہ "تجلی" سے اٹھا کر دیکھا' صفحہ ۱۹۲ پر "مرجئہ" کے تحت حنفیہ بھی شامل ہیں اور آگے ص ۱۹۴ پر یہ تفصیل ہے کہ...... "حنفیہ" ایک فرقے کا نام ہے' یہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے منسوب ہے"۔ (شائع کردہ: ملک پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ۔ دیوبند)

اور حافظ ذہبی "میزان" کی جلد دوم صفحہ ۱۱۶ پر عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کے ترجمے میں ذکر فرماتے ہیں کہ سلیمانی نے ان لوگوں کو جو حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم رکھتے ہیں شیعہ قرار دیتے ہوئے متعدد اور ثقہ حضرات کے ساتھ نعمان بن ثابت (ابو حنیفہ) کا نام بھی شاملِ فہرست کیا ہے۔

ابن عدی تو تھے ہی' عقیلی بھی کم نہیں۔ "میزان" جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۱ پر علی بن المدینی (۲) کا ترجمہ پڑھیے' کیسے کیسے ثقہ اور صاحبِ جلالت اکابر کو ان صاحب نے جرحوں کا نشانہ بنایا ہے' حافظ ذہبیؒ جیسے ضابط کو یہاں جوش آگیا ہے

(۱) بعض نے "ابن اسلم" اور بعض نے "ابن سلیمان" بھی کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) علی بن عبداللہ بن جعفر ابوالحسن۔ استاد امام بخاری۔

فرماتے ہیں :

افما لك عقل يا عقيلی! اتدری فيمن تكلم؟ وانما تبعناك فی ذكر هذا النمط لنذب عنهم ولنزيف ما قيل فيهم كانك لاتدری ان كل واحد من هولاء اوثق منك بطبقات بل واوثق من ثقات كثير ين لم توردهم فی كتابك۔

(ارے عقیلی! کیا تم میں بالکل ہی عقل نہیں ہے ؟ کیا تمہیں پتہ نہیں کن لوگوں میں تم کیڑے ڈال رہے ہو ؟...... ہم تو تمہارے اتباع میں اس راستے پر آگئے تاکہ ان بزرگوں پر اچھالی ہوئی گندگی صاف کر سکیں' اور ان پر کی گئی جرحوں کو مندمل کریں...... اللہ کے بندے تم گویا جانتے ہی نہیں کہ جن میں تم کیڑے ڈال رہے ہو' ان میں سے ہر ایک تم سے مراتب زیادہ ثقہ ہے' بلکہ بہت سے ان ثقہ ترین آدمیوں سے بھی ثقہ ہے جن پر تم نے اپنی کتاب میں جرح نہیں کی ہے۔)

کیا رائے ہے اے قارئین کرام! اگر عقیلی کی جگہ مولانا محمد میاں کا نام رکھ دیں تو کیسا رہے گا ؟ انہوں نے بھی بڑوں بڑوں کی واڑھی سے کھیل کھیلا ہے۔

ہمیں تو عقیلی کی کتاب الضعفاء کی زیارت کا فخر حاصل نہیں ہوا' لیکن الامام الکوثری نے "نصب الرایہ" کے مقدمہ میں صفحہ ۷ ۳' ۷ ۵ پر اور انتقاد المغنی کے مقدمے میں صفحہ ۸ پر ذکر کیا ہے کہ ہم نے اس کتاب میں اپنے بڑے بڑے فقہاء اور ائمہ کے بارے میں واہی قسم کی بہت باتیں پائیں' عقیلی جرح کے معاملہ میں تعنت کی آخری حد پر ہیں۔

پھر بات عقیلی ہی تک نہیں رہ گئی' معاصرانہ تعصب یا غلط اطلاعیں بڑے

بڑے ثقہ حضرات سے غلطی کرادیتی ہیں' مثلاً محمد بن اسحٰق صاحب المغازی کے بارے میں ابن سیدالناس نے اپنی کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر کے مقدمے میں ص ۱۰ تا ۱۷ پر ان کے اور امام مالکؒ کے مابین منافرت کا قصہ لکھ کر امام موصوف کی یہ رائے بیان فرمائی ہے کہ ھذا دجال من الدجاجله یروی عن الیھود (یہ محمد بن اسحاق دجالوں میں کا ایک دجال ہے یہودیوں سے روایتیں لے کر پھیلاتا ہے) لیکن کتب فن دیکھ لیجئے محمد بن اسحٰق ائمہ حدیث کے نزدیک لائقِ اعتماد ہیں چنانچہ شیخ لکھنوی نے اپنی کتاب امام الکلام فیما یتعلق بالقرائة فاتحه خلف الامام میں تقریباً دس صفحات پر (از ۱۹۲ تا ۲۰۱) ابن اسحٰق کی ثقاہت کے شواہد پیش کیے ہیں۔

اسی طرح سفیان ثوریؒ کی جرح امام ابو حنیفہؒ پر "نسائی" کی احمد بن صالح پر' ابن معین کی امام شافعیؒ پر' اور احمد بن حنبلؒ کی حارث محاسبی پر' ائمہ فن کے نزدیک نا قابل التفات ہے۔

ان تفصیلات سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ فن سے نابلد کسی آدمی کا "میزان الاعتدال" وغیرہ سے مبہم جرحیں نقل کر کے کسی راوی کو جھوٹا بنا دینا' کتنا بڑا ظلم اور کیسا غیر علمی طریقہ ہے' مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی' مگر آیئے آپ کو خاص طور سے ان یحییٰ بن سعید قطان کا بھی کچھ حال سنائیں' جن کی دو جرحیں نقل فرما کر میاں صاحب نے دنیا کو یہ باور کرانا چاہا ہے کہ اسحاق بن یحییٰ کا کُل تعارف "اسماء الرجال" کی کتابوں میں یہ ہے۔

شیخ لکھنوی الرفع والتکمیل کے ایقاظ نمبر ۱۶ میں فرماتے ہیں کہ "المیزان" اور "تہذیب التہذیب" وغیرہ میں بہت راوی ایسے ہیں جنہیں یحییٰ القطان نے متروک قرار دے لیا ہے' لیکن جاننا چاہئے کہ ان کے اس طرز عمل سے یہ راوی دائرہ اعتبار سے نہیں نکل گئے۔

پھر کچھ آگے فرماتے ہیں کہ اگر جارح متعنتین (۱) میں سے ہے تو اس کی توثیق معتبر ہو گی لیکن جرح آسانی سے معتبر نہیں ہو گی، متعنتین میں سے کچھ نام انہوں نے یہ گنوائے ہیں: ابو حاتم، نسائی، ابن معین، ابن القطان، یحیٰ القطان۔

حافظ ذہبی "میزان" جلد اول میں سفیان بن عیینہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان رجال کے معاملے میں متعنت ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ یحیٰ القطان کو سخت گیروں کی صفِ اول میں شمار کرتے ہیں۔

یہ تو ان کے بارے میں عمومی تنبیہات ہوئیں، اب کچھ اصطلاحی الفاظ کے بارے میں بھی مزید سن لیجئے، حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری کے مقدمے میں فرماتے ہیں کہ جب ابن معین لیس بشیئی کہتے ہیں تو اس سے راوی مجروح نہیں ہوتا بلکہ ان کا مدعا بس اتنا ہوتا ہے کہ اس راوی کی حدیثیں زیادہ نہیں ہیں، یہی بات حافظ سخاویؒ نے "فتح المغیث" میں ص ۱۲۱ پر کہی ہے۔

اب اہلِ انصاف فیصلہ فرمائیں کہ جو شخص ان تمام باریکیوں اور نزاکتوں سے مکمل بے پرواہ ہو کر "میزان الاعتدال" یا کسی بھی کتاب سے جرح کے محض دو غیر مفسّر الفاظ نقل کر کے یہ دعویٰ کر گذرتا ہے کہ راوی کا کام تمام ہوا، اس کی جسارت اور ظلم کو آپ کون سا درجہ دیں گے، آپ نے دیکھ ہی لیا کہ اس طرح کی مبہم جرحیں کوئی قیمت نہیں رکھتیں، خصوصاً جب وہ کسی معلوم و معروف متعنت کی طرف سے ہوں، حقیقت یہ ہے کہ میاں صاحب یا ہم جیسے لوگوں کا منصب ہرگز نہیں ہے کہ "اسماء الرجال" کی کتاب کھول کر کسی راوی کے بارے میں دو ٹوک فیصلہ دیں، ہم صرف یہ کر سکتے ہیں کہ کسی راوی کا مفصل حال اس کتاب میں پڑھیں اور جرح و تعدیل کے بعد جو رائے صاحبِ کتاب نے قائم کی ہے اسے صحیح سمجھیں، یہ اربابِ فن ہی جانتے ہیں کہ کس نے کونسا لفظِ جرح یا لفظِ تعدیل کس مفہوم میں بولا ہے، اور جرح و تعدیل کا مجموعی حاصل کیا ہے۔

(۱) ہم بتا چکے ہیں کہ متعنت اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو مجروح کرنے میں انتہا پسند اور سخت گیر ہو۔

میاں صاحب کی زیادتی ہی نہیں بددیانتی بھی ہے کہ انہوں نے "میزان الاعتدال" کھول کر اسحاق بن یحییٰ کے بارے میں یحییٰ بن سعید القطان جیسے متعنت کے دو لفظ اٹھائے اور اسے بالکل گول کر دیا کہ جرح و تعدیل کے بعد خود حافظ ذہبی نے کیا رائے قائم کی ہے' ذرا دیکھئے "میزان" ہی میں ابن حبان کی یہ رائے بیان کی گئی ہے کہ غور و فکر کے بعد اجتہادِ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسحاق بن یحییٰ کی صرف ان روایات کو نظر انداز کر دینا چاہئے' جن میں ان کا کوئی متابع نہیں ملتا' لیکن باقی روایات قابل حجت ہیں جن میں ثقات کی مخالفت نہیں ہے' اور حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں جرحیں نقل کرنے کے بعد یہی فرماتے ہیں اور ابن عمار الموصلیؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ اسحاق صالح ہیں امام "بخاری" کا یہ فیصلہ نقل کرتے ہیں کہ اسحاق صدوق (سچے) ہیں' بس اتنا ہے کہ بعض روایات میں ان سے وہم صادر ہو جاتا ہے' اندازہ کیجئے "بخاری" جیسے ژرف نگاہ کا جچا تلا فیصلہ' "بخاری" کا عالم یہ ہے کہ وہ آسانی سے کسی کی تعدیل نہیں کرتے' اور جہاں تک وہم کا تعلق ہے اچھوں اچھوں سے اس کا صدور ہو جاتا ہے حتیٰ کہ خود امام بخاری اور امام مسلم بھی اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں' یہ الگ بات ہے کہ ان کی مثالیں کمیاب ہیں اور ان کا مقام صفِ اول کے ثقہ حضرات میں ہے۔

ذہبی اور ابن حجر کی ان وضاحتوں کی موجودگی میں کیا یہ بات محتاج بیان رہ گئی کہ ایسا راوی کم سے کم ان روایات میں جن کا تعلق احکام و سنن سے نہ ہو' بالکل قابل قبول ہے' تمام اکابر مورخین و محدثین اس سے روایات لیتے ہیں اور ہم جیسے کسی اناڑی کی "جرح بازی" اسے ناقابل اعتبار نہیں بنا سکتی۔

موسیٰ بن طلحہؒ :

اسی روایت کے ایک راوی موسیٰ بن طلحہؒ ہیں' ان کے بارے میں فرمایا گیا :

"پانچویں راوی موسیٰ بن طلحہؒ ہیں۔ وہ بقول حافظ ذہبی ثقہ

جلیل ہیں" (ص ۱۹۸)

یعنی چونکہ روایت مودودی کی بیان کردہ ہے اس لئے ثقہ سے ثقہ راوی کو بھی میاں صاحب ماننے کی طرح ماننا نہیں چاہتے' کیسے لئے دیئے انداز میں قلم چلایا جارہا ہے' حالانکہ وہ "بخاری" کے رواۃ میں ہیں مثلاً "بخاری" کتاب الادب باب فضل صلۃ الرحم میں ابوایوب انصاریؓ سے جو موسیٰ بن طلحہؒ روایت کررہے ہیں وہ یہی ہیں مگر میاں صاحب پھر بھی اپنی زبان سے انہیں ثقہ کہنا نہیں چاہتے بلکہ حافظ ذہبیؒ پر ٹال رہے ہیں۔

جرح مبہم کی مزید بحث :

ائمہ فن کے حوالوں سے بتایا جاچکا ہے کہ مبہم جرحیں قابل قبول نہیں ہیں' مگر ہم بہت سے حوالے اور دیں گے تاکہ مولانا محمد میاں جیسے حضرات کو یہ احساس تو ہو جائے کہ علمی موضوعات پر لکھنا محنت چاہتا ہے' یہ نہیں کہ قلم اٹھایا اور کاغذ سیاہ کرتے چلے گئے۔

شیخ لکھنویؒ "الرفع والتکمیل" المرصد الاول میں فرماتے ہیں۔

واماالجرح فانہ لایقبل الا مفسراً مبین السبب الجرح (ص۶)

ایسی جرح لائقِ قبول نہ ہوگی جس میں سبب جرح کی صراحت نہ کی گئی ہو۔

(۲) ابن صلاح نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے' محدث خطیب بغدادیؒ نے وضاحت کی ہے کہ حدیث کے حفاظ و ائمہ اور ناقدانِ فن جن میں "بخاری" و "مسلم" جیسے افراد شامل ہیں یہی مسلک رکھتے ہیں' چنانچہ انھوں نے اور "ابوداؤدؒ" نے بھی ایسے لوگوں کی روایات لی ہیں جن پر غیر مفسر جرحیں اور طعن کئے گئے۔' (الکفایہ ص ۱۰۸ و ص ۱۰۹)

(۳) طیبیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ (الرفع والتکمیل ص ۷)

(۴) ملا علی قاری حنفیؒ شرح شرح "النخبۃ" میں ایسا ہی کہتے ہیں : التجریح

لایقبل مالم یبین وجهه (شرح شرح النخبۃ ص ۱۱۲)

(۵) "شرح الالمام باحادیث الاحکام (۱)" میں دقیق العید (۲) بھی قواعدِ اصول کا مقتضیٰ اسی کو قرار دیتے ہیں کہ جرح مبہم نہ قبول کی جائے۔ (الرفع والتکمیل ص ۷)

(۶) زین الدین عراقیؒ صاحب "الفیۃ الحدیث" نے بھی اپنی شرح "الفیۃ" (۳) میں اسی قول کو صحیح و مشہور قرار دیا ہے۔ (ص ۳۰۰ جلد اوّل)

(۷) مولانا سندیؒ شرح نخبۃ الفکر کی شرح "امعان النظر" (۴) میں فرماتے ہیں۔ اکثر الحفاظ علیٰ قبول التعدیل بلا سبب وعدم قبول الجرح الّا بذکر السبب (ص ۱۳)

(۸) امام نوویؒ نے بھی اپنی شرح مسلم کے مقدمے میں اسی رائے کی توثیق کی ہے۔ (ص ۲۵ جلد ۱)

(۹) امام بزدویؒ کی رائے ہم "کشف الاسرار" جلد ۳ ص ۶۸ سے (جائزے کے حصۂ اول ص ۱۱۷ پر) اسی کے مطابق نقل کر چکے ہیں۔

(۱۰) "التبیین شرح المنتخب الحسامی" میں اتقانی نے بھی اسی کو مانا ہے۔ (فان کان مبهماً فلا یکون مقبولاً)۔ (الرفع والتکمیل ص ۸)

(۱۱) ابن الملک شرح المنار میں بعض علماء کا قول نقل کرتے ہیں کہ طعن مبہم جرح ہے ہی نہیں (ص ۶۶۴)

(۱۲) التوضیح شرح التنقیح (۵) میں صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود

(۱) "الالمام" خود ابن دقیق العید کی کتاب ہے اور اس کی شرح "الامام فی شرح الالمام" بھی انہیں کی ہے۔
(۲) تقی الدین محمد بن علی۔
(۳) یہ تین جلدوں میں چھپی ہے۔ اس کے ساتھ قاضی زکریا کی شرح "الفیہ" بھی ہے۔
(۴) شرح نخبۃ الفکر کی کوئی بھی شرح اتنی مبسوط نہیں۔ بڑے سائز کے ۳۵۰ صفحات۔
(۵) شرح اور متن دونوں ہی صدر الشریعہ کے ہیں۔

کے الفاظ ہیں فان کان الطعن مجملاً لایقبل (ص ۱۴ جلد ۲)

(۱۳) ابن قطلوبغا "شرح مختصر المنار" میں لکھتے ہیں۔ (لایسمع الجرح فی الراوی الّا مفسّراً بما ھوقادح (الرفع والتکمیل ص ۸)

(۱۴) اصول البزدوی کی شرح "کشف الاسرار" کے مصنف عبدالعزیز البخاری اپنی "التحقیق شرح المنتخب الحسامی" میں کہتے ہیں کہ (ان طعن طعناًمبھماً لایقبل) (حوالہ مذکور)

(۱۵) ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی "البنایہ شرح الھدایہ" میں فرماتے ہیں الجرح المبھم غیر مقبول عند الحذاق من الاصولیین (بحث شعر المیتة جلد ۱ ص ٢٣٤)

اور بحث سور الکلب ص ۲۶۶ جلد ۱ میں ان کے الفاظ ہیں الجرح المبھم غیر معتبر۔ (کتاب الطہارۃ)

(۱۶) ملا خسرو "مرقاۃ الوصول" کی شرح مرآۃ الاصول (۱) میں رقمطراز ہیں کہ اگر طعن وجرح کرنے والا استاد حدیث یوں کہے کہ فلاں حدیث غیر ثابت ہے یا مجروح ومتروک ہے یا اس کا راوی غیر عدل (ناقابل اعتماد) ہے تو یہ جرح مبہم ہے اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ص ۲۲۹ جلد ۲)

(۱۷) امام ابن الہمام کی "تحریر الاصول" کی شرح التقریر والتحبیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۸ پر ہے اکثر الفقہاء ومنھم الحنفیة واکثر المحدثین ومنھم البخاری ومسلم لا یقبل الجرح الّا مبیناً (خط کشیدہ الفاظ ابن امیر الحاج کے ہیں اور باقی ابن الہمام کے)

(۱۸) حافظ ابن حجرؒ اور امام ابن الہمام کے شاگرد شیخ الاسلام زکریا بن محمدؒ "فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی" میں اس رائے کی توثیق کرتے ہوئے ابن صلاحؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ قول فقہ اور اصول کا کھلا ضابطہ ہے' اور خطیب کا بھی قول

(۱) "مرقاۃ الوصول" بھی خود انہیں کی ہے۔

ہے کہ یہی ہمارے نزدیک درست ہے۔(ص ۳۰۳ جلد ۲)

(۱۹) "المنار" (۱) اور اس کی شرح "فتح الغفار" میں ہے :

"الطعن المبهم من ائمة الحديث بان يقول هذاالحديث
غير ثابتٍ اومنكر او مجروح او راويه متروك الحديث
اوغير العدل لا يجرح الراوى فلا يقبل الّا اذاوقع مفسّراً
بما هوجرح متفق عليه (ص۱۰۳ جلد ۳)

(۲۰) حافظ سخاویؒ "فتح المغیث" میں اسی قول کی تصویب کرتے ہیں۔ (ص ۱۳۰)

(۲۱) اور شیخ مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نوراللہ مرقدہ "الرفع والتکمیل" میں ص ۸ و ۹ پر لکھتے ہیں کہ مبہم اور غیر مفسّر جرح کا غیر مقبول ہونا ایک معروف ضابطہ ہے، جس کی تائید و تصویب کرنے والی عبارتیں اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی کتابوں میں کثرت سے بکھری ہوئی ہیں، جن لوگوں کو علومِ شریعت میں مہارت ہے وہ اسے خوب جانتے ہیں اور وہ سب اس بات کے گواہ ہیں کہ مبہم جرح کا نا قابلِ قبول ہونا ہی صحیح اور مبنی بر معقولیت ضابطہ ہے، اور یہی مذہب ہے جمہور کا۔

اتنا کچھ کہنے کے بعد الامام زاہد الکوثریؒ کے وہ زوردار فقرے نقل کرنے میں شاید ہم حق بجانب ہوں گے جو انھوں نے ابن عدی (۲) کی بے تکی اور نامعقول جرح بازیوں سے تنگ آکر "نصب الرایہ" کے مقدمے میں سپرد قلم کئے ہیں :

---

(۱) یہ کنزالدقائق کے مصنف حافظ الدین نسفیؒ کی تالیف ہے اور اس کی شرح فتح الغفار زین العابدین ابن نجیم کی ہے جو البحرالرائق شرح کنزالدقائق اور الاشباہ والنظائر جیسی شہرۂ آفاق کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۲) یہ ابن عدی ابو جعفر الطحاویؒ کے طفیل بعد میں سنبھل گئے تھے حتیٰ کہ ایک "مسند" بھی احادیث ابو حنیفہؒ کی تیار کی لیکن پہلے ان کی زبان امام صاحبؒ اور ان کے جلیل القدر ساتھیوں کے بارے میں قینچی کی طرح چلتی تھی ان کی ایک نازیبا حرکت یہ تھی کہ قصور تو ہے راوی کا مگر کھال ادھیڑ رہے ہیں اس کی جس سے راوی نے روایت لی ہے، مثلاً ابانؒ بن جعفر البجیر می کی روایت سے تقریباً تین سو احادیث انہیں پہنچیں۔ اب ان احادیث پر جو بھی اعتراضات ان سے ہو سکے ان کا تمام تر تعلق ابن جعفر کی ذات سے تھا جو کہ خود ابن عدی کے شیخ ہیں مگر اس اللہ کے بندے نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ جس طرح ہو سکے ان عیوب کو ابو حنیفہؒ پر چسپاں کر دے، اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔

"المتشبع بما لم يعط يستغنى عن علم كلِ عالمٍ متقمقماً فى جهلا ته غير ناظر الى ماور ائه وامامه وهكذا يصنع مع سائر ائمّتنا كلّهم" (فى تقدمة "نصب الرّاية" ص ۵۷)

(جو شخص اپنی علمی تہی دامنی کے باوجود یہ مظاہرہ کرتا ہو کہ اس کا دامن مالامال ہے' وہ تو ہر عالم کے علم سے بے نیاز ہی رہے گا' ڈوبا رہے گا اپنی جہالتوں کی گہرائیوں میں' کچھ نہیں دیکھ پائے گا کہ پیچھے کیا ہے اور آگے کیا' اور اسی قسم کی گستاخیاں کرتا رہے گا ہمارے تمام ہی بزرگوں کی جناب میں)

کیا مولانا محمد میاں صاحب سن رہے ہیں۔

کچھ فتح القدیر سے :

ہم جائزے کے حصّۂ اول میں کہہ آئے تھے کہ "مالِ غنیمت" کے حصّوں کے سلسلے میں کچھ تفصیل آگے آئے گی' اب اس وعدے کو پورا کردیں' آپ دیکھ چکے کہ میاں صاحب نے صرف ایک دو روایتوں کے راویوں کو کمال بے علمی کے ساتھ ذبح کرنا چاہا تھا مگر چھری اتنی کند نکلی کہ ان کی گردنوں پر نشان تک نہ آیا' حالانکہ اگر مرمار کے "طبری" کی ایک روایت کو ضعیف بھی ثابت کردیا جائے اور غریب واقدی کو بھی جلا وطنی کی سزا دے دی جائے' تو اس سے کوئی فائدہ میاں صاحب کو نہیں پہنچتا' باقی مورخین کا کیا کریں گے جو اپنی اپنی اسناد لئے بیٹھے ہیں' اگر ان تمام سندوں میں ضعف بھی ہو تو ہم حوالوں کے ساتھ بتا ہی چکے کہ امام ابو حنیفہؒ اور بہتیرے محدثین کے نزدیک تعددِ طرق سے ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

اسی کی ایک مثال دینے کے لئے ہم "فتح القدیر" کھول رہے ہیں۔

امام شافعیؒ کا مسلک :

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ میدانِ جہاد میں اگر کوئی مجاہد اپنے حریف کو

قتل کرتا ہے تو مقتول کا سلب (سازو سامان' ہتھیار وغیرہ) اسی کا ہے بشرطیکہ مقتول دوبدو لڑا ہو' ایسا نہ ہو کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جارہا ہو یا مثلاً کسی کام میں مشغول ہو' یا سو رہا ہو اور اسے قتل کردیا جائے' ایسی تمام صورتوں میں قاتل اسکے سلب کا حقدار نہ ہوگا' البتہ' دوبدو' لڑائی میں مقتول کا سازو سامان قاتل مجاہد کا حصہ ہوگا۔

صاحب "ہدایہ" نے امام شافعیؒ کا مسلک ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

وقال الشافعی السلب للقاتل اذا کان من اهل ان یسهم له وقد قتله مقبلا۔

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ سلب قاتل کے لئے ہے' جب کہ یہ قاتل ان افراد میں ہو جو "مال غنیمت" کے حصہ دار ہوتے ہیں(۱) اور اس نے قتل کیا ہو' دوبدو۔

غیر مفید نہ ہوگا اگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم طلبائے عزیز کو یہ بتادیں کہ اس مقام پر صاحبِ "ہدایہ" سے ازراہ بشریت تین سہو ہوئے ہیں' جن میں سے ایک کا تعلق تو عین اسی عبارت سے ہے' انھوں نے قول شافعیؒ وقد قتلہ مقبلا میں مقبلا کا ذوالحال قتل کی ضمیر مرفوع کو تصور کرتے ہوئے یہ معنی لے لئے ہیں کہ قاتل دو'بدو' ہو' چنانچہ وہ آگے شافعی نقطۂ نظر کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ :

ولان القاتل مقبلا اکثر غناه فیختص بسلبه اظهاراً للتفاوت بینه وبین غیره ۔

لیکن واقعہ یوں ہے کہ مقبلا کا ذوالحال "ہ" کی ضمیر منصوب ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ مقتول دوبدو ہو' یہی مسلک ہے شافعیہؒ کا جیسا کہ ان کی کتبِ معتبرہ سے ظاہر ہے۔(۲)

(۱) غلام' عورت' ولدِ نابالغ' مجنون اور ذمی مالِ غنیمت کے شرعی حصہ داروں میں نہیں ہیں۔ تاہم یہ کہ امام اپنی صوابدید سے انہیں تھوڑا سا کچھ دیدے۔ (۲) کما صرح بہ صاحب البنایہ

دوسرا سہو یہ ہے کہ یہاں مسلک حنفی کی دلیل میں جو حدیث انھوں نے پیش فرمائی ہے اس میں نام حبیب بن ابی سلمہ لیا ہے حالانکہ صحیح نام ابن سلمہ ہے نہ کہ ابن ابی سلمہ

تیسرا سہو یہ ہے کہ خطاب رسول ﷺ کا مخاطب انھوں نے حبیب بن سلمہ کو قرار دے دیا' حالاں کہ یہاں وہ حضرت معاذ کے مخاطب ہیں نہ کہ حضور ﷺ کے۔(۱)

ان توضیحات سے مقصود اعتراض ہرگز نہیں بلکہ علمی دیانت کا حق ادا کرنا ہے' اب دیکھئے امام شافعیؒ کی دلیل کیا ہے ؟

دلیلِ شافعیؒ :

سوائے نسائی کے تمام "صحاح" میں اور "موطا" امام مالکؒ میں ابو قتادہؓ کی یہ روایت صحیح اسناد سے مروی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ "غزوہ حنین" (۲) کیلئے نکلے' جب کفار سے مڈ بھیڑ ہوئی' تو ہمارے لشکر میں ابتری پھیل گئی' اسی دوران میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ اس نے ایک مجاہد پر قابو پالیا ہے' میں نے پیچھے سے پہنچ کر اس کافر کی گردن پر تلوار ماری' وہ کھا کر اکدم پلٹا اور مجھے ایسا دبوچا کہ میری جان پر بن گئی' مگر پھر وہ مر گیا اور میں اس کی گرفت سے نکلا' اس کے بعد میں عمرؓ سے ملا تو عرض کیا کہ آج لوگوں کو کیا ہو گیا؟ وہ بولے حکمِ الٰہی' پھر

(۱) کما صرح بہ صاحب فتح القدیر۔(۲) حنین نام ہے "مکہ" اور "طائف" کے درمیان ایک مقام کا' فتح مکہ کے بعد یہی غزوہ پیش آیا ہے' اس دن حضورؐ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر جرار تھا' مگر ابتداءً ایسی شکست ہوئی کہ سوائے حضورؐ اور بارہ تیرہ جاں نثاروں کے کوئی بھی ثابت قدم نہ رہا' بھگدڑ پڑ گئی' اس وقت اپنے ہی ساتھی بعض نو مسلموں نے خوب طنز کیا تھا' مثلاً ابو سفیان بولے کہ یہ بھگوڑے ہیں اب کیا ساحل بحر سے ادھر ٹھہر سکتے ہیں' اللہ نے اس شکست کو نتیجہ قرار دیا ہے بعض مسلمانوں کے اس گھمنڈ کا کہ لو ہو آج تو ہم بہت ہیں کون ہمارے مقابلے پر ٹھہر سکے گا' خوب ہو گا اگر قارئین اس موقعہ پر "سورۂ توبہ" میں ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم الایہ والی آیت کی تفسیر دیکھ لیں۔

مسلمان لوٹے' اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه (جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہے اور اس کے پاس اس کی شہادت ہے تو مقتول کا ساز و سامان اسی کا ہے) میں نے یہ سنا تو کھڑا ہوا (تاکہ اپنا قصہ سناؤں) مگر پھر سوچا کہ میرا گواہ کون ہے' یہ سوچ کر بیٹھ گیا' حضور ﷺ نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تو میں پھر کھڑا ہوا مگر پھر وہی خیال آیا کہ گواہی کس کی دلواؤں گا' للذا بیٹھ گیا' حضور ﷺ نے تیسری بار پھر وہی بات کہی تو میں پھر کھڑا ہوا' اب حضور ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ابو قتادہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے سب قصہ سنایا' اسی وقت ایک صاحب بول بڑے کہ یا رسول اللہ ﷺ قتادہ سچ کہتے ہیں اور اس مقتول کا ساز و سامان میرے پاس ہے' آپ ﷺ وہ مجھے معاف کرا دیجئے' اس پر فوراً ابو بکرؓ بولے کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ ایسا ہرگز نہ کریں گے کہ اللہ کے شیروں میں کا ایک شیر اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے لڑے اور مقتول کا سامان تمہیں مل جائے' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر ٹھیک کہتے ہیں وہ سامان ابو قتادہ کو دیدو' اس پر انھوں نے سامان مجھے دیدیا' اس حدیث کے علاوہ "ابو داؤد" میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ "غزوۂ حنین" میں حضور ﷺ نے فرمایا من قتل کا فراً فله سلبه۔ ابو طلحہؓ نے اس دن بیس آدمی مارے اور ان سب کا ساز و سامان انھوں نے ہی لیا۔

یہ روایت بیان کرنے کے بعد "ابو داؤد" ابن حبان اور حاکم کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ "مسلم" کی شرائط کے مطابق صحیح حدیث ہے۔"

ان دونوں صحیح احادیث کی بنا پر امام شافعیؒ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ مقتول کا ساز و سامان قاتل کے حصے میں آنا ایک ضابطہ اور قانون ہے نہ کہ از قبیل نفل۔

لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں بلکہ امام کی مرضی پر موقوف ہے' وہ چاہے تو بے شک قاتل کو مقتول کا سامان لے لینے دے لیکن نہ چاہے تو قاتل اس کا مالک نہ ہوگا اور وہ سب "مال غنیمت" میں شامل ہو کر بٹ جائے گا۔

احناف کا یہ مسلک اس بنیاد پر نہیں کہ مذکورہ دونوں روایات کی صحت مشکوک ہے' جی نہیں' ابن الہمام خود فرماتے ہیں کہ ولا خلاف فی انه علیه الصلوٰة والسلام قال ذالك (اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بے شک حضور ﷺ نے ایسا کہا تھا) مگر انھوں نے "طبرانی" کے معجم (۱) سے ذیل کی روایت پیش کی۔

"قبرص کا ایک آدمی بہت سے ہیرے جواہرات ساتھ لئے "آذربائیجان" کے راستے پر جارہا تھا کہ حبیب بن مسلمہؓ نے اسے قتل کر کے مال پر قبضہ کیا (۲) 'امیر الجیش حضرت ابو عبیدہؓ نے چاہا کہ اس میں سے خمس "بیت المال" کے لئے الگ کرلیں' اس پر حبیبؓ بولے کہ اے ابو عبیدہ جو رزق اللہ نے مجھے دیا ہے اسے آپ کیوں مجھ پر حرام کرتے ہیں' اللہ کے رسول ﷺ نے تو مقتول کا سازو سامان قاتل کے لئے تحفہ بنادیا تھا۔

یہیں حضرت معاذؓ بھی موجود تھے انھوں نے کہا کہ اے حبیب! میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر آدمی کو وہ بات پسند کرنی چاہئیے جسے امام پسند کرتا ہو۔"

یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابن الہمام فرماتے ہیں' وھذا معلول بعمرو بن واقد (یہ حدیث ابن واقد کی وجہ سے معلول ہے) اب چونکہ سند انھوں نے نقل نہیں کی' اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ علت کی تفصیل کیا ہے؟ مگر اس سے ہمیں بحث بھی نہیں' دیکھنا تو یہ ہے کہ خود احناف کے نزدیک اس حدیث میں علت کی بنا پر ضعف پیدا ہو گیا ہے۔

(۱) جس طرح مسند اس مجموعہ حدیث کو کہتے ہیں جس میں صحابہؓ کی روایات ان کی ترتیب کی رعایت سے الگ الگ جمع کر دی گئی ہوں۔ مثلاً پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ کی علی ہذاالقیاس۔ اسی طرح معجم اس مجموعہ حدیث کو کہتے ہیں جس میں اپنے شیوخ کی احادیث اسی ترتیب سے جمع کی گئی ہوں۔

(۲) زمانہ جنگ کا تھا۔ زمانہ امن میں ایسی حرکت نہیں کی جا سکتی۔

اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ کی روایت یوں ہے کہ حبیبؓ تو سارا مال چاہتے تھے' اور ابو عبیدہؓ کہتے تھے کہ اس کا کچھ حصہ رکھ لو' اس وقت حبیبؓ نے ان سے قولِ رسول ﷺ بیان کیا کہ من قتل قتیلا فله سلبه ابو عبیدہؓ لیے کہ یہ حضور ﷺ نے یہ بات ہمیشہ کے لئے نہیں کہی تھی' یہ بحث طول کھینچ رہی تھی کہ معاذؓ قریب پہنچ کر بولے' اے حبیبؓ! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا امام خوشی سے دے رہا ہے اتنا لے لو' یہ کہہ کر معاذؓ نے حضور ﷺ کی یہ حدیث بیان کی کہ فانما لك ما طابت به نفس امامك (تمہارے لئے بس اتنا ہی ہے جتنا تمہارا امام خوشی سے دیدے) یہ سننا تھا کہ جملہ حاضرین متفق الرائے ہو گئے اور ابو عبیدہؓ نے "خمس" نکال کر باقی سب حبیبؓ کے حوالے کر دیا۔

صاحبِ "ہدایہ" نے اسی روایت کا آخری حصہ مسلکِ حنفی کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے' امام ابن الہمام نے اس کے ذیل میں کیا کہا اسے سمجھنے کے لئے اس روایت کی سند کا یہ ٹکڑا ملحوظ رکھنا ہو گا' ابن الولید حدثنی رجل عن مکحول۔ یعنی اسحاق بن راہویہ کی اس روایت کو ابن الولید نے ایک آدمی سے سنا اور اس آدمی نے مکحول سے سنا' یہ ایک آدمی کون تھا اس کی کچھ خبر نہیں گویا مجہولِ عین کہئے۔

اسی کے تعلق سے ابن الہمام کہتے ہیں کہ مجہول راوی کی بناء پر روایت ضعیف ہی لیکن اس ضعف سے کچھ نقصان نہیں' کیوں کہ قاتل کے لئے مقتول کا سامان لینے کا جو حق حضور ﷺ کے قول و فعل سے ثابت ہے اس میں دونوں احتمال ہیں' ایک یہ کہ وہ بطور قاعدہ شرعیہ ہمیشہ کے لئے ہو' اور دوسرا یہ کہ وہ قاعدہ نہ ہو' بلکہ حضور ﷺ نے بطور تنفیل (۱) ایسا کیا ہو' ہم دوسرے احتمال کو اختیار کرتے ہیں اور ہمارے اختیار کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو "بخاری" و "مسلم" میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ "غزدۂ بدر" میں معاذ بن

(۱) ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ امام اپنی مرضی سے کسی کو جو کچھ زیادہ دے اسے نفل اور تنفیل کہتے ہیں۔

عمرو اور معاذ بن عفراءؓ(۱) دونوں نے مل کر ابو جہل کو قتل کیا اور حضور علیہ السلام نے دونوں کی خون آلود تلواروں کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے' لیکن اس کے بعد آپ نے ابو جہل کا ساز و سامان تنہا اول الذکر کو دیدیا' تو معلوم ہوا کہ قاتل کا مالک بن جانا اگر ضابطہ شرعیہ ہوتا تو آپ دونوں سے فی یہ سامان تقسیم کرتے کیوں کہ دونوں قاتل تھے۔

اس دلیل پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ "غزوہ بدر" کی غنیمت تو حکم قرآنی سب کی سب حضور علیہ السلام ہی کی ملکیت تھی' لہذا انہیں حق تھا کہ جسے جتنا چاہیں دیں' چنانچہ آپ نے اس میں سے بعض ایسے لوگوں کو بھی حصہ دیا جو شریک جہاد نہیں تھے' "آیت غنیمت" اس کے بعد نازل ہوئی ہے' تب حضور علیہ السلام نے سلب مقتول کو قاتل کا حصہ بنادیا' اور یہی بات طے شدہ ہو گئی۔

جواباً ابن مردویہ کی ایک ایسی روایت سے جو بہ اعتبار سند صحیح نہیں ہے استدلال کیا گیا کہ دیکھئے' بدر کے دن بھی حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ من قتل قتیلا فله سلبه۔ پھر ابوالیسیرؓ دو قیدیوں کو لئے ساتھ آئے' تو سعد بن عبادہؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! دشمن کے مقابلے میں بزدل ہم بھی نہیں ہیں نہ جان پر کھیل جانے میں بخیل ہیں جو کچھ ہمارے بھائیوں نے کیا ہے ہم بھی کر سکتے تھے (یعنی ہم بھی میدان میں آگے بڑھ کر دشمن کو قتل اور قید کر سکتے تھے) مگر ہم نے سوچا کہ اگر ہم آگے بڑھے تو آپ تنہا رہ جائیں گے اور یہ بات اچھی نہ معلوم ہوئی کہ آپ کو خطرات کی جگہ میں چھوڑ جائیں۔"

(۱) بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قتل ابو جہل میں جو روایات آئی ہیں وہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے نہیں بلکہ حضرت انسؓ سے مروی ہیں اور ان میں ابنا عفراء کے الفاظ آئے ہیں یعنی دونوں قاتل عفراء کے بیٹے تھے (معاذ اور معوذ) لیکن باب شهود الملائكة بدرا میں ضمناً اور مختصراً جو روایت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے امام ابن الہمام نے اسی کا حوالہ دیا ہے "مسلم" میں بھی اسی کے مطابق ہے' غالباً یہی زیادہ صحیح ہو کیونکہ حضرت انسؓ شرکاء بدر میں نہیں ہیں اور ان کی روایت از قسم مرسل ہے (یعنی کسی اور صحابی سے سن کر واقعہ بیان کر رہے ہیں) حضرت عبدالرحمنؓ خود شریک بدر تھے۔ ویسے ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں اس پر لطیف بحث کی ہے جس کا تعلق ہمارے یہاں کے موضوع سے نہیں ہے لہذا اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ جملہ "مال غنیمت" سب میں تقسیم کیا جائے۔

"فتح القدیر" سے ہٹ کر ذرا سی بات سمجھ لیجئے' ابو داؤد کی ایک روایت میں اسی "بدر" کے سلسلے میں یہ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے من اسر اسیرا فله کذا و کذا بھی فرمایا تھا (جس نے کسی دشمن کو قیدی بنایا اس کے لئے یہ یہ انعام ہے) چنانچہ ابوالیسیرؓ دو قیدی بنا کر لائے تھے' حضور ﷺ کے اس ارشاد کے تحت وہ ان دونوں قیدیوں کے مالک بننے کے مستحق تھے' اسی لئے حضرت سعد بن عبادہؓ نے مذکورہ بات کہی۔

صاحب فتح القدیر کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا ارشاد کوئی ضابطہ شرعی نہ تھا' ورنہ مال "غنیمت" برابر کیوں تقسیم کیا جاتا اور اس ضابطے پر عمل کیوں نہ کیا جاتا۔

اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ سند بے شک اس روایت کی بھی ضعیف ہے مگر اسے "ابو داؤد" کی اس روایت سے تقویت حاصل ہوتی ہے کہ بدر کے دن حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ من قتل قتیلا فله کذا و کذا (جس نے کسی کو قتل کیا اس کے لئے یہ یہ ہے) ظاہر ہے کہ کذا و کذا راوی کے الفاظ ہیں حضور ﷺ کے نہیں' حضور ﷺ نے جس انعام کا ذکر کیا ہوگا اسے راوی نے کنایتاً بیان کیا' تو اب دیکھنا یہ چاہئے کہ کذا و کذا سے کیا مطلب ہو سکتا ہے' جہاں تک قیاس کام کرتا ہے اس سے درہم و دینار تو مراد ہو نہیں سکتے' یعنی حضور ﷺ نے انعام میں روپیہ پیسہ دینے کی بات نہ کہی ہوگی' کیوں کہ "درہم و دینار" تو وہاں تھے ہی نہیں یا ہوں گے تو برائے نام' اور ویسے بھی اس طرح کا وعدہ خلاف عادت تھا' لہٰذا ظن غالب یہی ہے کہ کذا و کذا سے راوی کی مراد مقتول کا سلب (سازو سامان) ہوگا' سلب ہی ایسی چیز ہے کہ اس کا قاتل کے ہاتھ لگنا امر معتاد ہے (یعنی عادتاً قدرتاً عموماً ہاتھ لگتا ہے) اور یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ

ضعیف روایات میں آیا ہو وہ باطل ہی ہو' ان روایات نے اس ظن کا فائدہ دیا کہ "بدر" کے دن حضور علیہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو جسے قتل کرے وہ اس کا سازوسامان لے لے' اور جو جسے پکڑے اسے اپنا غلام بنالے' لہٰذا اس کو قبول کرنا واجب ہو گیا' (یعنی یہ ماننا واجب ہو گیا کہ حضور علیہ نے "بدر کے دن" سلب ہی کے بارے میں فرمایا تھا جسے راوی نے کذا و کذا سے کنایہ کیا ہے)۔

خلاصہ یہ نکلا کہ احادیث ضعیفہ سے وہ مطلب حاصل ہو گیا جو ہمارے مسلک کی تائید کرتا ہے' یعنی سلب والا قاعدہ' قانون عام اور ضابطہ دائمی نہیں ہے' والضعیف اذا تعددت طرقه یرتقی الی الحسن فیغلب الظن انه تنفیل فی تلك الوقائع (اور جب ضعیف کے طرقِ روایت کئی ہو جائیں تو وہ ترقی کر کے حسن ہو جاتا ہے' پس ظن غالب (۱) حاصل ہو گیا کہ بطور نفل انعام واکرام اسی قبیل سے ہے' قانون شرعی نہیں ہے)۔ (فتح القدیر جلد چہارم۔ صفحات ۳۲۶'۳۲۵)

گفتگو فتح القدیر میں آگے بھی دور تک چلی ہے لیکن ہمارے مقصد کا تعلق جس نکتہ سے تھا وہ کھل کر آپ کے سامنے آگیا' اوپر کے جملے پر خط ہم نے اسی لئے کھینچا ہے تاکہ اسے نمایاں طور پر دیکھ لیا جائے۔

ذرا اندازہ کیجئے' ایک طرف صحیح ترین روایت ہے جس کا انداز بظاہر ایسا ہی ہے جیسے حضور علیہ نے قاعدہ و ضابطہ بیان کیا ہو' پھر ایک موقع پر حضور علیہ کا اس کے مطابق عمل بھی صحیح روایت سے ثابت' لیکن فقہائے احناف نے ایک ایسی ضعیف روایت کی بنیاد پر جس کے ضعف کا خود انہیں بھی اعتراف ہے محض اس لئے قول حضور علیہ کو ضابطہ ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ ضعیف روایت متعدد طرق رکھتی ہے جو اس کے مضمون کی تائید میں ہیں' اور یہ نہیں کہ ان کا مسلک کمزور ہو' سطحی نظر میں تو امام شافعیؒ ہی کا مسلک مضبوط نظر آتا ہے لیکن ہمارے

(۱) عام قارئین اس لفظ سے غلط فہمی میں نہ پڑیں۔ سوائے متواتر احادیث یا آیات قرآنی کے باقی صحیح احادیث سے جو چیز حاصل ہوتی ہے اسے اصطلاح فن میں "ظن غالب" ہی کہا جاتا ہے نہ کہ یقین۔

نزدیک واقعہ یوں نہیں ہے اس لئے کہ اسے مضبوط مان لینے کے بعد ان متعدد روایات کو رد کرنا پڑتا ہے جو باوجود ضعیف ہونے کے "درجہ حسن" میں آگئی ہیں' اور اس لئے بھی کہ شوافع اپنے مسلک کو "مقبلا" کی قید سے مقید کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بھی قول حضور ﷺ کو ایک جامع مانع ضابطے کی حیثیت نہیں دی' اگر دیتے تو "مقبلا" کی شرط کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا' پھر تو ہر حال میں سلب قاتل ہی کا ٹھہرتا' تو جب وہ قیاس اور دیگر روایات کی روشنی میں حدیث کے عموم کو مقید کر سکتے ہیں تو احناف کیوں نہ ایسا کریں' ایسا کرنے کے استحقاق میں جب دونوں برابر ہیں تو پھر وہی تحدید اور تعبیر زیادہ بہتر ہو سکتی ہے جو دیگر روایات سے مطابقت پیدا کرنے والی ہو' ضعیف روایات کو یونہی نظر انداز کر دینا علمی احتیاط اور مقتضائے فن کے خلاف ہے' شوافع نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ کئی ایسی روایات کو نا قابل توجیہ بنا دیتا ہے جو ضعیف ہونے کے باوجود واجب القبول ہیں' یہ حال یہاں حنفی و شافعی مسالک میں محاکے کی ضرورت نہیں' یہاں تو ہم قارئین کو یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ ایک شیخ الحدیث اور صدر مفتی کس بے تکلفی سے ضعیف روایات اور مجہول راویوں کو کوڑا کباڑ قرار دیتے چلے گئے ہیں' آپ نے دیکھا یہاں ایک روایت میں مجہول راوی تھا' مجہول بھی ایسا ویسا نہیں' "مجہول عین" جس کا نام تک معلوم نہیں' مگر فقہائے کبار روایت رد نہیں کرتے' بلکہ اس کے ذریعے ایک صحیح ترین روایت کے عموم کو خصوص میں بدلتے ہیں' معاملہ تاریخ و سیر کا بھی نہیں' حکم شرعی کا ہے' فقہ کا ہے' پھر کیوں نہ ہم میاں صاحب کے غیر علمی طرز عمل کے جواب میں وہی اثر انگیز فقرے دہرائیں جو حافظ ذہبیؒ نے عقیلی کے طرز عمل کے جواب میں دہرائے ہیں' عقیلی راویوں کو مجروح کرنے میں جب حد سے گزر جاتے ہیں تو حافظ ذہبیؒ کو بہت جوش آتا ہے' وہ کہتے ہیں کہ اے عقیلی اگر ہم تمہاری روش پر چلیں تو پھر تو لغلقنا الباب وانقطع الخطاب ولماتت الآثار واستولت الزنادقة ولخرج الدجالون!

(ہم پر روایت کا دروازہ ہی بند ہو جائے' اور سلسلہ خطاب ٹوٹ جائے' اور پچھلوں کے نقوش قدم مٹ جائیں اور زنادقہ چھا جائیں اور دجاجلہ (۱) نکل پڑیں۔
(میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

اے بزرگو! اے علم دین کے حامیو! کیا میاں صاحب کا طریقہ روایات رد کرنے کے معاملے میں ٹھیک ان زنادقہ جیسا نہیں ہے جو احادیث کو عجمی سازش بتاتے ہیں' اور "بخاری و مسلم" کا مضحکہ اڑاتے ہیں' کون سا راوی ہے جس کے بارے میں کوئی نہ کوئی جرح کہیں سے ہاتھ نہ لگ جائے' پھر تو علم روایت کی بساط ہی الٹ گئی؟ میاں صاحب نے جگہ جگہ یہی المناک کھیل کھیلا ہے جس کے مزید نمونے آگے آرہے ہیں۔ فیا حسرتا۔

مصنوعی تضادات :

چوٹی کے علماء و مورخین کی قبول کردہ روایات میں جتنے کیڑے میاں صاحب نے ڈالے' انہیں تو ہم نے نکال کر پھینک دیا' البتہ اس تضاد و تخالف کے بارے میں کچھ کہنا باقی رہ گیا ہے جو مروان کو دیئے جانے والے خمس کی رقم کے سلسلے میں پایا جاتا ہے۔

میاں صاحب نے امام زہریؒ کے قول کے متعلق ارشاد فرمایا:

"اس قول میں دوسری علت (خرابی) یہ ہے کہ قول میں یہ ہے کہ مروان کے لئے "مصر کا خمس" لکھ دیا جو سراسر غلط ہے' اگر خمس دینے کی روایت ہے بھی تو "افریقہ" کے "مال غنیمت" کی ہے' مصر کے خمس کی نہیں' مودودی صاحب نے اس بگاڑ کو درست کرنے کی کوشش کی اور یعنی کہہ کر غلط کو صحیح کرنا چاہا مگر یہ کھلی ہوئی جنبہ داری ہے' روایت میں خمس مصر ہے جو یقیناً غلط ہے' زہریؒ ایسی غلط بات نہیں کہہ سکتے"۔ ص ۱۹۳

(۱) دجال کی جمع۔

یہاں مودودی صاحب کی جس "کوشش" کا ذکر ہے اس کا تعلق "خلافت و ملوکیت" کے صفحہ ۱۰۶ کے حاشیے سے ہے جب کہ گفتگو یہاں صفحہ ۳۲۶ کی روایت سے ہو رہی ہے' میاں صاحب کو یہ بھی سلیقہ نہ ہوا کہ صفحہ کا حوالہ دیدیتے۔

خیر! صورت یہ ہے کہ صفحہ ۱۰۶ پر مودودی صاحب نے "ابن الاثیر" کی ایک روایت بیان کی تھی' جس میں "افریقہ" کے خمس کا ذکر ہے پھر انہوں نے فقہاء و محدثین کے معروف طریقے کے اتباع میں کوشش کی کہ "افریقہ" اور "مصر" والے اختلاف کا حل نکالیں' اہل فن کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اگر دو روایات کے کسی جز میں ٹکراؤ دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ تحقیق و تدبر سے کوئی مناسب تاویل اس ٹکراؤ کے دور کرنے کی ڈھونڈی جائے' وہ یہ احمقانہ حرکت نہیں کرتے کہ پھٹ سے ان روایتوں کو جھٹلا دیں' جنہیں اساتذہ نے قبول کیا ہے' یہ حرکت اصول حدیث کی جڑوں پر تیشہ چلانے کے مرادف ہے' اگر کوئی تاویل نہیں بنتی ہوتی تو جو روایت اس میں سند کے اعتبار سے نسبتاً قوی ہوتی ہے اسے اصل مان کر دوسری روایت کے اس لفظ یا الفاظ کو راوی کا وہم اور بھول قرار دیدیتے ہیں جو ٹکراؤ پیدا کر رہے ہیں' باقی مضمون جو دونوں روایتوں میں یکساں ہے اپنی جگہ مقبول رہتا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے قاعدہ نمبر ۱۱)

مثلاً پیچھے آپ شاہ عبدالعزیزؒ کی تحقیق پڑھ آئے' انہوں نے "افریقہ" اور "مصر" وغیرہ کے تخالف کی جانچ پڑتال کر کے فیصلہ کر دیا کہ اصل بات یوں ہے' مگر مودودی صاحب نے تطبیق کی کوشش کی' جو محدثین و فقہاء کے یہاں متفق علیہ طور پر افضل و اولیٰ ہے' اب کسی صاحب علم کے لئے یہ تو جائز ہے کہ وہ شاہ صاحب یا مودودی صاحب کے فیصلوں سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے اجتہاد سے کوئی اور صورت تطبیق نکالے' یا متصادم الفاظ کو معلق چھوڑ دے' مگر یہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ بڑے بڑے اہلِ فن کی قبول کردہ روایات کو بیک بینی

وددگوش ایوانِ قبول سے باہر کر دے اور جاہلانہ چرب زبانی کو علمی استدلال کا قائم مقام بنا لے۔

"ابن اثیر" کی تاریخ دنیا بھر میں مشہور و مقبول ہے' ان کے بارے میں "قاضی ابن خلکان" جو ان کے ہم عصر تھے' لکھتے ہیں کہ وہ حدیث کے حفظ اور اس کی معرفت اور اس کے متعلقات میں امام تھے' قدیم و جدید تاریخ کے حافظ تھے اور اہلِ عرب کے انساب اور ان کے حالات سے خوب باخبر تھے"۔

(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۳'۳۴ خلافت و ملوکیت ص ۳۱۵)

ہمارے استاد الاساتذہ حضرت میاں صاحب نے بھی بہ اطمینان ان کی روایات اپنی کتاب میں لی ہیں' حوالے دیئے ہیں' مگر انہیں مطلق پروا نہیں کہ کسی کے عناد میں بڑے بڑے ائمہ واساتذہ کو دلیلِ علمی کے بغیر جھوٹا' غلط گو اور ناقابلِ اعتماد کہتے چلے جانا کیسی تاریک قلبی کا مظاہرہ ہے' اور اندازہ کیجئے' اسلوب کیا ہے؟

> "مودودی صاحب نے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارے تو اتفاق سے "ابن اثیر" کا دامن ہاتھ آ گیا......" "مگر مودودی صاحب نے خیال نہیں فرمایا جو دامن وہ پکڑ رہے ہیں وہ خود تار تار ہے......"۔ ص ۱۸۴

دیکھا آپ نے کتنا حلال کر لیا ہے ان بزرگوار نے بڑے سے بڑے عالم سلف کا خون آبرو' پہلے آپ سن چکے...... "ابن سعدؓ کے مصنوعی زہری"...... اب "ابن اثیر" کو بھی بے آبرو دیکھئے...... اور سوقیانہ زبان پھر بھی مودودی ہی کا حصہ ہے!

یہ شخص اتنا بھی تو نہیں سمجھتا کہ نقطہ بحث ہے کیا؟ ایک راہ چلتا بھی ادراک کر سکتا ہے کہ یہاں "افریقہ" یا "مصر" کی کوئی اہمیت نہیں' نہ اس کی اہمیت ہے کہ خمس مروان کو دیا گیا یا عبداللہ بن سعدؓ کو' نہ اس کی اہمیت ہے کہ یہ خمس قیمت میں کتنا تھا' اصل اہمیت اس کی ہے کہ یہ "خمس" دیا گیا' بس مودودی کی یہ کوششِ تطبیق کہ دو بار دو شخصوں کو "خمس" دیا گیا کسی کے نزدیک باصواب نہ ہو تو اس پر

اصرار بھی نہیں، ایک ہی بار مانئے، عبداللہ بن سعدؓ کو نہیں مروان کو مانئے، کسی کو بھی نہ مانئے بلکہ یوں کہہ دیجئے کہ معاملہ معلق رکھو، مگر کیا تمام روایات متعلقہ کی اس قدر مشترک سے بھی انکار ممکن ہے کہ "خمس" دینے کا واقعہ پیش آیا ہے؟ ایسا انکار مکابرہ(۱) اور ہٹ دھرمی کہلائے گا، ایسا بے تکا آدمی "بخاری" اور "مسلم" کی روایتوں کو بھی کھٹ سے جھٹلا سکتا ہے، ویسے تضادات کا حل بھی مشکل نہیں اگر آدمی اہل علم کی طرح غور کرے، مثلاً جو مورخین یوں کہتے ہیں کہ پانچ لاکھ کا خمس مروان کو دیا، ان کی مراد "خمس" کی اصل قیمت سے ہوتی ہے، اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ خمس تھا کم و بیش پانچ ہی لاکھ کا، اب اگرچہ شاہ عبدالعزیزؒ کی تحقیق کے مطابق یہ مروان نے ایک لاکھ میں ادھار خریدا، مگر جب یہ لاکھ معاف کر دیئے گئے تو فی الحقیقت پانچ لاکھ ہی کا مال مروان کے حصے میں آیا، اسے اگر کوئی یوں کہے کہ مروان کو پانچ لاکھ دیئے گئے تو اس میں کون سا عجوبہ ہے، اور جو مورخین ایک لاکھ لکھتے ہیں وہ اس رقم کے لحاظ سے لکھتے ہیں جو مروان کو ادا کرنی تھی، اور جو ناقدین خمس لکھنے والوں پر یوں معترض ہوتے ہیں کہ تم نے خمس غلط کہا وہ تو خمس کا خمس تھا، تو ظاہر ہے یہ نزاع بھی محض لفظی ہے، یہ اعتراض اس پہلو سے کیا گیا کہ مروان کو جو رقم معاف کی گئی وہ ایک لاکھ تھی یعنی خمس کی مشخصہ قیمت کا پانچواں حصہ، معافی اسی ایک لاکھ کی ہوئی ہے لہذا خمس کا خمس کہو، دیکھ لیجئے نفس واقعہ بہر صورت ایک رہتا ہے، ناک سامنے سے پکڑ دیا گردن کے پیچھے سے ہاتھ لا کر یا مداریوں کی طرح ہاتھ کو ٹانگوں کے بیچ سے نکال کر، ناک ہر حال میں ناک رہے گی اور ہاتھ ہر حال میں ہاتھ۔

ہم بڑے دکھ اور تکلیف کے ساتھ یہ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتے ہیں کہ مولانا محمد میاں صاحب نے مودودی کی تردید کے جوش میں علم و فن کے ساتھ بڑا دردناک مذاق کیا ہے جس سے منکرین حدیث بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں، خدا کی پناہ۔

(۱) بڑائی جتلانا اور ہٹ دھرمی کے ساتھ مقابلہ کرنا۔

یہ خبر متواتر کا انکار ہے :

مولانا محمد میاں ہوں یا کوئی بھی ہو' جو بھی حضرت عثمانؓ کی سیرت و کردار کے ان پہلوؤں کا انکار کرتا ہے جن میں وہ ابو بکرؓ و عمرؓ سے الگ نظر آتے ہیں وہ بلا شبہ تواتر کا انکار کرتا ہے' اہلِ علم ہمیں معاف فرمائیں یہاں عام قارئین کی اطلاع کے لئے ہم بعض مبادیات کی توضیح کریں گے۔

حدیث اور خبر اصل کے اعتبار سے ایک ہی مفہوم کے دو الفاظ ہیں لیکن تہذیب فن کی خاطر اصطلاح یہ مقرر کی گئی ہے کہ حدیث اسے کہیں گے جس کا تعلق حضور ﷺ سے ہو اور باقی تمام اطلاعات کو خبر کا نام دیں گے' گویا ہر خبر حدیث نہیں ہے مگر ہر حدیث خبر ضرور ہے۔

بجا طور پر خبر کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ "خبر متواتر" اور "خبر واحد"۔

خبر متواتر وہ ہے جو شروع سے آخر تک اتنے انسانوں سے مروی ہو کہ عادتاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو' مثلاً حضور ﷺ نے ایک بات فرمائی' اسے دس مختلف صحابہؓ نے آپ ﷺ سے نقل کیا' پھر ان میں سے ہر ایک صحابیؓ سے دس بارہ تابعین نے نقل کیا' پھر ان میں سے ہر تابعی سے دس بارہ تبع تابعین نے نقل کیا' اسی طرح آخر تک ہر ہر ناقل سے اتنے ہی راوی نقل کرتے چلے گئے' یہ ہے "حدیثِ متواتر" یا "خبر متواتر"۔

اس کی توضیح میں دو باتیں سمجھ لیں' ایک یہ کہ جہاں تک امکانِ عقلی کا تعلق ہے سو آدمی بھی جھوٹ پر متفق ہو سکتے ہیں لیکن عادتاً اور عملاً ایسا نہیں ہوتا' لہٰذا جب کثیر صحابہؓ نے حضور ﷺ سے ایک بات نقل کی تو علماء کا کہنا یہ ہے کہ اتنے صحابہؓ جھوٹ پر متفق نہیں ہو سکتے' "کثیر" کے لئے کوئی خاص عدد معین نہیں' بعض نے کم سے کم چار' بعض نے دس بارہ بعض نے چالیس اور بعض نے ستر کی قید لگائی ہے' مگر اتفاق کسی عدد پر نہیں' البتہ چار سے کم کسی کے نزدیک بھی

حجت نہیں۔

ویسے تو آپ جانتے ہی ہیں کہ حدیثِ رسول ﷺ بیان کرنے کی حد تک علماء ہر صحابیؓ کو عدل یعنی سچا مانتے ہیں، لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ ایک یا دو یا تین صحابہؓ کے بیان سے فقط علم ظنی حاصل ہوتا ہے علم یقینی نہیں، اسی لئے وہ کسی ایسی حدیث کے منکر کو کافر نہیں کہتے جو متواتر نہ ہو، کفر صرف "حدیثِ متواتر" ہی کے انکار سے لازم آتا ہے، کیوں کہ اس سے حاصل شدہ علم قطعی و یقینی ہے اور کفر علمِ یقینی ہی کے انکار کا نام ہے نہ کہ علم ظنی کے انکار کا۔

دوسرے یہ کہ تواتر کا تعلق صرف حسی امور سے ہو سکتا ہے نہ کہ عقلی اور نظری امور سے، مثلاً حضور ﷺ مسواک کرتے تھے تو یہ ایک آنکھوں سے نظر آنے والا واقعہ ہے، یا آپ نے حکم دیا کہ فلاں کام کرو تو یہ ارشاد کانوں سے سنا گیا اور سننا ظاہر ہے کہ حسی امور میں سے ہے۔

یہ ہوئی "خبر متواتر" کی تعریف، باقی ہر خبر "خبر واحد" ہے، (جمع میں بولیں گے تو "اخبار احاد" کہیں گے) لیکن یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اگر "خبر متواتر" کی بس یہی واحد تعریف ہو تو دنیا میں بمشکل دو تین حدیثیں ہی متواتر رہ جائیں گی، اور بعض کے نزدیک تو فقط ایک، چنانچہ مشہور امام فن حافظ ابن صلاح نے بجا طور پر دعویٰ کیا کہ اس تعریف کی رو سے دنیا میں فقط ایک حدیث متواتر ہے۔ وہ یہ ہے :

من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعده من النار۔

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے"

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی شرح "نخبۃ" میں ابن صلاح کے اس دعوے کو قلتِ اطلاع اور اسانید و رواۃ کے حالات سے ناواقفیت کا ثمرہ قرار دیا ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض بجا نہیں، یہ اعتراض اس وقت بجا ہوتا جب حافظ صاحب ٹھیک اسی تعریف کے مطابق دو چار احادیث کا متواتر ہونا ثابت فرما دیتے، لیکن انہوں

نے جس تعریف کے تحت کثیر احادیثِ متواترہ کا وجود ثابت کیا ہے وہ اس تعریف سے مختلف ہے اور اس کی رو سے ابن صلاح بھی ہرگز یہ نہیں کہتے کہ "حدیث متواتر" عنقا ہے۔

بہر حال یہ تو الگ بحث ہے، ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ "متواتر" کی فقط ایک ہی قسم نہیں ہے بلکہ چار قسمیں ہیں اور یہ جو تعریف ابھی ہم نے کی یہ تواتر الاسناد کہلاتی ہے، بقیہ تین قسمیں تواتر الطبقة، تواتر عمل اور تواتر القدر المشترك ہیں، ہم میاں صاحب پر جس تواتر سے انکار کا الزام عائد کر رہے ہیں اس کا تعلق آخری دو قسموں سے ہے، یعنی تواتر الطبقة اور تواتر القدر المشترك، ہو سکتا ہے بعض اہلِ علم اعتراض کریں کہ ائمہ فن تو عموماً تواتر کی دو قسمیں بیان کرتے آرہے ہیں "تواتر لفظی" اور "تواتر معنوی" تم نے یہ چار کہاں سے نقل کر دیں، ہم عرض کریں گے کہ یہ لفظی اور معنوی تقسیم تو بنیادی حیثیت سے ہے، فروعی اور فقہی حیثیت سے مذکورہ چاروں ہی اقسام علمائے اصول کی کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں، اور انہیں الگ الگ مستقل عنوان دینے کا سہرا محدثِ شہیر مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے سر ہے۔

الجزائریؒ کی تصریحات :

یہاں علامہ الجزائری کی "توجیه النظر" سے ایک اقتباس پیش کریں گے، تاکہ بات آگے بڑھے اور ہمارے مقصود کی وضاحت اصحاب فن کے حوالے سے ہو جائے، علامہ الجزائری "معنوی تواتر" کی شرح ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ایک ہی واقعہ کے مختلف راوی مختلف الفاظ بیان کریں اور ان الفاظ سے واقعے کی بعض تفصیلات میں اختلاف واقع ہو رہا ہو تو یہ سب روایات جس قدر مشترک کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوں اسے "متواتر المعنی" قرار دیا جائے گا، مثلاً ایک شخص نے کہا کہ حاتم نے زید کو سو اشرفیاں بطور بخشش دیں، دوسرے نے کہا ہزار دیں،

تیسرے نے کہا سو اونٹ بخشے تھے' چوتھے نے کہا اونٹ نہیں گھوڑے' پانچویں نے کہا سو نہیں پچاس اونٹ تھے۔ وغیر ذلک۔

تو ایسی صورت میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ حاتم نے بخشش ضرور کی ہے جو اس کی سخاوت کی دلیل ہے' یہ داد و دہش بطور "تواتر معنوی" ثابت ہے' یہ اس لئے کہ ہر راوی داد و دہش کی خبر دینے میں مشترک ہے۔ (توجیہ النظر ص ۴۶)

اب اس سے پہلے کہ ہم الزام ثابت کریں' یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ چونکہ معاملہ حضور ﷺ کا نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کا ہے اس لئے تواتر کے انکار سے کفر کا سوال پیدا نہیں ہوتا' لیکن کسی بھی معاملے میں "خبر متواتر" کا انکار کرنے والا اہلِ عقل اور ارباب علم کے نزدیک کس پوزیشن میں ہے اس کی وضاحت احناف کے ایک مشہور امام فن فخر الاسلام "بزدوی" کی زبانی سنئے جسے ہم کشف الاسرار شرح اصول البزدوی کی جلد دوم صفحہ ۳۶۲ سے نقل کرتے ہیں :

هذا رجل سفيه لم يعرف نفسه ولادينه ولا دنياه ولا امه ولا اباه مثل من انكر العيان

یہ شخص اتنا احمق ہے کہ اسے نہ اپنی خبر ہے نہ اپنے دین کی اور نہ اپنی دنیا کی' اسے تو اپنی ماں اور اپنے باپ کا بھی پتہ نہیں' اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جو چشم سر سے نظر آنے والی اشیاء کا منکر ہے۔

دراصل جو خبر "تواتر" سے ثابت ہو اس کا درجہ تو عین مشاہدے کا درجہ ہے' کیا قرآن میں آپ نہیں پڑھتے کہ الم تركيف فعل ربك باصحاب الفيل۔ الم تركيف فعل ربك بعاد۔ الم يروا كم اهلكنا من قبلهم من قرن۔ وغیر ذلك۔ دیکھ لیجئے "اصحاب فیل" کا واقعہ جب پیش آیا حضور ﷺ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے' یا زیادہ سے زیادہ بعض روایات کے مطابق اسی دن پیدا ہوئے تھے'

مگر اللہ کہہ رہا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا "اصحاب فیل" کے ساتھ تمہارے رب نے کیا کیا؟ "عاد و ثمود" تو حضور ﷺ سے نہ جانے کتنے زمانے قبل کے افراد و اقوام ہیں، مگر ان کے متعلق اللہ تعالیٰ یہی کہہ رہا ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ اور دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی فرما رہا ہے کہ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنوں کو ہلاک کیا؟ اس سے ظاہر ہے کہ جو خبریں "تواتر" سے پہنچی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں مشاہدے ہی کے درجے میں رکھ رہا ہے، اور یہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے کہ یہاں سندوں اور راویوں کی کوئی بحث نہیں، راوی اگر کچھ تھے بھی تو کافر و مشرک، نہ ثقاہت کا سوال نہ مجہولیت کی گفتگو "تواتر" کی بنیاد صرف شہرتِ عام پر رکھ دی گئی اور اسی کو "آنکھوں دیکھی بات" قرار دے دیا گیا۔

التقریر والتحبیر :

کسی واقعے کے لئے اگر معمولی سی بنیادِ صحیح موجود ہو تو پھر شہرت اور قبول عام سے یہ معمولی بنیاد ہی انتہائی غیر معمولی قوت و اہمیت حاصل کر لیتی ہے، اس کی ایک فقہی مثال ملاحظہ کی جائے۔

قرآن میں فرمایا گیا ہے :

> كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خير ان الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقا على المتقين۔ فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت، بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے انصاف کے ساتھ، یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر۔ (البقرہ آیت ۱۸۰، ترجمہ شیخ الہندؒ)

یہ آیت کتنی واضح ہے اور کیسی تاکیدی، مگر اسے ایک ایسی حدیث نے منسوخ کر دیا جو محض "خبر واحد" ہے، وہ بھی ایسی کہ نہ "بخاری" نے اسے روایت

کیا نہ "مسلم" نے' ہاں امام شافعی اور امام احمد نے اس کی تخریج کی ہے اور ترمذی اسے "حدیث حسن صحیح" بتاتے ہیں' ظاہر ہے کہ فنِ روایت کے اعتبار سے یہ ایک معمولی "خبر واحد" ہے جو اتنی قوی نہیں ہو سکتی کہ آیتِ قرآنی کو منسوخ کر دے' لیکن اس میں قوت جس چیز نے پیدا کی وہ اس کی شہرت اور قبول عام ہے' چنانچہ اس کی کچھ تفصیل دو بڑے حنفی فقہاء سے سنئے۔

اصول فقہ میں امام ابن الہمام کی ایک مشہور کتاب ہے "التحریر" اس کی شرح محقق ابن امیر الحاج نے "التقریر والتحبیر" کے نام سے لکھی ہے' یہ احناف و شوافع دونوں کے اصولوں کی جامع ہے' اس میں جلد ۳ صفحہ ۶۴ پر اسی حدیث اور آیت کی بحث میں فرمایا گیا ہے کہ اس طرح کی حدیث سے آیت قرآنی کا نسخ بیشک قابل اعتراض ہے' لیکن یہ اعتراض اس لئے دور ہو جاتا ہے کہ اس حدیث کو شہرت اور قبولیت نے بہت مضبوط کر دیا ہے' لہذا اس سے آیت قرآنی کا نسخ احناف و شوافع دونوں کے نزدیک حق ہے' اور امام کرخیؒ نے قاضی ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے کہ مسح علی الخفین جیسی حدیثوں سے ان کی شہرت کی بناء پر نسخ کتاب (قرآن کا نسخ) جائز ہے:

> لانه فی قوة المتواتر اذا لمتواتر نوعان متواتر من حیث الروایة و متواتر من حیث ظهور العمل من غیر نکیر فان ظهوره یغنی الناس عن روایته۔
>
> "یہ اس لئے کہ جو صحیح البنیاد حدیث شہرت پکڑ جائے' وہ قوت میں "حدیث متواتر" جیسی ہو جاتی ہے کیوں کہ "متواتر" دو قسم پر ہے' ایک حیثیت روایت کے (یعنی شروع سے آخر تک کے مراحل میں کثیر راویوں کا پایا جانا) اور ایک اس اعتبار سے کہ اہل علم میں اس حدیث کو معمول بنایا گیا' اور

علماء کی طرف سے اس پر احتجاج واختلاف نہیں پایا گیا' تو اس
کی کثرت اشاعت اور شدت ظہور اس بات کے لئے کافی ہے
کہ لوگ اس کے روایتی پہلو سے بے نیاز ہو جائیں' یہ دیکھنا
ضروری نہیں رہا کہ بقاعدہ روایت یہ متواتر ہے کہ نہیں"

قدر مشترک کیا ہے؟ :

اب ہم کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں جتنی خبریں گونا گوں روایات کے ذریعے دنیا کو پہنچی ہیں' ان میں یہ اجزاء تو قابل بحث ہو سکتے ہیں کہ فلاں جنگ کا خمس مروان کو دیا گیا تھا یا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو' رقم پانچ لاکھ تھی یا ایک لاکھ' عبداللہ بن عامرؓ نے سرکاری آمدنی میں اضافہ ظلم سے کیا تھا یا انصاف سے' فلاں گورنر کو مناسب وجوہ سے معزول کیا گیا یا نامناسب وجوہ سے' مروان کے باپ حکم کو واپس "مدینے" بلانا جائز تھا یا مکروہ وغیر ذلک' مگر ان تمام روایات میں جو امور قدر مشترک کے طور پر پائے جاتے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) حضرت عثمانؓ کو اپنے اہل خاندان سے غیر معمولی محبت تھی۔

(۲) آپ نے اپنے اقرباء کو عہدے عطا کیے۔

(۳) ان عہدیداروں میں بعض سے بد عنوانیوں کا صدور ہوا۔

(۴) "بیت المال" کے رخ پر باوجود دیانت داری کے آپ کا رویہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے رویے سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

(۵) اقرباء کے ساتھ آپ کا غیر معمولی حسن سلوک لوگوں کے لئے بد گمانی اور اعتراض کا باعث بن گیا۔

ان پانچوں امور میں سے اول الذکر کے لئے دو قوی ترین بنیادیں ہم پیش کر چکے' ایک حضرت عمرؓ کی وہ پیشن گوئی جس میں آپ نے قسم کھا کر اور دہرا دہرا کر یہ فرمایا تھا کہ اگر عثمانؓ خلیفہ بن گئے تو یہ اپنے خاندان والوں کو لوگوں کی

گردنوں پر مسلط کردیں گے' دوسری وہ روایت جو ہم نے "مسند امام احمد" سے پیش کی۔

ثانی الذکر کے لئے تمام کتبِ تاریخ کا اتفاق کافی شافی ہے۔

ثالث الذکر کے لئے ایک بنیاد حضرت عمرؓ کی مذکورہ پیشین گوئی میں ہی موجود ہے' آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عثمانؓ کے خاندان والے لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہونے کے بعد خدا کی نافرمانی کریں گے' اور نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ عثمانؓ پر چڑھ دوڑیں گے' دوسری بنیاد ولید کی شراب نوشی کا واقعہ ہے جو تاریخوں میں اس حد تک داخل مسلمات ہے کہ شراب نوشی کی حد جاری ہوئی' صحیح "مسلم تک" میں اس کا ذکر موجود ہے' رابع الذکر اور خامس الذکر امور بھی اپنی بنیاد کی حد تک قوی اور غیر مختلف فیہ روایات سے ثابت ہیں' ایسی ایک بھی کتابِ تاریخ نہیں دکھائی جا سکتی جس میں حضرت عثمانؓ کے مفصل حالات بیان کئے گئے ہوں اور یہ تسلیم نہ کیا گیا ہو کہ حضرت عثمانؓ پر اقرباء پروری کے سلسلہ میں اعتراضات کئے گئے' بحث اس سے نہیں ہے کہ اعتراضات صحیح تھے یا غلط' بلا شبہ بہت سے اعتراض غلط اور بعض مبالغہ آمیز تھے' لیکن اس سے اس تلخ حقیقت کی نفی تو نہیں ہوتی کہ بدگمانیاں پھیلیں' اعتراضات اٹھے اور فتنہ شعلوں کی طرح لپکا' حاصل کلام یہ کہ مذکورہ پانچوں امور کی مضبوط بنیادیں بلا ریب موجود ہیں۔

اب دیکھئے کہ ان پانچوں امور کو اپنے اندر سمونے والی "قدر مشترک" کن کن مورخین اور علماء کے یہاں پائی جا رہی ہے' سب کا ذکر مقصود نہیں' اس کی ضرورت بھی نہیں' "تواتر" کے لئے عددِ کثیر کافی ہے' ان کے نام یہ ہیں: ابن سعدؒ' ابن جریرؒ' ابن عساکرؒ' ابن اثیرؒ' ابن کثیرؒ' ابن عبدالبرؒ' ابن خلدونؒ' بلاذریؒ' ابن حجرؒ' ذہبیؒ' محب الطبریؒ' امام ماوردیؒ' واقدیؒ اور نہ جانے کون کون' اور پھر متاخرین میں ایک جم غفیر ہے جس نے حضرت عثمانؓ کے حالات بیان کرنے میں اس قدر مشترک کو محفوظ رکھا ہے' ورق الٹ کر قاعدہ نمبر ۱۱ پر نظر ڈال لیجئے'

موٹی سی بات ہے کہ اگر مثلاً مروان کے یوم پیدائش کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ کب پیدا ہوا تو ہر محقق زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ اپنی تحقیق کے مطابق جس روایت کو درست سمجھے اسے لے کر باقی کو رد کر دے' لیکن وہ یہ تو نہیں کر سکتا کہ مروان کی پیدائش ہی کا انکار کر دے' مروان کا پیدا ہونا جملہ روایات میں قدرِ مشترک ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔

یا مثلاً ظہور "دجال" کی روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تفصیلات ایک دوسرے سے متعارض ہیں' کسی روایت میں ہے کہ وہ "اصفہان" سے اٹھے گا' کسی میں "خراسان" کا نام ہے' کسی میں ایک بات ہے تو کسی میں دوسری' اس تعارض کے سلسلے میں دو ہی طرزِ عمل ممکن ہیں' یا تو ہم تطابق کی کوشش کریں' یا پھر ان تفصیلاتِ مختلفہ کو جوں کا توں غیر فیصل رہنے دیں' مگر ہم یہ نہیں کر سکتے کہ "ظہورِ دجال" ہی کا سرے سے انکار کر دیں' یہ ظہور تو ان سب روایات میں "قدرِ مشترک" ہے' اسے کیسے رد کیا جاسکتا ہے۔

اسناد کی بحث :

جہاں تک اسناد کی عمدگی اور راویوں کی ثقاہت کا تعلق ہے تو ہم کہیں گے کہ اول تو یہ دعویٰ کہ ان روایات کی تمام سندیں ضعیف ہیں' صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو تمام موجود سندوں کو ایک ایک کر کے اصولِ فن کی کسوٹی پر جانچے اور ثابت کر کے دکھلا دے کہ کوئی بھی سند قوی نہیں ہے' میاں صاحب اگر صرف "طبری" یا "واقدی" یا "ابن کثیر" میں سے کسی ایک کی کوئی روایت لے کر اس کی سند کا ضعف ثابت کر دیتے ہیں (حالانکہ وہ ثابت نہیں کر سکے ہیں) تو یہ ایک کارِ لایعنی ہوگا کیوں کہ بے شمار اور سندوں کا ضعیف ہونا اس سے لازم نہیں آتا' اگر ان بے شمار سندوں میں چند بھی قوی ہوں تو باقی سندوں کا ضعف کچھ بھی مضر نہ ہوگا۔

مثلاً ابھی آپ حدیث من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعده من النار کا

ذکر سن چکے' یہ تقریباً سو سندوں سے مروی ہے' بلکہ اگر امام نوویؒ کے قلم کی چوک نہ سمجھی جائے تو وہ شرح مسلم میں دو سو کا عدد (مأ تیین) استعمال فرماتے ہیں' لیکن حافظ سخاویؒ نے جانچ پڑتال کے بعد دعویٰ کیا کہ ان میں مقبول اور مردود دونوں ہی طرح کی سندیں ہیں' مقبول صرف ۳۱ ہیں' باقی سب گڑبڑ ہیں۔ کوئی منقطع' کوئی ساقط' کوئی ضعیف۔

اسی طرح احادیث ختم نبوت کا معاملہ ہے' بعض اہلِ علم نے ان کی سندیں جمع کیں' تو گنتی ڈیڑھ سو تک پہنچی' مگر ان میں بھی کثرت ضعیف ہی اسناد کی ہے' لیکن کوئی بتائے کہ ضعیف و ساقط اسناد سے نفسِ روایت کی صحت اور قطعیت میں کیا فرق واقع ہوا...... ؟۔

دوسرے یہ قاعدہ عقل و نقل دونوں رخ سے ثابت کیا جاچکا کہ طرق کا تعدد اور اسناد کی گوناگونی ضعف کو قوت سے بدل دیتی ہے' ایسی قوت جسے احکام و عقائد تک کی صورت گری میں استعمال کیا جاسکتا ہے' تیسرے یہ بھی ثابت کیا جاچکا ہے کہ تاریخ و سیر اور مغازی و اخبار میں رد و قبول کا معیار وہ ہرگز نہیں ہے جو احکام و عقائد کی روایات میں ہے۔

چوتھے یہ نکتہ سمجھ لینے کا ہے کہ جب حافظ ابنِ صلاحؒ نے یہ فرمایا کہ "تواتر" کی جو تعریف بعض لوگ کرتے ہیں اس کی رو سے تو "احادیثِ متواترہ" تقریباً ناپید ہیں بہ مشکل تمام فقط ایک من کذب علی والی حدیث متواتر کہی جا سکتی ہے' باقی کوئی نہیں' تو اس کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ نہیں یہ بات نہیں بلکہ متواتر حدیثیں بہت ہیں جنہیں متواتر اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ :

> ان الکتب المشھورۃ المتداولہ بایدی اھل العلم شرقاً و غرباً المقطوعۃ عندھم بصحۃ نسبتھا الی مصنفیھا اذا اجتمعت علیٰ اخراج حدیث و تعددت طرقہ تعدداً تحیل العادۃ تواطوھم علی الکذب۔

مشہور و متداول کتابیں جو شرق و غرب کے اہلِ علم کے ہاتھوں میں ہیں ان کا انتساب ان کے مصنفین کی طرف اہلِ علم کے نزدیک امرِ یقینی ہے' جب یہ مصنفین کسی روایت کی تخریج پر جمع ہو گئے اور ان کی متعدد سندیں سامنے آگئیں تو یہ بات عادتاً محال ہو گئی کہ وہ جھوٹ پر باہم متفق ہو جائیں۔ (نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ص ۱۳۔ فتح الملہم ج ۱ ص ۵)

دیکھا آپ نے' یہ شرط نہیں ہے کہ سندوں کے ضعف و قوت کی جانچ کی جائے' راویوں کا ثقہ اور غیر ثقہ ہونا دیکھا جائے' بس اتنا کافی ہے کہ قابل اعتماد مصنفین اتنی بڑی تعداد میں ایک بات کہہ رہے ہیں کہ ان کا جھوٹ اور غلط گوئی پر اتفاق عادتاً ناممکن ہے' قابل تحقیق جو کچھ ہو سکتا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کتابیں واقعتاً ان مصنفین کی ہیں یا نہیں' اگر تحقیق ہو گئی کہ انھیں کی ہیں تو اب وہ امور "متواتر" کے درجے میں سمجھے جائیں گے جو ان میں متفق علیہ طور پر بیان ہوئے ہیں۔

اس کے بعد حافظ صاحبؒ کہتے ہیں:

افاد العلم الیقینی بصحۃ نسبتہ الیٰ قائلہ ومثل ذلک فی الکتب المشہورۃ کثیر۔

یہ روایت علم یقینی کا فائدہ دے گی کیوں کہ اس کی نسبت اس کے قائل کی طرف یقینی ہے اور اس کی مثالیں کتب مشہورہ میں بہت ہیں۔

مثالیں حافظ صاحب نے نہیں دیں' لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ مسح علی الخفین اور غسل الرجلین اور حدیث الشفاعۃ والحوض اور حدیث شق القمر اور حدیث الائمۃ من قریش وغیرہ اسی کی نظیریں ہیں' ان کا "تواتر معنوی" اس خاص تعریف کے تحت نہیں ہے جس پر "ابن صلاح" نے متذکرہ بالا بات کہی تھی' بلکہ اسی ابن حجرؒ والے قاعدے کے تحت ہے۔

ٹھیک اسی طرح وہ تمام امور "متواتر" مانے جائیں گے' جو حضرت عثمانؓ کے احوال و واقعات بیان کرنے والی مشہور اور متداول کتابوں کی روایات میں قدرِ مشترک کی حیثیت سے موجود ہیں' کیا یہ بات یقینی نہیں ہے کہ الطبقات الکبریٰ ابن سعدؒ کی ہے' طبری ابن جریرؒ کی ہے' الکامل ابن اثیرؒ کی ہے الاستیعاب لابن عبدالبرؒ کی ہے' البدایہ والنہایہ ابن کثیرؒ کی ہے' انساب الاشراف بلاذری کی ہے۔ وغیر ذلک۔

اور کیا یہ طے نہیں ہے کہ یہ سب کے سب جھوٹ پر متفق نہیں ہو سکتے' پھر اس کے سوا کیا نتیجہ نکلا کہ ان کتابوں کی روایات میں صرف وہی اجزاء محلِ اختلاف بن سکیں گے' جن پر سب مصنفین متفق نہیں ہیں' لیکن جن اجزاء میں یہ متفق اور ہم آواز ہیں ان میں اختلاف یا ان سے انکار کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا کیوں کہ "تواتر معنوی" کا انکار مسلمہ طور پر گمراہی اور حماقت و جہالت ہے۔

اسی حقیقتِ علمی کو ملا علی قاری حنفیؒ کے الفاظ میں سنئے :

التحقیق ان الاحالة العادة تواطئهم علی الکذب فی المتواتر قدیکون من حیثیة الکثرت من غیر الملاحظة الوصفیة (فتح الملهم ج ۱ ص ۵ و ظفر الامانی ص ۹)

تحقیقی بات یہ ہے کہ کبھی جھوٹ پر متفق ہونے کا محالِ عادی ہونا باعتبار کثرت کے بھی ہوتا ہے' ایسی کثرت جس میں وصفیت کو نہیں دیکھا جاتا۔

یعنی راوی ثقہ ہے یا ضعیف' مجہول ہے یا معروف اس طرح کی وصفی بحثوں میں پڑے بغیر بھی وہ امور متواتر المعنیٰ تسلیم ہو جاتے ہیں جنہیں ثقہ اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے' اور وہ باہم دِگر ان میں متحد البیان ہیں۔

اور اسی بات کو صاحب "فتح الملہم" کے الفاظ میں سنئے :

فالمتواتر قدیفید العلم بمحض کثرة رواته و ناقلیه (ج

۱ ص ۵)۔ پس متواتر کبھی محض اس طرح بھی علم یقینی(۱)
کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کے راوی اور ناقل کثیر ہیں۔

پانچویں یہاں ایک اور تفصیل بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے' یہ کہ بے شمار باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے لئے اگرچہ محدثین کے قاعدے کے مطابق قوی و متصل اسناد نہیں ہوتیں مگر وہ شہرت عام یا بعض اور وجوہ سے درجہ تواتر میں آجاتی ہیں' مثلاً قرآن میں آپ نے دیکھا' "اصحاب فیل" کے واقعے یا "قوم عاد" کی ہلاکت یا بہت سی اور اقوام کی تباہی کو اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے زمانے کے دوسرے لوگوں کے لئے مثل چشم دید کے قرار دیا' الم تر کیف؟ حالانکہ دیکھ لیجئے ان واقعات ماضیہ کے بارے میں کسی کے پاس اس طرح کی ایک بھی سند نہیں تھی جسے محدثین کے قواعد سے سند صحیح کہا جا سکے' صحیح تو دور کی بات ہے غیر صحیح اسناد کا بھی وجود نہیں تھا۔

اپنے ہی زمانے کی مثالیں لے لیجئے' گاندھی اور کینیڈی گولی سے مارے گئے' یا ہٹلر ایک سفاک انسان تھا' یا آخری جنگ عظیم میں جاپان نے پرل ہاربر پر اچانک بمباری کی' یا مولانا آزاد فلاں قسم کی بہترین چائے پیتے تھے' ان یقینی و متواتر خبروں میں سے کیا ایک کو بھی آپ یا میں ایسی سند سے ثابت کر سکتے ہیں جو محدثین کے قواعد سے "سند صحیح" ہو؟...... ناممکن ہے' سندِ صحیح کا سوال تو اس وقت ہوتا ہے جب سند کے ہر ہر راوی کا قابل اعتبار ہونا مستند ذرائع سے منقح ہو چکا ہو' اگر مر مار کے ہم کسی سند کا سلسلہ اس خاص آدمی تک پہنچا بھی دیں' جس نے گاندھی جی یا کینیڈی کو قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا' تو یہ پھر بھی ناممکن ہے کہ درمیان کے ہر ہر راوی کا ثقہ ہونا ثابت کیا جا سکے۔

اور تو اور میاں صاحب تو ایک سند صحیح اس بات کی بھی نہیں لا سکتے کہ بابر یا ہمایوں یا اکبر یا جہانگیر نامی کوئی بادشاہ "ہندوستان" میں حکومت کر چکا ہے' انہیں

(۱) بحث ہی علم یقینی کی چل رہی ہے جو تواتر سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس فقرے میں لفظ "علم" یقینی علم ہی کے مفہوم میں ہے۔

لازماً ایسی کتابوں کا سہارا لینا پڑے گا جن کے مصنفین کے متعلق وہ ہر گز ثابت نہیں کر سکیں گے کہ جھوٹ بولنا ان کے لئے محال تھا' فقط اسی بنیاد پر ان بادشاہوں کا وجود ایک امر واقعہ مانا جاسکتا ہے کہ کثیر مصنفین...... چاہے وہ اپنی اپنی جگہ ثقہ اور متقی نہ ہوں ایسا جھوٹ نہیں بول سکتے کہ جن ہستیوں کا وجود ہی نہ ہو ان کی داستانیں لکھتے چلے جائیں۔

دیکھ لیجئے یہاں کسی نے یہ بھی پروانہ کی کہ ہر مورخ بجائے خود کتنا صالح اور دیانت دار ہے' کافر ہے یا مسلمان' شرابی ہے یا افیمی' فہیم ہے یا غبی' بس چونکہ عادتاً ایسا ہونا محال ہے کہ کثیر لوگ سفید جھوٹ پر متفق ہو جائیں' اس لئے اسناد اور رواۃ کے محدثانہ قواعد کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے مان لیا گیا کہ بابر اور ہمایوں وغیرہ سچ مچ بادشاہ گذرے ہیں۔

اور ہم جن جلیل القدر مورخین کے نام لے آئے ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ ایک ایک کے علم و فضل' زہد و ورع' حفظ و اتقان' دیانت و راست بازی اور دینداری کی قوی شہادتیں دستاویزی شکل میں موجود ہیں' پھر کتنی بڑی جسارت' کیسی بے مثال حماقت اور کس قدر شاندار ہٹ دھرمی ہو گی' اگر ان واقعات واخبار کے لئے بھی جو ان تمام بزرگوں کی بیان کردہ روایات میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہیں' اسناد کی چنیں چناں اور رواۃ کی این و آں میں پڑا جائے' ہم میاں صاحب کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اگر مجرد کتابوں اور مصنفوں پر اعتماد کے قائل نہیں تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آج جو قرآن امت کے پاس موجود ہے وہ لفظ بہ لفظ اصلی ہے ایک ہی...... جی ہاں ایک ہی ایسی سند لے آئیں جو محدثین کے قاعدے سے "سند صحیح" ہو' اگر لا سکیں تو ہم ہزار آدمیوں کے روبرو ان کے قدم دھو کر پئیں گے۔

اہلِ علم جانتے ہیں...... اور عام قارئین نے بھی سنا ہو گا "کہ مسواک" کرنا اس درجے کی سنت ہے کہ جو شخص اس کے مسنون ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

کیوں آخر...... ؟۔اس کی روایت تو سند کے اعتبار سے ہرگز ہرگز حدیث متواتر نہیں ہے' کوئی ایک بھی محدث اور امام فن ایسا نہیں ہے جس نے بہ قواعد سند اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہو' اور کفر صرف حدیث متواتر کے انکار سے لازم آتا ہے' کسی بھی اور حدیث کا انکار علمائے محققین کے نزدیک کفر نہیں ہے تو کس لئے اسے تواتر کے درجے میں رکھ کر اس کے انکار کو کفر کا مرادف قرار دیا گیا؟۔

اس لئے کہ سند میں فنی تواتر اگرچہ نہیں' مگر مسواک کو سنت سمجھ کر اس پر عمل کرنا عہد رسالت سے آج تک ہر دور اور ہر قرن میں بے شمار ایسے اہل ایمان اور علمائے حق کا عمل رہا ہے جن کے بارے میں یہ گمان کر لینا کہ وہ جھوٹ پر اتفاق کر سکتے ہیں عادتاً محالات میں سے ہے' اس لئے اس قبول عام نے اسے "درجہ تواتر" دے دیا اور اس کا انکار کفر قرار پایا۔

فخر الاسلام بزدوی حنفیؒ فرماتے ہیں :

المشہور ما کان الاحاد فی الاصل ثم انتشر فصار ینقله قوم لایتوہم تواطئہم علی الکذب وہم القرن الثانی ومن بعدہم واولٰئك قوم ثقاۃ ائمة لایتہمون فصار بشہادتہم وتصدیقہم بمنزلة المتواتر حجة من حجج اللّٰه .حتیٰ قال الجصاص انه احد قسمی المتواتر۔ (کشف الاسرار شرح اصول البزدوی جلد ۲ صفحہ ۳۶۸)

حدیث مشہور جو اصلاً "خبر واحد" ہو (متواتر نہ ہو) پھر وہ پھیل جائے' پس اسے اتنے لوگ نقل کریں کہ ان کے جھوٹ پر متفق ہو جانے کا وہم نہ کیا جا سکے' اور وہ متصل زمانے کے بھی ہوں' اور ان کے بعد کے بھی' اور وہ ایسے مستند اور ممتاز بھی ہوں کہ ان پر اتہام نہ لگایا گیا ہو' تو ان کی شہادت

اور تصدیق کی بنا پر "خبر واحد" حدیث "متواتر" کے مرتبے میں آجائے گی' جو اللہ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے' یہاں تک کہ جصاص (ابوبکر جصاص حنفی صاحب "احکام القرآن") کہتے ہیں کہ یہ بھی "متواتر" کی اقسام میں سے ایک ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

ان الخبر الذی تلقته الامة بالقبول تصدیقاً له او عملاً بموجبه یفید العلم عندجما هیر السلف والخلف وهذا فی معنی المتواتر (فتح الملهم ص۷ ج ۱)

جس خبر کو امت (سواد اعظم) بایں طور قبول کر لے کہ زبان سے اس کی تصدیق کرے' یا اگر اس میں کسی عمل کی تلقین ہے تو اس پر عمل کرے' تو یہ خبر علم یقینی کا فائدہ دے گی' تمام اگلے پچھلے علماء کے نزدیک اور یہ "متواتر" کے معنی میں ہے۔

فخر الاسلام نے جو وھم القرن الثانی کے الفاظ فرمائے تھے' ان کا بھی مصداق دیکھ لیجئے کہ معاملہ چونکہ حضرت عثمانؓ کا ہے اس لئے قرنِ ثانی تابعین کا دور کہلائے گا' امام زہریؒ اسی دور کے ہیں جن کی روایت آپ ملاحظہ فرما چکے' وہ امام بخاریؒ کے شیخ الشیوخ ہیں' ۵۰ھ میں پیدا ہوئے' یعنی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے صرف ۱۵ سال بعد' نہ جانے کتنے صحابہؓ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔

پھر ان کے دو مشہور ترین شاگردوں نے تاریخ کے سلسلة الذھب کو نہایت سلیقے سے آگے بڑھایا' موسیٰ بن عقبہؒ اور محمد بن اسحٰقؒ' زمانہ کی دستبرد سے موسیٰ بن عقبہؒ کی کتاب اگرچہ نہ بچی' لیکن مدتوں تک علم و خبر کا مصدر بنی رہی' اور مغازی و سیر کی اکثر قدیم کتابوں میں اس کے حوالے ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں۔

قاضی ابو یوسفؒ :

یہاں ہم خیر القرون کے عہد ثالث کی ایک ایسی جلیل القدر ہستی کا ذکر بھی

کریں گے' جو حدیث' فقہ اور اسلامی معاشیات کی ایسی جامع ہے کہ کم لوگ اس صف کے ملیں گے' یہ ہیں امام ابو حنیفہؒ کے وہ شاگرد رشید ابو یوسفؒ جنہوں نے ۲۹ سال امام صاحب کا دامنِ فیض اس طرح پکڑے رکھا کہ صبح کی نماز ہمیشہ ان کے ساتھ پڑھی' یہ حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ کے فتاویٰ کے شاید سب سے بڑے امین تھے' ابن جوزی جیسا سخت گیر اور کف در دہاں ناقد انہیں امت کے بے مثال حفاظ (قوت حفظ رکھنے والوں) میں شمار کرتا ہے' یہ ایسے بزرگ ہیں کہ ہم بیس ورق بھی لکھیں تو ان کے مقام بلند کا پورا تعارف نہ ہو' از راہِ اختصار حافظ ذہبیؒ کی تصریحات پر اکتفا کرتے ہیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی ان کا ترجمہ اس عنوان سے لکھتے ہیں :

"قاضی ابویوسف الامام العلامۃ"

پھر وہ بتاتے ہیں کہ تمام مسلمان ان کی ذات والا صفات پر مجتمع تھے' یحییٰ بن معین جیسا "دیر آشنا" امام فن کہتا ہے کہ اصحاب الرای(۱) میں قاضی ابو یوسفؒ سے بڑھ کر حدیثوں کا سرمایہ دار اور قوی و ثقہ آدمی کوئی نہیں ہے' عباس نے ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسفؒ صاحب حدیث اور صاحب سنت تھے' امام احمدؒ نے فرمایا کہ ابو یوسفؒ حدیث کے باب میں انصاف پسند تھے۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد اول۔ صفحہ ۲۶۷)

حافظ ذہبیؒ کا یہ ترجمہ اگرچہ ابو یوسفؒ کی بلند مقامی کے مقابلے میں کافی تشنہ ہے کیونکہ اس میں ان کی خداداد فقاہت اور بعض اور اوصافِ نادرہ کا ذکر نہیں ہے لیکن ضروری تعارف کے لئے کافی ہے۔

بہر حال انِ قاضی ابو یوسفؒ کی ایک مختصر کتاب ہے "کتاب الخراج" یہ خلیفہ ہارون رشید کی خواہش پر تصنیف کی گئی تھی' ہم بچارے تو خیر کیا جانیں

(۱) امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے لیے ابتدا ءً یہ لقب تحقیر ہی کے لئے ایجاد کیا گیا تھا۔ مگر پھر یہ ان کا مابہ الامتیاز بن گیا' اہل علم اسے تنقیص کے طور پر نہیں بلکہ نشان فقاہت کے طور پر استعمال کرنے لگے' یہ الگ بات ہے کہ بعد کی امت میں اطفالِ مکتب قسم کے "علامہ" پھر اسے تنقیص ہی کے لیے استعمال کر لیتے ہوں۔

بزرگوں سے سنا ہے کہ اپنے موضوع پر دنیا میں یہ لاجواب ہے' مطالعہ کی سعادت ہمیں بھی نصیب ہوئی ہے' اس خامہ فرسائی کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ماہ گذشتہ حصہ اوّل کے صفحہ ۱۲۰ پر ہم نے "طحاوی" جلد دوم سے محمد بن علیؒ کا قول نقل کیا تھا' پھر ص ۱۲۱ پر یہ دکھلایا تھا کہ امام ابن الہمامؒ نے "فتح القدیر" (شرح ہدایہ) میں بھی اس قول کو لیا ہے' اب سنیئے کہ قاضی ابو یوسفؒ بھی "کتاب الخراج" میں اس کا ذکر فرماتے ہیں' کرہ ان یخالف ابا بکروعمر رضی اللّٰہ عنہما (حضرت علیؓ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ خمس وغیرہ کے معاملات میں ابو بکرؓ و عمرؓ کی راہ سے الگ کوئی راہ چلیں) اب دیکھ لیجئے یہ خود علیؓ کے بیٹے کا قول ہے اور ابو یوسفؒ جیسے فقیہ ومحدث نے اسے شاملِ بحث کیا ہے' جو زمانہ علیؓ سے بہت قریب ہیں (پیدائش ۹۳ھ۔وفات ۱۸۲ھ) اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ جس امرِ واقعہ کا "تواتر" ہم ثابت کر رہے ہیں اس کی بنیاد بہت مضبوط ہے' مالی معاملات میں حضرت عثمانؓ کی روش کا شیخین کی روش سے مختلف ہونا یومِ اوّل سے مسلمات میں داخل ہے۔

غیر منقطع سلسلہ ء تاریخ :

قاضی ابو یوسفؒ کے ذکر مبارک کے بعد ہم پھر امام زہریؒ کی طرف لوٹتے ہیں' وہ تابعی ہیں اس لئے ان کے اور حضرت عثمانؓ کے زمانوں میں کوئی قرن حائل نہیں' ان کے دونوں مشہور شاگرد موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاقؒ بھی تابعی ہیں' اول الذکر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے' اور ثانی الذکر حضرت انسؓ کے' مغازی میں محمد بن اسحاقؒ کا حال یہ ہے کہ لقب ہی "امام فنِ مغازی" پڑ گیا ہے' اردو کے بعض بلند پایہ مصنفین نے ان کے تذکرے میں تحریر فرمایا ہے کہ محدثین مغازی وسیَر میں انکی روایات کو قابل استناد سمجھتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "امام مالکؒ ان کے سخت مخالف

ہیں" اس سے مغالطہ پیدا ہوتا ہے' اگر امام مالکؒ کی مخالفت کی نوعیت کا سراغ لگالیا جاتا تو بات کسی اور ڈھنگ سے لکھی جاتی' واقعہ یہ ہے کہ یہ مخالفت ذاتی نوع کی تھی اور اسی کے تحت امام مالکؒ غضبناک ہو کر بولے تھے' کہ محمد بن اسحاق یہودی نومسلموں سے غزدات النبی ﷺ کے قصے نقل کرتا ہے' وہ سنجیدگی اور تحمل کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں دے رہے تھے۔

ابن سید الناس نے اپنی کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر کے مقدمہ میں (جلد اول ص ۱۰ تا ۱۸) ابن حبان کی کتاب "الثقات" سے امام مالک اور محمد بن اسحاق کی لڑائی کا مفصل قصہ نقل کیا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لم يقدح فيه مالك من اجل الحديث (امام مالکؒ جو برا بھلا محمد بن اسحاق کو کہتے تھے' اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ حدیث کی روایت میں ناقابلِ اعتبار ہیں) بعد میں ان کا جھگڑا ختم بھی ہو گیا تھا۔ رحم الله عليهما۔

امام لکھنویؒ "الرفع والتکمیل" ایقاظ ۲۵ میں لکھتے ہیں :

لم يقبل قول امام مالك فى محمد بن اسحاق صاحب "المغازى" انماد جال من الدجاجلة لما علم انه صدر من منافرةٍ باهرة بل حقّقوا انه حسن الحديث واحتجت به ائمة الحديث (محمد بن اسحاق صاحب المغازی کے بارے' میں امام مالکؒ کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ "وہ دجالوں میں کا ایک دجال ہے" کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بات کھلی منافرت کی رد میں زبان سے نکلی تھی' صحیح یہ ہے کہ اہلِ فن کے نزدیک محقق ہو چکا ہے کہ حدیث کے معاملے میں ابن اسحاق عمدہ تھے' اور ائمہ حدیث ان سے استدلال پکڑتے ہیں)

پھر امام لکھنویؒ نے اپنی کتاب "امام الكلام فيما يتعلق بالقراءة خلف الامام" میں تقریباً دس صفحے پر (۱۹۲ سے ۲۰۱ تک) محمد بن اسحاق کا دفاع کیا ہے' انھیں ثقہ ثابت فرمایا ہے۔

الامام الکوثریؒ نے حافظ ابو بکر الحازمی کی کتاب "شروط الائمة الخمسة"

کی تعلیق میں (صفحہ ۲۹ پر) ذکر کیا ہے کہ ابن سید الناس نے اپنی کتاب "عیون الاثر" میں بہت سے لوگوں کی طرف سے محمد بن اسحاق کی توثیق نقل کی ہے، اور بدر الدین عینی نے اپنی شرح "بخاری" میں انھیں ثقہ قرار دیا ہے، قاضی ابو بکر ابن العربیؒ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں ان کی تعریف کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ محمد بن اسحاقؒ ثقہ حضرات میں ہیں، حافظ ذہبیؒ نے اگر یہ لکھا کہ وہ یہود ونصاریٰ سے روایت کرتے تھے، یا ابن حبانؒ نے بعض محدثین کی طرف سے یہی اعتراض نقل کیا، تو اس سے ان کی ثقاہت ہرگز مجروح نہیں ہوتی، اوّل تو یوں کہ وہ روایات ایک محدود دائرے کی ہیں جو یہود ونصاریٰ سے لی گئی ہیں، کوئی ثقہ ذریعہ ان روایات تک رسائی کا نہ تھا، ابن اسحاقؒ نے انھیں صرف اضافہ معلومات کے لئے لیا، ان سے حجت نہیں پکڑی (جیسا کہ محققین نے کہا ہے)

دوسرے یوں کہ آخر یہ کیسے فیصلہ کر لیا گیا کہ ہر یہودی یا نصرانی نو مسلم لازماً جھوٹ ہی بولے گا، بہتیرے معاملات ہیں جن میں قبول شہادۃ کے لئے زہد وتقویٰ کی شرط نہیں، فسق تو در کنار کفر تک قبول شہادت میں مانع نہیں ہوتا، "خیبر" وغیرہ کے قصے احکام سے متعلق نہیں، ان میں جو جزئیات فقہاء کے کام کی پائی جاتی ہیں وہ ابن اسحاقؒ سے بھی اور دیگر محدثین سے بھی مضبوط اسناد کے ساتھ مروی ہیں، لہٰذا مجرد ان تفصیلات میں جو احکام کا مبنیٰ نہیں ہیں یہودی یا نصرانی نو مسلموں کے بیانات سے تاریخی معلومات میں اضافہ کرنا جرم کیا ہوا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی "جزء القراۃ" (۱) میں بھی ابن اسحاق کی روایات موجود ہیں۔

عروہ بن زبیر، شعبی، وہب بن منبہ، عاصم بن عمر بن قتادہ، یہ سب تابعین ہیں، جنھوں نے تاریخ وسیرت پر کام کیا ہے اور ان کے متصل بعد تبع تابعین کے دور میں عبد الملک بن محمدؒ، علی بن مجاہدؒ، عبد اللہ بن جعفرؒ، مسلمہ بن الفضلؒ وغیرہ اسی

(۱) جس طرح مسند، معجم، مصنف کتب حدیث کی قسمیں ہیں اسی طرح "جزء" بھی ایک قسم ہے۔ جزء اسے کہتے ہیں کہ ایک ہی مسئلے پر احادیث جمع کی جائیں۔

زنجیر کی کڑیاں ہیں، پھر عبدالملک ابن ہشام، علی بن محمد المدائنی، محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ، ابراہیم بن اسحاقؒ اور ابوبکر احمد بن ابی خیثمہؒ وغیرہ نے بلا انقطاع سلسلہء تاریخ نگاری جاری رکھا، ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ "تواترِ معنوی" کا انحصار جس تسلسل پر ہے وہ قرونِ مشہود لہابالخیر میں مکمل طور پر موجود ہے، اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ان مورخینِ قدیم میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عثمانؓ کے ذکر وبیان میں اس "قدر مشترک" کی نفی نہیں کی جس کا "تواتر" یہاں ہمارا موضوع کلام ہے، پھر ابن سعدؒ، ابن جریر طبریؒ، ابن عبدالبرؒ اور ابن اثیرؒ جیسے لوگ آئے اور ذہبیؒ اور ابن حجرؒ اور سیوطیؒ تک اس زنجیر میں مسلسل کڑیاں پڑتی چلی گئیں، پھر بے شمار متاخر علماء و مورخین کا ایک جمِ غفیر ہے جس کا اختتام شاہ ولی اللہؒ پھر ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیزؒ اور پھر بالکل آخر میں خاتم المحدثین انور شاہ کاشمیریؒ استاذ "دارالعلوم دیوبند" پر ہوتا ہے۔

ان بے شمار قدیم و جدید علماء و مورخین نے حضرت عثمانؓ کے واقعات میں جن روایات کو تلقی بالقبول (۱) سے نوازا ہے ان سب کی قدرِ مشترک بھی اگر اختلاف و انکار کی متحمل ہو سکتی ہو، تو ہم نہیں جانتے کہ پھر دنیا میں کونسی صداقت ہے جس کا بر ملا انکار ممکن نہ ہو، اور کونسا طریق ثبوت ہے جسے آسمان سے اتار کر لایا جائے، محض ظن اور قیاس کی قطعیت کا تو تنوعِ انسانی میں یہ حال ہے کہ ہر آدمی بلا تکلف ایک شخص کو اپنا باپ مان لیتا ہے، حالانکہ اس کے پاس سوائے حسن ظن اور قیاس کے کوئی دلیل قطعی نہیں، جب اتنے اہم معاملے میں قیاس و ظن کے محور پر زندگی کا پہیہ گھومتا ہے تو آخر یہ صورتِ حال علم قطعی کا فائدہ کیوں نہ دے گی کہ بے شمار جلیل القدر اور معلوم الثقاہت مورخین و مصنفین فروعی اختلاف کے باوجود اس نکتے پر متفق ہو گئے ہیں کہ حضرت عثمانؓ میں "اقرباء" کی محبت غیر معمولی تھی، انھوں نے کبار صحابہ کی موجودگی میں صغار اقرباء کو

(۱) یعنی درست مان کر اپنی تصانیف میں نقل کر دیا ہے۔

عہدے دیئے 'انھوں نے "بیت المال" کے بارے میں وہ فراخدلانہ روش اختیار کی جو اگرچہ خیانت پر مبنی ہرگز نہیں تھی 'مگر ابو بکرؓ و عمرؓ کے رویّے سے مختلف تھی 'اور لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا 'ان میں بدگمانیاں پھیلیں 'اور پھر حضرت عثمانؓ کے بعض رشتہ دار عاملوں کی غلط حرکات نے آگ پر تیل کا کام کر کے فتنہ و شر کو وہاں تک پہنچادیا جہاں ایک پاکباز و دیانتدار خلیفہ شقاوت کیساتھ شہید کر دیا جاتا ہے 'جہاں "خلافتِ راشدہ" ایک ایسی سمت موڑ دی جاتی ہے جو اپنی فطرت میں بادشاہت اور ملوکیت کی سمت ہے 'جہاں حضرت علیؓ جیسے شجاع 'ذکی 'متقی اور صاحبِ فراست کیلئے مشکلات اور پیچیدگیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں 'اور جہاں 'خلافتِ راشدہ کی ناؤ آخر کار خون کے دریا میں غوطے لگا کر تہہ میں جا بیٹھتی ہے۔

ہمیں بتایئے ! اگر یہ "تواترِ معنوی" نہیں ہے تو تواترِ معنوی دنیا کے کس کونے میں پایا جاتا ہے 'فقہاء تو کہتے ہیں کہ الثابت بالبرھان کالثابت بالعیان (دلائل سے جو چیز ثابت ہو جائے وہ ایسی ہی ہے جیسی آنکھوں دیکھی) اور آپ دیکھتے ہی ہیں کہ خدا آنکھوں سے نظر نہیں آتا مگر اس کا وجود ہر مشاہد چیز سے بھی زیادہ قطعی و یقینی ہے۔

شاہ معین الدین کی تاریخ اسلام :

بے محل نہ ہوگا اگر مولانا شاہ معین الدین ندوی کی تاریخ اسلام سے بھی استفادہ کر لیا جائے 'یہ "دارالمصنفین" کی مطبوعات میں سے ہے 'حصہ اوّل ہمارے سامنے ہے 'چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :

> "حضرت عثمانؓ بڑے نرم خو 'اور کنبہ پرور تھے 'اپنی جیب خاص سے بنی امیّہ کی بڑی مدد کرتے تھے 'اسی کنبہ پروری میں اپنے بہت سے عزیزوں کو جن میں حکومت کی اہلیت نہ تھی 'یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا حکومت کے ذمّہ دار عہدوں پر

ممتاز کر دیا تھا' ان کی بد عنوانیوں پر لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع مل گیا۔" (۲۵۹)

"اپنی فطری نرمی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ معمولی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے' اسی لئے نا تجربہ کار "اموی عمال" کی "بے عنوانیاں" بڑھتی گئیں اور حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا۔" (ص ")

"حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جب نظامِ خلافت میں وہ استواری باقی نہ رہ گئی' اور "اموی عمال" کی بعض "بے عنوانیوں" اور دوسرے مختلف اسباب کی بناء پر جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ' حضرت عثمانؓ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی۔" (ص ۲۶۰)

"بعض بے عنوانیوں میں اپنی فطری نرمی کی بنا پر چشم پوشی بھی کر جاتے تھے' اسلئے مخالفین کو بد نام کرنے کا موقع بہر حال مل جاتا تھا اس لئے بعض مخلص اور خیر خواہِ خلافت مگر سادہ مزاج بزرگوں کے دلوں میں بھی شکوک پیدا ہو گئے۔" (ص ۲۶۲)

"جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے بعض "عثمانی عمال" کی بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہؓ کو بھی ان سے شکایات تھیں۔" (ص ۲۶۵)

فرمائیں میاں صاحب 'کیا شاہ معین الدینؒ بھی بغضِ عثمانؓ اور عداوت بنو امیہ میں مبتلا ہیں۔

ویسے یہ ہم بصد ادب واحترام شاہ موصوف کے بارے میں بھی عرض کریں گے کہ حضرت عثمانؓ کے دفاع میں وہ کہیں کہیں حقیقت پسندی سے کچھ

ہٹ گئے ہیں' اس کے نتیجے میں تضاد پیدا ہو گیا ہے' یہاں تفصیل بے محل ہو گی' صرف ایک بات مفصلاً کہہ دیں' صفحہ ۲۷۴ پر انھوں نے فرمایا ہے :

"مروان کو "طرابلس" کے "مالِ غنیمت" کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا' بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا۔"

اس کے لئے موصوف نے "ابن خلدون" جلد ۲ ص ۱۲۹ کا حوالہ دیا ہے' ذرا سا سہو اس میں یہ ہے کہ یہ بات "ابن خلدون" نے جلد دوم میں نہیں جلد دوم کے "تکملہ" میں کہی ہے' جلد دوم کے صفحات اپنی جگہ مستقل ہیں' کہیں ۱۲۹ پر حضرت عثمانؓ اور مروان وغیرہ کے ذکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہاں "تکملہ" میں بے شک ص ۱۲۹ پر ہی یہ موجود ہے' لیکن ہمیں حیرت ہے کہ موصوف نے یہاں تاریخی صاف بیانی سے کام نہیں لیا' معترضین کا اعتراض مروان کے سلسلے میں یہ نہیں تھا کہ "خمس" اس نے خریدا نہیں' بلکہ یہ تھا کہ جس قیمت میں اس نے خریدا تھا وہ اسے معاف کر دی گئی' اس طرح "خمس" مفت میں اس کا ہو گیا۔ "ابن خلدون" نے اس مقام پر صرف یہی وضاحت کی ہے کہ "خمس" اس نے خریدا تھا' وہ براہِ راست عطیہ نہیں تھا' اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہیں کہا' اس سے نہ تو اعتراض دفع ہوتا ہے اور نہ "ابن خلدون" اس جگہ اصل اعتراض کو دفع کر رہے ہیں' شاہ صاحب سے پوشیدہ نہ ہو گا کہ اس اجمال کی تفصیل یہیں صرف دس صفحہ بعد خود "ابن خلدون" کے الفاظ میں موجود ہے کہ فو ضعھا عنہ (ص ۱۴۰) پس وہ رقم جس کے بدلے مروان نے خمس خریدا تھا حضرت عثمانؓ نے اسے معاف فرما دی' اس وضاحت کی موجودگی میں بھی اگر شاہ صاحب وہ عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے نقل کی تو اسے حقیقت پسندی نہ کہہ سکیں گے' معلوم ہے کہ اعتراض خمس کی رقم معاف کر دینے ہی کا تھا اور "ابن خلدون" نے بھی معافی کی تصدیق کی ہے' نہ کہ تردید۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں :

یہ نام بھی ایسا نہیں کہ دیوبندی حلقے میں اس کے تعارف کی ضرورت ہو' آگے "واقدی" کے سلسلہ میں بھی ان کا حوالہ آنے والا ہے' یہاں حضرت عثمانؓ پر ان کے ایک مضمون (شائع شدہ ماہنامہ "برہان". دہلی") کی چند سطریں پڑھ لی جائیں :

> "آپ کی اس فطری نرم مزاجی اور شرمیلی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند کردیں' گو اپنی حد تک پیغمبر ﷺ کے دین کی خدمت کے متعلق جو کچھ وہ کرسکتے تھے کرتے رہے' لیکن عنقریب معلوم ہوگا کہ حدیث میں فتنے کی ابتدا جن لوگوں کی راہ سے ہوئی' یہ وہی تھے جن کے لئے حضرت عثمانؓ کی نرم حکومت نے بدبختانہ جسارتوں کے ارتکاب کے مواقع فراہم کردیئے تھے۔" (مئی ۱۹۵۱ء)

اور تاریخ بتاتی ہے :

عبداللہ بن ارقمؓ "مدینے" کے "بیت المال" کے حاکم ہیں انھیں حضرت عمر فاروقؓ نے اس منصب پر مامور کیا ہے یہ پہلے آنحضرت ﷺ کے منشی تھے' اور ان کی امانت و دیانت پر حضور ﷺ کے اعتماد کا عالم یہ تھا کہ ان سے کسی بادشاہ یا کسی اہم ہستی کو خط لکھواتے تو کہہ دیتے کہ بند کرکے مہر لگادو' یہ بڑی بات تھی۔ حضور ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے' اس لئے احتیاط کا تقاضا تھا کہ جو کچھ لکھوایا ہے اسے کسی اور سے بھی پڑھوا کر سن لیں' مگر احتیاط کس لئے جب کہ ابن ارقمؓ کی دیانت پر مکمل بھروسہ ہے' عمر فاروقؓ بھی اول دن سے انھیں پسند کرتے ہیں' ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت میں انھیں میر منشی بنائے رکھا' پھر عمر فاروقؓ آئے تو "بیت المال" کی ولایت بھی ان کے سپرد فرمادی۔

اب تاریخ بتاتی ہے کہ مروان کو خمس معاف کرنے کے بعد حضرت عثمان اپنے چچا "حکم" اور اس کے لڑکے "حارث" کو تین لاکھ دیتے ہیں' پھر تین ہی لاکھ عبداللہ بن خالد بن سعید کو دیے جاتے ہیں' اور ایک ایک لاکھ ان دو شخصوں کو بھی عطا ہوتے ہیں' جو عبداللہ بن خالدؓ کے ساتھ آئے تھے' ابن ارقم اس داد و دہش کو مناسب نہیں سمجھتے' وہ رقم دینے سے معذوری ظاہر کر دیتے ہیں' حضرت عثمانؓ اس پر خشمگیں ہوتے ہیں' ابن ارقمؓ استعفاء پیش کر دیتے ہیں۔

استعفاء منظور کر لیا جاتا ہے اور شاید یہ محسوس کر کے کہ ابن ارقمؓ کو دکھ پہنچا ہے انھیں بھی تین لاکھ دیدینا چاہتے ہیں' مگر وہ لینا منظور نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کا یہ مال اس طرح کی فیاضیوں کا محل نہیں ہے۔

ایک ایسے وکیل کی طرح وہ ہر قیمت پر اپنے موکل کو بچا لے جانا چاہتا ہے' ہم بہ آسانی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے بعض ایسے ہی حضرات کو عہدے دیئے' جنھیں حضرتِ عمرؓ نے بھی عہدے دیے تھے' لیکن تاریخ حضرت علیؓ کی زبان سے ہمیں ٹوکتی ہے کہ ذرا سوچو کیا کہہ رہے ہو "طبری" "ابن خلدون" "ابن اثیر" "البدایہ والنہایہ" "انساب الاشراف" کس کتاب میں یہ قصہ درج نہیں ہے کہ حضرت علیؓ نے اس استدلال کے جواب میں کیا فرمایا تھا' انھوں نے کہا تھا:

> "آپ مجھ سے پوچھتے ہیں تو سنئے' عمرؓ جسے بھی والی بناتے اس پر پوری طرح مسلط رہتے' ذرا کوئی خبر اس کی بدعنوانی کی سنی اور بلا تاخیر مزاج پرسی کر ڈالی' آپ اپنے اقرباء کے ساتھ بہت نرمی برتتے ہیں"۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا تھا:

> "جن لوگوں پر اعتراض ہو رہا ہے وہ آپ کے بھی تو رشتہ دار ہیں"۔

حضرت علیؓ نے جواب دیا تھا :

"بے شک ہیں مگر دوسرے وہ لوگ جو میرے آپ کے رشتہ دار نہیں ہیں ان سے زیادہ افضل ہیں"۔

حضرت عثمانؓ پھر بولے تھے :

"اے علیؓ کیا معاویہؓ کو عمرؓ نے گورنر نہیں بنایا تھا؟"

حضرت علیؓ نے برملا کہا تھا :

"تمہیں قسم ہے عثمانؓ سچ سچ کہنا کیا عمرؓ کا غلام یرفاء جتنا عمر سے ڈرتا تھا معاویہؓ اس سے بھی زیادہ عمرؓ سے نہیں ڈرتے تھے؟"

"بے شک ٹھیک ہے"۔

"پھر...... معاویہؓ کا حال تو یہ ہے کہ آپ سے پوچھے گچھے بغیر جو چاہے کر گزرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ خلیفہ کا حکم ہے' آپ یہ سب دیکھتے ہیں مگر معاویہؓ کو کچھ نہیں کہتے' ان سے کوئی باز پرس نہیں کرتے"۔

اے بزرگانِ کرام! کیا ہم اس مکالمے کو بھی جھٹلا دیں' اور پھر کیا ہم دورِ فتن کے اس واقعے کو بھی جھٹلا دیں کہ حضرت عثمانؓ صورتِ حال سے پریشان ہو کر حضرت علیؓ کے گھر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے علیؓ! آپ کو قرابت کا واسطہ۔ اس مصیبت میں میری مدد کریں' علیؓ جواب دیتے ہیں...... "اے عثمانؓ یہ سب مروان اور سعید اور عبداللہ بن عامر اور معاویہ کی بدولت ہو رہا ہے' آپ ہماری نہیں سنتے بلکہ ان لوگوں کی مرضی اور مشوروں کے پیچھے چلتے ہیں"۔

اگر ہمارا موقف یہ ہے کہ تاریخ ہماری خواہشات اور پسند کے پیچھے چلے' اگر ہم ثابت شدہ سچائیوں کے عوض اپنے تخیلات اور عقیدت مندیوں کا نام تاریخ رکھنا چاہتے ہیں تب تو بے شک ہمیں کوئی نہیں روک سکتا کہ ساری

روایتوں کو جھٹلاتے چلے جائیں' اور تاریخ کے قدیم اوراق کو پھاڑ کر نئے اوراق اس میں نتھی کریں' جن پر خود ہمارے تصنیف کردہ کوائف اور ہماری اپنی بنائی ہوئی تصویریں جلوہ گر ہوں' لیکن اگر حقیقت پسندی اور صدق و امانت اس بچکانہ حرکت کا نام نہیں ہے' تو ہمیں ہر حال میں ماننا پڑے گا کہ بعض سچائیاں ایسی بھی ہیں جو ہماری خواہشات کے خلاف اور ہماری تمناؤں کی ضد ہیں' ہمیں ماننا پڑے گا کہ جو انقلاب روزِ اول سے مقدر تھا اس کی تخم ریزی ربِ کائنات کی تکوینی مصالح نے دورِ عثمانی ہی کے لئے مقدر فرمادی تھی' جن بدبختوں کے حصے میں خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ کو شہید کر ڈالنے کا جرم عظیم آنا تھا وہ آکر رہا۔

حضرت عثمانؓ نے شریعت کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن وہ خالق کے عطا کردہ اس مزاج' اس فطرت' اس خصلت کو کیسے بدل دیتے جس میں موم جیسا گداز تھا' روئی جیسی نرمی تھی' وہ عمرؓ جیسی صلابت اور ابوبکرؓ جیسا یقین محکم کہاں سے لے آتے' یہ چیزیں بازاروں میں نہیں ملتیں' کانوں سے نہیں نکلتیں' تاریخ کا طالب علم دیکھ رہا ہے کہ عمر ابن الخطابؓ مکہ کے پہاڑ "حرہ" کی گھاٹی پر ایک دیوار بن کر کھڑے ہو گئے ہیں کہ کسی بھی ممتاز قریشی صحابی کو مدینے سے باہر نہ نکلنے دیں گے' شریعت نے ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی لیکن شریعت کی روح سے باخبر خلیفہ جانتا تھا کہ اسلامی حکومت کا مفاد اور رعایا کی خیر خواہی میں اٹھایا ہوا ہر قدم شریعت ہی کے مقتضیات میں شامل ہے' وہ برملا کہتا ہے...... "سن رکھو! جو یہ چاہتا ہے کہ اللہ کا مال اس کے بندوں کی ضرورتوں کے سوا کسی اور مد میں رکھ لے' میں اپنے جیتے جی اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا"۔

وہ کہتا ہے...... "سن رکھو! میں "حرہ کی گھاٹی" پر قریش کی گردن اور کمر پکڑے رکھوں گا تاکہ انہیں آگ میں کود جانے سے روکوں"۔

یہ تھا ایک بے مثال مدبر کا عزم صمیم...... اور اس عزم کو شکست و ریخت سے بچانے کے لئے دیو جیسی طاقت درکار تھی' مٹھی بھر ہڈیوں کا مجموعہ عمر فاروقؓ

یقیناً ایک بشر ہی تھا' ایسا بشر جو کسی بھی بشری کمزوری سے بالاتر نہیں' نہ وہ معصوم تھا نہ مافوق' لیکن معنوی قدو قامت کے لحاظ سے "کوہِ احد" کی بلندیاں بھی اس کے سامنے ہیچ تھیں' اسے اس کے رب نے ایک ایسا رعب دیا تھا جو فولاد کو پگھلا دیتا ہے' پھر مشیت نے اسے شہادت کی نیند سلادیا "توحرہ" کی گھاٹی میں کوئی دیوار نہ رہی' حضرت عثمانؓ چاہتے بھی تو ان میں دیوار بن جانے کی تاب و تواں آخر کہاں سے آجاتی' وہ آئے تو حضرت عمرؓ کا باندھا ہوا بند ٹوٹ گیا' ممتاز حضرات "مدینے" سے نکلے' جس کا جہاں جی چاہا چلا گیا' پھر اس آگ کو بھڑکنے سے کون روکتا جسے عمرؓ کی حیرت ناک توانائی روکے ہوئے تھی 'مال اور جاہ' کے فتنے تو اپنی جگہ..... سب سے پہلا انقلاب یہیں سے جنم لیتا ہے کہ وہ ممتاز صحابہ جنھیں حضرت عمرؓ نے "مدینے" میں باندھ رکھا تھا باہر نکلتے ہیں' اور طالع آزما لوگوں کے لئے مواقع پیدا ہوتے ہیں کہ ان کے گرد جمع ہوں' انھیں آلہ کار بنانے کی ترکیبیں کریں اور آخر کار شیطان کو اپنی چالیں چلنے کا راستہ مل جائے' یہ شیطان حضرت عمرؓ سے تنگ آیا ہوا تھا' شہادتِ عمرؓ نے اسے مژدہ جانفزا سنایا' اور اب وہ سالہا سال کا حساب چکانے نکل کھڑا ہوا ہے' ہمیں بڑی آسانی ہو جاتی اگر اللہ نے یہ قانون بنادیا ہوتا کہ ' شیطان کے بہکائے میں آنے والوں کو مجرم قرار نہیں دیا جائے گا' مگر قرآن تو یہ وعید سناتا ہے کہ مجرم وہ بھی ہیں جو بھکائے میں آگئے ہیں' فکان عاقبتہما انہما فی النّار ' پھر ہم کسی "عبداللہ بن سبا" یا کسی اور افسانوی شخصیت کا سہارا لیکر کیا کریں؟" حق یہ ہے کہ تاریخ کے ان صفحات میں بڑی عبرت ہے بشرطیکہ ہم "عیسیٰ ابن اللہ" اور "محمد ﷺ عالم الغیب" والی شاعرانہ ذہنیت سے دامن بچا کر حقیقت پسندی کی عینک آنکھوں پر لگالیں' اور تاریخ کی کسی بھی شخصیت کے چہرے پر اگر کوئی مہاسہ' کوئی دھبہ کوئی جھری نظر آرہی ہے تو اسے تخیل کے غازے کی موٹی تہہ دیکر چھپانے کی کوشش نہ کریں' اپنی قوم' اپنے بزرگ' اپنے ممدوح بلاشبہ اس کے مستحق ہیں کہ ہماری علمی و عقلی صلاحیتیں

ان کے دفاع میں صرف ہوں' لیکن حق و صداقت ان سے بھی زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کا قلادہ ہم اپنی گردنوں میں ڈالیں اور کسی بھی دوسرے جذبے اور میلان کو ان پر فوقیت نہ دیں' خدا کے حضور تقویٰ کی پوچھ ہوگی اور تقویٰ نام ہے خدا سے ڈرنے کا نہ کہ خیالی تصویروں سے دل بہلانے کا"۔(۱)

قرب الاسناد :

یہ عنوان حصۂ اوّل کے ص ۲۶۷ پر آچکا' وہاں ہم نے یہ بتایا تھا کہ روایت میں واسطوں کا کم سے کم ہونا محدثین کے یہاں مستقل ایک خوبی ہے' اور میاں صاحب اس سے لاعلم ہیں' اس لئے انھوں نے اس بات پر مودودی کو صلواتیں سنائی ہیں کہ وہ واسطوں کی کمی کو اہم قرار دے رہا ہے' بہتر ہوگا کہ حصۂ اول کا یہ مقام پھر پڑھ لیا جائے' وہاں جتنا کچھ ہم نے سپردِ قلم کیا وہ اگرچہ کافی ہے لیکن اس میں تھوڑا سا اضافہ مناسب معلوم ہوتا ہے' محدثین کی دو متقابل اصطلاحیں ہیں' "عالی" اور "نازل" کم واسطوں والی سند "عالی" اور زیادہ والی "نازل" کہلاتی ہے' مثلاً ایک ہی روایت کو دو آدمیوں نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا' اب دیکھا جائے گا کہ کس کی سند میں کم راویوں کا' واسطہ ہے اور کس کی میں زیادہ' کم والی کو "علو" کا تمغہ ملے گا اور زیادہ والی کو "نزول" کا عنوان' علوے سند کو کبھی "ارتفاع" اور کبھی "قرب الاسناد" بھی کہتے ہیں۔

حافظ ابن صلاحؒ نے "مقدمہ ابن صلاح" میں مستقل ایک باب باندھا ہے' معرفة الاسناد العالی والنازل (صفحہ ۱۳۱۔النوع التاسع والعشرون) فرماتے ہیں وطلب العلوّ فیه سنّة ایضاً (سند میں علو کی طلب سنت بھی ہے) پھر کچھ آگے فرماتے ہیں :

(۱) غالباً مولانا مودودی اور مولانا عامر عثمانی میں یہی سب سے بڑی قدر مشترک تھی۔ اور انظر ما قال ولا تنظر الی من قال اسی کو کہتے ہیں قول کو دیکھو کہنے والے کے فعل کو مت دیکھو اسی کا نام اسلام ہے(مرتب)

"احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا کہ اسناد عالی کی طلب بزرگانِ سلف کی سنت ہے' ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یحییٰ بن معین سے ان کے مرض الموت میں سوال کیا گیا کہ آپ کی کیا خواہش ہے۔جواب دیا"بیت خالی واسناد عالی۔"

پھر کہتے ہیں :

"سند جوں جوں عالی ہو گی' خلل اور خطا کے اندیشے سے اتنی ہی دور ہو گی' کیونکہ سند کے ہر ہر راوی کے بارے میں خطرہ موجود ہے' کہ خلل اور قصور چاہے ارادتاً ہو یا سہواً اسی کی طرف سے ہو' لہذا جتنے راوی کم ہوں گے جہاتِ خلل بھی اتنی ہی کم ہوں گی' اور جتنے زیادہ ہوں گے جہات خلل بھی اتنی ہی زیادہ ہوں گی' وھذا جلی واضح۔"

الحمدللہ۔ماہ گزشتہ صفحہ ۱۳۳ کالم ایک' میں ہم بھی اپنی زبان میں یہی کہہ آئے ہیں۔

"ابن صلاح" کا یہ باب ص ۱۳۱ سے ۱۳۶ تک چلا گیا ہے' وہ علوِ سند کی پانچ قسمیں بیان کرتے ہیں' ایک تو یہی ہے جو ہم نے ذکر کی' اس کا تعلق راویوں کی کم تعداد سے ہے' ایک ہے راوی کے سنِ وفات سے متعلق' اس کا عنوان ہے "العلو المستفاد" اس کی تعریف مثال سے سمجھ میں آئیگی' خود ابن صلاح مثال پیش فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہی حدیث درج ذیل دو سندوں سے بیان کی ہے۔

(۱) مجھے میرے شیخ ابو یعلی خلیلی نے' انھیں حافظ بیہقی نے' انھیں حاکم نے خبر دی۔(تین واسطے)

(۲) مجھے میرے شیخ نے' انہیں ابو بکر بن خلف نے' انہیں حاکم نے' خبر دی(تین واسطے)

اس میں پہلی سند "عالی" ہے اور دوسری "نازل"..... کیوں ؟......راوی

کی گنتی تو دونوں میں برابر ہے، پہلی میں بھی تین اور دوسری میں بھی تین، لیکن بیہقی کا انتقال پہلے ہوا ہے یعنی ۴۵۸ھ میں اور ابو بکر بن خلف کا بعد میں یعنی ۴۸۷ھ میں، اس طرح بیہقی کا تقریباً ۲۹ سال قبل انتقال کرنا، سند کو مقابلتاً عالی بنا گیا۔

اور سنیئے...... راوی گنتی میں برابر ہوں تو سماع کا آگے پیچھے ہونا بھی علو کی ایک قسم ہے، مثلاً زید سے ان کے ایک شاگرد نے کوئی حدیث دس سال قبل سنی تھی، اور دوسرے شاگرد نے پندرہ سال قبل، تو سندیں دونوں کی اگرچہ یکساں ہیں لیکن دوسرے کی سند "عالی" اور پہلے کی "نازل" مانی گئی، کیونکہ دوسرے نے پہلے سے پانچ سال قبل سماعت کی تھی، یہ "علو مستفاد" ہی کی ایک نوع ہے۔

ایک اور امام فن سے استفادہ کیجئے۔

ابو عبداللہ نیشاپوری معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۵ پر عنوان قائم کرتے ہیں "معرفۃ علوّ الحدیث" اس کے تحت انھوں نے شروع ہی میں ایک قصہ بیان کیا ہے جو "صحیح مسلم" سے ماخوذ ہے، رسول اللہ ﷺ کچھ اصحاب سمیت مجلس افروز تھے، ایک اعرابی (۱) آیا اور حضور ﷺ سے سوالات کرنے لگا، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہمیں بڑا تعجب ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے ہمیں تو زیادہ سوالات کرنے سے منع کر رکھا تھا مگر وہ برابر سوال کئے گیا اور حضور خندہ پیشانی سے جواب دیے گئے۔

سوال و جواب دور تک ہیں ہم نمونتاً دو تین نقل کرتے ہیں :

اعرابی نے کہا کہ یا محمدؐ ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا تھا اس نے ہمیں بتایا کہ آپؐ اپنے آپ کو اللہ کا رسول خیال کرتے ہیں ؟

حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں اس نے سچ کہا۔"

(۱) اعرابی کے معنی ویسے تو دیہاتی کے ہیں اور دیہاتی اردو میں عموماً بے سلیقہ اور بد تہذیب کو بولا جاتا ہے، یہاں یہ مراد ہرگز نہیں ہمیں چونکہ دیہی علاقے کے رہنے والے تھے اس لیے "اعرابی" کہا گیا، یہ ضمام ابن ثعلبہ سعدی تھے انہوں نے قسم دے دے کر حضورؐ سے سوالات کیے تھے۔

اعرابی نے پوچھا..... "آسمان کس نے پیدا کیا؟" حضور ﷺ بولے "اللہ نے" .....اس نے پوچھا..... "زمین کس نے پیدا کی؟" جواب ملا "اللہ نے" ......اس نے پوچھا "یہ پہاڑ کس نے زمین میں نصب کر دیئے"......جواب دیا گیا "اللہ نے"۔ اسی طرح بہت سے سیدھے سادے سوالات اس نے کئے اور حضور ﷺ نہایت سکون و تحمل سے اسے جواب دیتے رہے، پھر وہ چلا گیا، امام نیشاپوریؒ کہتے ہیں کہ :

> وفیه دلیل علیٰ اجازة طلب المرء العلوّ من الا سنادو ترك الا قتصار علی النّزول فیه وان کان سماعته عن الثقة (اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی طرف سے آدمی کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ سند کے معاملے میں "نزول" پر قناعت نہ کرے، بلکہ "علو" کا طالب ہو۔ چاہے روایت اس نے ثقہ ہی سے سن رکھی ہو۔)
>
> پھر فرمایا..... "اگر اسناد میں علو کی طلب و تلاش مستحب نہ ہوتی تو حضور ﷺ یقیناً اس اعرابی کو ٹوکتے، جھڑکتے۔"
>
> اس کے بعد فرمایا...... "بہتیرے صحابیوں نے اسنادِ عالی کی طلب میں باقاعدہ سفر کئے ہیں۔"

اور پھر بہت سے قصے صحابہؓ کے لکھے، یہ باب ص ۱۲ تک چلا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ علوئے سند یا "قرب الاسناد" محدثین کے یہاں شروع ہی سے ایک مسلمہ خوبی ہے، وہ اس کے شیدائی رہے ہیں، انھوں نے "علو" کو باعثِ فخر اور "نزول" کو باعث ننگ سمجھا ہے، چنانچہ ابن صلاح نے تصریح کی ہے کہ قولِ صحیح کے مطابق نزولِ سند ایک نحوست اور عار ہے (شوم)

ذرا اندازہ کیجئے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح "بخاری" میں بعض ایسے راویوں کی روایت بھی لے رکھی ہے جنھیں خود انھوں نے اپنی تاریخ میں ضعیف قرار دیا ہے،

جیسے زہیر بن محمد التیمی' ایوب بن عائذ' محمد بن ثابت الکوفی' زیاد بن الربیع' محمد بن یزید' سعید بن عبید اللہ الثقفی' عباد بن راشد اور مقسم مولی ابن عباس' آخر کیوں ؟ بعض اہلِ علم اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ان احادیث کے لئے ان کے پاس صحیح و قوی سندیں بھی ہوں گی' جن کی وجہ سے احادیث کی صحت پر اطمینان ہوگا لیکن وہ سندیں نسبتاً "نازل" ہوں گی' اور یہ جو ضعیف راویوں والی سندیں انھوں نے پسند کیں' یہ ان کے مقابلے میں عالی ہوں گی۔

"مسلم" کی مثال لیجئے' خطیب بغدادی اپنی تاریخِ بغداد میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح مسلم میں بعض ضعیف راوی موجود ہیں جیسے اسباط بن نصر' قطن بن نسیر' اور احمد بن عیسٰی۔ امام ابو زرعہؒ (امام مسلمؒ کے استاد) نے ان پر شد و مد سے اعتراض کیا' اور کہا کہ لو بھئی "مسلم" نے تو ہمارا سر اہلِ بدعت کے آگے نیچا کر دیا' اب اگر ان کے خلاف صحیح "مسلم" کی حدیثوں سے استدلال کیا جائے گا تو وہ صاف کہدیں گے کہ یہ کتاب "صحیح" نہیں ہے وغیرہ وغیرہ' سعید بن عمرو البرذعی کہتے ہیں کہ جب میں نیشاپور لوٹا تو میں نے امام مسلمؒ سے ابو زرعہؒ کے اعتراض کی تفصیل بیان کی' اس پر انھوں نے جواب دیا کہ میری کتاب ہے تو "صحیح" لیکن معاملہ یہ ہے کہ ابن نصر اور قطن و احمد سے میں نے صرف وہ حدیث لی ہے جس کی روایت ان کے شیوخ سے ثقہ لوگوں نے بھی کی ہے' جہاں کہیں ایسی صورت ہوئی کہ ثقہ راوی کے مقابلے میں ان سے روایت لینا علو وارتفاع کا باعث نظر آیا' میں نے ان سے روایت لے لی اور نزول سے بچ گیا (۱)۔ اس سے اصل حدیث میں کوئی ضعف واقع نہیں ہوا کیونکہ وہ تو ثقہ راویوں سے ثابت و معروف ہے' (تاریخ "بغداد"۔ جلد ۴ ص ۲۷۳ و ۲۷۴۔ شروط الائمة الخمسة لابی بکر الحازمی ص ٦٠ تا ٦٣ ۔ ماتمّس الیه الحاجة ص ٢١ و ٢٢)

(۱) یعنی یہی روایت اگر ثقہ راوی سے لیتا تو اس کی سند میں واسطے زیادہ ہوتے بہ نسبت اس سند کے جو اس کم ثقہ راوی کے ذریعے مہیا ہوئی۔

ابن صلاح نے محمد بن اسلم الطوسی الزاہد العالم کا یہ قول ذکر فرمایا ہے :

قال قرب الا سناد قرب اوقربة الی اللّٰه عزّوجل

فرمایا قرب الاسناد اللہ عزّوجلّ سے قربت کی ایک شکل ہے۔

"ابن صلاح" وضاحت فرماتے ہیں :

لان قرب الاسناد قرب الیٰ رسول اللّٰه ﷺ والقرب الیه قرب الی اللّٰه عزّوجلّ۔

اس لئے کہ قرب اسناد رسول اللہ ﷺ سے قربت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے قربت اللہ سے قربت ہے۔ (مقدمہ ابن صلاح ص ۱۳۱)

ان تفصیلات سے اندازہ کیجئے کہ سند میں واسطوں کی کمی کو محدثین کے یہاں کس درجہ اہمیت حاصل رہی ہے' اس کے بعد مولانا مودودی کا یہ ارشاد پھر تازہ کر لیجئے۔

- "یہ امام زہریؒ کا بیان ہے جن کا زمانہ سیدنا عثمانؓ کے عہد سے قریب ترین تھا' اور محمد بن سعدؒ کا زمانہ امام زہریؒ کے زمانے سے بہت قریب ہے' ابن سعدؒ نے صرف دو واسطوں سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔"

اور اس پر فاضل اجل' خاتم المحدثین' شیخ وقت مولانا محمد میاں صاحب مدظلہ العالی کا درج ذیل ریمارک سرمۂ دیدۂ عبرت بنائیے :

"یہ دوسرا مغالطہ یا دھول جھونکنے کی دوسری کوشش ہے' کسی تعمیر کے متعلق تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ حال کی تعمیر ہے' صرف دو پشتیں گزری ہیں' اس کی تعمیر ہوئی تھی' لہٰذا ابھی مضبوط ہوگی مگر کسی روایت کے متعلق یہ کہنا سراسر مغلطے میں ڈالنا ہے کہ صرف دو راویوں کا واسطہ ہے یا فلاں کا زمانہ

فلاں سے بہت قریب ہے۔"(شواہد تقدس ص ۱۸۹)

اب بتایئے کیا تاریخ عالم میں مولانا محمد میاں سے بڑھکر قابل اور باخبر شیخ الحدیث کبھی گزرا ہوگا؟ کیا ایسے ہی کسی دردناک المیہ پر شیخ سعدیؒ نے یہ شعر نہ کہا ہوگا۔

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوقِ زرّیں ہمہ درگردنِ خرمی بینم

اقرباء کے معاملے میں حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل کی تشریح:

سیدنا عثمانؓ نے اپنے اقرباء کے معاملہ میں جو طرزِ عمل اختیار فرمایا' اس کے متعلق میرے وہم وگمان میں بھی کبھی یہ شبہ نہیں آیا کہ معاذاللہ وہ کسی بدنیتی پر مبنی تھا' ایمان لانے کے وقت سے ان کی شہادت تک ان کی پوری زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مخلص ترین اور محبوب ترین صحابیوں میں سے تھے' دین حق کے لئے ان کی قربانیاں' ان کے نہایت پاکیزہ اخلاق اور ان کے تقویٰ وطہارت کو دیکھ کر' آخر کون صاحبِ عقل آدمی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس سیرت وکردار کا انسان بدنیتی کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرسکتا ہے جس کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں خویش نوازی (NEPOTISM) کہا جاتا ہے' دراصل ان کے اس طرز عمل کی بنیاد وہی تھی جو انھوں نے خود بیان فرمائی ہے کہ وہ اسے صلہ رحمی کا تقاضا سمجھتے تھے'(۱) ان کا خیال یہ تھا کہ قرآن وسنت میں جس صلہ رحمی کا حکم دیا گیا

(۱) کنزالعمال' ج ۵ ' حدیث نمبر ۲۳۲۴۔ طبقات ابن سعد' ج ۳ ص ۶۴۔

ہے' اس کا تقاضا اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جو بھلائی کرنا بھی آدمی کے اختیار میں ہو وہ اس سے دریغ نہ کرے' یہ نیت کی غلطی نہیں بلکہ رائے کی غلطی' یابالفاظ دیگر اجتہادی غلطی تھی' نیت کی غلطی وہ اس وقت ہوتی جب کہ وہ اس کام کو ناجائز جانتے اور پھر محض اپنے اقرباء کے مفاد کے لئے اس کاارتکاب کرتے' لیکن اسے اجتہادی غلطی کہنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے' کیونکہ "صلہ رحمی" کے حکم کا تعلق ان کی ذات سے تھا نہ کہ ان کے منصب خلافت سے' انھوں نے زندگی بھر اپنی ذات سے اپنے اقرباء کے ساتھ جو فیاضانہ حسنِ سلوک کیا وہ بلاشبہ "صلۂ رحمی" کا بہترین نمونہ تھا' انھوں نے اپنی تمام جائداد اور ساری دولت اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردی اور خود اپنی اولاد کو ان کے برابر رکھا' اس کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے' مگر صلہ رحمی کا کوئی حکم خلافت کے عہدے سے تعلق نہ رکھتا تھا کہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے بھی اپنے اقرباء کو فائدہ پہنچانااس حکم کا صحیح تقاضا ہوتا۔

"صلہ رحمی" کے شرعی احکام کی تاویل کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے بحیثیتِ خلیفہ اپنے اقرباء کے ساتھ جو سلوک کیا 'اس کے کسی جزء کو بھی شرعاً ناجائز نہیں کہا جاسکتا' ظاہر ہے کہ شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے کہ خلیفہ کسی ایسے شخص کو کوئی عہدہ نہ دے' جو اس کے خاندان یابرادری سے تعلق رکھتا ہو' نہ "خمس" کی تقسیم یا "بیت المال" سے امداد دینے کے معاملے میں کوئی ایسا ضابطہ شرعی موجود تھا جسکی

انھوں نے کوئی خلاف ورزی کی ہو' اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کی جس وصیت کا میں نے ذکر کیا ہے وہ بھی کوئی شریعت نہ تھی' جسکی پابندی حضرت عثمانؓ پر لازم اور خلاف ورزی ناجائز ہوتی' اسلئے ان پر یہ الزام ہر گز نہیں لگایا جاسکتا کہ انھوں نے اس معاملے میں حدِ جواز سے کوئی تجاوز کیا تھا' لیکن کیا اس کا بھی انکار کیا جاسکتا ہے کہ تدبیر کے لحاظ سے صحیح ترین پالیسی وہی تھی جو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے اپنے اقرباء کے معاملے میں اختیار فرمائی؟ اور جسکی وصیت حضرت عمرؓ نے اپنے تمام امکانی جانشینوں کو کی تھی؟ اور کیا اس بات کو ماننے میں بھی تامل کیا جاسکتا ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے اس سے ہٹ کر جو پالیسی اختیار کی وہ بلحاظ تدبیر نامناسب بھی تھی اور عملاً سخت نقصان دہ بھی ثابت ہوئی؟ بلاشبہ حضرتِ والا کو ان نقصانات کا اندازہ نہیں تھا جو بعد میں اس سے ہوئے' اور یہ کوئی احمق ہی خیال کر سکتا ہے کہ انھوں نے جو کچھ کیا اس ارادے سے کیا کہ یہ نتائج اس سے برآمد ہوں' لیکن تدبیر کی غلطی کو بہر حال غلطی ماننا پڑے گا۔ (خلافت وملوکیت صفحہ ۳۲۱ و ۳۲۲)

مروان

اور

اس کا باپ حکم بن ابی العاص

حیرت کی نہیں بلکہ قیاس کے عین مطابق بات ہے کہ جس شخص کے دل و دماغ پر شیطان کا جادو چل گیا ہو گا اس کے دل سے ایسے لوگوں کی نفرت و کراہت نکل جائے گی جو خدا اور رسول ﷺ کے مجرم ہیں۔

مروان کیا تھا' یہ اہل علم کے لئے ڈھکا چھپا نہیں' حضرت طلحہؓ کا قاتل' جمعہ کے منبر پر سیدنا حضرت علیؓ کو گالیاں دینے والا' حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سب سے بڑا سبب ظاہری' اور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ صداقت التزام سے ملعون قرار پایا ہوا' (ایک ایک بات کا ثبوت آگے آرہا ہے)۔

پھر کیوں نہ میاں صاحب کو اس سے خصوصی محبت ہوتی' یہ محبت ہی کا کرشمہ ہے کہ اسے یہ اطمینان صحابی بھی قرار دے ڈالا' حالانکہ جس "تقریب التہذیب" سے وہ کئی حوالے مختلف امور میں لائے ہیں اسی میں ابن حجر کا یہ فیصلہ موجود ہے کہ :

لا یثبت له صحبته (مروان کا صحابی ہونا ثابت نہیں)

اور مروان کا باپ حکم بھی کیوں نہ موصوف کو محبوب ہو' جب کہ اسے ثقہ مورخین نے صفِ اول کے دشمنانِ رسول ﷺ میں شمار کیا ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت بھیجی ہے' شاباش ہے موصوف محترم کو کہ اگر تین سطروں میں تین بار حکم کا نام آیا تو تینوں بار "حضرت حکم" ہی تحریر فرمایا گیا (ص ۱۸۲) اور اس کے بیٹے مروان کو بھی ایک ہی صفحہ میں چار بار "حضرت" کے لفظ سے تعظیم دی گئی (ص ۲۱۱)

مروان کے متعلق مودودی نے لکھا تھا :

"خصوصاً جب کہ اس کا معتوب باپ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا"

حضرت میاں صاحب اسے نقل کر کے لکھتے ہیں :

"ہمارے لئے تو مودودی صاحب کا یہ انداز تحریر بھی لرزہ خیز ہے' مروان اور حکم جیسے بھی ہوں ان کو یہ سعادت حاصل تھی کہ سید الانبیاء رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت حاصل ہوئی تھی"

چند فقروں بعد......

"ان کی یہ سعادت باعثِ رشک اور موجب صد احترام ہے' یہ مودودی صاحب ہی کی جسارت ہے کہ ان کے متعلق وہ انداز اختیار کر رہے ہیں جیسے کسی بازاری شخص کے ساتھ جو مجرم اور ملزم بھی ہو"۔ (ص ۱۸۲)

خدا جہالت کے ساتھ نمائشِ تقویٰ سے بھی بچائے' ہم تفصیل میں جانے سے قبل خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں تاکہ کوئی اللہ کا بندہ "فتاویٰ عزیزی" کا ایک نسخہ اٹھا کر کھرل میں پیسے اور سرمہ تیار کر کے میاں صاحب کو دے کہ بوقت خواب آنکھوں میں لگائیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کا ذکر خیر آپ پڑھتے ہی آرہے ہیں' ان کے فارسی فتاویٰ کا نام ہے "فتاویٰ عزیزی"۔

فتاویٰ عزیزی :

حضرت موصوف سے شاہ بخارا نے دس سوال پوچھے تھے پانچواں ان میں کا یہ تھا۔

"پنجم آنکہ سب مروان و معاویہؓ نزد اہل سنت چہ تحقیق رفتہ،، (مروان و معاویہ کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کی تحقیق کیا ہے ؟

شاہ صاحب جواب دیتے ہیں :

"مروان علیہ اللعنۃ رابد گفتن و بدل از و بیزار بودن خصوصاً درسلوکے کہ با حضرت امام حسینؓ و اہل بیت می نمود و عداوت مسترہ ازاں بزرگواراں دردل داشت از لوازم سنت و محبت اہل بیت است کہ از

جملہ فرائض ایمان است" (فتاوٰی عزیزی مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ "دیوبند" ص ۱۷۷)

ترجمہ : (مروان علیہ اللعنۃ کو برا کہنا اور تہہ دل سے اس سے بیزار رہنا' خاص طور پر اس بد سلوکی کی وجہ سے جو اس نے امام حسینؓ اور اہل بیت کے ساتھ کی' اور اس عداوت کی وجہ سے جو اس کے دل میں ان بزرگوں کی طرف سے گھر کئے ہوئے تھی' سنت اور محبت اہل بیت کے لوازمات میں سے ہے' جو فرائض ایمان میں سے ایک فریضہ ہے۔)

اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے متعلق جواب دیا گیا ہے اسے ہم نے یہاں غیر متعلق سمجھ کر حذف کر دیا۔

اب اے قارئین کرام اور اے علماء عظام! فیصلہ دیا جائے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے مودودی کو اہل سنت میں سے خارج کیا یا مولانا محمد میاں دام ظلہ العالی کو ؟ اہل بیت اطہار کے دشمن میاں صاحب ہوئے یا مودودی ؟ فریضہ ایمانی میں کوتاہی اول الذکر نے کی یا ثانی الذکر نے ؟۔

ازالۃ الخفاء :

آیئے اب ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ سے بھی مروان کے بارے میں کچھ پوچھیں' شاہ صاحب جنت کو سدھار گئے' اس لئے ان کی کتابوں میں سے جواب حاصل کیا جا سکتا ہے' تو لیجئے ہم نے "ازالۃ الخفاء" اٹھائی' یہ وہ قدیم فارسی نسخہ ہے جس پر محمد احسن صدیقی نانوتوی کا فارسی حاشیہ ہے اور بریلی کے مطبع صدیقی نے ۱۲۸۶ھ میں (سو سال سے بھی قبل) اسے چھاپا تھا' مقصد اول فصل ششم میں شاہ صاحب قرآنی سورتوں کے کچھ معارف بیان کرتے چلے جا رہے ہیں' سورہ نون (قلم) کا نمبر آیا تو درج ذیل روایت نقل کرتے ہیں : (ص ۲۵۱)

عن ابی عثمان النهدی قال قال مروان بن الحکم لما بایع الناس لیزید سنة ابی بکر و عمر فقال عبدالرحمن بن ابی بکر انها لیست بسنة ابی بکر و عمر ولکنها سنة هرقل فقال مروان هذا الذی انزلت فیه والذی قال لوالدیه اف لکما (الایة) فسمعت ذلك عائشة فقالت انهالم تنزل فی عبدالرحمن و لکن نزل فی ابیك ولا تطع کل حلاف مهین هماز مشاء بنمیم۔

ابو عثمان نہدی سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ جب مروان یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہا تھا تو کہتا تھا کہ یہ ابوبکر و عمر کی سنت ہے اس پر ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے کہا کہ ابوبکر و عمر کی تو نہیں' یہ تو "ہرقل" کی سنت ہے (روم کا بادشاہ' مجلی) اب مروان بولا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ والذی (۱) الایة جب حضرت عائشہ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ عبدالرحمٰن کے بارے میں تو یہ آیت نازل نہیں ہوئی' البتہ خود تیرے باپ کے بارے میں یہ نازل ہوا ہے کہ ولا تطع کل حلاف مهین الایة۔(۲)

یہ تو ان بزرگوں کے افاضاتِ عالیہ ہوئے جن کی عظمت و جلالت پر میاں صاحب کے شیخ ہی نہیں سارے شیوخِ "دیوبند" یک رائے ہیں اور "دیوبند" کے

(۱) یہ سورہ احقاف (پارہ ۲۶) کی آیت ہے' سعادتمند اولاد کے مقابلہ میں بدبخت و سرکش اولاد کا ذکر کیا جارہا ہے کہ اور جس شخص نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے "(ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۲) اس آیت کا ترجمہ یہ ہے "اور تو کہا نہ مان کسی قسمیں کھانے والے بے قدر کا' طعنے دے' چغلی کھاتا پھرے' بھلے کام سے روکے' حد سے بڑھے' بڑا گنہگار اجڈ' مزید یہ کہ بدنام و رسوا۔" (سورہ احقاف پارہ ۲۹) بعض علماء سلف "زنیم" کے معنی "حرام زادہ" بھی بتاتے ہیں (ہم نے ترجمہ شیخ الہندؒ سے اس کے معنی بدنام لیے ہیں)

سلسلہء شریعت وطریقت کا سلسلہ ہی ان حضرات کے توسط سے چلتا ہے' کم سے کم علوم دینیہ کا سرچشمہ تو "ہند" میں اسی خاندان کو مانا گیا ہے۔

اب ایک نظر اس "صحیح بخاری" پر بھی ڈالی جائے جس سے میاں صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب میں بہت سے غیر متعلق اور بے محل فقرے نقل کر کے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ "بخاری" تو بندہ معمولاً زیر مطالعہ رکھتا ہے۔

صحیح بخاری :

کتاب الفتن۔ باب قول النبی ہلاک امتی علیٰ یدے اغیلمۃ سفہاء۔ (ص ۱۰۴۶) میں یہ حدیث ہے

"عمر بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد نبوی میں ابوہریرۃ کے پاس بیٹھا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا' ابوہریرہ کہنے لگے کہ میں نے صادق ومصدوق ﷺ کو سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میری امت قریش کے نوعمر لونڈوں کے ہاتھوں ہلاکت کو پہنچنے والی ہے' اس پر مروان نے کہا کہ ان لونڈوں پر خدا کی لعنت ہو' ابوہریرہ کہنے لگے کہ اگر میں چاہوں تو صاف صاف بتا سکتا ہوں کہ یہ لونڈے کون ہیں' ایک مرتبہ میں اپنے دادے کے ساتھ "بنی مروان" کی طرف گیا' جبکہ ملک "شام" پر ان کا تسلط ہو گیا تھا' دادے نے جب ان لونڈوں کو دیکھا تو کہا شاید یہ لونڈے انہیں میں سے ہوں (جن کے بارے میں حضور ﷺ نے پیشنگوئی کی تھی' ہم نے کہا آپ ہی بہتر جانتے ہیں" "وہم سے مراد صرف ابوہریرہ ہی نہیں بلکہ وہ سب ہیں جو ابوہریرہ اور ان کے دادے کی گفتگو کے وقت بطور سامع موجود تھے)(۱)

(۱) لونڈوں سے مراد بدکردار' کم عقل' بے تدبیر لوگ ہیں جیسا کہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں صراحت کی ہے۔

اس حدیث پر مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا ہے:

والعجب من لعن مروان الغلمة المذکورین مع ان الظاهر انهم من ولده فکانّ اللّٰه تعالیٰ اجری ذلك علی لسانه لیکون اشد علیهم فی الحجة لعلهم یتّعظون وقد وردت احادیث فی لعن الحکم و مروان وماولد اخرجها الطبرانی وغیره۔

مروان کا مذکورہ لونڈوں پر لعنت کرنا عجیب سا ہے کیونکہ ظاہر ہے وہ خود اسی کے اولاد میں سے تھے' دراصل یہ اللہ کا اعجاز قدرت تھا کہ اس نے خود مروان کی زبان سے یہ کلمہ لعنت نکلوادیا تاکہ بنی مروان پر حجت شدید ہو جائے' شاید وہ کچھ نصیحت پکڑیں' اور ایسی حدیثیں موجود ہیں جن میں مروان کے باپ "حکم" اور اسکی اولاد پر حضور ﷺ نے لعنت بھیجی ہے' ان حدیثوں کی تخریج "طبرانی" وغیرہ نے کی ہے۔

اور اگر اب بھی میاں صاحب کے کانوں پر جوں نہ رینگی ہو' تو "دارالعلوم" کے کتب خانے سے المستدرک کی جلد رابع نکلوا کر اس کا صفحہ ۴۷۹ تا ۴۸۲ میاں صاحب کے گوش گزار کرا دیا جائے' جس میں سے چند احادیث ہم اپنے قارئین کی معلومات میں اضافے کے لئے یہاں نقل کئے دیتے ہیں۔

حاکم سند بیان کرنے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

"انہوں نے بیان کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں (آس پاس) جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ (حصولِ برکت کی نیت سے) آپ کے پاس لایا جاتا تھا' آپ اس کو دعا دیتے تھے' جب مروان بن الحکم پیدا ہوا تو وہ بھی لایا گیا' اسکے بارے میں آپ نے فرمایا یہ ذلیل بن ذلیل (۱)' ملعون بن ملعون ہے۔"

(۱) الوزغ بن الوزغ' الملعون بن الملعون

مزید ایک روایت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیان فرماتے ہیں :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم اور اس کی اولاد پر لعنت بھیجی ہے۔"

ایک اور روایت ابوہریرہؓ کی دیتے ہیں :

حضور ﷺ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اولاد حکم میرے منبر پر اس طرح اچھل کود رہی ہے جیسے بندر کودتے ہیں' اسکے بعد ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس دن سے آخر دم تک ہشاش بشاش نہیں دیکھے گئے۔"

مزید ایک روایت حضرت عائشہؓ کی نقل کرتے ہیں۔

"ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مروان کے باپ پر لعنت بھیجی ہے جبکہ مروان اس کے صلب (پشت) میں تھا۔"

حضرت ابوذرؓ کی حدیث بھی "حاکم" ہی کی زبانی سن لیجئے۔

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بنوامیہ کی تعداد چالیس تک پہنچ جائیگی تو وہ اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں گے' اور اللہ کے مال کو اپنی جاگیر سمجھ لیں گے' اور قرآن کے ساتھ بددیانتی کا معاملہ کریں گے۔"

حافظ ذہبی نے اس پر خصوصی ریمارک دیا ہے کہ ھذا محفوظ (یعنی باعتبار سند یہ اطمینان بخش ہے' اس ریمارک کی اہمیت ابھی آپ کو "البدایہ والنہایہ" کے زیر عنوان معلوم ہوگی)

تو اے قارئین کرام اور اے طلبائے عزیز! یہ ہیں وہ باپ بیٹے جن پر ہمارے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد میاں صاحب رشک کر رہے ہیں' فدا ہوئے جارہے ہیں' آپ نے مودودی کے وہ جملے بھی دیکھے ہیں جو میاں صاحب کو "لرزہ

خیز "محسوس ہوئے تھے' پھر شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کا نقد فتویٰ بھی پڑھا۔ حساب لگا کر بتایئے دونوں فرمودات میں ڈگری اور ٹمپریچر کا کیا تناسب ہو گا' ہم کم فہموں کو تو کم و بیش ایک اور دس کی نسبت نظر آ رہی ہے' اتنی نہ سہی ایک اور پانچ کی تو مان ہی لیجئے' پھر آپ ہی بتایئے کہ "لرزے" کے بعد کونسا مرض ہے جو پانچ گنی زیادہ حدت کے نتیجے میں میاں صاحب کو لاحق ہونا چاہئے تپ محرقہ...... ؟بلڈ پریشر...... ؟دماغی بواسیر...... ؟(۱)

میاں صاحب کہیں گے کہ "ہم کسی کی تقلید کیوں کریں ہم تو جملہ واقعات مثل آفتاب عالمتاب بیان کر آئے ہیں" ٹھیک ہے وہ کسی کی تقلید نہ کریں' انہیں ہم بہ نفسِ نفیس مجتہد مطلق اور امام دوراں مانے لیتے ہیں لیکن یہ تو بہر حال' انہیں کرنا ہی چاہئے کہ "جسارت" کی جو مہذب گالی انہوں نے مودودی کو دی ہے اسے کم سے کم دس سے ضرب دے کر حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی روح کو ایصالِ ثواب کر دیں' حساب میں ہم کمزور ہیں اسلئے وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ مودودی کی "جسارت" میں اور شاہِ مغفور کی جسارت میں ٹھیک دس گنے ہی کا فرق ہے یا کم یا زیادہ کا' بہر حال یہ تو آپ کے سامنے ہی ہے کہ شاہ صاحب نے "ملعون اور شیطان" مردان سے بیزاری کی شدومد سے ہدایت فرمائی ہے۔

پھر اگر شیخ وقت کی طرف سے حضرت شاہ ولی اللہ اور ابو عبداللہ حاکم نیشاپوریؒ صاحب "المستدرک" کو بھی کچھ "ایصالِ ثواب" ہو جائے تو شاید فرشتے اچھل اچھل کر داد دیں گے کہ

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مگر ٹھہریئے اس بحث کو ہم ذرا بسط کے ساتھ لینا چاہتے ہیں

(۱) ویسے ہمیں یقین ہے کہ مودودی کے سوا کوئی بھی مردان اور حکم کو پچاس گالی دیدے' میاں صاحب کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی۔

زوجہ عثمانؓ کی آبرو پر حملہ :

دل ودماغ پر شیطان کی گرفت آدمی کو کیا بنا دیتی ہے اسکا بھرپور تماشا میاں صاحب کی کتاب خوب دکھا رہی ہے' بہتیرے نمونے آپ ملاحظہ فرما چکے' ایک نمونہ اب ایسا دیکھئے جس میں ان بزرگ نے روایت گھڑنے ہی کا جرم نہیں کیا ہے بلکہ سیدنا عثمانؓ کے وقار اور ان کی زوجہ محترمہ کی آبرو پر ایسا ناروا حملہ کیا ہے جسے پڑھ کر ہر ذی حس اور باحیا مسلمان کانپ جائے گا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ مودودی نے مروان بن الحکم کیلئے سکریٹری کا لفظ لکھدیا تھا' میاں صاحب کو بڑا غصہ آیا اور فرمانے لگے :

> "دجل اور فریب کے الفاظ سخت ہیں مگر جب آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی جائے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس کے لئے کیا لفظ استعمال کریں' "سکریٹری" اور "چیف سکریٹری" کا لفظ استعمال فرمایا گیا' تاکہ ذہن ایک ہیبت ناک عہدے کی طرف متوجہ ہوں' پھر مروان کو اس عہدے کی کرسی پر بٹھا کر خلیفہ سوم پر ایک الزام چسپاں کردیا گیا (معاذاللہ) حالانکہ پہلا فرض یہ ہے کہ مودودی صاحب ثابت کریں کہ "خلافتِ راشدہ" کے نظام میں "سکریٹری" یا "چیف سکریٹری" کا کوئی عہدہ ہوتا تھا' پھر یہ ثابت کریں کہ اس کے اختیارات اتنے وسیع ہوتے تھے کہ اتنی بڑی حکومت کو متاثر کرسکیں۔" (ص ۱۷۵)

لفظ "سکریٹری" کے اعتراض کا تو شافی جواب ہم بعد میں دیں گے' پہلے وہ چیز دیکھ لیجئے جس کا تعلق اس بغلی عنوان سے ہے' میاں صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مروان حضرت عثمانؓ کا محض ایک گھریلو نوکر تھا' حکومت کا

"سکریٹری" نہیں تھا‘ اس کے لئے دو صفحات انہوں نے ایسی غیر متعلق باتوں میں سیاہ کئے ہیں جنہیں وہ اپنے دعوے کی دلیل سمجھتے ہیں‘ خیر اس دلیل کی حیثیت تو ابھی کھلتی ہے‘ ذرا اس فیصلے کو دیکھئے جو کٹ حجتی کے بعد آپ نے داغا ہے فرماتے ہیں کہ

"مروان حضرت عثمانؓ کے منہ چڑھے خادم تھے اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کی معتمد بیوی نائلہ سے نوک جھونک رہتی تھی۔" (ص ۱۷۷)

پہلے تو ذرا "معتمد بیوی" کے الفاظ ملاحظہ کیجیے گویا بیویوں کی دو قسمیں ہیں‘ معتمد اور غیر معتمد‘ اور یہاں ضروری تھا کہ لفظ بیوی لکھنے پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ معتمد کا اضافہ بھی ضرور فرمائیں‘ ہوش مند حضرات بتائیں "مراق" اور کسے کہتے ہیں۔

دوسرے یہ سنئے کہ جو صورتِ حال ان سطروں میں انہوں نے بیان کی ہے وہ سو فیصدی ان کی من گھڑت ہے‘ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ تاریخ کی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی ایسا نہیں دکھایا جاسکتا‘ میاں صاحب تاریخ بیان نہیں کرر ہے ہیں تصنیف کرر ہے ہیں‘ اور یہ بھی سن لیجئے کہ اس جرات عظیمہ کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ میاں صاحب اس روایت کا حلیہ بگاڑنا چاہتے ہیں جو مودودی نے دو معروف ترین کتابوں کے حوالے سے بیان کی ہے‘ (اور ایک ان میں سے وہی "طبری" ہے جو میاں صاحب کھولے بیٹھے ہیں) یہ کہ ایک مرتبہ حضرت نائلہ (زوجہ ء عثمانؓ) نے اپنے شوہر محترم سے صاف صاف کہا تھا۔

"اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا‘ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت۔" (خلافت و ملوکیت ص ۲۰٦)

یہ روایت بتارہی ہے کہ "حضرت نائلہ" مروان سے کس قدر نالاں تھیں‘ ظاہر ہے کہ اس ہستی کا نالاں ہونا اور اس قسم کی رائے ظاہر کرنا جو ہر وقت مروان

کے سیرت و کردار کا مشاہدہ کر رہی تھی' بڑی مضبوط شہادت ہے اس کے خلاف' بس اسی شہادت کو غتربود کرنے کے لئے میاں صاحب نے وہ نقشہ کھینچا جسے آپ نوک جھونک کے آئینے میں دیکھ رہے ہیں۔

اب ذرا غور کیجئے' حضرت عثمانؓ ایک بوڑھے آدمی ہیں اور یہ بھی ہر خاص و عام کو معلوم ہے کہ ان کی دو بیویاں مر چکی ہیں لہٰذا موجودہ تیسری بیوی ضروری نہیں کہ زیادہ عمر کی ہو' ادھر مروان کی عمر تیس سے زیادہ نہیں گویا جوان ہے' اس پس منظر میں میاں صاحب کے فقروں کی جو بھی مراد لیں گے انتہائی قبیح ہو گی۔

نوک جھونک دو طرح کی ہوتی ہے' ایک ایسی جس میں ایک دوسرے کو چڑانا' ذہنی و قلبی رنج پہنچانا' ہرانا اور لاجواب کرنا مقصود ہوتا ہے' دوسری ایسی جو انتہائی بے تکلفی کا مظہر ہوتی ہے اور اسے گہرا جذباتی تعلق جنم دیتا ہے۔

اگر کوئی تیسری قسم میاں صاحب کے علم میں ہو تو ہم بہت شوق سے سنیں گے۔

اب اگر پہلی قسم مراد لی جائے تو ایک ایسے شوہر کی تصویر ذہن میں ابھرتی ہے جو وقار و حمیّت سے خالی ہے' یہاں تک کہ اس کا نوکر اس کی بیوی سے لڑتا بھڑتا رہتا ہے اور وہ اسے خوشی برداشت کرتا ہے خود بیوی کی پوزیشن بھی اچھی نظر نہیں آتی کہ گھریلو خادم اسے بجائے مالکن کا ادب دینے کے تو تو میں میں کرتا رہے اور وہ اسے سہنے پر مجبور ہو۔

اور اگر دوسری قسم مراد لی جائے تو ہم میں ہمّت نہیں کہ اس ناپاک تصوّر کو الفاظ میں بیان کریں' جو ہمارے بگڑے ہوئے دور میں اس ''نوک جھونک'' کی کوکھ سے پیدا ہوتا ہے' سبحانك هذا بهتان عظيم۔ کیا سوچیں گے میاں صاحب کی کتاب پڑھنے والے کہ جس عثمان کی حیا شہرہ آفاق ہے وہ تو معاذ اللہ ایسا نکلا کہ اس کا جوان نوکر اس کی بیوی سے نوک جھونک کرتا رہا ہے اور وہ اس تماشے سے ذرا منقبض نہیں' وہ خوشی یہ موہم اور اشتباہ انگیز صورتِ حال برداشت کرتا

رہا ہے۔

اے اہل ایمان! کون مردود سے مردود مسلمان ہے جو یہ گوارا کر سکتا ہے کہ جس عثمان کی عفت و حیا پر فرشتے بھی رشک کرتے ہوں' بلکہ فرشتوں سے بھی افضل جن و بشر کے سردار آقائے کائنات شفیع المذنبین خاتم المرسلین ﷺ اس کی شرم و حیا کی قسم کھاتے ہوں' جو پرہیز گاری کا پتلا عثمان دو دو بناتِ رسول کا شوہر رہا ہو' اس کے بارے میں ایسی گھڑنت سنے اور کانپ نہ جائے' مگر ہائے یہ دور حاضر کے شیخ الحدیث' یہ مدعیٔ علم و فضل' یہ دوسروں میں کیڑے نکالنے والے' انہیں کچھ تمیز و شعور نہیں کہ کیا ان کے منہ سے نکل رہا ہے کبرت کلمة تخرج من افواھھم۔

لفظ سکریٹری کی بحث :

یہ تو میاں صاحب کی تصنیف کردہ روایت کا داخلی تجزیہ ہوا' اب "سکریٹری" کی سمت آیئے وہ خود یہیں رقم فرماتے ہیں کہ مورخین نے مروان کے لئے کان کا تبالہ لکھا ہے یعنی وہ حضرت عثمان کا "کاتب" تھا' ٹھیک ہے ضرور لکھا ہے مگر بڑے بڑے اساطینِ علم نے اس اصطلاحی لفظ کا کیا ترجمہ کیا ہے' یہ ہم دکھاتے ہیں۔

ابھی آپ نے دیکھا' تاریخ اسلام کے مولف شہیر مولانا نجیب آبادی نے "کاتب" کی کیا مراد لی تھی "میر منشی۔ وزیر اور مشیر (۱)" منشی اور میر منشی کے اصطلاحی معنی اگر میاں صاحب کو نہ معلوم ہوں' تو ایرانی سفارت خانے جاکر دریافت کرلیں کہ "سکریڑی" اور "چیف سکریٹری" کو کیا کہتے ہیں اور اگر یہ زحمت نہیں اٹھانا چاہتے تو بہر حال یہ تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ گھریلو خادم کے لئے "وزیر و مشیر" کے الفاظ نہیں بولے جاتے۔

مزید دیکھئے' ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی جیسے جہاندیدہ کی تصدیق "المنتقی" میں

(۱) بھول گئے ہوں تو حصہ اول کا ص ۱۰۸ پھر دیکھ لیں۔ اس کتاب کا ص: ۲۰۳ (نقوی)

مروان کے لئے یہ الفاظ ہیں ولّیٰ مروان (عثمانؓ نے مروان کو حاکم بنایا)

اور دیکھئے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی "تحفہ اثنا عشریہ" میں بھی اسی "کاتب" کے لئے یہ الفاظ ملتے ہیں وجعل مروان وزیرہ و کاتبہ (اور عثمان نے مروان کو اپنا وزیر و کاتب بنایا)

علامہ محب الدین الخطیب نے بھی جو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی صحابہ کی وکالت کرتے جارہے ہیں اس کی تردید بہر حال نہ کی کہ مروان کو حاکم وافسر جیسی برتری میسر آگئی تھی (المنتقیٰ ص ۳۷۸)

یہ تو چند اعلیٰ پائے کی گواہیاں ہوئیں اس بات کی کہ سیاسی وانتظامی دائرے میں "کاتب" کا مفہوم وہ گھریلو خادم نہیں ہوتا جو سودا سلف لانے یا پیر دبوانے اور پنکھا جھلنے کے لئے نوکر رکھ لیا جاتا ہے' بلکہ ٹھیک وہی مفہوم ہوتا ہے جو آجکل "سکریٹری" یا "چیف سکریٹری" کے الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔

اب لغت کی شہادت بھی دیکھئے' صرف زمانہ سابق ہی میں نہیں آج بھی عرب میں "سکریٹری" کے لئے "کاتب" بولا جاتا ہے' اٹھایئے "القاموس الجدید" اردو سے عربی (مطبوعہ اشاعت القرآن دہلی) صفحہ ۴۸۲ پر لفظ "سکریٹری" کے تین معانی درج ہیں' وکیل' امین' کاتب' اور مزید تسلّی کے لئے "القاموس الجدید عربی سے اردو" بھی اٹھایئے' صفحہ ۵۴۸ پر آپ کو اس لفظ "کاتب" کے چند ترجموں میں سے ایک ترجمہ مل جائے گا "سکریٹری" اور یہ بھی سنئے کہ "سکریٹریٹ" کو کہتے ہیں "مکتب کاتم السّر" کیا لفظ "مکتب" اسی "کتابت" کا ظرفِ مکان نہیں ہے جس کا اسم فاعل "کاتب" ہے' اور کیا سکریٹریٹ کے سربراہ کو "سکریٹری" نہیں کہتے جو "مکتب کاتب السر" کے سربراہ کو "کاتب" کہنے میں کوئی دشواری ہو۔

لفظ "وزیر" کو بھی دیکھئے' اس کا استعمال مروان کے لئے ابھی آپ نے "المنتقیٰ" اور "تاریخ اسلام" میں دیکھا' اس کے معنی بھی "سکریٹری آف

اسٹیٹ" (حکومت کا سیکریٹری) کے آتے ہیں (القاموس اردو سے عربی)

انگریزی لغات بھی اٹھایئے' ڈاکٹر عبدالحق کی مشہور لغت اسٹینڈرڈ ڈکشنری (مطبوعہ جے ایس سنت سنگھ دہلی) تختی s میں "سکریٹری" کے معنی درج ہیں "معتمد" (جس پر بھروسا کیا جائے) اب لطف یہ ہے کہ بعض مورخین نے مروان کے بارے میں وزیر و مشیر کے الفاظ کے ساتھ یہ بھی اضافہ کیا ہے کان معتمداً له (وہ ان کا معتمد تھا) اور خود میاں صاحب کے الفاظ "منہ چڑھا خادم" کیا غیر معمولی اعتماد کے مظہر نہیں' اور کیا ان لوگوں کو "پرائیویٹ سکریٹری" نہیں کہا جاتا جنہیں آج کل لوگ ذاتی و نجی کاموں کے لئے معتمد بناتے ہیں' تمام تاریخیں شاہد ہیں کہ مروان محض گھریلو نوکر نہیں تھا بلکہ وہ حضرت عثمانؓ کا معتمد تھا' ان کے سرکاری کاموں کی انجام دہی کرتا تھا' پھر کیا "سکریٹری" کسی ایسی مخلوق کا نام ہو گا جس کے ماتھے پر سینگ رونق افروز ہو' پھر چونکہ حضرت عثمانؓ خلیفہ تھے اس لئے ان کے "سکریٹری" کو اسی طرح "پرائیویٹ سکریٹری" نہیں کہا جائے گا' جس طرح ان کے بنائے ہوئے عاملوں کو پرائیویٹ عامل نہیں کہا جاتا بلکہ "سرکاری حکام" کہا جاتا ہے' وہ عثمانؓ کا سکریٹری تھا اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ حکومت کا "سکریٹری" تھا' اسی لئے بہتیرے محققین نے اس کے لئے والی اور وزیر کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو بداہتاً سرکاری حیثیت کے مظہر ہیں نہ کہ پرائیویٹ حیثیت کے' ہاں اگر میاں صاحب یہ کہیں کہ حکومت کا سکریٹری صرف اسے کہیں گے جس کے آفس کے لئے "دہلی" جیسا ایک شاندار گول سکریٹریٹ موجود ہو' تو بے شک مودودی صاحب مروان کے لئے کوئی ایسا محل نہ دکھلا سکیں گے' مگر خود میاں صاحب بھی ان عثمانی عاملوں کے لئے جنہیں وہ خود گورنر اور فیلڈ مارشل اور وزیر خزانہ وغیرہ سے تعبیر کر رہے ہیں ایسی کوٹھیاں اور آفس نہیں دکھلا سکیں گے جیسے آج کل کے گورنروں اور وزیروں کو میسر ہیں' مودودی نے رعب ڈالنے کے لئے انہیں بلکہ ضرورتاً

"سکریٹری" کا لفظ استعمال کیا ہے' اگر وہ تاریخوں سے لفظ کاتب نقل کر دیتا تو کون اس کا وہ مصداق سمجھ سکتا تھا جس کے لئے تاریخوں میں یہ لفظ آیا ہے' بہت ممکن تھا میاں صاحب جیسا کوئی من چلا اس لفظ پر یہ بھی اعتراض کر بیٹھتا کہ لیجئے صاحب اس زمانے میں پریس کہاں تھے جو کاتبوں کی قوم کا وجود ثابت کیا جا رہا ہے' دکھایئے کونسی کتاب حضرت عثمانؓ نے لکھی تھی جس کی کتابت مروان نے کی ہو' جھوٹا لپاٹیا' مودودی! رہا "چیف سکریٹری" کا لفظ' تو چیف کا اضافہ اس لئے موزوں تر ہے کہ مروان کے آگے حضرت علیؓ جیسے اکابر بے بس ہو کر رہ گئے تھے' وہ جس سانچے میں چاہتا حضرت عثمانؓ کو ڈھال لیتا' تاریخ ایسے بھی واقعات بتاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ ایک بات پر قوم کے سامنے راضی ہو گئے ہیں مگر اندر اندر مروان نے پٹّی پڑھائی اور انہوں نے اپنی رضامندی ختم کر دی' اس نوع کی پوزیشن کے لئے میاں صاحب جیسے بے مغز لوگ تو "منہ چڑھا خادم" کا لفظ بولیں گے' مگر مودودی جیسا آدمی چیف سکریٹری کہہ کر اظہارِ مدّعا کرے گا۔

قارئین اور محترم جج اور خود میاں صاحب ارشاد فرمائیں کیا مزید دلائل و شواہد کی ضرورت ہے ؟ تماشا یہ دیکھئے کہ مودودی پر جو اعتراض کیا تھا وہ تو بے بنیاد نکلا' مگر خود میاں صاحب کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ خود انہوں نے "عامل" کو "گورنر" اور "مہتمم خزانہ" کو "وزیر خزانہ" لکھا ہے اور مزید انگریزی الفاظ بلا وجہ استعمال کئے ہیں' ان کی کتاب ؟ "خلافت و ملوکیت" سے حجم میں تقریباً آدھی ہو گی' اس سے بقید صفحہ فہرست حاضر ہے'

ص ۲۹ کمیشن' ص ۳۰ کمپنی' ص ۴۶ فیلڈ مارشل' ص ۵۱ اسپیکر' ص ۳۷ فتھ کالمسٹ' ص ۳۷ ڈیپوٹیشن' ص ۱۲۰ گینگ' ص ۱۴۱ کمپنیاں' ص ۱۴۲ کمپنیوں۔

ممکن ہے اور بھی ہوں اور ہماری نظر چوک گئی ہو' کیا میاں صاحب کی نیت بھی رعب ہی ڈالنے کی ہے ؟ ہم تو ایسے فضول اعتراضات پسند نہیں کرتے مگر

جب میاں صاحب "سکریٹری" کا لفظ سن کر مرنے مارنے پر تیار ہو گئے' تو اب ذرا ان سے بھی دریافت کر لیا جائے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں "اسپیکر" کب ہوا کرتے تھے' جبکہ یہ اصطلاح "پارلیمنٹری نظام" کی دین ہے' اگر وہ کہیں کہ میں نے بطور اصطلاح نہیں لکھا بلکہ لفظ خطیب کا لفظی ترجمہ کر دیا ہے تو ان سے پوچھئے کہ خطیب کیا اردو بول چال میں ایسا ہی مشکل اور اجنبی لفظ تھا کہ اس کا انگریزی ترجمہ دیے بغیر چارہ نہ ہوتا' اور کیا سپہ سالار یا سردار افواج جیسے الفاظ قارئین کی سمجھ میں نہ آتے' اگر فیلڈ مارشل کا لفظ نہ لکھا جاتا' قارئین پھر ایک بار سمجھ لیں کہ کاتب تو واقعی ایسا لفظ تھا کہ اگر مودودی مروان کے لئے اسے استعمال کرتا تو ہرگز اس کی صحیح حیثیت سمجھ میں نہ آتی' کاتب تو آج کل خوشنویس کو کہتے ہیں مورخین نے جس مفہوم میں اسے استعمال کیا ہے اس کا تصور قارئین کو کیسے آتا لہذا مروان کی سرکاری حیثیت کا صحیح ترجمان لفظ "سکریٹری" ہی ہو سکتا تھا اور چیف کا اضافہ اسلئے ضروری ہوا کہ حضرت عثمانؓ کا غیر معمولی اعتماد حاصل کر لینے کی وجہ سے' اور کسی کی مروان کے سامنے چل ہی نہیں رہی تھی' تو اس پہلو کا اظہار چیف نے کر دیا' اگر وہ وزیر لکھتے تب بھی عام قارئین الجھن میں پڑ جاتے کہ خلافت میں بھلا وزارتیں کہاں تھیں! غرض مودودی کا ہر بے غبار کام بھی لازماً اس کا مستحق ٹھیرا کہ اس میں کیڑے ڈالے جائیں' اور خود میاں صاحب خواہ مخواہ بے ضرورت انگریزی کی ٹانگ توڑیں تو ماشاء اللہ وہ انشاء پرداز بھی ہیں اور شیخ الحدیث بھی۔

الاصابہ کا حوالہ :

شیریں کلام امام وقت جناب میاں صاحب فرماتے ہیں :

"حضرت مروان کے والد حکم بن ابی العاص کے معاملہ میں بھی مودودی صاحب نے سخن سازی اور آنکھوں میں دھول

جھونکنے کی کوشش کی ہے" (صفحہ ۱۷۸)

مودودی نے کیا ڈھول جھونکی ہے یہ "خلافت وملوکیت" پڑھ کر ہر شخص دیکھ سکتا ہے' اس نے چند سطروں میں صرف یہ ذکر کیا ہے کہ مروان کے باپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال دیا تھا' کیوں نکال دیا تھا اس کے لئے اس نے ابن عبدالبر کی "الاستیعاب" کے حوالے سے دو سبب ذکر کئے تھے' اہل علم جانتے ہیں خواہ میاں صاحب نہ جانتے ہوں کہ ابن عبدالبر کس پائے کی شخصیت ہیں' پھر مودودی نے معا بعد یہ فقرہ لکھ دیا تھا کہ بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہو سکتا تھا جس کی بنا پر حضور ﷺ نے "مدینے" سے اس کے اخراج کا حکم صادر فرمادیا"۔ (خلافت وملوکیت ۱۱۰)

اس فقرے سے صاف ظاہر ہے کہ مودودی کا ان وجوہ پر اصرار نہیں ہے جو ابن عبدالبر اور دیگر ثقہ مورخین نے بیان کی ہیں وہ تو بس یہ سامنے کی بات جتلانا چاہتا ہے کہ کوئی نہ کوئی قصور تو ایسا ہوا ہو گا جو حضور ﷺ نے شہر بدر کرنے کی سخت سزا دی۔

اور یہ بھی سن لیجئے کہ خود میاں صاحب ص ۱۸۱ پر فرما رہے ہیں :

> "ہمارے خیال میں حقیقت وہی ہے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ان کی کسی غلطی کی بنا پر آپ نے "مکہ" سے خارج کر کے "طائف" میں قیام کا حکم فرمایا"

پھر اے منصفان کرام! بتایا جائے مودودی نے کون سی ڈھول جھونک دی ہے؟ ہاں خود میاں صاحب جو ڈھول جھونک رہے ہیں اس کا حال ہم سے سنئے وہ فرماتے ہیں :

> "مدینہ منورہ" سے نکالے جانے اور آنحضرت ﷺ کی نقلیں اتارنے کے متعلق روایتوں کا ترجمہ تو کر دیا' جو موضوع اور ضعیف ہیں اور بعض کے راوی شیعہ اور رافضی

ہیں"۔(الاصابہ ص ۲۹ ج ۲' شواہد تقدس ۱۷۸)

اس عبارت میں دو باتوں کے موضوع وضعیف ہونے کا دعوی کیا گیا ہے ایک حَکَم کا مدینے سے نکالا جانا' اور دوسرے اس کی یہ حرکت کہ وہ حضور ﷺ کی نقلیں اتارا کرتا تھا' اس دعوے کے لئے میاں صاحب نے "الاصابہ" کا حوالہ دیا ناظرین جان چکے ہیں کہ "الاصابہ" حافظ ابن حجر کی کتاب ہے اس حوالہ کا مطلب یہی تو ہوا کہ موضوع وضعیف ہونے اور بعض راویوں کے شیعہ اور رافضی ہونے کا دعوی میاں صاحب کا ذاتی دعویٰ نہیں بلکہ ابن حجر نے ایسا ہی لکھا ہے' اب آیئے چشم عبرت سے یہ نظارہ کیجئے کہ میاں صاحب کو خیانت اور فریب دہی میں کتنا ید طولیٰ حاصل ہے۔

جہاں تک "حَکَم" کے نکالے جانے کا تعلق ہے اس کا میاں صاحب بھی اقرار کرتے ہیں' لہذا فرق صرف اتنا رہ گیا کہ وہ "مکہ" سے نکالے جانے کو درست سمجھ رہے ہیں' اور مودودی "مدینے" کا نام لیتا ہے نفس بحث میں اس نکتے کو مطلق اہمیت حاصل نہیں' اخراج "مکہ" سے ہوا ہو یا "مدینے" سے' یہ ہر حال میں طے ہے کہ یہ شخص ایک بڑا مجرم تھا ورنہ رحمتہ للعالمین ﷺ جیسا رحیم وکریم پیغمبر جلاوطنی کی سخت سزا کیوں دیتا (تاہم "مکہ" اور "مدینے" کے فرق پر بھی ہم بعد میں بحث کریں گے۔)

اب کھولئے "اصابہ جلد ۲" حکم بن ابی العاص کا ترجمہ (تعارف) دو صفحات میں (ص ۲۸ و ۲۹) پھیلا ہوا ہے اور ابن حجر نے بہت سی روایات ان صاحب کے بارے میں حوالہ قرطاس کی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ کچھ صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ حکم پر لعنت کر رہے تھے' انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ حکم کا کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی فلاں بیوی کے پاس تھا کہ اس شخص نے دیوار کی دراڑ سے جھانکا' اس بنا پر مجھے بڑی کوفت اور گھبراہٹ لاحق ہوئی۔

ایک یہ ہے کہ نافع بن جبیر بن مطعم نے اپنے والد سے روایت کیا' وہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے کہ ادھر سے حکم بن ابی العاص گذرا آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر ہم لوگوں سے فرمایا ویل لامتی مما فی صلب ھذا (بڑی خرابی ہے میری امت کی اس مولود سے جو اس شخص کی پیٹھ میں ہے)

ایک یہ ہے کہ جب مروان یزید کی بیعت کے لئے کوشاں تھا' اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن اس پر راضی نہیں تھے تو مروان ان سے بد تمیزی سے پیش آیا' اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : انت یامروان فاشھد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اباك و انت فی صلبہ (اے مروان! میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے باپ پر اس وقت لعنت بھیجی ہے جب تو اس کی پشت میں تھا)۔

یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابن حجر یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس کی اصل "بخاری" میں بھی موجود ہے' یہ الگ بات ہے کہ وہ مفصل نہ ہو' پھر ابن حجر ابو عمرو کا حوالہ پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ حکم کو شہر بدر کرنے کے سلسلے میں دو اور بھی سبب بیان ہوئے ہیں' ایک یہ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو معلوم کر کے افشاء کر دیتا تھا' اور دوسرا یہ کہ وہ چلنے میں حضور ﷺ کی نقلیں اتارتا تھا۔

ممکن ہے میاں صاحب کو معلوم نہ ہو کہ ابو عمر کون ہیں' یہ ابو عمر ابن عبدالبر کی کنیت ہے اور ابن حجر نے اسی "الاستیعاب" سے دونوں سبب نقل کئے ہیں جس سے مودودی نے لیے تھے۔

تو اے ناظرین اور اے علمائے جلیل الشان! یہ ہے وہ دھول جو بقول میاں صاحب مودودی نے جھونکی ہے' آپ حضرات ہاتھ بڑھا کر "الاصابہ" دیکھ سکتے ہیں' ان میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں' جس کے بارے میں ابن حجر نے یہ لکھا ہو کہ موضوع یا ضعیف یا ساقط الاعتبار ہے' یا اس کا کوئی راوی شیعہ یا رافضی ہے۔

پھر یہ میاں صاحب نے بعض شیعہ اور رافضی کہاں سے پیدا کئے' اس کی

کہانی بس اتنی ہے کہ اسی جگہ ابن حجر نے ایک روایت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حکم بن ابی العاص حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھا تھا، جب حضور ﷺ گفتگو فرما رہے تھے، تو اس نے کچھ بری حرکتیں کیں، حضور ﷺ نے بھی دیکھ لیا تو آپ کے منہ سے نکلا کن کذلك (ایسا ہی ہو جا) پھر ایسا ہی ہو گیا کہ "مرتے دم تک اس پر اختلاج کی کیفیت طاری رہی"۔

یہ روایت بیان کرنے کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں کہ فی اسنادہ نظر و اخرجہ البیہقی فی الدلائل من ھذا الوجہ وفیہ ضرار بن صرد وھو منسوب الی الرفض (اس روایت کی اسناد میں کلام ہے اور بیہقی نے اپنی دلائل میں اسی سند سے تخریج کی ہے، اس میں ایک راوی ضرار بن صرد ہے جس کی طرف رفض کی نسبت کی گئی ہے) ہر پڑھا لکھا سمجھ سکتا ہے کہ ابن حجر روایت کے مضمون میں کلام نہیں کر رہے ہیں بلکہ سند میں کر رہے ہیں، ہم پیچھے حوالوں اور مثالوں سے دکھلا آئے ہیں کہ کسی روایت کی ایک سند کا غلط یا مشکوک ہونا اس روایت کے متن اور مضمون کے غلط ہونے کے ہم معنی نہیں ہوتا، چنانچہ یہیں اسی جگہ خود ابن حجر کی طرف سے وضاحت موجود ہے کہ وہ اس خاص سند میں کلام کر رہے ہیں، مضمون کو غلط قرار دینا ان کا مقصود نہیں چنانچہ متصل بعد وہ فرماتے ہیں کہ اسی روایت کا پہلا سرا ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ملتا ہے، حضرت خدیجہؓ (زوجہ رسول اکرم ﷺ) نے فرمایا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم کی طرف سے گزرے تو حکم نے اپنی انگلیوں سے تمسخر کے انداز میں اشارہ بازی کی، حضور ﷺ نے یہ دیکھ لیا تو آپ ﷺ کے منہ سے بددعا نکلی کہ اے اللہ! اس پر رعشہ ڈال دے، بس پھر اس کا یہی حال ہو گیا کہ "زندگی بھر کپکپی کی آفت میں مبتلا رہا"۔

اس طرح ابن حجر کے بیان سے جو کچھ حاصل ہوا صرف ... ہوا کہ بددعا دینے کے واقعے کی برائے نام سی تفصیل بدل گئی، حضور ﷺ کی ... میں بیٹھ کر

حکم نے خباثت پھیلائی ہو' یہ ابن حجر کو اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اس روایت میں ایک راوی منسوب بالرفض ہے' اس کے بجائے وہ اسے صحیح سمجھتے ہیں کہ حکم کہیں اور بیٹھا تھا یا کہیں سے گزر رہا تھا اور حضور ﷺ اس طرف جا نکلے' تب اس دشمنِ خدا نے استہزاء کیا اور حضور ﷺ کی بد دعا لی۔

تو اے منصفان کرام! یہ ہے "الاصابہ" کا وہ صفحہ جس کا میاں صاحب نے حوالہ دیا ہے' دجل و دغا کا اندازہ تو کیجئے' موضوع اور ضعیف کا تو مطلقاً ذکر ہی ابن حجر نے نہیں کیا' یہ کارنامہ تو میاں صاحب کا اپنا ہے کہ منکرین حدیث کی طرح وہ بلا تکلف جس روایت کو چاہے موضوع و ضعیف قرار دے دیتے ہیں' رہا بعض راویوں کا شیعہ اور رافضی ہونا تو دیکھ لیجئے کہ بعض نہیں صرف ایک راوی ضرار بن صرد کے منسوب بالرفض ہونے کا تذکرہ ہے' اور وہ بھی اس لئے نہیں کہ ابن حجر حکم کی حرکات ناشائستہ کو افسانہ قرار دینا چاہتے ہیں' بلکہ اس لئے کہ "اسماء الرجال" کے ایک ماہر کی حیثیت میں وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سند میں جو نقص ان کو نظر آئے اس کی نشاندہی کر دیں' اور بتا دیں کہ یہ واقعہ دوسری بہتر سند سے یوں بیان ہوا ہے۔

لیکن کچھ دیر تو مان ہی لیجئے کہ یہ روایت کالعدم ہو گئی' مگر جو بھیانک نقشہ میاں صاحب نے کھینچا تھا' کیا اس کا بھی کوئی نام و نشان یہاں ملتا ہے؟ کیا ایک کے سوا کسی راوی کو ابن حجر نے رافضی کہا؟ کیا باقی روایات جو ہم نے نقل کیں' انہوں نے موضوع یا ضعیف ٹھہرائیں؟ کیا حکم کی صفائی میں انہوں نے ایک لفظ بھی کہا؟ میل کا بیل تو سنتے آئے تھے' مگر میاں صاحب ماشاء اللہ رائی کا پہاڑ بنا دینے میں مہارتِ فن کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔

تہذیب التہذیب :

بے محل نہ ہوگا اگر مروان کا حال حافظ ابن حجر سے ان کی "تہذیب

التہذیب" میں بھی سن لیں' جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۹۱ پر فرماتے ہیں کہ اسماعیلی نے امام بخاری کو مطعون کیا ہے کہ تم نے اپنی کتاب میں مروان کی روایت کیوں (۱) لی اور انہوں نے مروان کے بڑے بڑے گناہوں میں ایک یہ گناہ گنوایا ہے کہ اس نے حضرت طلحہؓ کو قتل کر ڈالا' جو "عشرہ مبشرہ" میں سے ایک ہیں' لطف یہ ہے کہ "جنگ جمل" میں دونوں حضرت عائشہؓ ہی کی طرف تھے' ساتھ ساتھ تھے' اس ظالم نے حضرت طلحہؓ کو قتل کیا' پھر تلوار کے بل پر تخت اقتدار پر جا کودا فقتل ثم وثب علی الخلافة بالسیف بس اتنا ہی کہہ کر ابن حجر نے مزید ذکر سے کان پکڑ لئے ہیں۔

میزان الاعتدال :

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں وله اعمال موبقة نسأل الله السلامة انه رمی طلحة بسهم وفعل ۔ اللہ اللہ خیر سلا' اور مروان کی فرد عمل میں تو کبائر جمع ہیں' ہم اللہ سے ایسے اعمال سے سلامتی طلب کرتے ہیں' اس نے تیر سے طلحہ کو مار ڈالا اور نہ پوچھو کیا کیا کیا؟ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۵۹)

موبقہ کا ترجمہ ہم نے یہاں "کبائر" کیا ہے اور "تہذیب التہذیب" میں یہ لفظ جمع کے ساتھ تھا (موبقات) وہاں بھی یہی ترجمہ کیا' یہاں واحد اس لئے آیا کہ اعمال کی صفت بن رہا ہے اور اعمال جمع ہے لہذا ترجمہ یہاں بھی جمع ہی کا کرنا ہو گا' ویسے تو موبقہ کے معنی "مہلک" کے ہیں لیکن اس کا استعمال "بڑے گناہ" کے لئے بھی ہوتا ہے۔

اہل علم کے لئے یہ بات محتاج بیان نہیں لیکن واسطہ میاں صاحب جیسے مریخی عالم سے ہے لہذا لغوی ثبوت بھی ملاحظہ کر لیا جائے' دراصل عام لغات میں یہ معنی نہیں ملتے' اس لئے میاں صاحب لوگوں کو بہکا سکتے ہیں کہ دیکھئے عامر شیطان نے اپنی طرف سے معنی بنا دیئے۔

(۱) بخاری کتاب المناقب باب فضل زبیر رضی اللہ عنہ میں بس ایک روایت مروان سے آ گئی وہ بھی ایسی نہیں کہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا شرعی احکام سے کچھ ہو پھر بہرحال ہر خراب آدمی ہمیشہ تو جھوٹ نہیں بولتا۔

المعجم الوسیط جزء ثانی ص ۱۰۱۹ (الموبقات) الکبائر من المعاصی ۔ لانھن مھلکات واحدھا "موبقة"۔

اُسدُالغابہ :

آیئے آپ کو دکھائیں' صرف حافظ ابن حجر' اور ابن عبدالبر' اور ذہبی' ہی نہیں' ابن اثیر بھی کیا داستان سنا رہے ہیں؟ "اسد الغابہ" جلد ۲ صفحہ ۳۴ : پہلے تو "ابن اثیر" نے بتایا کہ حکم بن ابی العاص حضرت عثمانؓ کے چچا ہیں' پھر سند بیان کر کے روایت سناتے ہیں کہ خود حکم کی بیٹی نے ایک بار باپ سے کہا کہ اے ہوامیہ! رسول اللہ ﷺ کے حق میں تم سے زیادہ بداندیش اور دسیسہ کار میں نے کسی قوم کو نہیں دیکھا۔

کچھ آگے طویل سند سے وہی روایت بیان کرتے ہیں جو "الاصابہ" میں آپ دیکھ چکے یعنی ویل لامتی الخ. پھر کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حکم کے جلاوطن ہونے کا سبب کئی طرح پر بیان کیا جاتا ہے' بعض کی تحقیق یہ ہے کہ یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رازجوئی کرتا تھا (آج کل کی زبان میں جاسوسی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کی درازوں سے جھانکا کرتا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارادہ فرمایا کہ چاقو سے اس کی آنکھ پھوڑ دیں' بعض کی تحقیق یہ ہے کہ یہ شریر ازراہ استہزاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی اور بعض اور طریقوں کی نقلیں اتارتا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بددعا دی کہ خدا کرے تو ایسا ہی ہو جائے' بس پھر یہ زندگی بھر "رعشے" میں مبتلا رہا۔

اس کے بیٹے عبدالرحمٰن بن حکم کی "شان" میں عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابتؓ نے ایک قصیدہ کہا تھا اس کے دو شعر بطور ضیافت طبع قارئین بھی سن لیں ؎

ان اللعين ابوك فارم عظامه
ان ترم ترم مخلجاً مجنونا
يمسى خميص البطن من عمل التقى
ويظل من عمل الخبيث بطينا

(بلاشبہ تیرا باپ لعین ہے اس کی ہڈیاں پھینک دے اگر تو نے پھینک دیں تو بس یہ سمجھ لے کہ ایک لنگڑے خبطی کی ہڈیوں کو پھینک دیا' اس کا اندرون پرہیزگاری والے اعمال سے خالی ہے' البتہ اعمال خبیثہ سے خوب بھرا ہوا ہے)

عبدالرحمٰن بن حسان نے حکم کو جو بلا تکلف لعین کہہ دیا اس کی وجہ ابن اثیر کی زبانی سنیئے' وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ بیعت یزید والے قضیہ میں موصوفہؓ نے مروان سے کہا تھا کہ "میں شہادت دیتی ہوں تیرے باپ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جب کہ تو اس کی پشت میں تھا" (ابن عبدالبر نے بھی یہی وجہ بیان کی ہے "الاستیعاب" جلد اول ص ۲۲۱)

اس کے بعد ابن اثیر کہتے ہیں کہ حکم پر لعنت اور سزائے جلاوطنی کے متعلق تو بہت حدیثیں ہیں' کہاں تک ذکر کی جائیں' یہ بات بالکل قطعی ہے کہ حکم کو آپ نے کسی بڑے ہی قصور پر نکالا تھا ورنہ آپ ﷺ کی عادت و سیرت تو یہ تھی کہ اپنے خلاف بڑی سے بڑی شرارت اور خطا پر چشم پوشی اور درگزر کا طرز عمل اختیار فرماتے تھے۔ (اسد الغابہ ص ۳۴ و ص ۳۵ جلد ۲)

ہم کہتے ہیں کہ یہ طرح طرح کی نفرت خیز حرکتوں والی روایتیں صاف بتا رہی ہیں کہ حضور ﷺ تنگ آگئے تھے' کوئی ایک قصور ہوتا تو اپنی عادت مستمرہ کے مطابق وہ نظر انداز کر جاتے مگر وہاں تو قصور ہی قصور تھے' تمسخر ہی تمسخر! خدا کی پناہ' پھر رازوں کا افشاء کرنا تو ایک باغیانہ حرکت تھی' نئی نئی قائم شدہ ریاست کے لئے خطرہ عظیم' اسی لئے حضور ﷺ نے کان پکڑ کر نکالا کہ نہ رہے

بانس نہ بجے بانسری۔

البداية والنهاية:

تو اپنے حافظ ابن کثیر کو کیوں چھوڑا جائے' لیکن ان کے فرمودات سننے سے پہلے جیب کترنے کا وہ فن تو ملاحظہ فرمالیجئے جو میاں صاحب نے حافظ صاحب کی جیب پر آزمایا ہے۔

اپنے ممدوح و محبوب مروان کی ثنا کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

> "مروان کے متعلق حافظ ابن کثیر کے الفاظ ہیں "قریش کے عمائدین اور فضلاء میں سے تھا'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر انھیں مروان کے متعلق فرمایا القاری لکتاب اللہ الفقیہ فی دین اللہ الشدید فی حدود اللہ۔ البدایہ والنہایہ ۲۵۷ ج ۸۔" (شواہد تقدس ص ۱۷۷)

اہل علم بتائیں یہ مسخرہ پن نہیں تو کیا ہے کہ "البدایہ والنہایہ" کے چار بڑے صفحوں پر پھیلے ہوئے "تعارف نامے" سے شیخ الشیوخ یہ چند فقرے نکال کر دکھا رہے ہیں کہ ماشاء اللہ یہ ہیں حضرت مروان!

اور ان فقروں کا حاصل کیا ہے؟

جہاں تک قریش کے عمائدین میں سے ہونے کا تعلق ہے اس کا جوڑ اول تو اس زمانے سے نہیں ہے جس کا تذکرہ چل رہا ہے "لونڈے" عمائدین میں کبھی شمار نہیں ہوتے چاہے وہ "سورج بنسی" کے روایتی خاندان ہی سے کیوں نہ ہوں' حضرت عثمانؓ کو تہ تیغ کرانے تک مروان تیس سال سے زیادہ کا نہیں تھا' دوسرے یہ توصیف ان حرکات قبیحہ کا ازالہ تو نہیں کر سکتی جو مروان کی فرد عمل میں ابھرے ہوئے حروف کی طرح پڑھی جا سکتی ہیں' قریش کے عمائدین میں تو

ابو جہل و ابو لہب بھی تھے' اور بھی بہتیرے تھے جو مختلف معرکوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہوئے' پھر "فضلاء" کا لفظ تشریح طلب ہے' کون سے "فضائل" تھے جو تاریخ نے مروان میں ثابت کیے ہوں؟ "لمن کثیر" کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے پڑھے لکھوں میں شمار ہوتا تھا' اور ذہنی اعتبار سے تیز طرار بھی تھا' بس اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا' بہتیرے پڑھے لکھے ذہین لوگ ہیں جن کی ساری صلاحیتیں بری ہی راہوں میں اپنے جوہر دکھاتی ہیں۔

رہے وہ جملے جو حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ بلا سند ہیں' میاں صاحب جو دوسروں کی باسند روایتوں میں بھی ایک ایک راوی کا نقاب اٹھا کر دیکھتے ہیں اور کوئی راوی ان کے نزدیک مجہول ہو تو شور مچا دیتے ہیں' کہ روایت "ردی کی ٹوکری" کے لائق ہو گئی تو بھلا وہ ایسی کسی روایت سے استدلال کا کیا حق رکھتے ہیں؟ جس کے سارے ہی راوی مجہول عین ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ پیغمبر نہیں تھے کہ جس کے بارے میں جو رائے ظاہر کر دیں پتھر کی لکیر ہو' "قاری کتاب اللّٰہ" ہونا تو سرے سے کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جسے چوکٹے میں جڑ کر دیوار پر سجایا جائے۔ "فقیہ فی دین اللّٰہ" ہونا بلا شبہ امتیازی وصف ہے لیکن محض معاویہؓ کے کہہ دینے سے تو کوئی وصف پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ جاتا' فقاہت کے کچھ نمونے اگر مروان نے چھوڑے ہوں تو لائیے' تاریخ سے انہیں ثابت کیجیے' نہیں ثابت کر سکتے تو کیا فائدہ فضول گوئی سے' "شدید فی حدود اللّٰہ" کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے' اگر واقعی حضرت معاویہؓ نے یہ رائے ظاہر کی تھی تو وہی اللہ کے یہاں اس "حسن ظن" کی جوابدہی کرتے رہیں' امت تو صرف ان امور کو مانے گی جو واقعاتی سطح پر اسے نظر آئیں گے' جھوٹا خط لکھ کر حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب قوی بننا' حضرت طلحہؓ کو قتل کرنا' اہل بیت کو منبروں پر گالیاں دینا' اور اکابر صحابہؓ سے گستاخی کے ساتھ پیش آنا' یہ ہیں وہ کارنامے جو مروان کی لوح حیات پر تاریخ دکھلا رہی ہے۔

مزید درج ذیل جملے میاں صاحب نے "البدایہ" سے نقل فرمائے ہیں' میاں صاحب کے "حضرتِ مروان" نے ارشاد فرمایا ہے :

"چالیس سال سے قاری کتاب اللہ ہوں" پھر ان حالات میں گھر گیا جن میں گھرا ہوا ہوں یعنی خونریزی اور یہ تمام باتیں"۔(ص ۱۷۷)

کیا بات ہوئی ؟ قارئین اندازہ فرمائیں کہ بزرگوار کس طرح فضول اور بے محل باتوں سے ورق کالے کرتے گئے ہیں۔

اچھا صاحب "البدایہ" کے مذکورہ دونوں اقتباس جوں کے توں تسلیم' قطعاً ہمیں کوئی اعتراض نہیں' لیکن میاں صاحب سے کوئی اتنا پوچھے کہ یہیں انھی صفحات میں "البدایہ" مزید جو کچھ وضاحتیں اور عبارتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے کیا جناب انھیں بھی مانیں گے یا نہیں ؟۔

اے ناظرین کرام ! ان نرالے شیخ الحدیث کی عظیم تر ایمانداریوں کا جغرافیہ دیدۂ عبرت سے دیکھئے کہ ان ہی چار صفحات میں جن سے انھوں نے مذکورہ اقتباسات لئے ہیں ذیل کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔

ابن کثیرؒ بیان فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے مع سند کے یہ روایت بیان کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "ابی فلاں" کی اولاد جب تیس تک پہنچ جائے گی تو یہ لوگ اللہ کے مال کو آپس ہی میں بانٹتے رہیں گے' اور اللہ کے دین میں دراندازی کریں گے' اور اللہ کے بندوں کو غلام بنائیں گے۔

اس روایت میں "بنو فلاں" کے الفاظ تھے یعنی وضاحت نہیں تھی کہ "کس کی اولاد"...... فوراً ابن کثیرؒ اس کی وضاحت میں ابو یعلیٰ کی روایت مع سند لائے' جس میں ہے کہ اذا بلغ بنو الحکم (یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب حکم کی اولاد تیس تک پہنچ جائے گی)۔ پھر ایک اور روایت "طبرانی" سے لائے' جس کی سند حضرت ابو ذرؓ صحابی رسول ﷺ سے ملتی ہے' انھوں نے بلغ بنوامیۃ کے

الفاظ روایت کیے' بس فرق یہ ہے کہ اس میں ثلاثین نہیں بلکہ اربعین ہے (یعنی چالیس)۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ وھذا منقطع یعنی اس کی سند میں انقطاع ہے' لیکن ہم پیچھے بتا آئے کہ "مستدرک" کی جس روایت میں اربعین ہے اسے حافظ ذہبی نے "محفوظ" قرار دیا ہے اور یہ بھی بتا آئے کہ "محفوظ" اصطلاح فن میں "شاذ" کا مقابل ہے حافظ ذہبی کا مقصود یہ ہے کہ جس روایت میں ثلاثین آیا ہے وہ "شاذ" ہے اور "محفوظ" روایت اربعین کی ہے۔

اب اگر اربعین کی روایت جو "ابن کثیر" نے "طبرانی" سے نقل کی ہے منقطع بھی ہو تو اس سے اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' کیوں کہ حافظ ذہبی جیسا نقاد' جسے میاں صاحب بھی ازراہ کرم "جرح و تعدیل کا امام" سمجھتے ہیں' اسی اربعین والی روایت کو حاکم (صاحب المستدرک) کی سند سے "محفوظ" قرار دے رہے ہیں' یہ سند بھی حضرت ابوذرؓ تک پہنچتی ہے لہذا ابن کثیر نے جس سند کو منقطع کہا وہ منقطع ہوتے ہوئے بھی ایک ایسے مضمون کی خبر دے رہی ہے جو ذہبی کی تصدیق کے مطابق "محفوظ" سند سے ثابت ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے زید کا بیان کردہ کوئی واقعہ عمدہ سند سے ثابت ہو چکا ہو' اور پھر بکر اسی واقعے کو ایسی سند سے بیان کرے جو مسلسل نہ ہو' بلکہ بیچ کا کوئی ایک راوی یا ایک سے زائد حذف ہو گیا ہو' تو فنی اعتبار سے اس کی سند منقطع کہلائے گی' مگر کھلی بات ہے کہ نفس واقعہ ثابت رہے گا' قرآن کن کن لوگوں سے ہم تک پہنچا' یہ کے آدمی مکمل سند سے بیان کر سکتے ہیں' مگر ظاہر ہے کہ بغیر سند ہی یہ بیان درست مانا جائے گا کہ قرآن ہم تک جوں کا توں پہنچا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر نے محض تقاضائے فن پر یہ نشان دہی کر دی ہے کہ وھذا منقطع اس کے بعد وہ ثلاثین کی روایت حضرت ابوہریرہؓ کے توسط سے بیان کرتے ہیں' پھر اسی کو ابن عباسؓ کے توسط سے' ہم ایمان نہیں نکلیں گے' ان روایات کے بعد حافظ صاحب نے کہا ہے کہ یہ تمام طرق ضعیف ہیں' بے

شک ضعیف ہوں گے لیکن آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ ضعیف روایات جب متعدد طرق سے آئیں تو یہ تعدد طرق امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک ضعف کو دور کر دیتا ہے' اور اس قاعدے کا استعمال بھی ہم "فتح القدیر" و "ہدایہ" کی مثال سے مفصلاً دکھا چکے' علاوہ اس کے مذکورہ تمام روایات سے جو بات ثابت کرنی تھی وہ حافظ ذہبی کے ریمارک نے ثابت کر دی۔

کون نہیں جانتا کہ ابن کثیر جرح و تعدیل کے میدان کے شہسوار نہیں' یہاں سکہ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ ہی کا چلتا ہے' اور پھر آگے جو ابن کثیر وہی "المستدرک" والی روایت ابو یعلیٰ وغیرہ کے حوالہ سے بیان فرما رہے ہیں' کہ حضور ﷺ نے خواب میں بنی الحکم کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھا' اس کے بعد تو انہوں نے انقطاع یا ضعف کا بھی کوئی ریمارک نہیں دیا' اس کا مطلب ہے کہ یہ ان کے نزدیک مستند ہے' ہاں یہ ضرور انہوں نے کہا ہے کہ "اس قصے میں کثیر موضوع(۱) روایات بھی پائی جاتی ہیں' مگر ان سے ہم نے اپنے صفحات سیاہ نہیں کئے"۔ اس کہنے کا فائدہ بھی ہمارے ہی موقف کو پہنچتا ہے' کیوں کہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو روایات انہوں نے بیان کی ہیں وہ موضوع نہیں ہیں۔

آگے بڑھئے ابن کثیر فرماتے ہیں :

(وقد كان ابوه الحكم من اكبر اعداء النبى صلى الله عليه وسلم)

اور مروان کا باپ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے دشمنوں میں سے ایک تھا۔

مزید فرماتے ہیں :

ومروان كان اكبر الاسباب فى حصار عثمان لانه زور

(۱) من گھڑت۔

علىٰ لسانه كتاباً الىٰ مصر يقتل اولئك الوفد ولما كان متوليا على المدينة لمعاوية كان يسب عليا كل جمعة على المنبر وقال له الحسن بن على لقد لعن اللّٰه اباك الحكم وانت فى صلبه علىٰ لسان نبيّه فقال لعن اللّٰه الحكم وما ولد(البداية والنهاية جلد۸ ص ۲٦۰)

اور مروان ہی سب سے بڑا سبب تھا حضرت عثمانؓ کے محصور ہو جانے کا' کیوں کہ اسی نے دغابازی کے تحت ''مصر'' کو خط لکھا تھا کہ اس وفد کو قتل کر دیا جائے' اور جب یہ معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا تو ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علیؓ کی شان میں بد زبانی و گستاخی کرتا تھا' اور اسی سے حسن بن علیؓ نے کہا تھا کہ اے مروان! اللہ نے اپنے نبیؐ کی زبان سے تیرے باپ پر اس وقت لعنت بھیجی ہے جب تو اس کی پشت میں تھا' نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا اللہ کی لعنت حکم اور اس کے لڑکے پر''۔

اے قارئین محترم اور اے علمائے ذی المجد! اور اے طلبائے عزیز! یہ ہے وہ سب جو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ثبتِ قرطاس کیا ہے' اب میاں صاحب فوراً اس ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دبائیں گے جس میں انہوں نے یہ فقرہ ٹیپ کرا رکھا ہے کہ :

''جھوٹ ہے' جھوٹ ہے' جھوٹ ہے''

البتہ اپنے اٹھائے ہوئے منقولہ بالا دو فقروں کے لئے دوسرا ٹیپ چلائیں گے جس میں یہ الفاظ ریکارڈ ہیں کہ :

''سچ ہے مثل آفتاب' شمس النہار' ہم کیوں تقلید کریں' مودودی صحابہؓ کا دشمن' دھوکے باز' ڈھول جھونک دی' جھونک دی' جھونک دی''۔

تفنن کی معافی...... آخر آپ ہی بتایئے 'کریں بھی کیا؟ بناء الفاسد علی الفاسد اور جہل در جہل کی متعفن گذر گاہوں سے گزرتے ہوئے جو ذہنی کوفت اور روحانی گھٹن ہماری اور آپ کی زندگی اجیرن بنائے دے رہی ہے 'اس کا کچھ مداوا ہنس ہنس کر ہی کیا جا سکتا ہے 'تھوڑا سا ہنسئے 'ابھی ہم اور بھی مناظر عجیبہ دکھلانے والے ہیں۔

قلابازیاں :

اب تو میاں صاحب پر ترس سا آنے لگا ہے 'بے چاروں کو مودودی کے بغض نے دماغی اعتبار سے بڑی خراب حالت تک پہنچادیا ہے 'ذرا سنئے :

"تجدید سبائیت" نامی کتاب سے آپ نے ایک عبارت نقل کی ہے 'اس کتاب کے مصنف بزرگوار کا نام ہم بھول گئے '(۱) غالباً کوئی شیخ الحدیث ہیں' خیر انھوں نے "المنتقی" سے ابن تیمیہ" کا ارشاد نقل کیا ہے '(یہ الگ بات ہے کہ حوالہ میں صرف سو صفحے کا فرق ہو!) اسی ارشاد کو میاں صاحب نقل فرماتے ہیں۔

> "مروان کی عمر سات سال یا اس سے بھی کم تھی 'لامحالہ ان کا کوئی ایسا گناہ ہو نہیں سکتا تھا کہ ان کو نکالا جائے 'پھر یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ان کے باپ (حکم بن ابی العاص) ہجرت کر کے "مدینے" آگئے تھے کہ وہاں سے ان کو نکالا جاتا 'کیوں کہ "طلقاء" میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے ہجرت کی ہو' کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی مکہ فتح کیا 'اعلان فرمادیا تھا کہ "فتح مکہ" کے بعد ہجرت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے' اور جب حضرت صفوان بن امیہ ہجرت کر کے "مدینے" آئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی "مکہ" واپس چلے

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق سندیلوی مرحوم (مرتب)

جانے کا حکم دے دیا' اور حکم بن ابی العاص کے نکال دینے کا
قصہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا' اس کی کوئی سند ایسی نہیں ہے
جس کی صحت معلوم ہو"۔ (شواہد تقدس ص ۹ ۷ اور ۱۸۰)

"تجدید سبائیت" کے محترم مصنف نے کیا علمی ناانصافی کی ہے اسے تو بعد میں دیکھئے گا' پہلے یہ دیکھئے کہ میاں صاحب کے مزاجِ گرامی کا حال کیا ہے؟

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ عبارت "تجدید سبائیت" سے میاں صاحب کو اسی صورت میں نقل کرنی چاہیئے تھی' جب ان کا اپنا یہ موقف ہو تا کہ مروان کے باپ حکم کو نکالا ہی نہیں گیا' مگر جیسا ہم بتا آئے ہیں ان کا موقف یہ نہیں ہے بلکہ ان کے الفاظ یہ ہیں :

"ان کی کسی غلطی کی بناء پر آپ ﷺ نے "مکہ" سے خارج کر
کے طائف میں قیام کا حکم فرمایا"۔ (ص ۱۸۱)

گویا وہ خارج کیے جانے سے متفق ہیں' اتفاق کی وجہ "طبری" کی ایک روایت ہے جس میں حضرت عثمانؓ کی ایک تقریر کا کچھ حصہ نقل ہوا ہے' اس میں حضرت عثمانؓ قبول کر رہے ہیں کہ حکم کو حضور ﷺ نے مکہ سے طائف نکال دیا تھا' یہ تقریر نقل کر کے میاں صاحب فرماتے ہیں :

"اب سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ مودودی صاحب یا جن
کی وہ تقلید کرتے ہیں وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بیان کو
تسلیم کیوں نہیں کرتے"۔ ص ۱۸۰

اب میاں صاحب سے پوچھا جائے کہ مودودی پر اس اعتراض کا حق آپ کو کہاں سے پہنچتا ہے' جب کہ آپ نے "تجدید سبائیت" سے بڑے شان کے ساتھ وہ اقتباس پیش کیا ہے جس میں حکم کو سرے سے نکالنے ہی کا انکار کیا گیا ہے' نکالنے کے باب میں آپ کا اور مودودی کا اختلاف صرف اتنا ہے کہ مودودی "مدینے" سے اخراج کا ذکر کرتا ہے اور آپ "مکہ" سے' نفس اخراج کے منکر آپ

بھی نہیں پھر "تجدید سبائیت" کے مصنف کے منہ میں سب سے پہلے آپ نے لگام کیوں نہیں دی کہ تم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان تسلیم نہیں کرتے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو خود بتا رہے ہیں کہ حکم کو "مکہ" سے نکال کر طائف بھیجا گیا تھا' تم ابن تیمیہؒ کی عبارت کے ذریعے نکالنے ہی کی تکذیب کرنے کی کوشش کیسے کر رہے ہو' قارئین انصاف فرمائیں' میاں صاحب کا اعتراض زیادہ شدت سے کس پر عائد ہوتا ہے' اس پر جو صرف شہر کے نام میں اختلاف کر رہا ہے یا اس پر جو سرے سے واقعے ہی کو جھٹلا رہا ہے؟۔ بدیہی بات ہے کہ دوسری شکل زیادہ سخت ہے لیکن "تجدید سبائیت" کا اقتباس تو حضرت جی نے بڑی شان کے ساتھ مدح و تحسین کے سیاق میں نقل کیا' اور ذرا تکلیف انہیں اس بات سے نہ ہوئی کہ یہ اقتباس تو "حضرت عثمانؓ" کو جھٹلا رہا ہے' مگر مودودی کو مطعون کیا جا رہا ہے کہ تم "مدینے" کا نام کیوں لیتے ہو' "مکہ" کیوں نہیں کہتے' یہ ہیں بغض و عداوت کی کرشمہ سازیاں' خیر ذرا شاہ عبدالعزیزؒ کو بھی دیکھ لیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں' اب کی دفعہ ہم "تحفہ اثنا عشریہ" کے عربی نسخے کو چھوڑ کر اردو والا نسخہ لیتے ہیں کیوں کہ عربی والا نسخہ مختصر ہے' ملاحظہ فرمائیے (ص ۶۴۲ مطبوعہ نور محمد کراچی)

اعتراض یہ ہے: "حکم بن عاص کو کہ مروان شیطان کا باپ تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک تقصیر کی بناء پر "مدینہ منورہ" سے نکال دیا تھا' پھر "مدینے" میں بلا لیا (حضرت عثمانؓ نے)

جواب: حکم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے نکال دیا تھا کہ وہ منافقوں سے دوستی رکھتا تھا' اور مسلمانوں میں فتنے اٹھاتا تھا' اور کافروں کی مدد کرتا تھا" یہ تھے حکم صاحب' اب ذرا "مدینے" اور "مکے" کی بحث بھی سن لیجئے۔ میاں صاحب نے موقف یہ اختیار فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے حکم کو مکہ سے خارج کر کے "طائف" بھیجا' پھر از خود یا حضرت حکم کی معافی کی درخواست پر آپ ﷺ نے "مکہ معظمہ" واپس آجانے کی اجازت دے دی۔ ص ۱۸۱

لیکن مکہ کے بجائے "مدینہ" سے جلاوطن کئے جانے کی خبر درج ذیل علماء دے رہے ہیں:

(۱) ابن عبدالبرؒ (الاستیعاب جلد اول ص ۱۲۰)

(۲) ابن اثیرؒ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۳۴)

(۳) ابن کثیرؒ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۵۹)

(۴) ابن حجرؒ (الاصابہ جلد ۲ ص ۵۲۸)

اس کے بعد متاخرین میں شاہ عبدالعزیزؒ جیسا زبردست محدث اور مورخ اسی کی تصدیق کرتا ہے جیسا کہ ابھی "تحفہ اثنا عشریہ" میں دیکھا۔

پھر ہم تاریخ اسلام اٹھاتے ہیں تو مولانا اکبر شاہ بھی یہی لکھتے ہیں کہ:

"مروان اور اس کے باپ حکم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے خارج کر دیا تھا"۔ (جلد اول ص ۴۵۲)

اس کے بعد شاہ معین الدین احمد ندوی کی "تاریخ اسلام" حصہ اول کھولتے ہیں تو وہاں بھی یہی ملتا ہے 'اگرچہ صفحہ ۲۷۸ پر انہوں نے جلاوطنی کے ساتھ مدینے یا مکے کی تصریح نہیں کی 'لیکن حوالہ "الاصابہ" کا دیا ہے لہٰذا "مدینہ" متعین ہو گیا 'نیز ص ۲۶۹ پر انہوں نے اعتراض کی جو عبارت لکھی ہے وہ یہ ہے:

"حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کر دیا تھا دوبارہ "مدینہ" بلالیا"۔

خط کشیدہ الفاظ یہ ظاہر کرنے میں صریح ہیں کہ اخراج "مدینے" ہی سے ہوا تھا ورنہ "مکہ" سے ہوتا تو "دوبارہ" کے لفظ کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟

اب میاں صاحب سے کوئی کہے کہ "طبری" میں حضرت عثمانؓ کا جو بیان نقل ہوا ہے (مکہ سے جلاوطنی کا) اسے تسلیم نہ کرنے کا قصور آج پہلی مرتبہ مودودی نے ہی نہیں کیا 'بلکہ یہ قدیم و جدید سب بزرگ کرتے آرہے ہیں 'اور "طبری" ان کے سامنے بھی تھی 'مگر بس فرق یہ تھا کہ میاں صاحب کی طرح وہ

اس مراق میں مبتلا نہیں تھے کہ "طبری" یا کسی بھی تاریخی کتاب میں اگر حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کر کے کوئی تقریر نقل کر دی گئی ہے تو وہ لازماً حرف بحرف انھیں کی ہے' "طبری" کے راویوں کا جو حال ہے وہ تو ہم تفصیل سے بتا چکے' لہذا اس کی کوئی روایت اگر متعدد ثقات کی روایات سے متصادم ہو تو اسے رد کر دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں' آخر میاں صاحب بھی تو بے تکلف اس کی بہتری روایات کو موضوع کہتے چلے ہی آ رہے ہیں۔

یہ "طبری" میں جو تقریر حضرت عثمانؓ سے منسوب کی گئی ہے وہ اس لئے بھی لائق اعتماد نہیں ہے کہ اس میں صورتِ واقعہ کی غلط تصویر کشی ہے' اس کے الفاظ یہ ہیں :

"رسول اللہ سیرہ ورسول اللہ ردہ ۔ اکذلک قالوالھم نعم ۔ طبری ج ۵ ص ۱۰۲ و ۱۰۳ (حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہی نے حکم کو جلاوطن کیا تھا اور انہوں نے ہی اسے واپس بھی بلا لیا' بولو کیا واقعہ یوں ہی ہے ؟ لوگوں نے کہا بے شک"۔

واقعے کی یہ تصویر اس وقت درست ہوتی' جب حضور ﷺ نے خود اپنی زندگی میں حکم کو واپس بلا لیا ہوتا' مگر ابن حجر' ابن کثیر' ابن اثیر' ابن عبدالبر سب ہی یہ بیان کرتے ہیں کہ اسے حضرت عثمانؓ نے اپنے دور میں واپس بلایا۔

ابن اثیر کی بیان کردہ تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سے درخواست کی کہ حکم کو واپس لانے کی اجازت دی جائے' تو انہوں نے صاف جواب دیا کہ :

"ما کنت لا حل عقدۃ عقد ھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکذلک عمر" میں اس گرہ کو نہیں کھول سکتا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا' اور

خلافتِ فاروقی میں حضرت عثمانؓ کی درخواست پر حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ (اسد الغابہ ص ۳۴ جلد ۲)

شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں :

''اور خود حضرت عثمانؓ سے یہ بات لوگوں نے پوچھی تھی کہ حکم کو ''مدینے'' میں کیوں لائے ؟ انہوں نے خود جواب شافی فرمایا کہ میں نے اجازت اس کے آنے کی مدینہ منورہ میں بحالت مرض موت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے لی تھی، جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے ان سے میں نے کہا تو انہوں نے اجازت کا دوسرا گواہ چاہا، چونکہ دوسرا گواہ میرا کوئی نہ تھا لہذا میں خاموش ہو گیا، اسی طرح حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ شاید مجھ اکیلے کے کہنے کو مان لیں انہوں نے بھی حسب دستور ابوبکرؓ کے دوسرا گواہ مانگا، پھر خاموش ہو گیا، جب خود خلیفہ ہوا تو اپنے علم یقینی پر عمل کیا اور حضرت عثمانؓ کی اس بات کے گواہ اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں، بروایت صحیح کہ مرض موت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا، کیا اچھا ہو کہ میرے پاس کوئی مرد صالح آئے جس سے بات کروں ''ازواج مطہراتؓ'' اور دیگر خدام خانہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کو بلائیں ؟، فرمایا نہیں، پھر کیا عمرؓ کو بلائیں ؟ کہا نہیں، پھر کہا علی مرتضیٰؓ کو بلائیں ؟ کہا نہیں، پھر کہا عثمانؓ کو بلائیں ؟ فرمایا ہاں، جب حضرت عثمانؓ آئے تو سب کو الگ کر دیا، تنہائی میں دیر تک ان سے سرگوشی کی، تعجب نہیں ہے کہ وہ وقت آپ ﷺ کے لطف و کرم کا تھا حضرت عثمانؓ نے اس گناہ گار

کی سفارش کی ہو اور قبول ہو گئی ہو' دوسرا اس پر مطلع نہ ہوا ہو"۔ (تحفہ اثنا عشریہ ص ۶۴۳)

اندازہ فرمایا جائے کہ حکم کی واپسی کو شیخینؓ کتنا نامناسب تصور کرتے تھے' یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کو جھوٹا نہیں سمجھتے تھے مگر پھر بھی وہ اس پر راضی نہ ہوئے کہ تنہا حضرت عثمانؓ کے کہنے سے اللہ کے رسول ﷺ کی باندھی ہوئی گرہ کھول دیں' اسی لئے انہوں نے گواہ طلب کیا کہ نہ گواہ ملے گا نہ حضرت عثمانؓ کی خواہش پوری ہو گی' خود ہمارا ایمان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سچ کہا تھا' لیکن ظاہر ہے کہ جو لوگ ان کی اقرباء پروری سے انتہائی بدگمان ہو چکے تھے وہ کیسے یقین کر لیتے کہ وہ سچ بول رہے ہیں' اگر یقین بھی کر لیتے تو یہ بہر حال ان کے سامنے تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں نے ان کی درخواست رد کر دی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حکم کی واپسی مناسب فعل نہیں ہے' جس حالت میں حضرت عثمانؓ نے حضور ﷺ سے اجازت لی وہ بھی کوئی نارمل حالت نہیں۔ حضور ﷺ مرض موت میں مبتلا ہیں' دنیا کے علائق محو ہوتے جارہے ہیں' "قلب و روح تمام تر الھم فی الرفیق الاعلی کا ورد کر رہے ہیں" تکلیف ایسی ہے کہ انا وارساہ (۱) فرمایا جارہا ہے' شدت کرب و مرض سے غش پر غش آرہے ہیں' کچھ نہیں معلوم کہ حضرت عثمانؓ نے مرض کے کس اسٹیج پر حکم کے لئے اجازت مانگی تھی' جو بھی اسٹیج ہو یہ اجازت بہر حال ازراہ مروت دی گئی' دو بیٹیوں کے شوہر عثمانؓ' راہ خدا میں سخاوت کا پیکر' کتنی محبت تھی حضور ﷺ کو عثمانؓ سے' یہ عثمانؓ زندگی کی آخری منزل میں جب وقت موعود آپہنچا ہے حضور ﷺ سے حکم کے لئے التماس کر رہے ہیں' حضور ﷺ جانتے ہیں کہ اب پھر کبھی یہ موقعہ آنے والا نہیں کہ محبوب (۲) داماد کوئی سوال کرے کچھ مانگے' تو

(۱) نسائی و مسند احمد۔ ایسی سخت تکلیف میں یہ لفظ بولتے ہیں کہ جب یہ محسوس ہو رہا ہو کہ جان ہی نکل جائے گی۔ (۲) روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضورؐ کو اس مرض کے مرض الموت ہونے کی اطلاع باری تعالیٰ نے دیدی تھی۔

کیا آخری درخواست بھی اس کی ٹھکرا دی جائے'...... نہیں 'رحم و مروت کے تجسے سے یہ ممکن نہیں 'اجازت دیدی جاتی ہے 'بات ختم ہو جاتی ہے 'قیاس یہی کہتا ہے کہ اجازت ان دنوں میں دی گئی جب مرض الموت کی شدت تھی 'اگر ابتدائی ایام میں دی گئی ہوتی اور کچھ ایام سکون کے حضرت عثمانؓ کو مل جاتے تو پھر وہ حضور ﷺ کی رحلت سے قبل ہی حکم کو مدینے بلا لیتے۔

ظاہر ہے ایسی اجازت خود حضرت عثمانؓ کے لئے تو حیلہ شرعی بن سکتی تھی مگر کسی اور کے لئے کس طرح وہ حجت ہوتی؟۔ حضرات (بوبکرؓ و عمرؓ) جانتے تھے کہ رحم و مروت کے تحت حضور ﷺ کا "ہاں" کر دینا اور بات ہے لیکن یہ "ہاں" حکم شرعی کی حیثیت نہیں رکھتی جب تک کہ حضرت عثمانؓ کوئی گواہ نہ لائیں' بہر حال حضور ﷺ کا اجازت دینا سر آنکھوں پر 'لیکن اس کی تعبیر ان الفاظ میں ہر گز نہیں ہو سکتی جو طبری کی روایت میں ہیں 'شاہ عبد العزیزؒ نے بھی جو کچھ بیان کیا ہے حضرت عثمانؓ ہی کی تقریر کی حیثیت سے بیان کیا ہے لہذا معلوم ہوا کہ تقریر کا صحیح متن وہ نہیں جو "طبری" میں ہے بلکہ وہ ہے جو "تحفہ اثنا عشریہ" میں ہے' حضرت شاہ صاحب کی روایت شناسی اور مہارتِ حدیث کا وزن کم سے کم اتنا تو ہے ہی کہ اگر دس مولانا محمد میاں دوسرے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں تو پلڑا اچھار الٹکا کالٹکارہ جائے۔

ویسے حضرت عثمانؓ کو گناہ گار اس معاملے میں بہر حال نہیں کہہ سکتے' کیوں کہ انہوں نے حکم کو حضور ﷺ کی اجازت ہی سے کر بلایا تھا خواہ اس اجازت کا نفسیاتی پس منظر کچھ بھی ہو' چنانچہ شاہ صاحب حکم کے بارے میں بڑے مزے کی بات لکھتے ہیں:

> "وہ نہایت بوڑھا ہو گیا تھا اور قویٰ اس کے گر گئے تھے کچھ خوف فتنہ و فساد کا اس سے نہیں رہا تھا پس بلا لینا اس کا "مدینہ" میں ایسا ہو گا جیسے کسی بڑھیا پرانی دیو شکل کو بلا لیا"۔ ص ۶۴۳

کاش شاہ صاحبؒ نے ازراہ کشف یہ پتہ لگا لیا ہوتا کہ چودھویں صدی ہجری کے ربع آخر میں ایک شیخ الحدیث بیچ اسی شہر کے پیدا ہونے والے ہیں جس میں شاہ صاحبؒ بس رہے ہیں اور ان شیخ الحدیث کو حکم و مروان دونوں سے عشق ہو گیا ہے لہذا حکم کو "بڑھیا پرانی دیو شکل" لکھ کر وہ ان کے نازک احساسات کا خون نہ کریں! کہیں ایسا تو نہیں وہ بھی مودودی کے مرید رہے ہوں؟۔

الرياض النضرة:

محب الطبری لکھتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ نے خلیفہ اول سے کہا کہ حکم کو واپس لانے کی اجازت دیجئے' میں نے حضور ﷺ سے اس کی اجازت لے لی تھی' تو خلیفہ اول نے جواب دیا کہ میں بھلا اس شخص کو کیسے لوٹا سکتا ہوں جسے رسول اللہ ﷺ نے نکال دیا تھا' میں نے تو نہیں سنا کہ حضور ﷺ نے تم سے ایسا کہا ہو' حضرت عثمانؓ کے پاس کوئی گواہ نہیں تھا' چنانچہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت عثمانؓ کی درخواست رد کر دی' دونوں خلفاء نے اکیلے حضرت عثمانؓ کے قول پر فیصلہ مناسب نہیں سمجھا' پھر جب حضرت عثمانؓ خود خلیفہ ہوئے تو اپنے ذاتی علم کے مطابق حکم کو لوٹا لیا اور یہی قول ہے اکثر فقہا کا اور یہی مذہب ہے عثمانؓ کا۔ (الرياض النضرة جلد ۲ ص ۱۴۳ و ۱۴۴)

ابن سعدؒ کی عبارت:

یہ عجیب بات ہے کہ "طبقات" میں ابن سعد نے سرے سے اخراج ہی کا ذکر نہیں کیا' بلکہ صرف اتنا کہا کہ حکم' فتح مکہ کے دن اسلام لایا اور وہیں سکونت پذیر رہا' یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں اسے مدینے آنے کی اجازت دی۔

ہمارے میاں صاحب! اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے بچوں کی طرح طعن کرتے ہیں کہ مودودی نے یہاں "ابن سعد" کی تحقیق کو چھوڑ دیا حالانکہ

بقول مودودی ابن سعد کو تمام محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔

یہ تو ناظرین حصہ اول میں دیکھ ہی چکے ہیں کہ ابن سعد کا ثقہ ہونا' بقول مودودی نہیں ہے بلکہ بقول محدثین ہے اور میاں صاحب نے یہ تمام جہالت انہیں مجروح کرنے میں جو زور لگایا ہے وہ بدترین قسم کی جسارت اور بد عقلی پر مبنی ہے (قارئین بھول گئے ہوں تو جائزہ حصہ اول کا ص ۱۰۹ تا ۱۱۸ دیکھ لیں)۔(۱)

لیکن کسی مورخ کو ثقہ ماننے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے نبی مان لیا گیا' اور اس کی کتاب قرآن کے مثل ہو گئی کہ اب کسی حرف سے اختلاف ہی ممکن نہیں' اللہ اور رسول ﷺ کے بعد کون ہے جس سے غلطی' سہو' خطا اور لغزش نہ ہو' ابن سعد اگر کسی معاملہ میں ایسی بات کہتے ہیں جو متعدد ثقہ مورخین کی تصریحات کے خلاف ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے۔

پھر یہ معاملہ دراصل اختلاف کا ہے ہی نہیں' بلکہ خبر ملنے نہ ملنے کا ہے' اگر متعدد ثقہ مورخین کو مناسب ذرائع سے اطلاع مل گئی کہ حکم کو مدینے سے نکالا گیا تھا تو انھوں نے اسے درج کتاب کر دیا' ابن سعد کو یہ اطلاع نہ مل سکی لہذا وہ اس کا اندراج اپنی "طبقات" میں نہ کر سکے' اگر کسی معاملہ میں ایک شخص لاعلمی کی پوزیشن میں ہو اور دوسرے لوگ علمی پوزیشن میں تو ظاہر ہے کہ اول الذکر کو معذور سمجھا جائے گا اور دوسروں کی اطلاع مان لی جائے گی۔

مگر ہم کہتے ہیں میاں صاحب نے کس منہ سے "ابن سعد" کا حوالہ دیا جبکہ وہ خود بھی ان کی تائید میں نہیں ہیں' وہ تو اخراج کے منکر نہیں حالانکہ ابن سعد اخراج کا ذکر ہی نہیں کرتے' مزید ہم کہتے ہیں کہ "طبقات" میں "حکم بن ابی العاص" کا یہ ترجمہ کسی عیار کی دست اندازی کا شکار ہوا ہے' ابن سعد نے کچھ اور لکھا تھا' کسی ایسے شخص نے جو میاں صاحب ہی کی طرح مروان اور حکم کا عاشق رہا ہو گا' اصل عبارت بدل کر یہ عبارت وہاں داخل کر دی۔

(۱) اس مجموعے میں ص: ۲۳۸ تا ص: ۲۵۴ (مرتب)

ترجمہ جعلی ہے :

ثبوت اس جعل سازی کا یہ ہے کہ حافظ ابن حجر "اصابہ" کی جلد ۲ صفحہ ۲۸ میں حکم کا ترجمہ سپرد کتاب کرتے ہوئے شروع ہی میں یہ ارشاد فرماتے ہیں :

قال ابن سعد اسلم یوم الفتح وسکن المدینة ثم نفاہ النبی ﷺ الی الطائف ثم اعید الی المدینة فی خلافت عثمانؓ "۔ (ابن سعد نے کہا کہ حکم "فتح مکہ" کے دن ایمان لایا اور مدینہ میں سکونت پذیر ہوا، پھر حضور ﷺ نے اسے "طائف" کی طرف نکال دیا پھر وہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں مدینے لوٹایا گیا)

اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ آج سے کم و بیش چھ سو سال قبل جب حافظ ابن حجر "الاصابہ" لکھ رہے تھے تو ان کے سامنے ابن سعد کی "طبقات" کا جو نسخہ تھا اس میں ٹھیک وہی بات درج تھی جو دوسرے مورخین اور علماء لکھتے آ رہے ہیں۔ یعنی حکم کی مدینے سے جلاوطنی، معلوم ہے کہ اس وقت پریس نہیں تھا، کتابیں قلمی شکل میں تھیں، بعد میں کون سی کتاب کہاں کہاں ہو کر کس طرح پریس میں آئی، یہ ایک طویل داستان ہے جو ہر ہر کتاب کے ساتھ وابستہ ہے، ضرور ایسا ہوا ہے کہ "طبقات" میں حکم کا ترجمہ بدل کر وہ ترجمہ (تعارف) داخل کتاب کر دیا گیا، جو ایک مسلّمہ واقعے سے مکمل چشم پوشی اور بے خبری کا مظہر ہے، قدیم کتب میں دس و الحاق کی مثالیں نایاب تو نہیں ہیں، لیجئے ہم ایک اور مثال پیش کرتے ہیں تاکہ جن لوگوں کو علم نہ ہو علم ہو جائے، خصوصاً طلبائے عزیز کے لئے یہ مثال حفظ کے قابل ہے، یہ حافظ ذہبیؒ کی "میزان الاعتدال" جس کا ذکر بار بار آپ نے پڑھا اس میں حرفِ نون کے تحت (جلد ۳ ص ۲۳۷ پر) امام ابو حنیفہؒ کا دو سطری ترجمہ موجود ہے، فقط دو سطری، وہ بھی کس شان کا، فرماتے ہیں :

> "امام ابو حنیفہؒ کوفی امام اہل الرائے ' نسائیؒ نے حفظ کے رخ سے انہیں ضعیف قرار دیا ہے ' ابن عدیؒ اور دوسرے کچھ لوگ بھی ایسا ہی کہتے ہیں ' خطیبؒ نے اپنی تاریخ کی دو فصلوں میں ان کا ترجمہ پیش کیا ہے ' اور فریقین یعنی امام ابو حنیفہؒ کو ضعیف یا عادل قرار دینے والوں نے اپنے اپنے دلائل کا حق ادا کر دیا ہے"۔

دیکھا آپ نے ' یہ ہے اس عبقری امام کا ترجمہ جس کے اوصاف معلومہ کا معمولی تقاضہ یہ تھا کہ کم سے کم دو صفحے اس پر لکھے جاتے ' مگر یہاں دو سطریں ہیں اور وہ بھی توہین و تحقیر کی حامل۔

ہم حافظ ذہبیؒ یا حافظ ابن حجرؒ سے کم سے کم احناف کے سلسلے میں خوش گمانی ہرگز نہیں رکھتے ' ان حضرات نے دانستہ یا نادانستہ احناف کے تراجم (تعارف) میں بڑا غضب ڈھایا ہے (یہ بحث طویل بھی ہے اور الم ناک بھی) تاہم یہ بالکل طے ہے کہ وہ حافظ ذہبیؒ جو کسی بھی ثقہ کے دفاع میں بیس بیس اور تیس تیس سطریں لکھ جاتے ہیں ' یہ اندھیر ہرگز نہیں کر سکتے تھے کہ ابو حنیفہؒ کو بالکل ہی تحت الثریٰ میں پہنچادیں۔

مزید یہ کہ خود حافظ ذہبیؒ اپنی "میزان الاعتدال" ہی کے مقدمے میں (جلد ا صفحہ ۳ پر) لکھتے ہیں کہ :

> "میں نے اپنی اس کتاب میں ان رفیع الشان ائمہؒ کا ذکر نہیں کیا ہے ، جن کا اتباع کیا جاتا ہے فروعِ فقہ میں ' کیوں کہ ان حضرات کی شان بہت اونچی ہے اور مخلوق کے دلوں میں ان کی عظمت رچی بسی ہے جیسے کہ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ اور بخاریؒ۔"

یہ گویا خود حافظ ذہبیؒ کی طرف سے پیشگی انتباہ ہے کہ "ابو حنیفہؒ" کا ترجمہ میری کتاب میں ہے ہی نہیں "ہندوستان" کے شائع کردہ نسخے میں ابو حنیفہؒ کا یہ

ترجمہ حاشیہ پر ہے نہ کہ "حوض" میں 'اور ناشر کی طرف سے یہ معذرت ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے کہ لما لم تکن هذه الترجمة فی نسخة و کانت فی الاخریٰ اور دتها علی الحاشیه (ابو حنیفہؒ کا یہ ترجمہ "میزان الاعتدال" کے ایک نسخے میں تو تھا ہی نہیں 'دوسرے میں تھا لہذا اسے ہم نے حاشیہ پر ڈال دیا ہے)۔

مگر اہلِ مصر نے چھاپا تو بلا تکلف اسے حوض ہی میں داخل کر دیا اور کوئی معذرت بھی نہیں کی 'ماضی میں کسی صاحب نے اس کے قلمی نسخہ کا مطالعہ فرماتے ہوئے اپنی طرف سے حاشیہ پر بطور تعلیق یہ ترجمہ رقم فرمایا اور شدہ شدہ یہ "میزان" ہی کے متن میں داخل ہو کر ذہبیؒ کے سر منڈھا گیا' مزید ثبوت کے طور پر درج ذیل شواہد ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حافظ سیوطیؒ اپنی "تدریب الراوی" کے صفحہ ۵۱۹ پر رقمطراز ہیں :الا انه ای الذهبی لم یذکر احد امن الصحابة ولا الائمة المتبوعین (...... لیکن حافظ ذہبیؒ نے میزان میں کسی صحابی یا امام مذہب کا ذکر نہیں کیا ہے)۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ حافظ سیوطی "میزان" کا جو نسخہ ملاحظہ فرما رہے ہیں اس میں ابو حنیفہؒ کا ترجمہ ہر گز نہیں ہے۔

(۲) قاضی زین الدین عراقیؒ "شرح الفیہ" (۱) جلد ۳ صفحہ ۲۶۱ پر لکھتے ہیں کہ ابن عدیؒ نے اپنی "الکامل" میں ہر اس شخص کا ذکر کیا ہے جس میں کلام کیا گیا چاہے وہ ثقہ ہی کیوں نہ ہو 'اور حافظ ذہبیؒ نے اپنی "میزان" میں اسی کی پیروی کی ہے لیکن انہوں نے کسی صحابی یا امام مذہب (الائمة المتبوعین) کا تذکرہ نہیں کیا۔

(۳) حافظ سخاویؒ شرح الالفیہ میں صفحہ ۴۷۷ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن عدیؒ کی پیروی کے باوجود ذہبیؒ نے صحابہ یا ائمہ مذہب کا ذکر "میزان" میں نہیں کیا ہے۔

(۱) یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری اس کا حوالہ ہم نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی "ما تمس الیه الحاجة" کے صفحہ ۴۷ سے دیا ہے۔

(۴) "توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار" میں محمد بن اسمٰعیل الامیر الیمانی نے رقم فرمایا ہے کہ ذہبیؒ نے میزان میں ابو حنیفہؒ کا ترجمہ نہیں پیش کیا، البتہ نوویؒ نے اپنی تہذیب میں کافی طویل ترجمہ دیا ہے، اور ابو حنیفہؒ کی تضعیف کا ذکر تک نہیں کیا۔

(۵) ابو الحسنات مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے اپنی کتاب "غیث الغمام علیٰ حواشی امام الکلام" میں صفحہ ۱۴۶ پر تحریر فرمایا ہے کہ ان هذه العبارة لیست لها اثر فی بعض النسخ المعتبرة علیٰ مارایتها بعینی (یہ ابو حنیفہؒ کے ترجمہ والی عبارت "میزان" کے بعض ایسے معتبر نسخوں میں موجود نہیں ہے جنہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے)۔

(۶) ہم بتا چکے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کی "لسان المیزان" اسی "میزان الاعتدال" پر اضافہ ہے، اب ہم "لسان المیزان" کے خاتمے پر حافظ ابن حجرؒ کا یہ بیان دیکھتے ہیں کہ اپنی کتاب سے میں جمادی الاولیٰ ۸۵۲ھ میں فارغ ہوا، البتہ اس کے بعد میں نے کچھ اضافے کئے ہیں اور "تہذیب" میں سے ایک فصل ایسی بڑھا دی ہے جس میں وہ سب نام موجود ہیں جن کا ذکر ذہبیؒ نے تو "میزان" میں کیا ہے مگر میں نے انھیں "لسان المیزان" میں حذف کر دیا ہے، یہ اس لئے تاکہ "لسان المیزان" کسی ایسے نام سے خالی نہ رہے جس کا ترجمہ ذہبیؒ نے "میزان" میں دیا ہو۔

ابن حجرؒ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر ذہبیؒ نے "میزان" میں ابو حنیفہؒ کا ترجمہ دیا ہوتا، تو جو فصل "تہذیب" سے ابن حجرؒ نے بڑھائی ہے اس میں وہ لازماً ابو حنیفہؒ کا ترجمہ بھی دیتے، کیوں کہ ابو حنیفہؒ کا ترجمہ "تہذیب" میں موجود ہے اور ابن حجرؒ خود کہہ رہے ہیں کہ جن جن لوگوں کا ترجمہ ذہبی نے دیا ہے میں نے ان سب کو "لسان المیزان" میں لے لیا ہے۔

پھر کیا ظاہر ہوا سوائے اس کے کہ فی الحقیقت ذہبیؒ نے "میزان" میں

ابو حنیفہ کا ذکر کیا ہی نہیں تھا' مگر بعد میں یہ داخل کیا گیا' پہلے حاشیہ تک رہا پھر داخل حوض ہو گیا' اور اب جو ناواقف حضرات اس دو سطری ترجمے کو "میزان" میں پڑھتے ہیں تو حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ یہ ذہبی نے کیا کیا؟ ابو حنیفہؒ سے بغض رکھنے والوں کی تو خوشی سے باچھیں کھل جاتی ہیں' مگر ان کے مرتبہ شناسوں کا دل پھٹ جاتا ہے اور قدر نا شناس وہ ذہبی سے بدگمان ہو جاتے ہیں' حالانکہ ذہبی اگرچہ اپنے حنبلی مذہب کے تعصب میں مبتلا ہیں اور رجال احناف کے ساتھ ان کا ظلم محققین (۱) پر عیاں ہے' لیکن ان کے زہد و ورع اور عام حالت (۲) میں ان کے جذبہ انصاف سے یہ توقع ہرگز ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ فقیہوں کے فقیہ' اماموں کے امام' رئیس الاتقیاء' آیت من آیات اللہ' مقبول زمانہ حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہ تغمدہ اللہ برحمتہ کے ساتھ ایسا تحقیر آمیز برتاؤ کریں گے جیسا "میزان" کے مذکورہ الحاقی ترجمے سے ظاہر ہے۔

(۱) مزید ارباب یہ ہے کہ "میزان الاعتدال" میں ذہبیؒ نے امام فخر الدین رازیؒ اور سیف آمدیؒ کو ضعیف ٹھہرا دیا ہے!

(۲) عام حالت سے مراد یہ ہے کہ وہ غصے اور جوش میں نہ ہوں' جب کسی حنفی یا شافعی یا مالکی عالم کا ترجمہ وہ شروع کرتے ہیں تو اللہ انھیں معاف کرے' مزاج کبھی کبھی نقطۂ اعتدال سے گذر جاتا ہے' خود ان کے شاگرد تاج الدین سبکیؒ اپنی کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں احمد بن صالح کے ترجمے میں (صفحہ ۱۰۹ تا ۱۹۲ جلد اول) میں فرماتے ہیں کہ "مگر چھوڑیئے انہوں نے تو بہت کچھ بڑا سخت فرمادیا ہے' خلاصہ ان کے کلام کا یہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے باب میں حافظ ذہبیؒ کے تراجم پر ہرگز بھروسہ نہیں کرنا چاہئے' وہ کہتے ہیں کہ بے شک ذہبیؒ ہمارے استاد ہیں لیکن "حق" سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے آگے سر تسلیم خم کیا جائے' حق یہی ہے کہ تعصب مذہبی نے ان کا مزاج بگاڑ دیا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ قیامت کے دن بہت سے علماء و ائمہ ان کا دامن پکڑ کر اللہ سے فریاد کریں گے کہ اس شخص نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے اسی "طبقات الشافعیہ" کی جلد اول ص ۱۹۷ پر وہ مزید لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے استاد ذہبیؒ کو اپنی گرفت سے محفوظ رکھے' وہ اپنی تمام خوبیوں اور نیکیوں کے باوجود بہت زیادہ تعصب کے شکار ہو گئے اور شافعی و حنفی بزرگوں کے بارے میں ان کی زبان نے بڑی جراحت کاریاں کی ہیں اور جن لوگوں سے انھیں حسن ظن ہے ان کی تعریف میں بھی غلو سے نہیں بچ سکے ہیں' (خلاصہ نہ کہ ترجمہ)۔

ایک اور ثبوت قطعی :

جتنے ثبوت اب تک دیئے گئے وہ بھی کمزور نہیں لیکن سب سے قوی ثبوت خود حافظ ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" میں موجود ہے ملاحظہ کیجئے جلد اول ص ۱۵۱ تا ص ۱۵۲۔ امام صاحب کے ترجمے کا صرف عنوان ہی منہ سے بول رہا ہے کہ ذہبی امام صاحب کے مرتبہ شناس ہیں' عنوان ہے : "ابوحنیفۃ الامام الاعظم"۔

ظاہر ہے یہ سرخی دینے والا کبھی وہ ؟ ؟ میزان الاعتدال" والی حرکت نہیں کر سکتا کہ "نعمان بن ثابت ابو حنیفۃ الکوفی"

زیر عنوان دیکھئے' سب سے پہلے تو امام صاحب کی تابعیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ آپ نے متعدد بار حضرت انس بن مالکؓ کا دیدار کیا ہے' پھر کہتے ہیں کان اماماً ورعاً' عالماً' عاملاً متعبداً کبیر الشان (ابو حنیفہؒ امام تھے' صاحب تقویٰ تھے' عالم تھے' عامل تھے' عبادت گزار تھے' بڑی شان والے تھے)۔

پھر مختلف بزرگوں کے درج ذیل اقوال نقل کرتے ہیں :

ابن المبارک نے فرمایا کہ ابو حنیفہ سب لوگوں سے بڑھ کر فقیہ تھے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

جناب یزیدؒ(۱) نے فرمایا کہ میں نے کسی کو ابو حنیفہؒ سے زیادہ دانش مند اور متقی نہیں پایا۔

(۱) "کربلا" والا یزید نہ سمجھ لیجئے گا' یہ یزید بن ہارونؒ ہیں' ایک مرتبہ ان کی مجلس میں یحییٰ بن معینؒ اور علی بن المدینی اور احمد بن حنبلؒ اور زہیر بن حربؒ اور بعض اور حضرات بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کوئی فتویٰ پوچھا' یزیدؒ بولے کہ میاں اہل علم کے پاس جاؤ' اس پر علی بن المدینی نے کہا کہ کیا اہل علم اور اہل حدیث آپ ہی کے پاس بیٹھے ہوئے نہیں ہیں' یزید بن ہارون نے جواب دیا کہ جناب اہل علم تو اصحاب ابو حنیفہ ہیں آپ لوگ فقط عطار ہیں۔ (مناقب الامام الاعظم۔ لصدر الائمۃ جلد ۲ ص ۷۴) اور حافظ ابن عبد البر نے "جامع بیان العلم" میں (جلد ۲ ص ۱۳۱ پ) اعمش کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابو حنیفہؒ سے خطاب کرتے ہوئے کہا' آپ لوگ اطباء ہیں اور ہم دوا فروش!

یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ابو حنیفہؒ سے روایت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں' ان پر کبھی کوئی ایسا اتہام نہیں لگایا گیا جو قابل ذکر ہو۔

ابو داؤدؒ نے فرمایا کہ ابو حنیفہؒ امام تھے۔

ابو یوسفؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابو حنیفہؒ کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شخص نے ابو حنیفہ کی طرف اشارہ کر کے دوسرے شخص سے سرگوشی کی کہ یہ ابو حنیفہ ہیں جو رات بھر سوتے نہیں ہیں' بس پھر ابو حنیفہ نے ہم سے فرمایا کہ خدا ایسا نہ ہونا چاہئے کہ لوگ میری طرف ایسے افعال منسوب کریں جن پر میں عامل نہ ہوں' اس کے بعد آپ نے شب بیداری کو معمول بنا لیا' تمام رات نماز اور دعاء اور تضرع میں گزارتے۔

یہ سب نقل کرنے کے بعد حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں :

"قلت مناقب هذا الامام قد افرد تها فی جزء"۔

(میں کہتا ہوں اس امام پر تو میں نے مستقل ایک کتاب لکھی ہے)۔

اب بتایئے کیا ذرہ برابر شبہ اس بات میں رہ جاتا ہے کہ "میزان" کا ترجمہ الحاقی ہے' جعل یا پھر بہت بڑے مغالطے کا ثمرہ ہے جس کا کوئی تعلق حافظ ذہبی سے نہیں۔

خلاصہ :

کتابوں میں دس والحاق(۱) کے نمونے بہت ہیں لیکن ان کی نشاندہی میں ضرورت ہے دلیل قوی کی' حافظ ابن حجر اگر بلا تکلف ابن سعد کی طرف وہ قول منسوب کرتے ہیں جو ان کی موجودہ "طبقات" میں نہیں ہے تو یہ یقیناً دلیل قوی ہے اس بات کی کہ "طبقات" کے اصل نسخے میں انہوں نے یہ قول دیکھا ہے اور

(۱) ٹھونسا ہوا مدخولہ۔

موجودہ نسخوں کی عبارت بعد کے کسی کاریگر کا کرشمہ ہے' اب سوائے "طبری" کے اور کون رہا جو میاں صاحب کا سہارا بنے 'اہل فہم فیصلہ کریں کہ اس سہارے کی کیا قیمت ہے جب کہ ہم بتا آئے ہیں کہ اسناد کے اعتبار سے طبری کی روایات حجت نہیں ہیں 'ان کا اعتبار تو اس پر منحصر ہے کہ دوسرے ثقہ مورخین سے بھی ان کی تائید مل جائے یا کم سے کم وہ ثقہ روایات سے متعارض نہ ہوں۔

قیاس و منطق کے پہلو :

میاں صاحب سے یہ شکایت فضول ہی ہے کہ وہ اپنے کسی دعوے کے مضمرات بھی سوچ لیا کریں' سوچے تو وہ جس میں سطح سے نیچے جانے کی صلاحیت بھی ہو' وہ بس اوپر اوپر ہاتھ پاؤں مارنے کے عادی ہیں' انہوں نے بلا تکلف کہہ دیا کہ حکم کو مکہ سے نکالا گیا ہوگا' اس دعوے کا تمام ثقہ روایات کے خلاف ہونا تو ہم دکھا ہی چکے' اب آیئے ذرا قیاس و منطق کے پیمانے سے بھی اسے ناپیں۔

یہ تو طے ہے کہ حکم فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا ہے' فتح کے بعد حضور ﷺ مکہ میں قیام پذیر نہیں ہوتے بلکہ "حنین او طاس" کے لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں' وہاں سے "نخلہ یمانیہ" "قرن" اور "ملیح" وغیرہ ہوتے ہوئے "طائف" پہنچتے ہیں' "طائف" فتح کر کے "مدینے" آجاتے ہیں اور مدینہ ہی دار الخلافہ ہے جہاں آپ بقیہ زندگی گزارتے ہیں' پھر آخر حکم سے وہ خاص قصور کب سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں اسے مکہ سے نکالا گیا' اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ کو پریشان کرنے اور ان کی توہین کرنے کی جتنی روایات تم نے بیان کی ہیں وہ سب فتح مکہ سے قبل کی ہیں' جب حکم ایمان نہیں لایا(۱) تھا' بس انہی حرکات کی وجہ سے وہ جلاوطن کیا گیا' تو ہم کہیں گے کہ یہ بالکل غلط ہے' فتح مکہ کے ایام میں جن

(۱) ایسا کہا بھی گیا ہے۔

لوگوں سے جو سلوک کیا گیا اس کی تمام تفاصیل نام بہ نام کتب معتبرہ میں موجود ہیں' بہتیرے اور لوگ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کو بڑی بڑی ایذائیں پہنچائی تھیں' ان میں سے بعض کو قتل کیا گیا' اور بقیہ کو معافی دی گئی' ابن خطل کو قتل کیا گیا جب کہ وہ کعبہ کے پردے میں روپوش تھا' ابن وہب شاعر کو قتل کیا گیا ' مقیس ' قریبہ اور ارنب (۱) کو قتل کیا گیا' حارث بن طلاطلہ کو قتل کیا گیا' مگر اور بڑے بڑے مجرمین مثلاً عکرمہ بن ابی جہل ' عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ' ابوسفیان ' صفوان بن امیہ ' حتیٰ کہ اس ہبار بن الاسود کو بھی معافی دی گئی' جس کی شرارت سے بوقت ہجرت حضرت زینبؓ کا حمل ساقط ہو گیا تھا' حد ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی تک کی جان بخشی کی گئی' لیکن آپ ﷺ اس سے بہت کبیدہ تھے' اس لئے اتنا ضرور فرمایا کہ تو میرے سامنے نہ آیا کر' جلاوطنی کی سزا اسے بھی نہیں دی گئی' پھر آخر حکم کو جلاوطن کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟ مزید یہ کہ اس وقت تک تو طائف فتح بھی نہ ہوا تھا' کیونکر ممکن ہے کہ حکم کو جلاوطن کر کے وہاں روانہ کیا جائے جہاں ابھی تک دوسروں کی حکومت ہے' صاف ظاہر ہے کہ قبل از اسلام کی خطاؤں پر حکم کو جلاوطن کرنا کسی پہلو سے قرین قیاس نہیں' نہ اس کی کوئی ضرورت ہے جب کہ حضور ﷺ اب مکے میں نہیں مدینے میں قیام پذیر ہیں' ان ﷺ کے لئے تو حکم کا مکہ یا طائف میں رہنا یکساں ہی ہے' ماننا پڑے گا کہ حکم سے قبول اسلام کے بعد بھی ایسی حرکات کا صدور ہوا ہے جن کی بناء پر حضور ﷺ نے جلاوطن کیا' قصور اور جلاوطنی کا اعتراف میاں صاحب بھی کرتے ہیں' پھر آخر یہ حرکات کب ہوئیں کہاں ہوئیں' اگر یوں کہا جائے کہ مکہ ہی میں ہوئیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ ان کا تعلق حضور ﷺ کی ذات خاص سے نہ تھا کیوں کہ حضور ﷺ تو مدینے میں فروکش ہیں نہ کہ مکہ میں' پھر یہ دو نوع کی ہو سکتی ہیں' یا تو سیاسی یا معاشرتی' اگر سیاسی ہوں تو ان کی سزا یا تو قید کی صورت میں

(۱) "قریبہ" اور "ارنب" عورتیں تھیں۔

دی جاتی' یا مار کی شکل میں مکہ سے طائف نکال دینے کے کوئی معنی ہی نہیں' اور اگر معاشرتی ہوں تو پھر بھی جلاوطنی کا سوال پیدا نہیں ہوتا' بلکہ خود وہ اہل مکہ جو ایمان لا چکے تھے اچھی طرح حکم کی گوشمالی کر سکتے تھے۔ حضور کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ بجائے مکہ کے اس فتنے کو طائف میں پہنچادیں۔

سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ فتح کے بعد حکم کا مدینے آنا اور وہاں بھی حضور ﷺ کو ستانے کا سلسلہ جاری رکھنا تسلیم کیا جائے' اس طرح یہ بات بالکل قریب الفہم ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے قتل تو اس لئے نہ کیا ہو کہ بہر حال یہ شخص ظاہراً مسلمان ہو چکا ہے مگر نکال باہر اس لئے کیا ہو کہ مدینے میں اس کا وجود وبال جان بن چکا ہے' خود حضور ﷺ تنگ ہیں۔

ابن تیمیہؒ کے فرمودات :

اب ہم ابن تیمیہؒ والی عبارت پر توجہ دیتے ہیں "تجدید سبائیت" کے محترم مصنف سے یہ تو پوشیدہ نہ ہو گا کہ "منہاج السنۃ" کوئی معروضی اور ایجابی تصنیف نہیں ہے بلکہ ایک دفاعی اور سلبی تصنیف ہے جس میں ابن تیمیہؒ اہل سنت کی طرف سے وکالت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں' ایسی صورت میں ان سے کوئی بعید نہیں کہ جہاں ذرا بھی موقعہ ملے وہ قانون کے ظاہری الفاظ سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقدمہ کو مضبوط کر جائیں' یہ وکالت کی عین فطرت ہے' مثال کے طور پر آج بھی کسی عدالت میں ملزم کا وکیل عین اس وقت جب کہ بہت سی مضبوط شہادتیں ملزم کے خلاف عدالت کے سامنے آچکی ہیں' اتنے سے قانونی نکتے پر ملزم کو بچالے جاسکتا ہے کہ پولیس کے ابتدائی بیان میں فلاں قانونی سقم تھا' یا مدعی کے فلاں کاغذ پر فلاں متعلقہ فرد کے دستخط نہیں پائے جاتے' یہ آئے دن ہوتا ہے' قانون کے بے روح اور سپاٹ الفاظ حقائق کی ساری بساط الٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

یہی منظر یہاں بھی نظر آرہا ہے' ابن تیمیہؒ کے الفاظ یہ ہیں وقصۃ طرد

الحکم لیس لها اسناد نعرف به صحتها (حکم کے نکالے جانے کے قصہ کی کوئی ایسی سند نہیں ہے جس سے ہم اس قصے کی صحت کو جان سکیں)

اب یہاں پہلے تو نقل کی غلطی ملاحظہ فرمایئے کہ ابن تیمیہؒ نے نعرف (صیغہ جمع متکلم معروف) سپرد قلم کیا تھا لیکن ناقل نے ایک نقطہ بڑھا کر تعرف (واحد مونث مجہول) کر دیا جس سے معنی میں ایک لطیف ترین فرق پیدا ہو گیا۔ دوسری غلطی ترجمے کی ہے' سخت حیرت ہے کہ میاں صاحب کی طرح یہ بزرگوار بھی زبان سے بے پروائی برت رہے ہیں' اگر تعرف بھی تسلیم کر لیں تو بہر حال صحتها کی ضمیر "قصہ" کی طرف لوٹتی ہے مگر انہوں نے "اسناد" کی طرف لوٹا دی' ان کا ترجمہ یہ ہے کہ "اس کی کوئی سند ایسی نہیں جس کی صحت معلوم ہو"۔

اہلِ علم غور فرمائیں "اسناد" عربی میں مونث نہیں مذکر ہے اور یہ ہر حال میں جمع بھی نہیں' بلکہ واحد بھی استعمال ہوتا ہے' چنانچہ اسی ابن تیمیہؒ کی عبارت میں "بہ" موجود ہے جس کی ضمیر مذکر "اسناد" کی طرف لوٹ رہی ہے' پھر کیا تک ہے کہ ضمیر مونث "ہا" کو بھی اسناد کی طرف لوٹا کر صحت کا جوڑ جائے قصے کے اسناد سے لگا دیا گیا۔

ہم دکھانا یہ چاہتے ہیں کہ مودودی پر کیسی کیسی قابلیت کے لوگ قلم اٹھاتے ہیں' یہ نحوی غلطی ایسی نہیں تھی جو درجہ اوسط کا کوئی طالب علم بھی کر تا چہ جائے کہ ایک استاد اور شیخ اس کے مرتکب ہوں۔

ایک نقطہ کی وجہ سے بہت نازک فرق یہ پیدا ہو گیا کہ ابن تیمیہؒ تو صرف اپنے علم تک محدود رہے تھے' یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم بول دیتے ہیں کہ "ہمارے علم کی حد تک تو واقعہ یوں نہیں ہے"۔ یہ انداز کلام بتاتا ہے کہ دوسروں کے علم کے متعلق کوئی دوٹوک فیصلہ ہم نہیں دے رہے' بلکہ اپنی ہی معلومات کی بات کر رہے ہیں' ہو سکتا ہے ہمارا علم ناقص ہو' اس کے برخلاف تعرف سے اسلوب کلام بدل گیا اور مفہوم یہ پیدا ہوا کہ اس قصہ کی عدم صحت ہم زیادہ شدومد سے

پیش کر رہے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ کوئی بھی اس کی صحت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

مزید سنئے کہ "صحت" کا لفظ فنِ روایت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے' "صحیح" روایت اصطلاحاً وہ ہے جو "سند صحیح" سے ثابت ہو اور "سند صحیح" وہ ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہوں' ہم مانے لیتے ہیں کہ اس اصطلاح کے اعتبار سے اس واقعہ کی کوئی سند "صحیح" نہیں ہے لیکن کیا موصوف محترم یہ نہیں جانتے کہ 'غیر صحیح' احادیث کی ایک قسم "حسن" بھی ہے جسے صرف اس لئے "صحیح" کے خانے میں درج کرتے ہیں کہ اس سے اسی طرح حجت پکڑنا درست ہے جس طرح "صحیح" روایات سے' اور کیا انہیں نہیں معلوم کہ بعض ضعیف روایتیں ارتقا پا کر "حسن" بھی بن جاتی ہیں اور کیا انہیں خبر نہیں کہ تعددِ طرق بجائے خود ضعیف کو قوی بنا دیتا ہے جیسا کہ ہم حوالوں اور دلیلوں اور مثالوں کے ساتھ واضح کر آئے ہیں۔

امام ابن الہمام کے یہ الفاظ پھر ایک بار دہرا لیجئے جنہیں ہم پیچھے دے آئے کہ

والضعيف اذا تعددت طرقه يرتقئ الى الحسن فيغلب الظن

صاف نظر آرہا ہے کہ ابن تیمیہ نے ایک وکیل کی حیثیت سے قانونی اصطلاح "صحیح" کا فائدہ اٹھایا اور کام نکال لے گئے' یہ عمل گناہ نہیں تھا مگر کیا اس سے حقائق بھی بدل گئے؟ کیا متعدد سندوں سے معلوم ہونے والا واقعہ افسانہ بن گیا؟

حق یہ ہے کہ اگر کسی تاریخی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے یہی شرط طے کر دی جائے کہ وہ لازماً "صحیح" اسناد سے مروی ہو تو پھر ہماری ساری تاریخ اسلام کا دفتر سمندر میں ڈبو دینے کے قابل رہ جائے گا۔ الا ماشاء اللہ۔

بعد کے زمانے کا قصہ تو الگ رہا' دور خلافت راشدہ کی بھی کوئی داستان مربوط طور پر ہمارے پاس نہیں بچے گی' کیوں کہ اصطلاحی صحت کے ساتھ جتنی روایتیں موجود ہیں وہ زنجیر کے ایسے حلقوں کی حیثیت رکھتی ہیں جنہیں اس وقت تک جوڑا نہیں جا سکتا جب تک کچھ حلقے ایسی روایات سے نہ لائے جائیں جو اصطلاحاً صحیح نہیں ہیں' بلکہ اس سے کم رتبہ ہیں' یہ "طبری" وغیرہ تو پھر ذکر تک

کے قابل نہیں رہتیں کیوں کہ ان کا پچانوے فی صد حصہ "غیر صحیح" اسناد سے مروی ہے۔

کسی مستند عالم سلف نے یہ قاعدہ مقرر نہیں کیا کہ احکام و عقائد سے ہٹ کر باقی تمام شعبوں کے لئے بھی لازماً "صحیح" روایات قبول کرنی چاہئیں اور باقی کو رد کر دینا چاہئے۔

آپ دیکھ چکے کہ فقہائے جلیل الشان ضعیف روایات کو کیا درجہ دیتے ہیں اور تاریخ و سیر میں کس طرح انہیں قبول کرتے ہیں' "تجدید سبائیت" ہماری نظر سے نہیں گزری' لیکن بغیر دیکھے بھی ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اس میں مصنف نے جن واقعات کو تسلیم شدہ واقعات کی حیثیت سے پیش کیا ہو گا وہ بھی ایسے ہرگز نہ ہوں گے کہ تمام کے تمام "صحیح" اسناد سے ثابت ہوں' جو شخص اس کا طالب ہو کہ تاریخ کی تمام جزئیات اس کے سامنے "صحیح اسناد" سے پیش کی جائیں اسے چاہئے کہ بجائے تاریخی بحثوں میں پڑنے کے 'کونے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے۔

ابن تیمیہؒ نے ایک استدلال یہ کیا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم مروان کا باپ کب ہجرت کر کے مدینے آیا' "طلقاء" میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے ہجرت کی ہو' کیوں کہ حضور ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ "فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے" اور جب صفوان بن امیہ ہجرت کر کے مدینے آئے تو حضور ﷺ نے انہیں مکہ لوٹ جانے کا حکم دیا' اس استدلال میں دو کمزوریاں ہیں' ایک یہ کہ کسی واقعہ کا ہونا نہ ہونا ابن تیمیہؒ کے علم پر تو موقوف نہیں' کیا ضروری ہے کہ ہر بات کا انہیں علم ہی ہو' دیگر بہت سے ثقہ علماء اس علم کا اظہار کر رہے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ اسے نہ مانا جائے؟ دوسری یہ کہ ہجرت ایک اصطلاحی لفظ ہے' ابن تیمیہؒ نے یہاں بھی کھری اصطلاح ہی سے فائدہ اٹھانا چاہا حالانکہ وہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ کے اعلان نے صرف اس اصطلاحی ہجرت کا امتناع کیا ہے جو عبادت کے درجے کی چیز

تھی' نہ یہ کہ اب مکہ سے مدینے آنا ہی ممنوع قرار پا گیا۔
صفوان بن امیہ یہ سمجھ کر مدینے آئے تھے کہ ہمیں بھی ثواب ہجرت ملے۔ حضور ﷺ نے لوٹا دیا کہ اب یہ ثواب کہاں ہے' اب تو مکہ مدینہ سب اسلام کی ریاست میں شامل ہیں' حکم ثواب کی نیت سے نہیں' بلکہ سادہ مفہوم میں انتقال مکانی کے خیال سے مدینہ چلا آیا ہو تو اس میں کون سا استحالہ ہے' اسے آنا بھی چاہئے تھا' آخر حضرت عثمانؓ کا چچا تھا' مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے قرب میں زیادہ عزت و منفعت کی توقع رکھ سکتا تھا' حضور ﷺ نے بھی اس لئے نہ لوٹایا ہو گا کہ یہ ثواب کے چکر میں نہیں ہے' پھر ممکن ہے حضرت عثمانؓ کی مروت بھی اس سے مانع رہی ہو' یہ کوئی شرعی مسئلہ تو تھا نہیں کہ فتح مکہ کے بعد کوئی بھی مسلمان مدینے آکر نہ بسے۔
"تجدید سبائیت" کا اقتباس بس اسی پر ختم ہو جاتا ہے' ہم دو قدم آگے بڑھ کر ابن تیمیہؒ کے مزید فرمودات پر گفتگو کرتے ہیں' انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر حضور حکم کو نکالتے تو مدینے سے مکے بھیجتے نہ کہ طائف۔
کیوں آخر؟ اس کا کوئی جواب "المنتقی" میں نہیں' ہم نہیں جانتے کہ "مکہ" لوٹانا کیوں ضروری تھا' اور "طائف" روانہ کرنے میں کیا قباحت تھی' مزید انہوں نے فرمایا کہ کثیر اہل علم نے اس کی جلاوطنی میں طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے گیا تھا۔
پھر تو سوال یہ ہے کہ ابھی تو ابن تیمیہؒ یہ کہہ رہے تھے کہ مکہ سے حکم کا مدینے آنا یا مکہ ہی سے جلاوطن کیا جانا پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا اور اب اکثر اہل علم کا ایسا قول نقل کر رہے ہیں جس میں "آنے جانے" کا قصہ ایک امر مسلم کی حیثیت سے موجود ہے' مرضی بے مرضی کا کیا سوال پیدا ہوا' اگر سرے سے آنے جانے ہی کا قصہ غلط ہے؟ معلوم ہوا کہ خود ابن تیمیہؒ کے علم میں ہے کہ "آنے جانے" کا قصہ اکثر اہل علم کے نزدیک امر واقعہ ہے' اب رہا مرضی بے مرضی کا سوال تو اس

میں ان لوگوں کا قول زیادہ معتبر ہوگا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے حضور ﷺ نے نکالا تھا' یہ اس لئے کہ اگر کسی معاملہ میں ایک شخص تو لاعلمی کا اظہار کرے اور دوسرا شخص علم کا' تو دوسرے کی بات مانی جائے گی' مثلاً زید کہے کہ میں نہیں جانتا "لندن" کی ملکہ کے کوئی اولاد ہے یا نہیں؟ عمرو کہے کہ اس کے چار لڑکے دو لڑکیاں ہیں تو عمرو کا قول لائق تسلیم ہوگا۔

جن اہل علم کا ابن تیمیہؒ نے ذکر کیا وہ اس کی کوئی مثبت دلیل پیش نہیں کرتے کہ حکم اپنی مرضی سے گیا تھا' انہیں چونکہ جلاوطنی کا واقعہ پہنچا نہیں' اس لئے انہوں نے کہہ دیا کہ اپنے اختیار سے گیا' یہ گویا اعتراف ہوا کہ ہمیں جلاوطنی کا علم نہیں' پھر آخر ان کے مقابلہ میں ان علماء کا قول کیوں رد کیا جائے' جو کہتے ہیں کہ ہمیں جلاوطنی کا علم ہے' فلاں فلاں وجہ سے حکم کو جلاوطنی کی سزا ملی۔

مزید ایک فقہی نکتے سے ابن تیمیہ نے استدلال کیا کہ جلاوطنی کی سزا سنت میں صرف زانی اور مخنث کے لئے پائی جاتی ہے' حکم نہ زانی تھا نہ مخنث' ہم اس نکتے کے جواب میں بہت ادب کے ساتھ اپنی بے بضاعتی اور ابن تیمیہؒ کی جلالتِ شان کا اقرار کرتے ہوئے عرض کریں گے کہ یہ صرف ذہانت اور طباعی کا مظاہرہ ہے' علمی حیثیت سے اس میں جان نہیں' آخر کون سی حدیث ایسی ہے جس میں یہ صراحت کر دی گئی ہو کہ زانی اور مخنث کے سوا کسی کو جلاوطن کیا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر سنت کی تحدید صرف ان دو میں کیسے کی جا سکتی ہے جب کہ حکم کو نکالنا بھی حضور ﷺ ہی کا عمل ہے' یہ عجیب بات ہے کہ جو جلاوطنی مجائے خود معرض بحث تھی اسی کو ایک طے شدہ افسانہ مان کر ابن تیمیہؒ نے سنت کی تحدید کر دی' حالانکہ یہ افسانہ دیگر متعدد اہل علم کے نزدیک حقیقت ہے' اور حقیقت ہے تو اسے خارج از سنت کہنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے' مزید وہ کہتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کسی کو جلاوطنی کی سزا دیتے تھے تو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ طویل زمانے تک باقی رہے' ایسا کوئی گناہ معلوم نہیں جس کی سزا طویل زمانے کی جلاوطنی قرار پائی ہو' نہ

شریعت میں کوئی گناہ ایسا ہے جس کا مرتکب دائمی جلاوطنی کا سزاوار ٹھہرے' بلکہ حد سے حد ایک سال کی جلاوطنی بطور سزا ہو سکتی ہے' اور زانی' خواہ وہ صحابی مجاہد کیوں نہ ہو ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جا سکتا ہے۔

ابن تیمیہؒ کے اس معارضے کا جواب ہم بعد میں دیں گے' پہلے قارئین کرام یہ غور فرمائیں کہ میاں صاحب کی طرح "تجدید سبائیت" کے فاضل مصنف نے بھی علمی دیانت سے کس طرح گریز کیا' آپ نے ان کا اقتباس دیکھا' وہ بس اس حد پر رک گئے ہیں جہاں تک ابن تیمیہ نے حکم کے نکالے جانے سے انکار کیا ہے' مگر متصل بعد ابن تیمیہؒ کا صاف اقرار بھی موجود ہے جسے وہ چھپا گئے اور ہم ابھی اسے نقل کرتے ہیں۔

ابن تیمیہؒ کے معارضے کا جواب یہ ہے کہ حکم کی جلاوطنی نہ تو حدود واجبہ میں سے تھی کہ اس کے لئے منصوص قاعدے اور پابندیاں ہوں' مثلاً زنا کی سزا (غیر شادی شدہ کے حق میں) سو کوڑے ہیں' اب کم یا زیادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' مگر ایسی کوئی نص نہیں جس میں طے کر دیا گیا ہو کہ حاکم وقت ایک سال سے زیادہ کسی کو جلاوطن نہیں رکھ سکتا' علاوہ اس کے جو شخص اپنی حرکات ناشائستہ کی وجہ سے حضور ﷺ کے لئے عذاب جان بن گیا ہو' اسے اپنے شہر سے دور بھگا دینے میں اس کی کیا بحث پیدا ہوتی ہے کہ بھگانا بس ایک سال کے لئے ہو' حکم کی جلاوطنی کو تعزیر یا سزا کیوں کہئے' ہمارا موقف تو یہ ہے کہ اسے جلاوطن کرنا پریشانی اور کوفت سے بچنے کے لئے تھا نہ کہ سزا دینے کے لئے' سزا دینی ہوتی تو حضور ﷺ کو حق تھا کہ کوڑوں سے اس کی کھال لوھڑوا دیں' مگر حضور ﷺ تو فقط اس سکون اور تحفظ کے خواہاں تھے جو ایک عام آدمی کا بھی جائز حق ہے' اب یہ سکون اگر جلاوطن کئے بغیر نہیں ملتا تو کیا وجہ ہے کہ حضور ﷺ اسے جلاوطن نہ کریں' پھر یہ عجیب بات ہے کہ "ایک سال" کی بحث اٹھادی گئی حالانکہ یہ بحث اس وقت اٹھائی جا سکتی تھی جب یہ ثابت کر دیا جاتا کہ جلاوطن کرنے کے بعد

حضور ﷺ ایک سال سے زیادہ زندہ بھی رہے ہیں' جلاوطنی کا ٹھیک زمانہ معلوم ہی نہیں تو سال کی بحث قطعاً بے محل' زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ حضور ﷺ نے کافی دنوں برداشت کرنے کے بعد عاجز آکر دیس نکالا دیا ہو' اور یہ واقعہ مثلاً ۱۰ھ میں پیش آیا ہو تو اس طرح آپ ﷺ کی وفات سال پورا ہونے سے پہلے ہی ہو جاتی ہے۔

رہا ابو بکرؓ و عمرؓ کے تعلق سے یہ بات کہنا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی درخواست کیوں رد کی جب کہ جلاوطنی کو سال سے زیادہ گزر چکا تھا تو یہ بات خود انہیں دونوں سے پوچھی جا سکتی تھی بھلا ہم یا کوئی بھی اس کا جواب سوائے اس کے کیا دے سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی باندھی ہوئی گرہ کو وہ کھولنا پسند نہیں کرتے تھے۔

دراصل ابن تیمیہؒ غلط نہیں کہہ رہے ہیں نہ وہ ایسے شخص ہیں کہ ہم جیسے اطفالِ مکتب انہیں سبق سکھائیں' یہ تو دراصل فساد اٹھایا ہوا ان قابل حضرات کا ہے جو رد مودودی کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا روئے سخن کس طرف ہے اور کس مقام سے وہ گفتگو کر رہے ہیں' ابن تیمیہؒ دراصل منہ ان لوگوں کا بند کرنا چاہتے ہیں جو یہ لغو اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے چچا حکم کو مدینے واپس لا کر گناہ کیا؟ کیوں کہ حکم کو حضور ﷺ نے جلاوطن کیا تھا' یہ اعتراض یقیناً غلط ہے' اسی غلطی کو ابن تیمیہؒ واضح کر رہے ہیں "سال" کی بحث سے ان کا منشاء ہی یہ ہے کہ اگر جلاوطنی کو شرعی تعزیر مان لیا جائے تب بھی اس کی مدت ایک سال سے زائد نہیں ہو گی لہٰذا حضرت عثمانؓ کا عمل خلافِ شرع نہ ہوا کیوں کہ وہ تو مدت بعد اپنے دورِ خلافت میں حکم کو واپس لائے ہیں۔

مودودی بھی ہرگز یہ نہیں کہتا کہ یہ گناہ تھا' وہ صرف یہ بتاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس جائز فعل سے اینٹ اور پتھر کی دنیا میں کیا اثرات و نتائج پیدا ہونے تھے۔

ابن تیمیہ" اقرار کرتے ہیں :

اب دیکھئے کہ "تجدید سبائیت" کے مصنف "المنتقی" کے جس صفحے سے ابن تیمیہ کی منقولہ بالا عبارت اٹھاتے ہیں وہیں چند سطور بعد ابن تیمیہ نے کیا فرمایا ہے :

"اور یہ بات یقینی طور پر جان لی گئی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حکم کو مدینے لانے میں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی نہ اسلام کی مخالفت کی' بلکہ انہوں نے یہ دیکھا کہ اب حکم کا حال ٹھیک ہو چکا ہے (یعنی وہ شرارت و فتنہ گری باقی نہیں رہی ہے' تجلی) پس شاید یہ حضرت عثمانؓ کی خطاء اجتہادی ہو یا یہ اجتہاد صحیح ہو"۔ (المنتقی ص ۳۹۵)

دیکھا آپ نے۔ وہی ابن تیمیہ" جنہوں نے چند سطور قبل وکیلانہ نکتے نکالے تھے کہ جلاوطنی کا واقعہ صحیح طور پر ثابت ہی نہیں اور ثابت بھی ہو تو جلاوطن "مکہ" سے کیا گیا نہ کہ مدینے سے' وہی اب اس واقعے کو قطعی تسلیم کر رہے ہیں' اگر واقعہ ان کے نزدیک قطعی نہ ہو تو اس کے متعلق اس علم یقینی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے واپس لوٹانے میں گناہ کیا یا نہیں اور اجتہاد غلط تھا یا صحیح ؟۔

پھر جب انہوں نے واقعے کو قطعی مان لیا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جلاوطنی "مدینے" سے ہوئی ہے نہ کہ مکہ سے۔ مکہ سے ہونا جن دلائل کی بناء پر بعید از قیاس ہے انہیں ہم پیش کر آئے ہیں۔

میاں صاحب نہیں لیکن اہل علم یہ مشاہدہ فرما سکتے ہیں کہ ابو بکر ابن العربی جیسے بزرگ جو حضرت عثمانؓ اور بنو امیہ کے دفاع میں حد اعتدال سے گزر گئے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں :

"ہمارے علماء نے کہا ہے کہ حکم کو واپس کر لینے کے بارے میں حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اجازت مرحمت فرمادی

تھی' حضرت عثمانؓ نے ابوبکرؓ و عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارے پاس اس اجازت کا کوئی گواہ ہو تو لاؤ' پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنے علم کے مطابق حکم کو واپس لانے کا فیصلہ کیا' اور حضرت عثمانؓ ایسے نہیں تھے کہ اس شخص سے وصال کرتے جسے حضور ﷺ نے ہجر کی سزا دی تھی خواہ وہ ان کا باپ ہی کیوں نہ ہوتا' اور نہ حضرت عثمانؓ ایسے تھے کہ حضور ﷺ کا حکم توڑتے"۔ (العواصم من القواصم صفحہ ۷۷)

جا فرمایا' مودودی اور ہم بھی یہی کہتے ہیں' ہمیں تو اصرار ہے کہ حضرت عثمانؓ جھوٹ نہیں بول سکتے' انہیں یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی تھی' یہی موقف ابن تیمیہ اور قاضی ابوبکر کا بھی ہے۔

مزید دیکھئے امام ابن حزم اپنی کتاب "الفصل" کے چوتھے جز میں صفحہ ۱۵۴ پر فرماتے ہیں:

"حکم کی جلاوطنی کے سلسلہ میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کو خطا کار ٹھہراتے ہیں ان کو حضرت عثمانؓ کے موافقین کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا نکالنا نہ حد واجب کے قبیل سے تھا' نہ کسی ایسے حکم شرعی کے تحت جو دائمی ہو' وہ تو ایک ایسے جرم کی سزا تھی جو واقعی اس کا سزاوار تھا کہ یہ سزا دی جائے' اور توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے' جب حکم نے توبہ کر لی تو یہ محکومیت ختم ہو گئی یہ اتفاق علماء اور تمام سرزمین حکم کے لئے مباح ہو گئی جہاں چاہے رہے"۔

اور سنئے' فرقہ زیدیہ کے مجتہد سید محمد بن ابراہیم الوزیر الیمنی (المتوفی ۸۴۰ھ) اپنی کتاب " الروض الباسم فی الذب عن سنة ابی

القاسم" کی جلد اول صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲ میں الحاکم المحسن بن کرامہ معتزلی کا قول نقل کرتے ہیں :(۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کے معاملہ میں عثمانؓ کو اجازت دے دی تھی ابن الوزیر نے کہا ہے کہ معتزلیوں پر اور زیدیہ شیعوں پر لازم ہے کہ اس حدیث کو قبول کریں اور اس معاملہ میں حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرنا چھوڑ دیں کیوں کہ اس حدیث کا راوی ان کے اپنے نزدیک بھی ایسا ہے جس کی ثقاہت مشہور و مسلم ہے اور جس کا علم اور صحت عقیدہ معروف ہے"۔

ممکن ہے اس معاملہ کے پیچھے ان شیعہ بزرگوار کا ذہن یہ رہا ہو کہ حضرت عثمانؓ کو اس باب میں بر حق ثابت کر کے ابو بکرؓ و عمرؓ کو خطاوار ٹھہرائیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی درخواست رد کر دی تھی بہر حال جو بھی ہو یہ تو قارئین نے دیکھ ہی لیا کہ حکم کا اخراج سب کے نزدیک امر مسلم ہے اور یہ امر مسلم بغیر اس کے متصور نہیں کہ حکم نے قبولِ اسلام کے بعد مدینے آکر ارتکاب جرم کیا ہو۔

تو اے دوستو اور بزرگو اور حضور ﷺ کے شیدائیو! ہمیں بتاؤ کس دل سے ہم ایسے شخص کی تعظیم کریں جس نے ستا ستا کر ہمارے آقا ﷺ کی جان ضیق میں کر دی ہو اور آقا ﷺ اس کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہ رہا ہو' حضور ﷺ بلاشبہ ایک سورج ہیں جو ذرے کو چمکا کر رشکِ نجوم بنا سکتا ہے مگر پتھر کا جگر تو سورج بھی نہیں چھید سکتا' کتنے تھے جو بد نصیب اس سورج کی حرارت و تابش قبول کئے بغیر مر گئے' حکم ایمان لایا تو خدا اسے اپنا اجر ٹھیک ٹھیک دے گا مگر ہم اس کے ایمان کو کیسے وہ قیمت دیں جو "صحابیت" کی زر تار کلاہ کے لئے موزوں ہے ہم کیسے اس کی تعظیم کریں جب کہ اس نے ہمارے آقا ﷺ کو بعدِ اسلام بھی

(۱) یہ شخص شیعیت کی طرف بھی کافی مائل تھا جیسا کہ اس کی کتاب "سرح العیون" سے ظاہر ہے۔

ستایا اور یہ وہ آقا ہے جسے ایذاء دینا خدا کو ایذاء دینا ہے۔ ونعوذ باللہ الف الف مرۃ۔ کیا اللہ نے نہیں بتایا کہ نبی ﷺ سے اونچی آواز میں مت بولو' ہو سکتا ہے تمہاری معمولی سی جسارت' لاپروائی' بے ادبی سارے اعمال خیر کو کھوتا سکہ بنا کر رکھ دے' سارے کئے کرائے پر چشم زدن میں پانی پھیر دے' پھر ہم کیسے مطمئن ہو جائیں کہ حکم کی صحابیت وہی صحابیت تھی جس کے جوتوں کی خاک بھی ہمیں مل جائے تو بہ ہزار فخر منہ پر ملیں اور آنکھوں میں ڈالیں' ہمارا تعلق تو ان سے ہے جو نبی معصوم ہیں' رحمۃ للعالمین ہیں' معیار و حجت ہیں' وہ جس سے تعلق رکھیں گے ہم بھی اس کے غلام ہیں' وہ جس سے رد کھیں گے ہم بھی اس کے بیری' نہ ابو بکرؓ و عمرؓ سے ہمارا کوئی خاندانی رشتہ ہے' نہ عثمانؓ و علیؓ ہمارے براہ راست آقا ہیں' ہم تو غلام ہیں اس ای کے جس کی غلامی عین ایمان اور جس کی محبت عین عبادت ہے۔ فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم۔

پہلے چلئے:

مودودی نے مروان کے ذکر میں لکھا تھا:

"خصوصاً جب کہ اس کا معتوب باپ موجود تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعہ حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا"۔

(صفحہ ۱۱۱ خلافت و ملوکیت)

میاں صاحب اسے نقل کر کے فرماتے ہیں:

"حکومت پر اثر انداز ہونے کا جو نکتہ ان کے دماغ نے اختراع کیا وہ قابلِ توجہ ہے' حضرت حکم کی وفات ۳۲ھ میں ہو چکی ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش ۳۴ھ میں شروع ہوئی' یعنی حضرت حکم کی وفات سے دو سال بعد۔ اب یہ حضرت حکم کا نقص ہے یا کمال کہ وفات سے دو سال

بعد بھی اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر ڈال رہے ہیں' ایسے زندہ پیر واجب الاحترام ہیں یا مستحق توہین ؟"۔(ص ۱۸۲)

انصاف اے دوستو! رسول خدا کے دشمن حکم کے لئے تین تین بار "حضرت" کا لفظ پڑھ کر ہمارے خون کی گردش تیز ہونی چاہئے یا نہیں ہونی چاہئے۔

شاہ عبدالعزیزؒ تو فرماتے ہیں (جیسا گزر چکا) کہ "مروان علیہ اللعنۃ سے بیزار رہنا اہل سنت کے لوازمات میں سے ہے" یہ میاں صاحب ہمیں سبق دے رہے ہیں کہ مروان سے بھی بدتر اس کے باپ کو جھک جھک کر سلامی دیں۔

اے فرشتو لکھ لو کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ کے ہر دشمن سے بیزار ہیں ہمیں جہنم قبول مگر یہ قبول نہیں کہ کسی ایسے شخص کی تعظیم کریں جس سے ہمارے آقا ﷺ ناراض دنیا سے گئے ہوں۔(۱)

کھولتے ہوئے جذبات کو ان فقروں میں سمیٹنے کے بعد ہم جواب عرض کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ محرم ۲۴ھ میں خلیفہ ہوئے ہیں اور اسی سال حکم کو واپس بلالیا ہے' اگر حکم کی وفات شروع ۳۲ھ میں بھی مان لی جائے تو پھر بھی پورے آٹھ سال کا طویل عرصہ درمیان میں پھیلا ہوا ہے' کیا اس طویل مدت کے پیش منظر میں مودودی کا فقرہ ذرا بھی قابل اعتراض یا خلاف واقعہ ہے؟ میاں صاحب بالکل ہی فہم و شعور سے فارغ ہو جائیں تو اس کا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟ ورنہ مودودی کے فقرے میں تو یہ دعویٰ کہیں موجود نہیں ہے کہ حکم حکومت کے کاموں پر اس وقت اثر انداز ہوا جب شورش اٹھ کھڑی ہوئی تھی' مودودی نے تو خود اسی صفحے پر جس سے میاں صاحب نے عبارت اٹھائی ہے لکھ دیا ہے کہ حکم کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی کیا میاں صاحب اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ "حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہونے" کا کیا مطلب ہے؟ تف ہے اس فارغ العقلی پر۔

(۱) الحمدللہ۔ (مرتب)

آپ دیکھ چکے کہ جو شورش آخر میں شباب پر آئی اس کے اسباب و محرکات سالوں قبل سے پیدا ہوتے چلے آرہے تھے کھیتیاں مدت پہلے ڈالے ہوئے بیجوں ہی کے نتیجے میں سر ابھارتی ہیں' سیاسی میدان میں تو دس دس سال کے پہلے واقعات و حوادث ایک جیاون جاتے ہیں مستقبل کی' آٹھ سالوں میں یعنی ۲۴ھ سے ۳۱ھ کے اختتام تک حضرت عثمانؓ نے جو انتظامی' مالی اور سیاسی پالیسیاں برتیں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی تہہ میں مروان اور حکم کی خواہشات اور دسیسہ کاریاں کار فرما نہ رہی ہوں گی' پھر مودودی نے تو صرف امکان کا ذکر کیا ہے' کیا دنیا کا کوئی ہوشمند اس سے انکار کر سکتا ہے کہ جب مروان خلیفہ کی ناک کا بال بنا ہوا ہے تو مروان کے باپ کے لئے حکومت کے کسی بھی شعبے میں اثر اندازی کا وسیع میدان اور قوی امکان کھلم کھلا موجود ہے' میاں صاحب نے "زندہ پیر" والا فقرہ کہہ کر تمسخر تو کیا مگر تمسخر کو پر لطف مزاح کے سانچے میں ڈھالنا ذہانت چاہتا ہے اور ذہانت نام کی کوئی چڑیا میاں صاحب کے گلزار دماغ میں بستی نہیں اس لئے بات مجبوریوں سے آگے نہیں بڑھی۔

مزید چلئے :

ایسا انداز ہوتا ہے جیسے میاں صاحب گھر کے دربان کو حکم دے کر بیٹھے ہوں کہ خبردار اگر علم یا عقل مجھ سے ملنے آئیں تو کہہ دینا کہ میں گھر میں ہوں نہیں آج کل ایک ایسی کتاب لکھ رہا ہوں جس پر علم و عقل کا سایہ تک نہیں پڑنا چاہئے۔

مودودی نے ایک روایت نقل کی تھی جس میں حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ میں تو معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں مگر مروان بگاڑ دیتا ہے' عثمانؓ لوگوں کو مطمئن کر دیتے ہیں مگر مروان انہیں گالیاں دے کر آگ کو بھڑکا دیتا ہے۔

اس کے لئے انہوں نے "طبری" "ابن اثیر" اور "ابن خلدون" کے حوالے دیئے کب میاں صاحب کا وہ ٹیپ ریکارڈ تو شاید اس وقت کہیں دور رکھا

ہے جس میں انہوں نے "موضوع ہے' جھوٹ ہے" وغیرہ کی گردان بھر رکھی ہے' مگر دل کردہ تو بہر حال پاس ہی تھا پہلے تو فرمایا گیا کہ "طبری" نے اس کو اہمیت نہیں دی بلکہ اس کو آخر میں نقل کیا ہے"۔ (ص ۲۰۹)

گویا "طبری" نہیں کسی تھیٹر کا ہال ہے جہاں پیچھے کی سیٹیں گھٹیا ہیں اور آگے کی بڑھیا' یا کرکٹ وغیرہ کا کھیل چل رہا ہے جہاں سو روپے والے تماشائی آگے اور دو روپے والے پیچھے پڑے ہیں' یہ ترکیب تو میاں صاحب نے ایسی نکالی کہ منکرین حدیث کو بھی نہ سوجھی تھی' اب شاید وہ بھی اس کی مدد سے یہ کہنے کے قابل ہو سکیں کہ فلاں آیت دسویں پارے میں آئی ہے لہذا بارھویں پارے والی آیت کی برابری کیسے کر سکتی ہے' یا فلاں آیت تو ہجرت سے قبل ہی اتر چکی تھی لہذا "مدینے" والی آیات اس کے مقابلے میں کیسے لاتے ہو' وہ تو گھٹیا ہیں' بعد میں اتری ہیں' واہ رے میاں صاحب' آپ کو خدا ہزار سال زندہ رکھے' اور مد ظلہ کا جوشِ طبع یہیں تھوڑی رک گیا' مزید فرماتے ہیں کہ :

> "ممکن ہے ان کا (طبری کا) خیال یہ ہو کہ نقل کفر کفر نہ باشد مگر مودودی صاحب جیسے حضرات کے لئے یہ روایت ایک مستند اور مقدس دستاویز ہے"۔ (ص ۲۰۹)

یہاں واقعی ہم لاجواب ہو گئے' ایک مولانا صاحب ہمارے کرم فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں پہنچے کہ اس نکتہ لطیفہ کا مناسب جواب ان سے معلوم کریں۔ انہوں نے پہلے تو یقین ہی نہیں کیا کہ اس طرح کی بات مولانا محمد میاں نے لکھی ہو گی لیکن جب "شواہد تقدس" کھول کر ہم نے ان کے آگے رکھ دی تو وہ بہت ہی بلند آواز میں استغفر اللہ کا ورد کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میاں تم خواہ مخواہ بھینس کے آگے بین بجا رہے ہو' جس شخص میں عقل و شعور کا نام نہ ہو اس سے بحث کرنے کس نے بتایا' ہم نے عرض کیا کہ مقصود انہیں سمجھانا نہیں' بلکہ اپنے عام مرد اور ان اسلام کو یہ بتانا ہے کہ مودودی کی آڑ میں تمہیں جہالت و سفاہت کا کیسا سبق دیا

جارہا ہے' کہنے لگے کہ ستمبر کے پرچے میں تو سمجھا چکے' جس چڑیا کو غلیل سے بہ آسانی شکار کر سکتے تھے اس کے لئے تم نے توپ لگادی ہے 'اب کیا دھرا ہے مزید بحث میں' ہم نے کہا کہ دراصل ہم اس لئے اتنا تفصیلی نقد کر رہے ہیں کہ اگر کوئی اور مولوی صاحب "خلافت وملوکیت" پر طبع آزمائی کا ارادہ رکھتے ہوں تو انہیں یہ سوچنا پڑ جائے کہ علمی بحثیں کھیل نہیں ہیں' اس میدان میں اترنا ہی ہے تو پہلے مطالعے کا ہفت خواں طے کریں پھر قلم اٹھائیں' انہوں نے اکتا کر فرمایا کہ تم جانو' ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا محمد میاں صاحب کو اللہ سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے' یہ شامتِ اعمال کے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے "شواہد تقدس" لکھی اور "علمائے دیوبند" کا نام بدنام کیا۔

تو اے علمائے کبار اور اے طلبائے عزیز! آپ ہی کہیں' کیا واقعی میاں صاحب کی یہ مریخی نکتہ سنجیاں کسی سنجیدہ نقد کی اہل سمجھی جا سکتی ہیں؟ عاجز تو ایسا محسوس کر رہا ہے گویا وہ کسی آسیبی مرض کا شکار ہو گئے ہیں ورنہ ایسی لایعنی اور ہذیانی باتیں آخر کیسے ان کے قلم سے نکلیں' آپ حضرات گواہ ہیں کہ اگر کوئی مصنف کبھی ایسی ناپاک بات نقل کرتا ہے جو خود اس کے نزدیک واہی ہو' تو آگے پیچھے وہ بتا بھی دیتا ہے کہ میں "نقل کفر کفر نہ باشد" پر عمل کر رہا ہوں' یہاں کئی کئی بلند پایہ مورخین پوری سنجیدگی سے ایک تاریخی روایت بیان کر رہے ہیں اور میاں صاحب نے بڑے اطمینان سے یہ امکان نکال دیا کہ یہ "نقل کفر کفر نہ باشد" کا معاملہ بھی ہو سکتا ہے' یوں تو پھر "بخاری" و "مسلم" کی بھی کسی روایت کو بہ آسانی ساقط الاعتبار کہا جا سکتا ہے کہ ان ائمہ نے اسے "نقل کفر کفر نہ باشد" کے طور پر شامل کتاب کر دیا ہو' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فلاں روایت بخاری کے آخری صفحے میں ہے' لہٰذا اس کی اہمیت کچھ نہیں۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ روایات میں آگے پیچھے کا کوئی فرق قابل لحاظ نہیں ہوتا' محدثین اگر کسی روایت یا قول کو مرجوح وضعیف تصور کرتے ہیں تو

قیل یا یقال کہہ کر بیان کرتے ہیں' ہمیں اس نکتے پر بحث کرتے ہوئے متلی ہونے لگی ہے۔لہذا آگے چلئے۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک بار حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور اپنی قرابت کا واسطہ دے کر ان سے کہا کہ آپ اس فتنے کو فرو کرنے میں میری مدد کریں' انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ مروان بن الحکم 'سعید بن العاص اور عبداللہ بن عامر اور معاویہ کی بدولت ہو رہا ہے' آپ ان لوگوں کی بات مانتے ہیں اور میری نہیں مانتے' حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اچھا اب میں تمہاری مانوں گا' اس پر حضرت علیؓ انصار و مہاجرین کے ایک گروہ کو ساتھ لے کر "مصر" سے آنے والے شورشیوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو واپس جانے کے لئے راضی کیا' اس واقعے کو مودودی نے "ابن اثیر" "ابن خلدون" اور "طبری" کے حوالوں سے بیان کیا ہے' طبری وہی ہے جس سے میاں صاحب نے اپنی پوری کتاب بھری ہے لیکن اس طرح کی کوئی چیز "طبری" میں انہیں نظر نہیں آئی' کیوں کہ اس سے حضرت عثمانؓ کے ان والیوں کا جغرافیہ سامنے آتا ہے جن کے عشق نے میاں صاحب کی راتوں کی نیند اڑا دی ہے' خیر اس کے بعد ایک موقع پر حضرت عثمانؓ لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہیں' وہ تقریر جس کے بارے میں میاں صاحب کسی طرح یہ یقین کرنے پر آمادہ نہیں کہ یہ حضرت عثمانؓ نے کی ہو گی' مگر روایت بڑے بڑے ائمہ نے بیان کی ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو :

> "کہا جا سکتا ہے کہ یہ نقطہ اختلاف ہے اس وقت تک کی کارروائی کو حضرت علیؓ ' حضرت عثمانؓ کی اہلیہ محترمہ درست سمجھ رہی ہیں اور ان کو یہ توقع ہے کہ اس سے معاملہ سلجھ جائے گا اور فتنہ دب جائے گا اور مروان کی رائے یہ ہے کہ فتنہ پرداز جن کا منشاء تخریب اور جن کا مقصد شر

انگیزی ہے.........وہ اس نرمی اور اس انکساری سے درست
نہیں ہوں گے"۔(ص ۲۱۰و۲۱۱)

سن رہے ہیں آپ حضرات! یہی ہے وہ مروان جسے مودودی نے "سیکریٹری" لکھ دیا تھا' تو میاں صاحب آپے سے باہر ہو گئے تھے کہ خادم کو سیکریٹری لکھ دیا......... آج اس "خادم" کو اتنی جرات ہو گئی ہے کہ خلیفہ وقت کی زوجہ مکرمہ اور علیؓ جیسے دانشور اور بلند مرتبہ صحابی سے برملا اختلاف رائے کر رہا ہے۔

یہی نہیں' اس فتنہ پرداز نے زبانی اختلاف پر بس نہیں کیا بلکہ باہر جا کر مجمع کے سامنے ایک ایسی گرم' تند و تلخ' اشتعال انگیز تقریر جھونک دی' جس نے امن و مفاہمت کی اس فضاء کو بھسم کر ڈالا' جو حضرت عثمانؓ کی نرم تقریر نے پیدا کی تھی' خود میاں صاحب لکھتے ہیں :

"حضرت مروان نے ان کے سامنے بے شک ایک سخت
تقریر کی' تمہارے چہرے جھلس جائیں تم لوگوں نے یہاں
کیوں بھیڑ لگائی ہے' تم لوٹ مار کرنا چاہتے ہو"۔(ص ۲۱۱)

یہی وہ تقریر ہے جس کی تان حضرت عثمانؓ کے قتل پر ٹوٹی' اسی لئے کیا ذہبی' کیا ابن حجر' کیا ابن عبدالبر سب کہتے ہیں کہ مروان قتل عثمانؓ کا بہت بڑا سبب تھا؟ مگر واہ رے میاں صاحب' فرمایا جاتا ہے :

"قطع نظر اس سے کہ تقریر برمحل تھی یا بے محل اور غیر
موزوں تھی' یہ کھلے طور پر ثابت ہو گیا کہ اس تقریر کو فتنہ کا
ثمرہ کہا جا سکتا ہے سبب نہیں کہا جا سکتا"۔(ص ۲۱۲)

یعنی ابھی حضرت عثمانؓ شہید ہوئے نہیں اور میاں صاحب نے فتنے کا ثمرہ بھی نکال دیا' مروان کی یہ حرکت فتنے کو ہوا دینے کی ایک اقدامی حرکت تھی یا محض ثمرہ؟ اللہ کے بندے ابھی تو سب سے بڑا فتنہ قتل عثمان باقی ہے اور اس فتنے

کو مروان کی یہ تقریر اس طرح کھینچ کر لاتی ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے' جہاں موقع نرم پالیسی کا تھا وہاں اس شخص نے پٹرول چھڑک دیا' میاں صاحب نے اس مقام پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شورشی مجمع جاکر خود ہی لوٹ آیا تھا کیوں کہ اس کا ارادہ ناپاک تھا' مروان کی تقریر پر اس کی کیا ذمہ داری' حالانکہ معلوم ہے مروان کے مکارانہ خط نے اس مجمع کو لوٹایا تھا اور میاں صاحب خود صفحہ ۲۰۳ پر مع عربی عبارت اس خط کی تصدیق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے کر چکے ہیں' مگر یہاں وہ مروان کو بچانے کے لئے خط کو بھی افسانہ ہی قرار دینا چاہتے ہیں اور بہانہ اس بات کو بنایا ہے کہ :

"حضرت علیؓ نے دریافت کیا تم کیوں واپس آ گئے' ان لوگوں نے جواب دیا کہ ایک خط پکڑا گیا ہے' حضرت علیؓ نے فرمایا خط وغیرہ کچھ نہیں یہ تمہاری سازش ہے"۔(ص ۲۰۸)

ظاہر ہے کہ خط سامنے آنے سے قبل حضرت علیؓ کو یہ گمان کرنا ہی چاہئے تھا کہ یہ لوگ بہانہ سازی کر رہے ہیں' لیکن جب خط سامنے رکھ دیا گیا اور کافی گفتگو کے بعد حال کھلا کہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے مروان نے یہ خط لکھا ہے اور سرکاری مہر لگا دی ہے' اس کے بعد تو نہ حضرت علیؓ نے خط سے انکار کیا نہ کسی اور نے' خود میاں صاحب چند صفحات قبل صفحہ ۲۰۳ پر طبریؒ اور ابن اثیرؒ کے حوالوں سے یہ قصہ ذکر فرما چکے ہیں مگر واہ رے بوالفضولی' یہاں مروان کی وکالت میں اسے بھی جھٹلائے دے رہے ہیں' صاف ظاہر ہے کہ جو مروان آج ایک جعلی خط مع سرکاری مہر کے تیار کر چکا ہے وہ اس سے قبل بھی اپنے ذاتی اور خاندانی مفادات کی خاطر اندر اندر بہت کچھ کرتا رہا ہو گا' اسی لئے مورخین اس کی ذات کو فتنہ و شورش کے لئے ایک قوی عامل مانتے چلے آئے ہیں اور اسی لئے شاہ عبدالعزیزؒ جیسے بزرگ اس سے بیزاری کو اہل سنت پر واجب قرار دیتے ہیں۔

مروان حضرت علیؓ سے بھی فائق :

آگے میاں صاحب نے یہ شگوفہ چھوڑا ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کی تقریر صحیح ہے اور اس کے بعد مروان کی اس سے مختلف تقریر پر حضرت علیؓ ناراض ہوئے۔

> "تو اس کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا حضرت علیؓ راضی ہو گئے تھے کہ سیدنا عثمانؓ اپنے نظریات قربان کر دیں اور جام شہادت کے مقابلہ میں نظریات کی قربانی منظور کر لیں، مگر حضرت مروان کا قدم استقامت نہیں ڈگمگایا"۔ (ص ۲۱۵)

پھر چند سطور آگے ناظرین سے فیصلہ چاہا جاتا ہے کہ اگر :

> "یہ ڈرامائی روایت تسلیم کی جاتی ہے تو مستحق مبارکباد کون ہوتا ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا حضرت مروان رضی اللہ عنہ"۔ ص ۲۱۵

اللہ اکبر! اب مروان...... "رضی اللہ عنہ"...... بھی ہو گئے' اس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ' شاہ ولی اللہؒ' حافظ ذہبیؒ' حافظ ابن حجرؒ' ابن عبدالبرؒ' ابن اثیرؒ' ابن خلدون اور نہ جانے کتنے اور ایسے ہی بزرگ جہنمی ہو گئے' کیوں کہ جس سے اللہ راضی ہو اسے برا سمجھنے اور اس سے بیزاری کا درس دینے والوں کا ٹھکانہ بھلا جنت کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا جرأت ہے کہ اپنی کتاب کے آغاز میں اگر حضرت علیؓ کی منقبت پر آئے تو وہ سماں باندھا کہ بو بکرؓ و عمرؓ بھی ماند نظر آنے لگے' اور یہاں اختتام پر مروان کے وکیل بنے تو انہیں (حضرت علیؓ) کو ایک دو ٹکے کے خادم کے مقابلہ میں دین کے تقاضوں سے بے بہرہ قرار دے دیا' شاباش ہے اے چودھویں صدی کے شیخ الحدیث آپ کی شانِ بے ہمتا پر۔

قارئین کرام اور علمائے حق "طبری" یا "ابن خلدون" یا "ابن اثیر" میں

حضرت عثمانؓ کی اس تقریر کو بغور پڑھیں جس کے بارے میں میاں صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں حضرت عثمانؓ نے جامِ شہادت کے مقابلے میں اپنے نظریات کی قربانی منظور کر لی ہے' خود میاں صاحب نے اس کا خاص خاص حصہ ص ۲۱۰ پر نقل کیا ہے' اس میں ہر گز انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں خلافت سے دستبرداری دیتا ہوں۔

حضرت عثمانؓ کے "نظریات" کا نام لینا ویسے بھی مغالطہ انگیزی ہے' ان کے کچھ بھی نظریات نہیں تھے' ایک صاف و سادہ خیال تھا کہ میں خلافت سے دستبردار نہیں ہوں گا' اور اس خیال کی بنیاد حدیث رسول ﷺ میں تھی' وہ رسول ﷺ کے سچے پیرو اور دین کے مخلص خادم تھے اس لیے حدیث رسول پر جان دے دینا انہوں نے طے کر لیا تھا' اسے آپ نظریہ کہیں تو یہ لفظ کا غلط استعمال ہو گا چہ جائے کہ بصیغہ جمع نظریات' ہم لفظی بحث کو چھوڑتے ہوئے اصل بات پر زور دیتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی مذکورہ تقریر میں جو انکسار و عجز اور تواضع کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نکالنا کہ آپ خلافت چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں افتراء اور اتہام کے سوا کچھ نہیں' ان کا منشاء صرف یہ ہے کہ میں ضدی نہیں منکسر المزاج ہوں' مجھے اپنی غلطیوں پر اصرار نہیں میں ان پر نادم ہوں اور خدا سے توبہ کرتا ہوں۔

> "آپ صاحبان آئیں مجھے مشورہ دیں میں عمل کروں گا' اگر میرا داہنا ہاتھ عمل نہیں کرے گا تو میرا بایاں ہاتھ عمل کرے گا اور مشورے کی پیروی کرے گا"۔

یہ تقریر کے آخری فقرے ہیں جنہیں خود میاں صاحب نے صفحہ ۲۱۰ پر نقل کیا ہے' کوئی بتائے کہ ان فقروں پر تقریر ختم کرنے والا کیا یہ کہہ رہا ہے کہ میں خلافت سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں یا یہ کہہ رہا ہے کہ دستبرداری ہر گز نہیں دوں گا' البتہ آپ لوگ مجھے مشورے دیتے رہیں میں ان پر عمل کروں گا۔

میاں صاحب کی عقل کھوپڑی سے اوپر آگئی ہے اس لئے انہیں کچھ ہوش نہیں کہ کیا زبان چلائے جا رہے ہیں' جس عثمانؓ نے حدیث رسول ﷺ کی پیروی میں شجاعت واستقامت کا وہ حیرتناک مجسمہ بن کر دکھا دیا جس کی قامت بلند سے ہمالیہ بھی شرمائے' جس عثمانؓ نے کبر سنی کے ضعف میں رستم وسہراب کی شجاعت کو شرمندہ کر دیا۔

ہاں ہم شاعری نہیں کر رہے ہیں' ایک اٹل جرنیلی حقیقت بیان کر رہے ہیں' تلوار اور توپ سے کشتے کے پشتے لگا دینا اتنی مردانگی نہیں' جتنی مردانگی اور استقامت یہ تھی کہ فوج اور قوت رکھتے ہوئے بھی عثمانؓ صرف اس لئے دشمنوں کو پیس ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے' کہ اس سے امت میں جنگ وجدل کا دروازہ کھل جائے گا' ایک اسی ۸۰ سالہ بوڑھا سفاک قاتلوں کے نرغے میں ہے جن کے چہروں سے خون کی پیاس جھلک رہی ہے' مگر یہ بوڑھا کہتا ہے کہ میں نہ تو حدیث رسول ﷺ کا دامن چھوڑوں گا' نہ اپنے مسلمان دشمنوں کا گلا کاٹوں گا' حامی و انصار کیا کیا اصرار نہیں کرتے کہ ہمیں اجازت دیجئے' ان اشرار کو کاٹ کر رکھ دیں' مگر جانباز بوڑھا جواب دیتا ہے نہیں! انہیں! نہیں...... ! وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے ہر ذلت منظور' غلاموں کی طرح احکام کی تعمیل گوارا' مگر وہ قمیص نہیں اتاروں گا جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ :

"اے عثمانؓ! اللہ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اسے اتارنا مت"۔

کور چشمی اور بلید الذہنی کی حد ہے اگر کوئی گستاخ اس بے مثال استقامت کی داد اس طرح دے کہ عثمانؓ نے شہادت کے مقابلہ میں اپنے نظریات کی قربانی منظور کر لی تھی۔

اور دوسری گستاخی یہ ہے کہ اسی غلط مفروضے کی بنیاد پر حضرت علیؓ جیسے سرفروش پر یہ اتہام جڑ دیا جائے کہ وہ بھی اس قربانی پر راضی ہو گئے تھے۔

اور تیسری سفاکانہ جرأت یہ کہ حکم کے بیٹے مروان کی مونچھیں حضرت علیؓ

کی داڑھی سے گھنی دکھلائی جائیں' یعنی مروان اتنا اونچا ہو گیا کہ علیؓ و عثمانؓ دونوں کو غلط روی سے چلا رہا ہے! اے مالک الملک! تجھی سے فریاد ہے۔

حق یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی یہ تقریر ان کے مزاج و سیرت کا بہترین آئینہ ہے' اس سے بڑی قطعیت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ ایک منکسر المزاج اور عجز پسند آدمی تھے' نخوت' خود پسندی' اکڑ اور ضد کا آپ میں شائبہ بھی نہ تھا' اقتدار اور جاہ و حشم کی محبت سے آپ کا نفس بے تعلق تھا اور خلافت سے دستبرداری نہ دینے کا عزمِ مصمم صرف اور صرف اس حدیث رسول ﷺ کی خاطر تھا جس کا مطلب آپ یہ سمجھتے تھے کہ مجھے قمیص خلافت کو ہر حال میں پہنے رہنا چاہئے' کوئی جاہ پسند آدمی وہ باتیں نہیں کہہ سکتا جو اس تقریر میں کہی گئیں ہیں اور یہ تقریر تصنع یا سخن سازی یا سیاسی حکمت عملی پر مبنی نہیں ہے' بلکہ ان کے باطن اور طرز فکر اور ذہن و قلب کی سچی تصویر ہے۔

اس تقریر نے آمادہ شر گروہ کے جذباتی اشتعال کو بڑی حد تک سرد کر دیا تھا اور فضا ایسی بن گئی تھی کہ معاملات سلجھتے چلے جائیں لیکن مروان کی اکڑفوں اور بے تدبیری اور بے موقع جوش اور تند کلامی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔

مولانا اکبر شاہ کے الفاظ :

مروان سے متعلق ایک عبارت مولانا اکبر شاہ نجیب آبادیؒ کی تاریخ اسلام سے ہم حصہ اول کے صفحہ پر نقل کر آئے ہیں' یہاں پھر چند فقرے ملاحظہ ہوں۔

جلد اول کے صفحہ ۳۵۲ پر وہ عنوان دیتے ہیں "مروان بن حکم کی شرارتیں" اس کے تحت وہ مروان کے بارے میں لکھتے ہیں :

"میر منشی بن کر مروان نے خلیفہؓ کے مزاج میں اور بھی زیادہ دخل پا لیا اور اپنی چالاکیوں سے صحابہ کرامؓ کے خلاف بعض اوقات دربار خلافت سے احکام صادر کرا دینے میں کامیاب

ہونے لگا' یہی وجہ تھی کہ باشندگان "مدینہ" مروان بن حکم
سے ناراض تھے اور ان ایامِ محاصرہ اور چہل روزہ بدامنی کے
دوران میں اہل مدینہ نے باغیوں اور بلوائیوں کے ساتھ مل
کر کئی دفعہ مروان کے مطالبہ کی آواز بلند کرائی اور اگر حضرت
عثمانؓ مروان کو بلوائیوں کے سپرد کر دیتے تو یقیناً یہ فتنہ بھی
فرو ہو جاتا' کیوں کہ کم از کم مدینہ میں تو کوئی شخص حضرت
عثمانؓ کا مخالف باقی نہ رہتا' "مدینہ" کے ہر شخص کو اگر ملال
تھا تو مروان سے تھا"۔

حدیث ترمذیؒ :

"صحاح ستہ" میں "ترمذی" کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے' اس کی جلد
ثانی صفحہ ۴۵ باب ماجاء فی الخلفاء میں پہلی ہی حدیث یہ ہے کہ :

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یکون من
بعدی اثنا عشر امیراً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ امیر
ہوں گے۔

یہاں اس حدیث کے معانی و مطالب پر گفتگو کا محل نہیں' ہم صرف وہ
حاشیہ دکھلانا چاہتے ہیں جو بخاری کے محشی مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے
اس پر دیا ہے :

اشارة الی من بعد الصحابة من خلفاء بنو امیة
ولیس علی المدح بل استقامة السلطنة وھم
یزید بن معاویة وابنه معاویة ولا یدخل ابن الزبیر
لانه من الصحابة ولا مروان بن الحکم لکونه

بویع بعد بیعة ابن الزبیر فکان غاصباً

اس حدیث میں اشارہ ہے ان خلفائے بنوامیہ کی طرف جو صحابہؓ کے بعد ہوں گے' اور یہ حضور علیہ السلام نے بطور مدح نہیں فرمایا بلکہ آپ علیہ السلام کا مقصود یہ ہے کہ ان خلفاء کے دور میں حکومت مستحکم رہے گی' اور وہ ایک تو یزید بن معاویہ ہے' دوسرا معاویہ بن یزید اور ابن زبیرؓ اس فہرست میں داخل نہیں ہیں کیوں کہ وہ تو صحابیؓ تھے اور نہ حکم کا بیٹا مروان داخل ہے کیوں کہ اس کی بیعت خلافت تو اس وقت ہوئی جب کہ ابن زبیرؓ کی بیعت خلافت ہو چکی تھی لہذا اس کی حیثیت غاصب کی ہے نہ کہ خلیفہ کی۔

دیکھ لیا آپ نے۔ یہ مودودی نے نہیں ہمارے ہی یہاں کے ایک مستند عالم دین نے اطلاع دی ہے کہ مروان غاصب تھا' اس کی خلافت جائز خلافت نہیں تھی۔

ابن سعدؒ کا ریمارک :

ابن سعد ائمہ فن کی نظروں میں کیسے ثقہ اور فاضل ہیں' یہ بھی منقح ہو چکا۔ وہ "طبقات" جلد پنجم صفحہ ۳۶ پر ارشاد فرماتے ہیں :

"جس بناء پر لوگ حضرت عثمانؓ سے خفا تھے وہ خاص طور پر یہ تھی کہ انہوں نے مروان کو اپنا مقرب بنا لیا تھا' اور اس کے کہنے پر چلتے تھے' عام خیال یہ ہو گیا تھا کہ بہت سے ایسے کام جن کا حکم حضرت عثمانؓ نے نہیں دیا' مروان نے خود کر ڈالے' اور وہ سب حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب ہو گئے' اسی لئے لوگوں کو اس پر اعتراض تھا کہ انہوں نے مروان کو

ایسے درجہء قرب تک پہنچادیا"۔

کتنی عجیب بات ہے کہ تاریخی شہادتوں کے اس ہجوم اور انبار کے باوجود ایسے مدعیان علم سینہ گیتی پر پائے جارہے ہیں جو ایک طرف مروان اور حکم کے عشق میں آپے سے باہر ہیں اور دوسری طرف مودودی پر آنکھیں نکال رہے ہیں کہ اس نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی توہین کردی۔

حالانکہ یہ حضرات اپنے ان مفروضات کی پوجا کررہے ہیں جو انہوں نے جہل اور تعصب کے کارخانے میں ڈھالے ہیں اور بالکل برمحل طور پر ان سے وہی بات کہی جاسکتی ہے جو حضرت ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بت پرستوں سے کہی تھی کہ :

اتعبدون ماتنحتون۔ (سورۃ صآفآت ۹۵)

کیا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔

......☆☆☆......

معرکہ نور و ظلمت

"شواہد تقدس" کے جائزے کا بقیہ حصہ

"شواہد تقدس" کے جائزے کا جتنا حصہ قلت صفحات کی بناء پر روک لیا گیا تھا اب وہ حاضر ہے۔

جیسا کہ ہم جائزے کے حصۂ اول میں بتا چکے ہیں ستمبر کا شمارہ "دارالعلوم دیوبند" کے اساتذہ اور مجلسِ شوریٰ کے تمام اراکین کو بھیجا گیا' اس کے بعد (اکتوبر ونومبر) کا شمارہ بھی ارسال کر دیا گیا اور اب یہ شمارہ بھی انشاء اللہ بھیجدیا جائے گا۔

جن چھ بزرگوں کو ہم نے ستمبر کے شمارے میں (آغاز سخن ص ۷ پر) جج بنایا تھا' ان میں سے ایک بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی تو ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں' باقی پانچ اکابر کی قیمتی آراء کا انتظار ہے' تادمِ تحریر ہمیں ان میں سے کسی کا نامۂ گرامی موصول نہیں ہوا ہے' ہو سکتا ہے اس کی وجہ ان حضرات کی غیر معمولی مصروفیات ہوں اور ویسے بھی ماہِ رمضان میں لکھنے پڑھنے کا کام عموماً مشکل ہی ہوتا ہے' اب توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ گرامی قدر ہستیاں اپنی رائے اور فیصلے سے "تجلی" کو نوازیں گی' ہمارے لب و لہجے کی کڑواہٹ پر جن حضرات کو ناراضگی ہے وہ بلاشبہ ہمارے لئے سزا تجویز کر سکتے ہیں' ہمیں اپنا قصور تسلیم لیکن جذبہ انصاف اور علم دین کی محبت کا تقاضا شاید یہ بھی ہے کہ وہ نفسِ کلام اور مضامین و مباحث کے بارے میں بھی اپنی محترم آراء کا اظہار فرمائیں' ہم نے

"تجلی" کے دو سو سے زیادہ صفحات میں مکمل حوالوں اور مفصل دلیلوں کے ساتھ مولانا محمد میاں صاحب کے فرمودات پر مثبت اور منفی ہر پہلو سے بحث کی ہے' اس میں اگر کہیں ہم سے علم واستدلال کی غلطی ہوئی ہو تو اس کی نشاندہی فرمائی جائے' ہم بڑی خوشی سے اسے شائع کریں گے۔

اور اگر محترم جج صاحبان نے کسی وجہ سے خاموشی ہی کو مناسب سمجھا تو یہ بہر حال ان کا فعل ہوگا' اس خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کرنا شاید غلط نہ ہو کہ ہمارے نقد و نظر میں انھوں نے کوئی غلطی محسوس نہیں فرمائی ہے' اگر محسوس فرماتے تو ضرور آگاہی بخشتے۔ ان بزرگوں میں سے جس کا بھی گرامی نامہ موصول ہوگا اسے ہم زیب "تجلی" کر دیں گے' اگر "تجلی" میں قارئین ایسا کوئی گرامی نامہ نہ دیکھیں تو وہ خود ان بزرگوں سے خط لکھ کر سکوت کی وجہ دریافت کر سکتے ہیں' ہم ان کے ڈاک کے پتے دیئے دے رہے ہیں :

(۱) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب۔ مہتمم "دارالعلوم۔ دیوبند"۔
(۲) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔ "ندوۃ المصنفین' جامع مسجد دہلی"۔
(۳) حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی' "ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ"۔
(۴) حضرت مولانا منظور نعمانی۔ معرفت "الفرقان" کچہری روڈ۔ لکھنؤ
(۵) حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی۔ "دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی"۔ یو۔ پی۔

عبداللہ بن سبا :

ٹھیک ہے اس یہودی بچے کی بھی ایک کہانی ہے' بہت سے اور مورخین کی طرح میاں صاحب نے بھی مستقل عنوان دے کر متعدد صفحات لبریز کئے ہیں مگر ہم ایک سوال اہل علم سے کرنا چاہتے ہیں...... کہ آخر کیا وجہ ہے کہ زمانہ عثمانؓ کے قریب ترین علماء مغازی وسیر نے اس یہودی بچے کی داستانِ طویل سنانا تو درکنار ڈھنگ سے اس کا تعارف بھی نہ کرایا؟ یہ عروہ ابن زبیر (متوفی ۹۴ھ)

جن کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ مغازی و سیر کے بڑے عالم تھے اور صاحب ''کشف الظنون'' نے فن مغازی میں ان کی کتاب کو بعض حضرات کی رائے کے مطابق پہلی کتاب قرار دیا ہے' یہ شعبی (متوفی ۱۰۹ھ) یہ عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۱ھ) یہ امام زہری (متوفی ۱۲۴ھ) یہ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) یہ محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) یہ احمد بن یحیی بلاذری (م ۲۷۹ھ) یہ ابن سعد (م ۱۵۰ھ) یہ احمد بن یحییٰ بلاذری (م ۲۷۹ھ) یہ ابن سعد (م ۲۳۰ ھ) یہ علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ) ان میں سے کسی ایک کا نام تو لیجئے جس نے ''عبداللہ ابن سبا'' کی کہانی سنائی ہو' سن وفات ساتھ ساتھ ہیں دیکھ لیجئے کہ یہ عہدِ عثمانی سے کتنے قریب کے ارباب سیرت و مغازی ہیں' اگر آپ کہتے ہیں کہ ان میں سے بہت سوں کی کتابیں ناپید ہو گئیں تو ہم عرض کریں گے کہ ان کی روایات تو ناپید نہیں ہوئیں' بعد کے مورخین کی کتابوں میں جگہ جگہ ان کے نام اور ان کی روایات موجود ہیں' پھر ''سیرت ابن اسحاق'' کی شرح ''روض الانف''(۱) اور ابن سعد کی ''الطبقات الکبریٰ'' اور بلاذری کی ''انساب الاشراف'' تو آپ کے ہاتھوں میں ہے کہیں سے کھول کر دکھایئے کہ اس فتنہ دوراں کا کوئی نام و نشان اتا پتا کہیں موجود ہے؟ یا بس ہوا میں گرہیں لگائی جا رہی ہیں' یہ تو عجیب و غریب بات ہو گی کہ بعد کے مورخین جس فتنے کو ہاتھی جیسا قد آور باور کرا رہے ہیں وہ قدیم تاریخ نگاروں کے یہاں کبوتر جیسا بھی نظر نہیں آتا' حالانکہ یہ فتنہ بعد کی نہیں دورِ عثمانی کی پیداوار ہے' ابتداء اس فتنے کے ذکر و بیان کی' جہاں تک ہم تحقیق کر سکے ابن جریر طبری کے یہاں سے ہوتی ہے جو تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں تاریخ نگاری کر رہے ہیں' (متوفی ۳۱۰ھ) پھر ان کی ان روایات کا مصدر و ماخذ جن میں یہ فتنہ اچانک ایک دیو پیکر شکل میں نظر آتا ہے سیف بن عمر کے سوا کوئی

(۱) سیرت مبارکہ کے ذیل میں حضرت عثمانؓ کا ذکر آتا ہی ہے' حضرت عثمانؓ کے ذیل میں کہیں اس فتنہ دوراں کا ذکر دکھایا جائے۔

نہیں' وہی سیف بن عمر جن کا حالِ زار ہم کتب فن سے نقل کر آئے ہیں ایک بار پھر وہاں دیکھ لیجئے ان سے بڑھکر ضعیف اور ساقط الاعتبار راوی کم ہی ملیں گے۔

نور علیٰ نور یہ کہ یہ سیف عطیہ سے اور عطیہ یزید الفقعسی سے نقل کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو طبری ج ۵ ص ۹۸)۔ ذرا میاں صاحب سے کوئی دریافت کرے کہ ان دونوں صاحبوں کا پتہ نشان کن کتابوں میں ملے گا؟ دستیاب کتابیں تو ہم نے دیکھ ڈالیں یہ بزرگ کسی کونے میں موجود نہیں' اگر کسی تہ خانے میں روپوش ہوں تو میاں صاحب ہی اس کا راستہ بتا سکتے ہیں۔

کتنا عبرت انگیز اور سبق آموز نظارہ ہے کہ اگر مودودی کی نقل کردہ کسی روایت میں کوئی راوی میاں صاحب کو مجہول نظر آیا تو تالی پیٹ دی کہ روایت ساقط الاعتبار' لیکن خود کوئی چھوٹی موٹی روایت نہیں بلکہ ایک پوری داستان جو متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ایسی سند سے پیش فرما رہے ہیں جس میں دو راوی قطعاً مجہول ہیں اور ان مجہولوں سے روایت کرنے والا کوئی ثقہ آدمی نہیں' بلکہ ایک ایسا آدمی ہے جس کا غیر معتمد ہونا ارباب فن میں مسلم ہے' یعنی سیف بن عمر' پھر داستان بھی ایسی کہ دو سو سالوں میں کسی نے نہیں سنائی' اچانک "طبری" میں سیف بن عمر کے واسطے سے سنی گئی اور ایسے انداز میں سنی گئی گویا راوی صاحب ٹھیک حضرت عثمانؓ کے زمانے میں چل پھر کر نامہ نگاری کر رہے ہیں۔

اے قارئین! کیا اس موقعہ پر بجا ہو گا اگر ہم قرآن پاک کی یہ آیات پڑھیں ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون الا یظن اولئک انھم مبعوثون لیوم عظیم۔ (ترجمہ: خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ جبکہ ناپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں' اور جب ناپ کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں' کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

میاں صاحب ص ۵۷ سے "عبداللہ بن سبا" کا عنوان جلی قائم کر کے

ص ۸۲ تک ایک ایسی مربوط اور مفصل کہانی سناتے چلے جاتے ہیں گویا کوئی ڈھلا ڈھلایا افسانہ ملاء اعلاء سے اترا چلا آرہا ہے' ان کا خاص کمال یہ ہے کہ سیف بن عمر کی پرواز تخیل میں جہاں ذرا ڈھیلا پن محسوس ہوا وہاں اپنے تخیل کی گرہ لگادی تاکہ کساؤ پیدا ہو جائے' پھر ایسی کوئی علامت وہ نہیں دیتے جس سے پتہ چلے کہ کتنا مضمون "طبری" کا ہے اور کتنا ان کا اپنا؟۔

ہمارے لئے بغیر کسی معقول شہادت کے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ابن سبا نامی اتنا بڑا امام الاشرار تھا کہ صحابہ اور تابعین سب اس سے مات کھا گئے' کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی تصویر بنانے میں سیف یا کسی اور اللہ کے بندے نے روایتی عمرو عیار کے کردار سے مدد لی ہو' دو سو برس تک کوئی کہانی سننے میں نہیں آتی پھر دفعتاً ایک مرتب اور مبسوط کہانی خدا جانے کس تہہ خانے سے نکال کر لائی جاتی ہے؟ اگر یہ ہماری معلومات کا نقص ہے کہ "طبری" سے قبل اس ڈرامائی داستان کا سراغ نہیں پاسکے ہیں تو مہربانی ہوگی' اگر میاں صاحب یا کوئی اور بزرگ نشان دہی فرمادیں تاکہ ہم نااہلوں کے علم میں اضافہ ہو لیکن اگر یہ ممکن نہیں ہے اور کہانی کی شاندار بسم اللہ "طبری" ہی سے ہوئی ہے تو ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اسکا نام ہے ہتھیلی پر سرسوں جمانا' بعد کے ہزار آدمی بھی اس داستان کو قبول کرلیں تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا' کیونکہ عمارت بغیر بنیاد کے کاغذ پر تو بن سکتی ہے اینٹ اور پتھر کی دنیا میں نہیں بن سکتی۔

ویسے ہمیں اس معاملے میں اصرار کچھ نہیں ہے' "ابن سبا" کا استاذ الاساتذہ ابلیس تو بہرحال ہر دور اور ہر مقام پر محفل طراز رہا ہی ہے' لہذا ابن سبا کے ہونے نہ ہونے سے کیا خاص فرق پڑتا ہے۔

ہمیں کہنا تو کچھ اور ہی ہے' میاں صاحب نے اسی عنوان کے تحت صفحہ ۷۷ پر یہ تحریر فرمایا ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال اٹھا

تھا کہ جو جائیدادیں وحی الٰہی کی تصریح کے بموجب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص کردی گئی ہیں
وہ وارثوں کو تقسیم کی جائیں' مگر جب یہ سمجھایا گیا کہ "انبیاء
علیہم السلام کی وارث پوری امت ہوتی ہے" اور آنحضرت
ﷺ کا ارشاد ہے کہ آپ کا ترکہ پوری امت کے لئے صدقہ
(وقف) ہوگا تو "ترکہ" اور "ورثہ" کا سوال تو ختم ہوگیا'
البتہ یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ سید الانبیاء کے وارث اس
وقف کے متولی ہوں' چنانچہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان جائیدادوں کا متولی بنادیا گیا تھا۔"

یہ عبارت مزید سات سطروں تک چلی گئی ہے اور اس کے اختتام پر "طبری" ج ۵ ص ۹۸ کا حوالہ ہے' اس کا مطلب یہی ہونا چاہئے کہ یہ سب "طبری" میں موجود ہے' لیکن ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ سب "طبری" میں نہیں بلکہ میاں صاحب کے دماغ میں ہے جو ان کے اپنے ہی الفاظ میں کاغذ پر ٹپکا ہے' اس کے بعد کی سطریں بیشک مفہوم کی حد تک "طبری" کی ہیں' مگر کسی کے بس میں نہیں کہ "طبری" سے مقابلہ کئے بغیر یہ پتہ لگا سکے کہ کتنا مضمون "طبری" کا ہے اور کتنا میاں صاحب کا؟۔

اور دوسرا اصل اعتراض یہ ہے کہ میاں صاحب نے یہاں بھی اپنی بے علمی کا ثبوت پیش کیا' خدا جانے انہوں نے بخاری کیسے پڑھی ہے اور کس سے پڑھی ہے' اگر ڈھنگ سے نہیں پڑھی تھی تو کچھ اور پڑھ کر اس کمی کو پورا کرلیتے اور اگر یہ بھی ممکن نہ تھا تو مصنف بننا آخر انہیں کس حکیم نے نسخے میں لکھ دیا تھا۔

حقیقت کیا ہے!:

یہ بات اہل علم کے لئے محتاج بیان نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے پاس متعدد

جائیدادیں تھیں، مدینے میں، فدک میں، خیبر میں، مدینے میں "بنو نضیر" کے چھوڑے ہوئے سات مکان، مخریق یہودی کی وہ زمین جس کی وصیت اس نے اسلام لاتے وقت "غزوۂ احد" کے دن حضور ﷺ کے لئے کی تھی، ایک وہ زمین جو انصار نے آپ ﷺ کو دی تھی "فدک" میں اس زمین کا نصف جو اہل "فدک" سے صلح کے بدلے حاصل ہوئی تھی، نیز "وادی القریٰ" کی اس زمین کا ایک تہائی حصہ جو یہودیوں نے صلح کی قیمت میں دی تھی۔

خیبر کے دو قلعے "الوطیح" اور "السلالم" نیز فتوحات خیبر کا "خمس" اور وہ "سہم" جو دوسرے مسلمانوں کی طرح حضور ﷺ کے حصے میں بھی آیا تھا۔

یہ تفصیلات کتب حدیث میں بکھری ہوئی ہیں، امام نوویؒ کی شرح "مسلم" میں انہیں یک جا بھی دیکھا جا سکتا ہے، (کتاب الجہاد والسیر۔ باب حکم الفئی) "مقامیت" کے تعلق سے ان زمینوں کو تین اکائیوں میں بانٹا گیا ہے، فدک، خیبر، مدینہ۔

اب اس تفصیل کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے وراثت طلب کی، تو انہوں نے دینے سے معذوری ظاہر فرمائی کیوں کہ حضور ﷺ فرما گئے تھے :

﴿لا نورث ما ترکنا صدقة﴾

(ہمارا کوئی وارث نہیں، جو کچھ ہم نے چھوڑا صدقہ ہے۔)

اس ارشاد رسول ﷺ سے حضرت علیؓ سمیت بہتیرے صحابہؓ واقف تھے لہذا حضرت ابوبکرؓ کے اختیار کی بات نہیں تھی کہ قانونِ شرعی کو بدل دیں، (یہ حدیث اور اس مضمون کی متعدد حدیثیں تقریباً تمام ہی کتب حدیث میں موجود ہیں، بخاری: کتاب الجهاد، کتاب المغازی، کتاب الفرائض، کتاب المناقب۔ مسلم: کتاب الجهاد۔ "ترمذی": کتاب السیر۔ نسائی: کتاب

قسم الفئی، مسند احمد: مرویات ابوبکرؓ و مرویات عمرؓ)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپؓ نے "مدینے" کی جائیداد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سپرد اس شرط کے ساتھ کی، کہ اس کی آمدنی کو اسی طرح صرف کیا جائے گا جس طرح حضور ﷺ کرتے تھے، ایک مرتبہ اس جائیداد کے سلسلے میں حضرت علیؓ و عباسؓ کے مابین کچھ جھگڑا ہوا تو وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تاکہ تصفیہ کرائیں، اس کی تفصیلات "بخاری" و "مسلم" وغیرہ میں موجود ہیں، ہم فقط اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ "فدک" اور "خیبر" کی جائیداد کا متولی کبھی بھی علی و عباس رضی اللہ عنہما کو نہیں بنایا گیا، بلکہ وہ "خلافت راشدہ" کے اختتام تک خلیفہ ہی کی تولیت میں رہی، ثبوت میں چند حوالے حاضر ہیں، اسی بخاری میں جسے میاں صاحب پڑھاتے ہیں کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول اللہ الیہم الخ میں ایک طویل روایت مالک بن اوسؓ سے مروی ہے جس میں صراحت موجود ہے کہ :

﴿وهما يختصمان فی التی افاء الله علی رسوله من بنی النضير الخ﴾

وہ دونوں اس جائیداد کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بطور فے "بنی نضیر" سے دلائی تھی۔

یہ "بنی نضیر" والی جائیداد حضور ﷺ کی "مدینے" والی جائیداد ہی کا ایک حصہ تھی، اسی کو حضرت عمرؓ نے مذکورہ دونوں بزرگوں کی تولیت میں دیا تھا، نہ کہ "خیبر" اور "فدک" والی جائیدادوں کو بھی (میاں صاحب اگر باب وغیرہ سے بھی یہ حوالہ نہ ڈھونڈ سکیں تو لیجئے مزید تفصیل حاضر ہے، بخاری جلد ثانی صفحہ ۵۷۵ مطبوعہ اصح المطابع)

مزید اسی بخاری میں جلد اول کتاب الجہاد باب فرض الخمس اور

"مسلم" میں كتاب الجهاد والسير باب حكم الفئى میں یہ وضاحت ملاحظہ کرلی جائے۔

﴿فاما صدقته بالمدينة فدفعها عمر الى علي و عباس فغلبه عليها علي واما خيبر وفدك فامسكها عمر وقال هما صدقة رسول الله صلي الله عليه وسلم كانتا لحقوقه التي تعروه ونوائبه وامرهما الى من ولي الامر قال فهما على ذلك الى اليوم﴾

پس حضور علیہ السلام کا "مدینے" والا صدقہ (جائیداد) حضرت عمرؓ نے حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کو دیدیا' پس علیؓ اس کے معاملے میں عباسؓ پر غالب آگئے' رہا "خیبر" اور "فدک" والا صدقہ تو ان دونوں کو حضرت عمرؓ نے اپنے ہی پاس روک لیا اور کہا کہ یہ دونوں جائیدادیں ان حقوق کی ادائیگی کے لئے تھیں جو حضور علیہ السلام کو درپیش آتے رہے اور ان دونوں کا دربست اس کے سپرد ہے جو خلیفہ بنے' حضرت عروہ بن زبیرؓ نے جو حضرت عائشہؓ سے یہ روایت لے رہے ہیں کہا کہ وہ دونوں جائیدادیں آج تک ایسے ہی انتظام میں چل رہی ہیں۔

اب میاں صاحب کی منقولہ بالا عبارت ایک بار پھر پڑھ لیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ ان کے علم کا کیا حال ہے' آپ نے ابھی دیکھا کہ "متاعیت" کے اعتبار سے حضور علیہ السلام کی متروکہ جائیدادوں کی تین قسمیں تھیں (۱) فدک (۲) خیبر (۳) مدینہ' عباس و علی رضی اللہ عنہما کو متولی صرف مدینے کی جائیداد کا بنایا گیا' مگر میاں صاحب بلا تکلف ساری ہی جائیدادوں کو بصیغہ جمع اور بلا استثناء اس زمرے میں

لے رہے ہیں' ایسی سمجھ بوجھ اور ایسے علم و خبر والے حضرات اگر "خلافت و ملوکیت" جیسی کتاب کا تعقب کرنے لگیں تو اسے علامات قیامت کے سوا کس فہرست میں درج کیا جائے گا۔

حدیث کا یہ ٹکڑا کہ علیؓ اس جائیداد کے معاملہ میں عباسؓ پر غالب آگئے ہماری بحث سے غیر متعلق ہے' بس اتنا سمجھ لیجئے کہ دونوں میں بہت کافی جھگڑا ہو گیا تھا اور حضرت عباسؓ کا خیال یہ تھا کہ علیؓ کچھ گڑبڑ کر رہے ہیں' ظاہر ہے یہ محض غلط فہمی رہی ہوگی۔ رضی اللّٰہ عنہما۔

ابن سبا کی آڑ میں :(۱)

یہ تو ہم عرض کر چکے کہ "ابن سبا" سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں' ہمارے خیال میں اس کی سادہ سی تصویر میں بہت سے رنگ ان نامسعود زمانوں میں بھرے گئے ہیں جب شیعان علی اور ان کے مخالفین ایک دوسرے کی آبرو سے کھیلنا دنیا کا سب سے دلچسپ مشغلہ تصور کئے ہوئے تھے' شیعوں کے مخالفین نے "ابن سبا" کے معمولی سے جثے میں بانس کی ٹانگیں اس لئے لگائیں تاکہ دوہرا فائدہ اٹھایا جاسکے' ایک یہ کہ اس دلچسپ ڈرامائی تکنیک سے ان حقائق کو مشتبہ بنانا آسان ہو جائے جن سے حضرت عثمانؓ اور ان کے بنائے ہوئے عاملوں اور افسروں پر اعتراض کی راہ نکلتی ہے' دنیا کو یقین دلایا جائے کہ اصلاً خرابی کچھ نہیں تھی سارا فساد "ابن سبا" نے پھیلایا' اور دوسرے یہ کہ شیعوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ خراب فضا پیدا کرنے کے لئے "ابن سبا" کی داستان کو زلف در زلف بنانے اور خوب خوب رنگ دینے سے بڑھ کر حربہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا' حضرت علیؓ کے ثناخوانوں کے ہر عقیدے کو "ابن سبا" سے جا ملانا اور یہ ثابت کرنا کہ ان کا مصدر و منبع اور ملجاء وماویٰ ایک یہودی شیطان ہے' ظاہر ہے سیاسی سطح پر بڑے نفع کا سودا

(۱) اہل سنت "ابن سبا" کے متعلق کچھ ہی کہہ لیں مگر شیعہ اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے اس لئے کہ شیعوں کی معتبر کتاب اصول کافی میں اس کا صراحت تذکرہ موجود ہے۔ (مرتب)

تھا کم خرچ اور بالا نشین۔

اگر ہم واقعی مان لیں کہ "لن سبا" ایسا ہی تھا جیسا پوز کیا جاتا ہے، تو اربابِ فہم ہمیں بتائیں کہ آخر حضرت معاویہ یا عبداللہ بن عامر یا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جیسے اربابِ سیف نے اس کی زبان منہ کے اندر کیسے رہنے دی، جب کہ اس بدبخت نے مسلمانوں میں یہ بکواس شروع کی کہ "حضرت عیسیٰؑ کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ دنیا میں آئیں گے" اور اس بکواس کے ساتھ آیتِ قرآنی کو بھی استدلال میں پیش کیا، نہ سہی سزائے قتل، اتنا تو بہر حال آسان تھا کہ اس یہودی نومسلم کو قید میں رکھا جاتا، یا کوڑوں سے اس کی کھال ادھیڑ دی جاتی، کیا صحابہ کے اس معاشرے میں کوئی ایک بھی ثقہ آدمی ایسا تھا جو اس قانون شرعی سے واقف نہ ہوتا کہ مرتد کی سزا قتل ہے، یہودی جب اسلام لے آیا تو اب اس کا کفر بکنا ارتداد ہی کے ہم معنی تھا، قرآن کی آیات سے کھیل کرنا اور ایسے خیالات زبان پر لانا جو صریحاً خلافِ قرآن ہوں، خلافِ اجماع ہوں، خلافِ حدیث ہوں، کوئی ڈھکا چھپا ارتداد نہیں تھا، پھر کیسے یہ شیطان آزاد چھوڑ دیا گیا اور کیوں کر اس کی نوبت پہنچی کہ بے شمار صالحین اور اتقیاء بھی اس کے بھرتے میں آگئے۔

یاد کیجئے مشہور صحابی رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بڑے زور شور سے آواز اٹھاتے ہیں کہ ضرورت سے زائد سارا مال صدقہ کر دینا فرض ہے، اس آواز کے پیچھے وہ آیت قرآنی الذین یکنزون الآیہ بھی رکھتے ہیں اور بات اگرچہ غلط ہے مگر اتنی گمراہ کن بھی نہیں کہ زندقہ وارتداد کا شبہ کیا جا سکے، لیکن کیا ایک بھی قابل ذکر آدمی نے اسے قبول کیا، کیا معلوم و معروف قانونِ شرعی کے خلاف ایک صحابی کی رائے دماغوں میں گھس سکی، قطعاً نہیں، اس کے برخلاف لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا، یہ آیت ان کی چڑھ بنالی، جوان اور بذلہ سنج لوگ ان کے پیچھے پڑ گئے، یہاں تک کہ راستوں میں مضحکہ اڑانے والی ٹولیوں نے انہیں گھیرا، اس آفت کے نتیجے میں وہ "ربذہ نامی قریہ" میں گوشہ گیر ہو گئے اور آخر کار دنیا سے

چل بسے 'پھر یہ "لن سبا" کیسا جادوگر تھا کہ طرح طرح کی خرافات بکتا ہے 'صریحاً گمراہی پھیلاتا ہے اور اللہ کے دین سے کھلا تمسخر کرتا ہے مگر ہدف استہزاء اور نشانہ تضحیک بننے کے بجائے لیڈر بن جاتا ہے 'دلوں میں اتر جاتا ہے 'کھوپڑیوں میں گھس جاتا ہے ' "مصر" میں اس کا ہیڈ کوارٹر ہے مگر عبداللہ بن ابی سرح اس کے کان نہیں پکڑتے 'ہونٹوں پر قفل نہیں چڑھاتے 'اسے ٹھاٹ سے فتنے اٹھانے اور گل کھلانے کی چھوٹ ملی رہتی ہے۔

میاں صاحب نے "لن سبا" کی دلچسپ کہانی کو "طبری" سے نقل کرتے ہوئے اپنے خیالی افسانوں کے ساتھ جس مقصد سے شاملِ کتاب کیا ہے وہ یہ ہے کہ دورِ عثمانی کے سارے فتنوں کو وہ "لن سبا" کے نامۂ اعمال میں لکھ دینا چاہتے ہیں 'ان کا خیال ہے کہ "ابن سبا اینڈ کمپنی" نے عثمانی حاکموں کی زیادتیوں کے قطعاً جھوٹے افسانے گھڑے اور پھیلائے ' وہ فرماتے ہیں کہ :

> "پر کا کوا نہیں بنایا گیا کیونکہ پر کوئی تھا ہی نہیں بلکہ بے بنیاد شکایات تصنیف کی گئیں۔" (ص ۸۰)

اب ہم اس مسخرے پن کا کیا جواب دیں ' مستند علماء سلف و خلف کے حوالوں سے اتنا کچھ آپ ملاحظہ فرما چکے ' تھوڑا سا اور ہدیہ خدمت ہے۔

حافظ لن کثیر "البدایہ والنہایہ" جلد ۷ ص ۱٦٦ اور ۱٦۷ پر لکھتے ہیں :

> "مخالفین کی جماعت نے کچھ آدمی حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیجے تاکہ وہ ان سے اس معاملے میں بحث کریں کہ آپ نے بہتیرے صحابہؓ کو عہدوں سے ہٹا کر ان کی جگہ "بنو امیہ" میں سے اپنے اقرباء کو لا بٹھایا ہے ' چنانچہ ان آدمیوں نے حضرت عثمانؓ سے بڑی تیز گفتگو کی 'اور شدومد سے مطالبہ کیا کہ اپنے رشتہ داروں کو عہدوں سے ہٹا کر دوسروں کو ان کی جگہ دیں۔"

پھر حافظ ابن کثیرص ۶۸ پر فرماتے ہیں :

"بڑے بڑے صحابہ کو عہدوں سے ہٹا کر حضرت عثمانؓ نے اپنے رشتہ داروں کو جو گورنریاں دی تھیں' اس پر مخالفین اعتراض کرتے تھے' اور یہ بات بکثرت لوگوں کے قلوب میں گھر کر گئی تھی۔"

ایسے حالات میں وہ جلیل القدر صحابہ ہی کیونکر صورت حال کی اصلاح کر لیتے جو "مدینے" میں موجود تھے' کیا "ابن کثیر" کیا "ابن خلدون" کیا "ابن جریر" سب کی روایات سے ظاہر ہے کہ معدودے چند اصحاب کے علاوہ کوئی صحابی ایسا نہ رہ گیا تھا جو حضرت عثمانؓ کی حمایت اور دفاع میں دادِ بحث دینے کی پوزیشن میں ہوتا' انھیں حضرت سے ہمدردی اور محبت ضرور تھی مگر تلخ حقائق کو وہ کیونکر افسانہ ثابت کر سکتے تھے' وہ کیسے معترضین سے کہہ سکتے تھے کہ اکابر صحابہ معزول نہیں کیے گئے' وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ مالی رخ پر حضرت عثمانؓ کی روش وہی ہے جو شیخین کی تھی؟

"البدایہ والنہایہ" جلد ۷ ص ۱۶۸ و ۱۶۹ پر "الکامل" (ابن اثیر) جلد ۳ ص ۷۶ پر' طبری جلد ۳ ص ۳۷۷ پر اور "ابن خلدون تکملہ جلد دوم" ص ۱۴۳ پر جو گفتگو حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی نقل کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ پوری دیانت کے ساتھ یہ رائے رکھتے تھے' کہ جب تک حضرت عثمانؓ اپنی مجموعی روش نہ بدلیں گے' فتنے کی آگ فرو نہ ہو سکے گی' حضرت عثمانؓ جب یہ کہتے ہیں کہ اے علی! میں نے جن لوگوں کو عہدے دیئے ہیں آخر عمرؓ نے بھی انھیں عہدے دیئے تھے تو حضرت علیؓ صاف کہہ دیتے ہیں کہ آپ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ درگزر اور نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں جبکہ عمرؓ کا حال یہ تھا کہ اگر کسی گورنر کی کوئی قابل اعتراض بات ان تک پہونچی ہے تو بلا تاخیر انھوں نے اس کی گوشمالی کر ڈالی ہے' حضرت عثمانؓ معاویہؓ کا نام لیتے ہیں

کہ کیا عمرؓ نے انھیں گورنر نہیں بنایا' حضرت علیؓ جواب دیتے ہیں کہ بنایا تھا مگر عمرؓ کی بات کیا کرتے ہو' ان سے تو معاویہؓ اتنا ڈرتے تھے کہ عمرؓ کا غلام یرفاء بھی اتنا نہ ڈرتا ہوگا' اور آپ کا معاملہ یہ ہے کہ معاویہ جو مرضی چاہے کر ڈالتے ہیں پھر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ عثمانؓ کا حکم ہے اور آپ انھیں کچھ نہیں کہتے۔

کیا حضرت عائشہؓ کیا حضرت طلحہؓ کیا حضرت زبیرؓ سبھی کو حضرت عثمانؓ سے دلی تعلق تھا ہمدردی تھی' مگر سبھی اس سے بھی کبیدہ خاطر تھے کہ اقرباء کے سلسلہ میں وہ اپنا رویہ نہیں بدلتے' یہ سب اسی "طبری" میں موجود ہے جسے میاں صاحب کھولے ہوئے ہیں، "طبری" ہی نے طلحہؓ و زبیرؓ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ :

انماارادنا ان يستعتب امير المئومنين عثمانؓ ولم نردقتله
فغلب سفهاء-الناس الحكماء حتى قتلوه

ہمارا منشاء تو صرف یہ تھا کہ امیر المومنین عثمانؓ اپنی روش بدل دیں' انھیں قتل کر ڈالا جائے یہ تو ہمارے حاشیہء خیال میں بھی نہ تھا' لیکن سنجیدہ و متحمل لوگوں پر احمق لوگ غالب آگئے اور انھوں نے قتل تک نوبت پہونچا دی۔

پھر یہی "طبری" بتاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ آخر میں قطعاً آمادہ ہو گئے تھے کہ اپنی روش بدلیں' اور اہل الرائے کی رائے پر چلیں' مگر اشرار نے انھیں مار ڈالا' حضرت عائشہؓ نے اس صورتِ حال کو ان الفاظ میں تعبیر کیا ہے کہ :

"حضرت عثمانؓ سے ان لوگوں نے توبہ کرالی تھی پھر بھی انھیں مار ڈالا۔"

لیکن میاں صاحب جیسے بڑی آنکھ والوں کو کچھ نظر نہیں آتا اور بڑے اطمینان سے وہ سارے حقائق کو "عبداللہ ابن سبا" کی دم سے باندھے دے رہے ہیں' یہ خوش فکرے اپنے مطلب کے لئے "الاصابہ" کھولتے ہیں اور ادھورے فقرے وہاں سے اٹھاتے ہیں مگر یہ دیکھنا پسند نہیں کرتے کہ "الاصابہ" نے

مصنف ابن حجرؒ شہادت عثمانؓ کے بارے میں اپنا خیال کیا ظاہر فرمارہے ہیں؟ ملاحظہ ہو "الاصابہ" جلد ۲ ص ۴۵۵ و ص ۴۵۶۔

> "حضرت عثمانؓ کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ شہری علاقوں کے فرماں روا ان کے رشتہ داروں میں سے تھے، "شام" کل کا کل معاویہؓ کے زیر نگیں تھا "بصرہ" سعید بن عاص کے زیر تسلط تھا "مصر" پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی حکومت تھی' اور "خراسان" میں عبداللہ بن عامر مسند آرا تھے' ان علاقوں سے آنے والے حاجی اپنے حاکم کی شکایت کرتے مگر حضرت عثمانؓ نرم طبیعت کے کثیر الاحسان اور حلیم (لین العریکه کثیرالاحسان والحلم) آدمی تھے' اپنے بعض حاکموں کو بدل کر شکایت رفع کر دیتے اور پھر ان کا کہیں تقرر فرما دیتے۔"

اب اگر سیف بن عمر جیسے راویوں کی داستانِ لطیف کی آڑ لے کر میاں صاحب دنیا کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ شکایتیں وکایتیں سب فرضی تھیں' یہ تو "ابن سبا" کی اسکیم چل رہی تھی' کہیں کسی عثمانی عامل نے کوئی زیادتی نہیں کی تھی تو ایسی شعبدہ گری انھیں مبارک' ہم تو ابن حجر' ابن اثیر' ابن خلدون' ابن کثیر اور انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ جیسے بزرگوں کو زیادہ ثقہ سمجھتے ہیں جو ہتھیلی پر سرسوں جمانا اور ہوا میں گرہیں لگانا پسند نہیں کرتے' جن کا ایمان انھیں مجبور کرتا ہے کہ سچائی کو مانیں خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔

واقدی :

محمد بن عمر الواقدی جتنے مشہور ہیں اتنے ہی بدنام بھی ہیں' ہم ان کے بارے میں زیادہ بحث اس لئے کرنا نہیں چاہتے کہ مولانا محمد میاں صاحب انھیں بالکل ہی

کذاب اور لپاٹیا قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر یہ کسی ثقہ سے روایت کریں تو معتبر ہے، ہم بھی اس سے زیادہ کے دعویدار نہیں، مگر ہمارا یہ خیال ضرور ہے کہ ناقدین سلف نے ان پر نقد و نظر میں تشدد برتا ہے اور تشدد کی وجہ یہ رہی کہ ان بزرگوں کے دل و دماغ میں اصول روایت کے وہ معیار جاگزیں تھے جو احادیث رسول ﷺ کے لئے مقرر کئے گئے تھے، واقعی ان معیاروں پر تو واقدی دو منٹ بھی اپنے پیروں پر کھڑے نہیں رہ سکتے، لیکن ہماری ناقص رائے میں واقدی کے متعلق وہ رائے بہترین رائے ہے جو مولانا مناظر احسن گیلانیؒ (۱) نے اپنی کتاب "امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی" میں (ص ۴۵۴ و ۴۵۵ حاشیہ) ظاہر کی ہے، فرماتے ہیں :

> "ان کا نام کسی روایت کی وقعت کو کھو دینے کے لئے لینا ایک شدید اور خطرناک مغالطہ ہے، مجھے تو اس میں بھی غیروں کی دسیسہ کاری کی جھلک نظر آتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں جہادی روح ترو تازہ رکھنے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ واقدی کی کتابوں کا بھی ایک ہزار سال سے بہت بڑا حصہ ہے..... ائمہ فقہاء نے واقدی کے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے اس کا تعلق احکام و عقائد کی حدیثوں سے ہی ہے جس سے اسلامی قانون پیدا ہوتا ہے، بہر حال مورخ ہونے کی حیثیت سے کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے دوسرے

(۱) ہمیں بے حد افسوس اور ندامت ہے کہ ماضی بعید میں ہمارے گستاخ قلم سے بعض الفاظ مولانا گیلانیؒ کیلئے نامناسب نکل گئے تھے، یہ ہماری جہالت تھی کہ ہم نے ان کی تحریریں پڑھی نہیں تھیں، بعد میں جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ وہ تو بحر العلوم تھے، بڑے باخدا اور انصاف پسند تھے غیر معمولی طور پر نکتہ رس اور ذی بصیرت اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم ان کے پیر پکڑ کر معافی چاہتے، وہ اللہ کے یہاں جاچکے اس لیے ہم اپنے اشکہائے ندامت صرف باری تعالی کے حضور پیش کرتے رہے ہیں۔

مورخوں کی صف میں مسلمانوں کا یہ مورخ کسی حیثیت سے
بھی ناقابلِ اعتماد سمجھا جائے۔"

مسلمانوں کے سوادِ نیا کی کسی قوم کا کوئی بڑے سے بڑا مورخ ہمیں بتائیے جس پر اعتماد کرنے کے لئے آپ کے پاس وہ دلائل موجود ہوں جن کی روشنی میں واقدی کو جھوٹا اور وضاع قرار دیا جاتا ہے' واقدی کم سے کم یہ تو بتاتے ہیں کہ میں نے فلاں سے اور فلاں نے فلاں سے سنا' کیا دنیا کے غیر مسلم مورّخین بھی ایسا کوئی التزام کرتے ہیں؟ غیر مسلم تو کجا خود مسلم مورخین بھی بعد کی تاریخوں میں اس التزام کو باقی نہیں رکھ سکے ہیں' کیا "ہندوستان" کے شاہان اسلام کی تاریخ کسی بڑے سے بڑے مورخ نے بھی ایسے کسی اطمینان بخش اسلوب سے بیان کی ہے جس پر وہ اعتراضات واقع نہ ہو سکتے ہوں جو "واقدی" پر واقع کئے جاتے ہیں۔

دین بیشک بہت بلند چیز ہے عقائد اور احکام کا بلاشبہ یہ درجہ ہے کہ کسی ضعیف روایت کو ان کا مبنیٰ نہ بنایا جائے' جب امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ کتب الواقدی کذب تو ان کا محورِ خیال ایک ایسا معیار ہوتا ہے جو بیشک ان جیسے فقیہ کے لئے بہت موزوں ہے' وہ اگر معیار اعلیٰ کو ملحوظ نہ رکھتے تو قانون شرعی کی مشاطگی اور تزئین کیسے کرتے' اسی طرح ابن حجر یا ذہبی یا دیگر ائمہ فن اگر اپنی کتابوں میں واقدی کو جرحوں کا نشانہ بناتے ہیں تو وہ ٹھیک ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ تو حدیثِ رسول کی صیانت و حفاظت کی خاطر راویوں کا زائچہ بنا رہے ہیں انھیں بے حد محتاط خوردہ گیر اور بے رحم ہونا ہی چاہئے۔

لیکن یہی بزرگ جب احکام و عقائد سے ہٹ کر دوسرے میدانوں میں اشہبِ خامہ کو ایڑ لگاتے ہیں تو "واقدی" کی روایات سے ذرا پرہیز نہیں کرتے' ہم نے حصہ اول پر یہ لکھا تھا کہ :

"مولانا مودودی نے واقدی کی قدح میں قدرے مبالغہ ہی

کر دیا ورنہ نقطۂ اعتدال کچھ اور ہے۔"

منشاء اس تحریر کا یہ تھا کہ احکام وعقائد کے باب میں بھی "واقدی" بالکل ہی ساقط الاعتبار نہیں ہیں' اس کا ثبوت ہم "نصب الرایہ" کی مثال سے پیش کر چکے' بیشک ایسی کوئی روایت ان کی احکام وعقائد کے باب میں استعمال نہیں کی جاسکتی جس میں وہ "متفرد" ہوں' لیکن جب کسی اور روایت سے بھی ایک مضمون ثابت ہو رہا ہو تو "واقدی" کی گواہی اسے توانائی ضرور دے سکتی ہے' جن بزرگوں نے واقدی کو "کذاب" کہا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے پاس کیا دلائل تھے؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جھوٹ کے مرتکب اصلاً وہ راوی ہوں جن پر واقدی بسبب اپنی سادہ لوحی کے اعتبار کر رہے ہیں؟۔

بہر حال ہمیں واقدی کی تضعیف یا تعدیل سے زیادہ دلچسپی نہیں' البتہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وہ لوگ واقدی پر آنکھیں نہ نکالیں جو دوسرے مورخین کے معاملہ میں ان شرائط کی پروا نہیں کرتے جن کا مطالبہ وہ واقدی سے کرتے ہیں' ہمارے دور کے بہتیرے خوش فکروں کا تو یہ حال ہے کہ کسی بھی تاریخی بحث میں وہ بلا تکلف یہ ارشاد فرما دیتے ہیں کہ ارے صاحب "سر الیگزنڈر" نے یہ لکھا ہے "سر گلبرٹ" نے ایسا بیان کیا ہے "لارڈ میور" یہ کہتا ہے اور یہ ارشاد فرمانے کے بعد وہ اس طرح فخر سے گردن اکڑاتے ہیں جیسے ساتویں آسمان سے برہانِ قاطع اتار لائے ہوں' مگر جب واقدی کی بات آجائے تو بہت برا سا منھ بنا کر کہتے ہیں کہ میاں کس بغی کی بات کرتے ہو۔

حالانکہ بے لاگ انصاف کرو تو ہمارا "واقدی" ان سب سے مضبوط ہے' وہ نام تو بتاتا ہے کہ کس نے کس سے اور کس سے کس نے فلاں بات بیان کی' یہ دوسرے مؤرخین پانچ سو سال پہلے کی خبریں بیان فرماتے ہیں مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتے کہ فلاں مؤرخ نے ایسا لکھا تھا' بس' اب سوچ جایئے کہ فلاں مؤرخ کو امر واقعہ کیسے معلوم ہوا اور وہ خود بھی سچا ہے یا جھوٹا' کسی بھی تاریخ کی

کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی نہیں ہیں' خوش اعتقادی کے تحت اعتماد کر لو ہم تو سچی بات ہے اپنے "واقدی" اور "سیف بن عمر" کو اتنا گیا گزرا نہیں قرار دے سکتے کہ بے سند خبریں دینے والے بھی ان پر فوقیت لے جائیں' یہ ہمارے بزرگ حدیث کے معیارِ اعلیٰ سے بلاشبہ فروتر ہیں مگر دنیا کے ان تمام مؤرخین سے فائق ہیں جو یہ نہیں بتاسکتے کہ فلاں واقعہ ان تک کس سند سے پہونچا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

جاتے جاتے :

کتاب ختم کرتے کرتے میاں صاحب نے جو تحفہ عنایت فرمایا ہے اسے بھی ملاحظہ کر لیجئے' فرماتے ہیں :

> "محترم سید ابو الاعلیٰ مودودی اگر اپنے شیعی ہونے کا اعلان فرمادیں تو پھر ہمیں ان کے کسی اعتراض کے جواب دینے کی ضرورت نہ ہو۔" (ص ۱۹۹)

اس کا ترکی بہ ترکی جواب تو یہ ہے کہ میاں صاحب اگر اپنے فاتر العقل ہونے کا اعلان فرمادیں تو ہم بھی آئندہ ان کی کسی تحریر پر تنقید کی ضرورت نہیں سمجھیں گے' جس طرح "ہندوستان" کے فرقہ پرست اور "قوم پرور" حلقوں نے ہر دین پسند جماعت اور فرد کے لئے لفظ "پاکستانی" گھڑ لیا ہے اور اپنی ہر زیادتی اور فرقہ پرستی کو چھپانے کے لئے بے محابا اس سیاسی گالی کو استعمال کرتے رہتے ہیں اسی طرح میاں صاحب اور ان جیسے دیگر نام نہاد مولانا "خلافت و ملوکیت" کے خلاف اپنے تعصبات اور بغض و حسد کا غبار نکالتے ہوئے "شیعیت" کی گالی ضرور زبان سے نکالتے ہیں۔

علمی جواب یہ ہے کہ مولانا مودودی "خلفائے راشدین" کے بارے میں ٹھیک وہی عقیدہ رکھتے ہیں جس پر امت مجتمع ہے' یعنی چاروں خلفاء کی

فضیلت بھی ان کی ترتیب خلافت ہی کے مطابق ہے' وہ شخص مفتری ہے جو اس کے سوا کوئی عقیدہ مولانا موصوف کی طرف منسوب کرتا ہے' خود میاں صاحب نے اپنی پوری کتاب میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش تو ضرور کی ہے کہ مودودی نے حضرت عثمانؓ کی توہین کی' لیکن یہ اعتراض نہیں اٹھایا کہ مودودی حضرت عثمانؓ کو خلیفہ راشد نہیں مانتا یا وہ حضرت علیؓ کو ان پر فوقیت دیتا ہے' جب یہ اعتراض نہیں اٹھایا تو "شیعی" قرار دینے کی جسارت سوائے ظلم اور کذب وافتراء کے اور کس عنوان کی مستحق ہو سکتی ہے۔

الزام تشیع کی علمی حیثیت :

یہ نکتہ بہت توجہ سے سننے کے لائق ہے کہ اب سے چھ سات سو برس پہلے تک تشیع کی اصطلاح جس مفہوم میں استعمال ہوتی رہی ہے' وہ بعد میں بالکل بدل گیا ہے' آج اگر ہم کسی پر شیعیت کا الزام لگاتے ہیں تو اس کا واحد مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کو "راشدہ" نہیں مانتا بلکہ صرف حضرت علیؓ کو اولاً اور آخراً خلیفہ راشد مانتا ہے' جائزے کے حصہ اول میں صفحہ ۱۵ پر ہم "شیعہ سنی" موضوع کے ماہر خصوصی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی "تحفہ اثنا عشریہ" سے یہ مضمون نقل کر آئے ہیں کہ شدہ شدہ شیعوں میں جن عقائد وخیالات پر اجماع ہوتا چلا گیا ہے ان کی قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت علیؓ امام بلافصل ہیں اور باقی تینوں خلفاء کی خلافت وامارت بے اصل ہے' ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں جو شخص مولانا مودودی پر شیعیت کی پھبتی کستا ہے وہ اتنا بڑا تہمت باز ہے کہ اگر عدالت اسلامیہ قائم ہو تو اس پر تہمت تراشی کی حد جاری کی جائے۔

لیکن اسلام کی پہلی چھ سات صدیوں میں شیعیت کی یہ قدر مشترک منقح اور معروف نہیں تھی' چنانچہ پیچھے آپ حافظ ذہبیؒ کی "میزان الاعتدال" جلد دوم

صفحہ ۱۱۶ کے حوالے سے دیکھ آئے کہ محدث سلیمانی نے جن بہت سے بزرگوں کو شیعہ قرار دیا ہے ان میں امام ابو حنیفہؒ بھی ہیں۔

کیوں...... ؟اس لئے کہ امام صاحب اگرچہ فضیلت کی ترتیب میں تو وہی رائے رکھتے ہیں جو اہلِ سنت کی معروف رائے ہے لیکن ذاتی طور پر حضرت علیؓ انہیں حضرت عثمانؓ سے زیادہ محبوب تھے' (ملاحظہ ہو کردری کی ''مناقب الامام الاعظم'' جلد دوم۔ صفحہ ۳۔۴۔۲۱۶)

ایسا ہونا قدرتی بھی تھا' امام اعظمؒ ایک علمی مزاج اور مجتہدانہ سیرت لے کر پیدا ہوئے تھے' ان کو طبعی طور پر ان صحابہؓ سے خصوصی تعلق خاطر ہونا ہی چاہئے تھا جو علم و تفقہ میں نمایاں درجہ رکھتے ہوں' مراتب اخروی کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کا مقام حضرت علیؓ سے کچھ بلند ہو یہ اور بات ہے مگر علم و تفقہ میں حضرت علیؓ کا ممتاز اور نمایاں ہونا ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جو واقعات سے بھی ثابت ہو چکی ہے اور زبانِ رسالت سے بھی اس کی تصدیق ہو چکی ہے' پھر کیوں نہ امام ابو حنیفہؒ کا ذہن ان کی طرف زیادہ مائل ہوتا۔

یہی نہیں' اجتماعی سطح پر عقیدہ جمہور سے اتفاق کرنے کے باوجود انفرادی و ذاتی سطح پر امام صاحب کی رائے یہ تھی کہ عثمانؓ و علیؓ دونوں ٹکر کی شخصیتیں ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا بہت مشکل ہے (ملاحظہ ہو شمس الائمہ سرخسی کی شرح السیر الکبیر۔ جلد اول صفحہ ۱۵۷ و ۱۵۸۔ اور حافظ ابن عبدالبر کی ''الانتقاء'' صفحہ ۱۶۳)

پھر امام صاحب اس رائے میں اکیلے نہیں ہیں، امام مالکؒ اور یحییٰ بن سعید القطانؒ بھی (جو فن جرح و تعدیل کے معروف اساتذہ میں ہیں) اسی رائے کے حامل تھے (ملاحظہ ہو ابن عبدالبر کی ''الاستیعاب'' جلد دوم صفحہ ۴۶۷)

ظاہر بات ہے کہ جس رائے کو ایسی بڑی شخصیتوں نے اختیار کیا ہو وہ ادنیٰ درجے میں بھی گمراہی یا گناہ کے الزام سے مجروح نہیں کی جا سکتی' لیکن بعض

ناقدوں نے اسی رائے کی بناء پر ابو حنیفہؒ سمیت متعدد بزرگوں کو "شیعہ" قرار دیا' اور ان کا مطلب اس لفظ سے انہیں مطعون کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے خاص موقف کا اظہار کرنا تھا۔

علی بن عبداللہ بن جعفر ابو الحسن ابن المدینی امام بخاریؒ کے استاد ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذ التلمیذ' یعنی یحیٰی القطان ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں' اور ابن المدینیؒ ان کے شاگرد' اس طرح یہ بزرگ علمی جہت سے "نجیب الطرفین" کہے جائیں تو مبالغہ نہیں' لیکن "میزان الاعتدال" جلد دوم صفحہ ۲۳۰ پر ملاحظہ فرمالیا جائے یہ الفاظ ملیں گے :

﴿قال احمد ابن خثیمه فی تاریخه سمعت یحییٰ بن معین یقول کان علی ابن المدینی اذا قدم علینا اظهر السنة واذا ورد الی البصرة اظهر التشیع﴾

احمد ابن خثیمہ اپنی تاریخ میں یحیٰی بن معین کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ ابن المدینی جب ہمارے یہاں تشریف لاتے تھے تو وہ اپنی باتوں سے اہل سنت والے خیالات کا اظہار کرتے تھے لیکن جب بصرہ تشریف لے جاتے تو وہاں اپنی باتوں سے تشیع ظاہر فرماتے تھے۔

ظاہر بات ہے کہ یہاں تشیع ٹھیک اسی مفہوم میں بولا گیا ہے جس مفہوم میں سلیمانی نے امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے لئے بولا تھا' اس کے وہ معنی ہرگز نہیں ہیں جو آج شائع ذائع ہو چکے ہیں۔

مفسر شہیر ابن جریر طبری کا ترجمہ "میزان الاعتدال" جلد دوم صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمایا جائے' ان کے بارے میں بھی یہ ریمارک ملے گا کہ ان میں تشیع تھا' لیکن وہیں حافظ ذہبیؒ یہ بھی تنبیہ کرتے ہیں کہ لا تضر یعنی ایسا تشیع جو ذرا بھی

مضر نہیں' علاوہ ازیں انہوں نے سلیمانی کا یہ قول تو نقل کیا کہ کان یضع للروافض ﴿وہ رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑتے تھے﴾ مگر ہاتھوں ہاتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ :

هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين.

یہ سراسر جھوٹی بدگمانی ہے' ابن جریر تو اسلام کے بڑے بڑے معتمد علیہ ائمہ میں سے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج کل جن معروف معنوں میں لفظ "شیعہ" بولا جاتا ہے زمانہ سابق میں ان کے لئے لفظ "رافضی" مستعمل تھا' اگر کسی شخص میں ایسا تشیع پایا جائے جو گمراہی کے مرادف ہو تو اس کی طرف رفض کی نسبت کی جاتی تھی شیعیت کی نہیں' سلیمانی نے جب امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کی طرف شیعیت کی نسبت کی تو کسی کو اس کی تردید کی ضرورت محسوس نہ ہوئی' اگر شیعیت کا مصداق اس وقت وہی ہوتا جو آج ہے تو امام صاحب کے معتقدین لازماً بڑے شدومد سے اس کی تردید کرتے' ابھی آپ نے دیکھا کہ حافظ ذہبیؒ کو ابن جریر کے اندر تشیع کی موجودگی ذرا قابل اعتراض محسوس نہیں ہوئی' بلکہ وہ خود صراحت کرتے ہیں کہ ان کا تشیع مضر نہیں' البتہ جب سلیمانی یہ فضول گوئی کرتے ہیں کہ ابن جریر روافض کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے تو ذہبیؒ فوراً ٹوک دیتے ہیں کہ کیوں غلط گوئی کرتے ہو۔

اگر دیدہ ریزی کی جائے تو "اسماء الرجال" کی کتابوں میں پچاسوں ایسے بزرگ مل جائیں گے جو عقائد کے اعتبار سے "سنی" ہیں' علم و تقویٰ کے اعتبار سے معیاری ہیں مگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے میں انہیں تامل ہے' اسی بنیاد پر بعض ناقدین نے انہیں "شیعہ" کہہ دیا ہے' اس سے نہ تو ان کی ثقاہت میں فرق آیا نہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہوئے۔

اس تفصیل سے دو باتیں ظاہر ہوئیں' ایک تو یہ کہ میاں صاحب جیسے قلیل العلم لوگ جب "اسماء الرجال" کی کسی کتاب سے یہ نقل کرتے ہیں کہ دیکھئے صاحب فلاں راوی کو شیعہ بتایا گیا ہے بھلا اس کی روایت کیسے قابل اعتبار ہو' تو یہ ایک غیر سنجیدہ اور قابل مذمت حرکت ہوتی ہے جس پر امام لکھنوی نے الرفع والتکمیل میں خوب خوب ڈانٹا اور تنبیہ کی ہے۔

دوسرے یہ کہ آج ہماری بول چال میں شیعیت اور تشیع کے الفاظ جس مفہوم و مصداق میں رائج ہو گئے ہیں' وہ اس سے مختلف ہے جو زمانہ قدیم میں ان سے لیا جاتا تھا' لہٰذا آج کسی شریف عالم اور خدا ترس مولوی کا یہ وطیرہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ کسی ایسے مسلمان کو ان اصطلاحوں کا ہدف بنائے جو چاروں خلفاء کو "خلفائے راشدین" مانتا ہو اور سوائے اس کے کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں بعض اٹل تاریخی حقائق کو اس نے قبول کیا ہو' اور کوئی بات اس میں شیعوں جیسی نہ پائی جاتی ہو' مولانا مودودی نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں' نہ انہوں نے اس سے انکار کیا کہ ان کی فضیلتیں ترتیب خلافت کے مطابق ہیں' لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب علم مسلمان حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت نہ بھی دیتا ہو اور اس کا خیال یہ ہو کہ حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کی افضلیت قوی دلائل سے ثابت نہیں ہے تب بھی اس پر شیعیت کا الزام لگانا کج' کم فہم' غلو پسند اور غیر محتاط لوگوں کا کام تو ہو سکتا ہے' ان ذی فہم' پختہ کار' عدل پسند اور محتاط علماء کا نہیں جو جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے ائمہ کرام کی ذاتی رائے' رجحان اور خیال کیا تھا۔

ہمارے زمانے میں بڑی آفت یہ ہو گئی ہے کہ ہر گروہ تعصب' غلو اور تقلیدی جمود کا شکار ہے' وہ ذرا کسی کو اپنے مسلک و موقف سے بال برابر ہٹا ہوا دیکھتا ہے تو شور مچا دیتا ہے کہ یہ شخص گمراہ ہوا' اس کی وجہ جہالت بھی ہے اور تزکیہ نفس سے محرومی بھی' جب نفس مزکی نہ ہو تو نفسانیت ہی کا سکہ چوٹی سے ایڑی

تک چلتا ہے' نفسانیت کے بے شمار مظاہروں میں بدترین مظاہرہ یہ "مودودی دشمنی" بھی ہے جس کی رگ رگ میں تقلیدی کورنگاہی' زہر آلود گروہ بندی' سفاک تعصب اور متکبرانہ خود پرستی خون بن کر دوڑ رہی ہے۔

آپ نے سنا ہوگا حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے مودودی کو "خارجی" بتایا' اور اب یہ مرید باصفا مولانا محمد میاں صاحب اسے "شیعہ" بتا رہے ہیں' کیا خوب' خارجیت اور شیعیت ایک دوسرے کی ضد' خوارج تو حضرت علیؓ کو کافر تک کہتے تھے اور شیعہ حضرات میں سے بعض نے حضرت علیؓ کو خدا کی مسند پر بٹھا دیا' دونوں ایک دوسرے کے حریف' آگ اور پانی' سیاہی اور سفیدی' مگر واہ رے دین کے امانت دارو! چت اور پٹ دونوں آپ کی' وہی مودودی خارجی بھی ہے اور شیعہ بھی' کالا بھی ہے اور گورا بھی' طویل القامت بھی ہے اور پستہ قد بھی۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

ہمیں برملا "غرناطہ" کے امام شاطبیؒ یاد آگئے' آٹھویں صدی ہجری کا یہ امام جلیل علماء کی صف میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے' ان کی کتاب "الموافقات" اہل علم کے حلقوں میں بہت مقبول ہے' یہ اپنی کتاب "الاعتصام" کے آغاز میں اپنی روداد لکھتے ہیں کہ جب میں نے احیائے سنت اور امحائے بدعت کی راہ پر قدم بڑھایا تو میرے لئے ایک قیامت کھڑی ہو گئی' جدھر سے دیکھو ملامتوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے' جسے دیکھو خفا ہے' برملا کہا جا رہا ہے کہ یہ شخص بدعتی اور گمراہ ہے' کبھی کہا گیا کہ لو ہو یہ شخص تو رافضی اور دشمنِ صحابہؓ ہے' کبھی کہا گیا کہ اسے تو اولیاء اللہ سے عداوت ہے' کبھی کہا گیا کہ یہ "اہلِ سنت والجماعت" سے خارج ہے' میری حالت امام شہیر عبدالرحمٰنؒ بن بطہ جیسی ہو گئی جو خود اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں کہ سفر و حضر میں ہر طرح کے لوگوں سے میرا واسطہ پڑا اور ان کے طرزِ عمل نے مجھے حیرت میں ڈال دیا' ان کا حال یہ

تھا کہ دینی مسائل میں جو کچھ بھی ان کے مزعومات تھے اگر میں نے حرفاً حرفاً ان کی تصدیق کر دی تب تو مجھے اپنا موافق سمجھ لیا مگر ذرا بھی کسی پہلو سے اختلاف کیا تو میرا نام "مخالف" رکھ لیا گیا' اور اگر ان میں سے کسی سے میں نے کہہ دیا کہ تمہارا فلاں خیال و عقیدہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو اس نے مجھے "خارجی" بنا دیا' اور اگر میں نے توحید کی کوئی حدیث اس کے آگے پڑھ دی تو میرا نام "مشبہ" رکھا گیا' اور اگر رویت باری کے سلسلے میں کسی حدیث کا ذکر کیا تو نام رکھا گیا "سالمیہ" اور اگر ایمان کی کوئی حدیث ذکر کی تو کہا گیا کہ یہ تو "مرجیہ" ہے' اور اگر اعمال کی حدیث زبان پر آئی تو کہہ دیا گیا یہ "قدریہ" ہے' اور اگر معرفت کی حدیث ہوئی تو نام رکھا گیا "کرامیہ" اور اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل میں کچھ کہا تو فیصلہ ہو گیا کہ یہ "ناصبی" ہے اور اگر فضائل اہل بیت ہونٹوں پر آئے تو کہا گیا "رافضی" ہے اور اگر کسی آیت اور حدیث کی تفسیر بیان کرنے سے میں نے دامن بچایا تو طعن کیا گیا کہ یہ تو "ظاہری" ہے اور اگر تفسیر کی تو نام رکھا گیا "باطنی" اور اگر میں نے تاویل کی راہ اختیار کی تو کہا گیا یہ "اشعریہ" ہے' اور اگر ان دونوں صورتوں کو میں نے رد کیا تو کہا گیا "معتزلی" ہے' وغیر ذلک' حالانکہ حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ میں تو اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت کا دامن پکڑنے والا ہوں اور اللہ سے استغفار کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ غفور و رحیم ہے'

(الاعتصام' جلد اول صفحہ ۱۸ تا ۲۰)

امام شاطبیؒ آگے سید العبّاد بعد الصحابہؓ حضرت اویس قرنیؒ کا یہ ارشاد بھی نقل کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاصہ ہی یہ ہے کہ دوست دشمن بن جاتے ہیں' میں نے لوگوں کو معروف کا حکم کیا تو وہ میری آبرو پر کیچڑ اچھالنے لگے' اور اس مخالفت میں فساق و فجار بھی ان کے معاون بن گئے' صفحہ ۲۱

دیکھ رہے ہیں اے قارئین کرام! کتنی ہو بہو تصویر ہے مولانا مودودی کی جو کم و بیش چھ سو سال پہلے کے آئینہ ایام میں نظر آ رہی ہے' قرآن و سنت کے

حاملین کو رافضی اور خارجی اور الابلا جو چاہے بنا ڈالنا جاہلوں اور بدعتیوں ہی کا نہیں تنگ نظر اور غبی قسم کے عالموں کا بھی دلچسپ مشغلہ رہا ہے' اب مثلاً امام ابو اسحاق شاطبیؒ کو رافضی اور دشمن صحابہؓ کیوں کہا گیا...... فقط اس بات پر کہ انہوں نے کہیں یہ کہہ دیا کہ "خطبات جمعہ میں "خلفائے راشدین" کے ذکر کو ضروری سمجھنا حکم شریعت نہیں ہے"۔(۱)

یہ بات ذرا بھی غلط نہیں تھی' امام شاطبیؒ سے پہلے علماء کرام نے اپنے خطبوں میں اس کا التزام نہیں کیا' اور نہ قرآن و سنت سے ایسا حکم ملا ہے' ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ "خلفائے راشدین" کا ذکر خیر ممنوع ہے' وہ تو فقط اس غلط العام خیال کی تردید کرنا چاہتے تھے کہ خطبہ اگر "خلفائے راشدین" کو ذکر کئے بغیر تمام کر دیا جائے تو اس میں کچھ نقص رہ جاتا ہے' ظاہر ہے کہ ان کا موقف بالکل درست تھا لیکن دین حق کے ایسے ہی نادان دوستوں نے جیسے ہمارے مولانا محمد میاں صاحب ہیں فوراً تالی پیٹ دی کہ شاطبی تو پکا رافضی ہے' اسے صحابہؓ سے عداوت ہے۔

امام ابن جریر طبری بھی شیعہ ! :

نام نہاد علماء کا تو ذکر نہیں' حقیقی اہل علم خوب جانتے ہیں کہ ابن جریر کتنے بڑے امام اہل سنت تھے' اپنے زمانے کے بے نظیر عالم' کیا علم و معرفت' کیا زہد و تقویٰ' کیا عقائد و افکار سب رخوں پر قرآن و سنت کے زندہ پیکر' لیکن ان کا تصور یہ تھا کہ امام احمد ابن حنبلؒ کو وہ محدث ضرور مانتے تھے مگر فقیہ نہیں مانتے تھے' حنبلی حضرات ان سے خفا ہو گئے' بس پھر کیا تھا' شروع ہو گئیں افترا پردازیاں'

(۱) فقہی طور پر حکم شریعت نہ سہی مگر مجدد صاحب اپنے مکتوبات میں خطبہ جمعہ میں ذکر "خلفائے راشدین" ضروری قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں : وائے نہ یکبار کہ صدبار وائے' ذکر "خلفائے راشدین" اگرچہ از شرائط خطبہ نیست ولیکن از شعائر اہلسنت است ترک نہ کند آنرا عمد و تمرو مگر کسے کہ دلش مریض است و باطنش خبیث (مرتب)

بعض کاریگروں نے یہ شوشہ نکالا کہ وہ وضو میں پیروں کا دھونا ضروری نہیں سمجھتے 'بلکہ مسح کو کافی سمجھتے ہیں 'ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ سچ بھی ہوتا تو اس پر رفض و شیعیت کا فتویٰ لگانا ایسا ہی تھا جیسے آدمی کو گدھا محض اس مشابہت کی بنا پر کہہ دیا جائے کہ دونوں کے منہ میں زبان ہے 'یا دونوں کے چہرے پر دو کان اور دو آنکھیں ہیں 'قرآن کی آیت میں یقینی طور پر ایسی گنجائش موجود ہے کہ ایک عالم پیروں کے مسح کو درست سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے 'ایسی غلط فہمی کو رفض وغیرہ در کنار ادنیٰ درجے کی گمراہی بھی نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن وہاں تو معاملہ یہ تھا کہ ابن جریرؒ کی طرف غلط طور پر یہ رائے منسوب کردی گئی تھی 'ان کی تفسیر قرآن موجود ہے 'وہ تو دھونے کے ساتھ ''دلک'' کو بھی واجب کہہ رہے ہیں 'یعنی رگڑنا 'لیکن غیر ذمہ دار حضرات نے ''دلک'' کا مطلب مسح نکالا اور کہہ دیا کہ ابن جریر کے نزدیک پیروں کا دھونا اور مسح کرنا ایک ہی حکم میں ہے 'نہ دھو تو مسح کرلو۔

حد ہو گئی کہ جب ابن جریر مرے تو انہیں حنابلہ نے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا بلکہ بیچارے اپنے گھر ہی میں دفن کئے گئے ' انہیں صرف رافضی ہی نہیں کہا گیا بلکہ حافظ ابن کثیرؒ تو بتاتے ہیں کہ :

﴿ومن الجهلة من رماه بالا لحاد و حاشاه من ذلك كله بل كان احد ائمة الاسلام علماً و عملاً بكتاب الله و سنة رسوله﴾

بعض جہلاء نے انہیں ملحد بھی قرار دے ڈالا 'اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام افتراء پردازیوں سے بلند تھے 'وہ تو ائمہ اسلام میں سے ایک امام تھے 'ان کا علم اور عمل سب قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھلا تھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۶)

تنگ نظر علماء اور تعصب کیش جہلاء کی جراحت کاریوں سے داعیان حق

اور صالحین میں سے کون بچا ہے' کیا ابو حنیفہؒ' کیا بخاریؒ' کیا ابن حنبلؒ' کیا ابن تیمیہؒ' کیا غزالیؒ' یہ المناک داستان تو روزِ اول سے یوں ہی چلی آرہی ہے' انبیاء کرام علیہم السلام تک مستثنیات میں نہیں ہیں' انہیں بھی ابنائے زمانہ نے اسی طنز' سب و شتم' ایذا رسانی اور جدل' مخالفت کا نشانہ بنایا' پھر کیا ماتم کیجئے کہ مودودی کو کوئی خارجی بتاتا ہے' کوئی شیعہ' کوئی چکڑالی' کوئی منکر حدیث' کوئی جاہ ومال کا طالب' کوئی اولیاء اللہ کا دشمن' جتنے منہ اتنی ہی باتیں' بہت جلد وہ وقت آرہا ہے جب ایک ایک کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہوگا اور اس وقت پتہ چلے گا کہ تعصب اور جہالت کی رو میں کسی پر بے تحاشا الزام لگانا کتنا مہنگا پڑا ہے۔

خاتمہ کلام :

یہ عنوان خود میاں صاحب کا ہے' کتاب ختم کر کے انہوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ "خلافتِ راشدہ" کیونکر ملوکیت میں تبدیل ہوئی' ہم اس کے بارے میں صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قابلیت سے بہت آگے کی جرأت کر ڈالی ہے' اس نوع کے دقیق مسائل کی عقدہ کشائی اور تجزیہ و تحلیل کے لئے جس درجے کی فراست' بصیرت اور علمی پختگی درکار ہے اس کے مقام رفیع سے میاں صاحب اتنی ہی دور ہیں جتنی آسمان سے زمین' بے میل' بے ربط' اور سطحی باتوں کی الٹ پلٹ کو انہوں نے "تاریخی تنقید" تصور فرمالیا ہے' نہ صغریٰ کبریٰ میں کوئی منطقی ربط' نہ مُقَدَّمْ اور تَالِی(۱) کی چولیں درست' نہ دلیل اور دعوے میں مطابقت' نہ علت اور معلول میں یک جہتی' ناقص اور پراگندہ معلومات کے دھاگوں میں بچکانہ جذبات کے کچھ پھول گوندھ کر انہوں نے سمجھا ہے کہ میں نے موضوع کا حق ادا کر دیا' بہر حال خوش فہمیوں کا علاج تو کسی کے پاس نہیں' ہم نمونتاً اس شاندار تجزیے پر کچھ روشنی ڈالے دیتے ہیں تاکہ قارئین

(۱) مقدم : جو پیش رفت کر گیا اور تالِی : جو بعد میں اس کے نقش قدم پر چلا۔

کرام اندازہ فرما سکیں کہ قرب قیامت کی علامتیں کس تیزی سے ظاہر ہوتی جا رہی ہیں۔

پہلا لطیفہ تو اس تجزیہ کا یہی ہے کہ میاں صاحب نے بڑے طمطراق سے "ابن خلدون" کے متعدد فرمودات کام میں لئے ہیں' ساتھ ہی ان کی شان میں "دقیق النظر محقق" کے الفاظ بھی عطا ہوئے' حالانکہ جائزے کے پچھلے اوراق میں آپ دیکھ چکے کہ یہی "ابن خلدون" ہیں جن کی داڑھی بڑی بے تکلفی کے ساتھ میاں صاحب نے کھینچی تھی' بات مزیدار ہے اس لئے پھر دہرا دیں کہ جب مودودی نے "ابن خلدون" کی ایک روایت "خمس" کی خرید و فروخت اور پھر اس کی معافی کے سلسلے میں نقل کی تو میاں صاحب نے لال پیلی آنکھیں کر کے فرمایا:

"یہ خرید و فروخت کب ہوئی اور اس کا کوئی ثبوت ہے کہ
حضرت عثمانؓ نے معاف فرما دی" (شواہد تقدس ص ۱۸۳)

گویا "ابن خلدون" میاں صاحب کے نزدیک ہرگز اس لائق نہیں کہ ان کی دی ہوئی کوئی اطلاع بغیر فوٹو کے قبول کی جا سکے' فوٹو بھی ہم قیاساً کہہ رہے ہیں ورنہ میاں صاحب کے تیور تو اس "کب" اور "کیا" میں ایسے ہیں جیسے وہ مودودی کو للکار رہے ہوں کہ "ابن خلدون" کو ان کی قبر سے اکھاڑ کر ہمارے سامنے پیش کرو تاکہ وہ ثابت کریں کہ اپنی تاریخ میں انہوں نے یہ روایت کیسے لکھی۔

لیکن کم و بیش ۵۰ صفحات کے بعد ہی میاں صاحب بھول گئے کہ "ابن خلدون" کو میں کیسی پٹخی دے آیا ہوں' اب تو وہ اس طرح ان کے فرمودات نقل کر رہے ہیں جیسے ان سے زیادہ ثقہ اور مستند بطنِ گیتی سے پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

دوسری بات:

میاں صاحب صفحہ ۲۲۳ اور صفحہ ۲۲۴ پر خاصے شاعرانہ انداز میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ جب ایک سپہ سالار' جن کا شمار "عشرہ مبشرہ" میں ہے جنگ

جیت کر "مال غنیمت" حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیتے ہیں اور پھر خود ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو حضرت عمرؓ سوال کرتے ہیں :

"معاہدے کی شرائط کیا ہیں؟ کیا ان پر صحیح صحیح عمل ہوا؟ ثابت کرو کہ جو مطالبات ان پر ڈالے گئے وہ ان کی طاقت و استطاعت سے زائد نہیں ہیں' تم نے یہ کثیر رقم "بیت المال" کے لئے بھیج دی' تم نے اس کے وصول کرنے میں دباؤ سے کام لیا ہے؟"۔

یہ گویا خود میاں صاحب کی زبان سے اس بات کا اقرار ہوا کہ "مال غنیمت" وغیرہ کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا طرز فکر کیا تھا' صاف نظر آرہا ہے کہ سب سے بڑھ کر اہمیت ان کی نظر میں نہ "فتح و ظفر" کی ہے نہ "مال غنیمت" کی' بلکہ فکر انہیں یہ لگی ہوئی ہے کہ جو بھی کامیابی حاصل ہوئی' اس میں کہیں ظلم اور خلاف شرع عمل کا داغ دھبہ تو نہیں' اور جتنا بھی "مال غنیمت" وصول ہوا اس کی تحصیل کہیں زیادتی اور سفاکی کی نجاست سے تو آلودہ نہیں ہے؟

اب آیئے عہد عثمانی کی طرف' حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنایا ہے' یہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی ہیں' ان کا تعارف حصہ اول پر ہو چکا' مختصراً پھر دہرا دیں' یہ ایک بار اسلام لا کر مرتد ہو چکے ہیں' مشرکین میں حضور ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے' جھوٹ گھڑتے تھے' پھر مکہ فتح ہوا تو حضرت عثمانؓ انہیں ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے' ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کے بارے میں حضور ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ جہاں مل جائیں مار ڈالو' حتیٰ کہ اگر "خانہ کعبہ" کے پردے سے بھی لپٹے ملیں' تو معاف مت کرو' حضرت عثمانؓ ان کی سفارش کرتے ہوئے خواہش کرتے ہیں کہ ان کی بیعت لے لی جائے' حضور ﷺ خاموش رہتے ہیں' حضرت عثمانؓ پھر عرض کرتے ہیں کہ بیعت فرمالیں' حضور ﷺ اب بھی اعتناء

نہیں فرماتے' آخر کار تین بار اصرار کرنے پر حضور ﷺ بیعت لیتے ہیں مگر جب حضرت عثمانؓ انہیں ساتھ لے کر واپس چلے جاتے ہیں تو حضور ﷺ موجود صحابہؓ کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں تھا' جو یہ دیکھ کر کہ میں ابن سرح کی بیعت میں دیر کر رہا ہوں اسے قتل کر ڈالتا' صحابہؓ جواب دیتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم حضور ﷺ کے اشارے کے منتظر تھے' حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کا یہ کام نہیں کہ آنکھ سے خفیہ اشارہ کرے۔

تو یہ تھے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح' یہ مصر کے گورنر بنتے ہی پہلے سال میں چالیس لاکھ کی رقم حضرت عثمانؓ کو "بیت المال" کے لئے روانہ کرتے ہیں 'جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانے میں آمدنی بیس لاکھ سے زائد نہ تھی' اس موقع پر تاریخ نے ایک مکالمہ بھی محفوظ کیا ہے' حضرت عثمانؓ نے مصر کے سابق گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ سے طنزاً فرمایا:

"اے ابن العاصؓ! تمہارے بعد مصر کی اونٹنیوں نے زیادہ دودھ دیا!"

ابن العاصؓ نے جواب دیا...... "ہاں لیکن ان کے بچے سب بھوکوں مر گئے"

اس مکالمہ کو ابن اثیرؒ' ابن جریرؒ اور بلاذریؒ سب نے بیان کیا ہے' خود میاں صاحب اسے ۱۶۸ پر نقل فرما رہے ہیں۔

اب اس موقع پر ہم مولانا محمد میاں صاحب سے سوال کرنا چاہیں گے کہ کیا حضرت عثمانؓ نے بھی چالیس لاکھ کی وصولی پر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح سے حضرت عمرؓ کی طرح سوال کیا تھا کہ اے عبداللہ! تم نے جو پہلے ہی سال میں چالیس لاکھ وصول کر لئے' تو ذرا ثابت تو کرو کہ اس میں ظلم اور دھونس کی آمیزش تو نہیں؟ کہیں رعایا پر ناجائز دباؤ تو نہیں ڈالا؟۔

حالانکہ حضرت عمرؓ والے واقعے سے دس گنا بڑھ کر اس موقع پر ضرورت تھی کہ حضرت عثمانؓ یہ سوالات کرتے اور جب تک ان کا معقول اور اطمینان بخش

جواب حاصل نہ ہو جاتا چین سے نہ بیٹھتے' غور کیجئے' حضرت عمرؓ کے پاس جو صحابی "مال غنیمت" لائے وہ کون ہیں' امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ' انہیں "امین" کا لقب دنیا نے نہیں دیا بلکہ عالم بالا کی خبریں دینے والے صادق و مصدوق ﷺ نے دیا "بخاری" و "مسلم" میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

﴿لکل امة امین وامین هذه الامة ابو عبیدة بن الجراح﴾ ہر امت کے لئے ایک امین ہے اور اس (میری) امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔

"صحیح مسلم" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اگر حضور ﷺ کسی کو صراحتاً اپنا خلیفہ بناتے تو پہلے ابو بکرؓ کو پھر عمرؓ کو پھر ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو بناتے۔

"بخاری و مسلم" دونوں میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جب اہل نجران نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارے علاقے میں کسی امانتدار کو بھیجئے تو حضورؐ نے فرمایا لا بعثن الیکم رجلاً اميناً حق امین (یقیناً بھیجوں گا میں تمہاری طرف ایک ایسے مردِ امین کو جو بلا شبہ اس کا مستحق ہو گا کہ اسے امین سمجھا جائے) پھر جس شخص کو آپ نے بھیجا وہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ تھے۔

حق یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ ان خاص الخاص صحابہؓ میں سے تھے جن کی دنیا سے بے رغبتی اور عقبیٰ سے دلچسپی اپنا جواب آپ تھی' غالباً یہ واحد صحابی ہیں جن کے سخت لب و لہجہ کا جواب حضرت عمرؓ نے سختی سے نہیں دیا' "عمواس" کی وبا میں حضرت عمرؓ آرڈر دیتے ہیں کہ لشکر اس مقام سے چل کھڑا ہو جہاں اس نے پڑاؤ کیا ہے ان کا خیال تھا کہ یہ جگہ مرطوب ہے' یہاں وبا کا اثر جلد ہو سکتا ہے' بو عبیدہؓ تیز لہجے میں کہتے ہیں افراراً من قدر اللہ ؟ اے عمر! کیا تقدیر الٰہی سے

بھاگتے ہو؟۔ سنا آپ نے..... یہ ایک فوجی سالار خلیفہ وقت کو ٹوک رہا ہے' وہ خلیفہ جس کے رعب سے بڑے بڑے جیالے تھر تھر کانپتے تھے' مگر خلیفہ وقت بھی جانتا تھا کہ یہ کس مرتبے کے آدمی نے اسے ٹوکا ہے' ضبط کر گئے بلکہ "مدینے" لوٹ آئے اور ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ یہاں آؤ مجھے تم سے کچھ کام ہے' ابو عبیدہؓ اب بھی تعمیل نہیں کرتے بلکہ جواب لکھتے ہیں کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر وہاں نہیں آسکتا' تقدیر الٰہی اٹل ہے جو ہونا ہے ہو رہے گا۔

اگر ایسا جواب کسی اور سرکاری ملازم نے حضرت عمرؓ کو دیا ہوتا تو شاید اگلا سورج طلوع ہونے سے قبل ہی اسے اپنی مرہم پٹی کرانے کی ضرورت پڑ گئی ہوتی' لیکن یہاں تو عالم یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس جواب کو پڑھ کر رو رہے ہیں' دل بھر آیا کہ ابو عبیدہؓ اپنی جان کے معاملے میں کتنے بے پرواہیں' بجائے سرزنش کے خط لکھا جاتا ہے کہ اچھا آتے نہیں تو کم سے کم پڑاؤ کی جگہ تو بدل دو' وہ نشیبی جگہ ہے' کوئی اچھا مقام تجویز کر لو' یہ تھے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ' زندگی ہی میں جنت کی بشارت پانے والے امانت و دیانت کے پیکر' دنیا سے مستغنی' عاقبت کے تصور میں گم' لیکن خود میاں صاحب ہی کی زبانی آپ نے سن لیا کہ حضرت عمرؓ ان تک سے برملا پوچھتے ہیں کہ اے ابو عبیدہؓ! یہ "مال غنیمت" طاقت کے ناجائز استعمال سے تو حاصل نہیں کیا گیا؟ یہ ظلم کی ناپاکی سے تو آلودہ نہیں ہے؟ اب اس کے مقابلے میں ان صاحب کی طرف دیکھئے جو دفعتاً پہلے ہی سال میں دگنی رقم ابھار لائے ہیں' آخرت کا معاملہ آخرت والا جانے' بظاہر ان کا دامن کردار داغ دار ہے' عمر بھی وہ ہے جس میں زہد و اتقاء کا امکان کم ہوتا ہے' عین اسی زمانے میں مصر کی رعایا بھی ان کے ظلم و ستم کی شاکی ہے' ابن عساکر اپنی تاریخ میں امام زہری سے اور امام زہری حضرت سعید بن المسیب سے جو طویل روایت بیان کرتے ہیں' اس میں موجود ہے کہ عبداللہ ابن سرح کو ابھی صرف دو ہی برس گورنری کرتے

ہوئے گزرے تھے کہ، اہلِ مصر کے متعدد لوگ روتے دھوتے "دارالخلافہ" پہنچے اور شکایت کی کہ ہم پر عبداللہ بہت ظلم ڈھارہے ہیں' اس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ نے عبداللہؓ کو سرزنش اور فہمائش کا خط لکھا جو تاریخوں میں محفوظ ہے' مگر ان صاحب نے اس کی بھی کوئی پروانہ کی بلکہ الٹا شکایت کرنے والوں کو ہدف ظلم بنایا' مارا پیٹا یہاں تک کہ بعض کو جان ہی سے ماردیا' پیٹتے پیٹتے ایک شخص کو مار ڈالنے کی روایت تو اسی بلاذری کے یہاں موجود ہے جس کی "فتوح البلدان" کا حوالہ میاں صاحب نے اسی مقام پر دیا ہے (ملاحظہ ہو انساب الاشراف۔ بلاذری صفحہ ۲۶)

اور یہ بھی آپ نے دیکھ لیا کہ عمرو بن العاصؓ نے حضرت عثمانؓ سے کیا کہا تھا؟ انہوں نے یہی کہا تھا کہ بیشک مال زیادہ حاصل ہو گیا ہے مگر اس کا حصول ظلماً ہوا ہے رعایا پر زیادتی کی گئی ہے' سارا منظر' پیش منظر اور پس منظر ملحوظ رکھتے ہوئے انصاف کیا جائے کہ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی موقع حضرت عثمانؓ کے یہ سوال کرنے کا تھا؟ کہ اے عبداللہ بن ابی سرح! یہ چالیس لاکھ کا تھیلہ بعد میں قبول کیا جائے گا پہلے یہ ثابت کرو کہ اس کی وصولیابی میں تم نے ظلم تو نہیں کیا ہے؟۔

ہمیں تاریخ پر عبور کا دعویٰ نہیں' حضرت میاں صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ کیا کسی قابلِ ذکر تاریخ میں ایسی کوئی روایت موجود ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ حضرت عثمانؓ نے بھی اس موقع پر حضرت عمرؓ والا سوال کھڑا کیا تھا؟

اگر ہے تو اسے پیش کیا جائے اور اگر نہیں ہے تو پھر یہ رٹے جانا کہ حضرت عثمانؓ نے مالی معاملات میں شیخین کے اسوے سے انحراف نہیں کیا' کیا کھلی ڈھٹائی نہیں ہے......؟

کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت عثمانؓ عمرو بن العاصؓ پر تو شک کرتے ہیں' ان کے طنز میں کھلا احتمال اس سوء ظن کا ہے کہ ابن العاصؓ اپنی گورنری کے زمانے میں خراج وغیرہ کی رقموں سے کچھ اپنے لئے بھی رکھ لیا کرتے تھے' لیکن

اس عبداللہ سے تحقیقِ حال نہیں فرماتے' جو مرتبے اور تجربے میں ابن العاصؓ سے کم ہے' جوان ہے' غیر محتاط ہے' اگر اس صورتِ حال پر حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ جیسے اکابر کو یہ شکایت ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے اقرباء کے معاملے میں نرمی برتتے ہیں تو بتایئے اس میں کون سی جائے حیرت ہے ؟

مولانا محمد میاں صاحب جس وقت عبداللہ بن ابی سرحؓ کا قصیدہ لکھ رہے ہیں اس وقت ان کا ذہن ٹھیک ان دنیا پرستوں کا ذہن ہے جو صرف مادی منفعت کو اہمیت دیتے ہیں اور اخلاقی و شرعی پہلوؤں کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے' انہوں نے بڑی آسانی سے لکھ دیا کہ "عبداللہ بن سعدؓ نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنایا تو پہلے ہی سال آمدنی دوگنی ہو گئی"۔ (ص ۱۶۸) حالانکہ عملی دنیا میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک حاکم کے اختیار کردہ نظم اور پالیسی کو بدل کر دوسرا نظم اور پالیسی لائی جائے تو یہ اتنی جادو اثر ہو کہ ایک ہی سال میں دوگنی آمدنی ہونے لگے' الٹ پلٹ کا نتیجہ فوری طور پر تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے سے زیادہ تنگی برداشت کرنی پڑتی ہے اور کافی عرصہ بعد نئی تنظیم اور جدید پالیسی کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں' یہ عبداللہ بن سعدؓ نے کیسی ہتھیلی پر سرسوں جمائی کہ سال ہی بھر بعد "اونٹنی" کا دودھ دگنا ہو گیا۔

ہم احمقوں کی طرح اپنے ہر ممدوح کے من مانے قصیدے ضرور گا سکتے ہیں لیکن حقائق کی سطح پر کسی وصف کو ثابت کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا میاں صاحب نے سمجھا ہے' انہوں نے آٹھ سے زائد صفحات عبداللہ بن ابی سرحؓ کے لئے صرف کر دیئے' مگر سوائے غیر ضروری باتوں کے کوئی قابل فہم توجیہہ اس بات کی پیش نہیں کی کہ پہلے ہی سال میں بیس کے چالیس لاکھ کیسے بن گئے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ رقم ظلم کی ادنیٰ آمیزش کے بغیر بھی وصول کی گئی ہو تو بہر حال حضرت عثمانؓ نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ عبداللہ سے سوال کر لیتے' حالانکہ میاں صاحب خود حضرت عمرؓ کا اسوہ بیان فرما رہے ہیں کہ

انہوں نے تو اس امین الامۃ سے بھی سوال کرڈالا تھا جس کی امانت اور تقوے کا علم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے انہیں ہو چکا تھا۔

یہی ہے وہ کھلا فرق جو اقرباء اور مالیات کے شعبوں میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی روش میں پایا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے حقائق کو جھٹلانے ہی کا فیصلہ کرر کھا ہو' جن کا موقف ہی یہ ہو کہ تاریخ ہم اپنی مرضی کے مطابق گھڑیں گے' جو سچائیوں کا کوئی زندہ شعور نہ رکھتے ہوں اور جنہیں علم و تحقیق سے کوئی مناسبت نہ ہو' وہ اگر اس فرق کو نہ دیکھ سکیں تو ہم اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ :

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب راچہ گناہ

آیتِ قرآنی :

میاں صاحب قرآن کی وہ آیت نقل کر کے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہیں بدلتی' یہ کہتے ہیں کہ :

"خلافتِ راشدہ جیسی نعمت عظمٰی کے زوال کا سبب مودودی صاحب خلیفہ سوم کے کردار میں تلاش کر رہے ہیں اور قرآنِ حکیم کی ہدایت یہ ہے کہ خلیفہ اور امام میں نہیں بلکہ جس قوم کے وہ خلیفہ اور امام ہیں اِن کی حالت دیکھو۔" (ص ۲۴۲)

قرآنی آیات سے کھیل کرنا بھلا میاں صاحب کے لئے کیا دشوار ہو سکتا ہے؟ جب وہ کسی بھی روایت کو بلادلیل موضوع کہنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے' ان سے کوئی پوچھے اس آیتِ قرآنی میں یہ کہاں فرمایا گیا ہے کہ خلیفہ کو مت دیکھو باقی قوم کو دیکھو...... اس میں تو صرف "قوم" کا لفظ ہے بلا کسی استثناء

کے' تو کیا میاں صاحب کا خیال یہ ہے کہ خلیفہ اور امام قوم سے خارج کوئی مخلوق ہوتا ہے کیا اسے مافوق البشر کوئی پوزیشن حاصل ہے' کیا وہ فرشتہ بنا کر بھیجا گیا ہے کہ ساری قوم غلطی کر سکتی ہے مگر وہ نہیں کر سکتا۔

بڑے رنج کی بات ہے کہ میاں صاحب جہاں جی چاہے ایک آیتِ قرآنی کا مطلب دل سے بیان کر دیتے ہیں اور ایک بھی ایسے مفسر کا نام نہیں لیتے جس نے اس مطلب کی تائید کی ہو' قرآن کی بے شمار تفسیریں موجود ہیں' کیا میاں صاحب کسی ایک مستند تفسیر میں متذکرہ بالا آیت کی تفسیر یہ دکھلا سکتے ہیں کہ خلیفہ و امام "قوم" سے خارج ہے' اس کے اسوۂ کردار کو مت دیکھو۔

اجتماعیات کے کسی بھی ماہر سے پوچھ دیکھئے وہ بتائیگا کہ اچھائی اور برائی اوپر سے نیچے کو چلتی ہے نہ کہ نیچے سے اوپر کو' سالار فوج اگر ظلماً کسی کا ایک انڈا کھالے گا تو فوج مرغیاں اور بکریاں بھی صاف کر جائے گی' وزیر اور گورنر دیانت دار ہوں تو نیچے کا عملہ آسانی سے بد دیانتی نہیں کر پاتا' اِس مسلّم قاعدے کے مطابق جائزہ تو سب سے پہلے اسی طبقے کا لینا چاہئے جو ممتاز ہو' مقتدر ہو' قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز ہو' خلیفہ اور امام سے بڑھ کر ذی اقتدار کون ہوگا' اسی لئے اسے آخرت میں رعایا کے بارے میں مسئول قرار دیا گیا ہے' کیا آپ نے نہیں سنا کہ اگر "فراط کے کنارے" کوئی بکری مر جائے تو عمر فاروق کا خیال تھا کہ اللہ اس کے بارے میں بھی مجھ سے باز پرس کرے گا' اور اگر وہ ناحق ماری گئی ہے تو میں بری الذمہ نہ ہو سکوں گا۔

اس کے باجود اگر میاں صاحب یہ کہتے ہیں کہ انقلابِ احوال کا سراغ خلیفہ وامام کے اسوۂ کردار میں ہر گز مت ڈھونڈو تو اسے بے دانشی کا شاہکار کہیں گے۔

منکرینِ حدیث کی نقل :

مذکورہ عبارت کے بعد میاں صاحب لکھتے ہیں :

"مودودی صاحب موضوع روایات کے پائے چوبیں سے
جست لگا کر ایک سبب تلاش کرتے ہیں۔" (ص ۲۴۲)

بتایا جائے کہ منکرینِ حدیث کا طور طریق انکار حدیث میں اس سے مختلف اور کیا ہے؟ وہ بھی تو دلیل، فن کے بغیر محض اپنی عقل کو قاضی بنا کر کہتے ہیں کہ "بخاری" و "مسلم" موضوعات کا ڈھیر ہیں' حدیث کا سارا ذخیرہ عجمی سازش کا ملغوبہ ہے' سوائے قرآن کے کوئی چیز لائقِ قبول نہیں۔

میاں صاحب نے بعض روایات پر جس کم فہمانہ انداز کی تنقید کی ہے' اس کی حقیقت ہم بہ دلائل واضح کر آئے' ہم چیلنج کرتے ہیں کہ "خلافت و ملوکیت" میں کوئی بھی دعویٰ موضوع روایات سے ثابت نہیں کیا گیا ہے' اگر میاں صاحب میں ذرا بھی احساسِ ذمہ داری ہے تو وہ موجود الوقت کسی استادِ حدیث سے یہ نشاندہی کرائیں کہ فلاں روایت موضوع ہے۔

دیکھئے میاں صاحب نے یہ بھی لکھا:

"سیدنا حضرت عمرؓ کا اندیشہ اور جانشینوں پر اقرباپروری کا
الزام تو موضوع روایات کے جنگل کی گھانس ہے' جس کی
طرف التفات کرنا قوت التفات ضائع کرنا ہے۔ (ص ۲۴۲)

اے بزرگو اور بھائیو! کیا ہم حصہ اول میں حضرت عمرؓ کی پیش گوئی شاہ ولی اللہؒ کی ازالۃ الخفاء سے مکمل حوالے کے ساتھ نقل نہیں کر آئے' اور کیا یہ بھی ہم نے نہیں بتایا کہ یہ ابن عبدالبر کی "الاستیعاب" میں بھی موجود ہے۔ (دیکھئے جلد ۲۔ صفحہ ۴۶۷)

تو اب بتایئے موضوع روایات کی گھاس پھونس اگانے والے میاں صاحب کی دانست میں کون ہوئے ...... شاہ ولی اللہؒ اور ابن عبدالبرؒ!

یہ وہی شاہ ولی اللہ ہیں جن کی "ازالۃ الخفاء" سے میاں صاحب اپنی کتاب میں جگہ جگہ استدلال کیئے چلے جاتے ہیں' لیکن جو روایات شاہ صاحب رحمتہ اللہ

علیہ نے ان سے پوچھ کر درج کتاب نہیں کیں' انھیں توہین انگیز لہجے میں موضوع قرار دینا ان کے لئے اتنا آسان ہو گیا ہے کہ نہ خوفِ خدا نہ شرمِ دنیا نہ شعور علم نہ احساسِ دیانت۔

اور خیر سے اقرباء پروری کی روایات کو موضوع قرار دے کر تو انھوں نے امت کی امت پر تبرے کا تبر چلادیا ہے 'کیا امام احمد ابن حنبلؒ 'کیا امام ماوردیؒ 'کیا محب الطبریؒ 'کیا امام زہریؒ 'کیا سعید بن المسیبؒ 'کیا ابن کثیرؒ 'کیا ابن جریرؒ 'کیا ابن سعدؒ 'کیا ابن اثیرؒ 'کیا ابن خلدونؒ سب کے سب ان کی زد پر ہیں .... مگر پروپیگنڈہ ہر طرف پھر بھی یہی سننے میں آئے گا کہ مودودی بزرگوں کی توہین کرتا ہے اور عام بزرگوں کو گالیاں دیتا ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

اہل علم سے معذرت کے ساتھ ہم چند لفظ ابن عبدالبر کے بارے میں بھی تعارفاً لکھ دیں' تاکہ ہمارے عام قارئین جان جائیں کہ یہ کس پائے کی شخصیت ہیں۔

حافظ ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" میں انھیں شیخ الاسلام لکھتے ہیں ...... ابو الولید باجی کہتے ہیں کہ۔ "اندلس میں ابن عبدالبرؒ جیسا کوئی عالم نہ تھا" علامہ ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ "جہاں تک مجھے علم ہے فقہ حدیث پر کلام کرنے میں کوئی ان کے برابر بھی نہ تھا چہ جائیکہ ان سے بڑھ کر ہوتا" حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ "ان کی تالیفات اپنی نظیر نہیں رکھتیں اور ان میں سے ایک "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" ہے جس کے مرتبے کی کوئی کتاب صحابہؓ کے احوال و واقعات میں نہیں ہے۔"

اندازہ فرمایا جائے کہ جس روایت کو ابن عبدالبرؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے حضرات اپنی کتابوں میں لے رہے ہیں اور علمائے سلف و خلف میں سے کسی نے اسے موضوع تو کجا ضعیف تک نہیں کہا' اسے میاں صاحب بار بار موضوع کہے چلے جا رہے ہیں' اور تحقیر و تضحیک کا انداز بھی آپ کے سامنے ہے۔

غلو :

آپ نے جائزہ حصہ لول میں دیکھا کہ حضرت علیؓ کا قصیدہ لکھا گیا تو انھیں سارے خلفاء سے بڑھا دیا گیا' پھر ابھی چند صفحات قبل آپ نے دیکھا کہ انھیں گرایا تو اتنا گرایا کہ مروان سے مونچھیں اکھڑوادیں۔

اب ذرا حضرت عمرؓ کے بارے میں بھی ارشاد گرامی دیکھئے :

"عمر بن الخطابؓ کی شخصیت جس کی نظیر نوع انسانی کی پوری تاریخ میں نہیں ہے کتنی بڑی نعمت لور کتنی بڑی سعادت ہے پوری امت کے لئے پھر اس کی شہادت یعنی اس بے نظیر نعمتِ عظمیٰ کا سلب کیا جانا' کیا وہ محرومی نہیں ہے جس کو عذاب کہا جاسکے۔ ولئن کفر تم ان عذابی لشدید" (ص ۲۳۵)

میاں صاحب سے کوئی پوچھے "کیا انبیاء علیہم السلام نوعِ انسانی سے خارج ہیں ؟ اگر نہیں تو کیا حضرت عمرؓ تمام انبیاء حتیٰ کہ رسول ﷺ سے بھی اونچے لور افضل ہیں ؟۔ الفاظ تو آپ کے یہی کہہ رہے ہیں حالانکہ "انبیاء" تو الگ رہے خود ایک غیر نبی ابو بکر صدیقؓ بہ اجماعِ امت حضرت عمرؓ سے فائق ہے' خود آپ بھی اس سے انکاری نہیں ہیں مگر غلو کی عادت لور قلم کی بے راہ روی نے آپ کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے کہ جو کچھ لکھیں سوچ کر لکھیں' وہ شخصیت جو بنی نوع انسانی میں علی الاطلاق بے نظیر کہی جاسکتی ہے فقط ایک ہی ہے' محمد ﷺ فداہ امی وابی' ان کے علاوہ کسی کے لئے بھی ایسے الفاظ لکھنا اپنی غیر ذمہ داری لور غلو پسندی کا ثبوت دینا ہے۔

قرآن سے کھیل :

بڑے دکھ کی بات ہے کہ حضرت میاں صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں

جہاں قرآنی آیات استعمال کی ہیں اکثر و بیشتر وہاں ان سے ایسے مفاہیم مراد لئے ہیں جو یا تو "تحریف" کے دائرے میں آتے ہیں یا تفسیر "بالرائے" کے' صدہا مفسرینِ سلف و خلف میں سے کسی ایک مفسّر نے جو بات نہیں کہی وہ میاں صاحب بلا تکلف کہہ ڈالتے ہیں اور انداز یہ ہوتا ہے گویا جو مراد انھوں نے لی ہے بس وہی ساری امت کے یہاں مسلّم ہے۔

آپ نے دیکھا حصہ اول کے آغاز ہی میں ولید بن عقبہ کے بارے میں اتری ہوئی آیت ان جاء کم فاسق سے انھوں نے کیسا تمسخر کیا' کس طرح اسے تحریف کی سان پر چڑھایا اب یہاں دیکھئے آیت لئِن کفر تم کو انھوں نے کہاں فٹ کیا ہے ؟۔

حضرت عمرؓ کی شہادت بلاشبہ ایک دردناک اور دوررس واقعہ تھا لیکن قرآن کی آیت پیش کر کے یہ باور کرانا کہ یہ واقعہ لوگوں کی ناشکری کے نتیجے میں بطور عذاب پیش آیا' ایک ایسی جرأت ہے جسے "تفسیر بالرائے" کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے' اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ابو بکر صدیقؓ جس رعایا کو چھوڑ گئے تھے وہ ایک ناشکری مخلوق ثابت ہوئی اور اسی لئے اسے شہادت عمرؓ کی صورت میں عذاب دیا گیا۔

پھر یہی نہیں' حضور ﷺ کی دنیا سے رحلت تو یقیناً حضرت عمرؓ کی شہادت سے بڑا امتحان تھی' عظیم نقصان تھی' شدید ترین واقعہ تھی' پھر تو میاں صاحب کی منطق سے یہ بھی کسی ناشکری کا ہی عذاب ٹھیرے گی۔

آخر کیا مذاق ہے جو قرآن سے کیا جا رہا ہے' بازی بازی باریش بابا ہم بازی! اللہ کے بندو' احساس تو کرو یہ کس کا کلام ہے' کیوں اپنی عاقبت تباہ کرتے ہو' کس شیطان نے تمھیں بہکا دیا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابو بکرؓ یا خاتم النبیین ﷺ کی رحلت ولئن کفر تم والی آیت کا کوئی مظہر ہے' استغفر اللہ پناہ بخدا۔ حضور ﷺ کو اس لئے نہیں اٹھایا گیا کہ صحابہؓ ناشکری اور کفر نعمت میں مبتلا ہو گئے تھے' پھر

ابوبکرؓ یا عمرؓ کو بھی اس لئے نہیں اٹھایا گیا کہ اس ذریعے سے امتِ مسلمہ کو عذاب دینا مقصود تھا' وہ کفران جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور وہ عذاب جو اس کفران پر دیا جاتا ہے قطعاً الگ چیزیں ہیں' ان کا کسی کی موت وحیات سے کیا تعلق' حماقت وجسارت کی کوئی حد ہونی چاہیئے' خدا کی کتاب مودودی کی کتاب نہیں ہے کہ جس طرح چاہو اس سے ٹھٹول کرو۔

اور دیکھئے :

میاں صاحب مودودی سے خطاب کر کے فرماتے ہیں :

"آپ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریوں کے سلگنے کا سبب حضرت عثمانؓ کی صلہ رحمی کو قرار دیتے ہیں' اور آپ کی نظر قرآن حکیم پر نہیں جاتی' "سورہ اقراء" نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی' اس نے اس امت کے نشوونما کے آغاز ہی میں آگاہ کر دیا تھا' كَلَّا اِنَّ الاِ نسَانَ لَیطغیٰ ہ ان رأ ہ استغنیٰ (کوئی نہیں انسان سر چڑھتا ہے اس لئے کہ دیکھے آپ کو محفوظ) وحی الٰہی کے اس فقرے میں جس طرح اہلِ بصیرت کے لئے بشارت تھی کہ ان کا فقر غنا سے بدلے گا' فاقہ مستی کی بجائے تونگری کا ظہور ہو گا' اسی طرح اس میں تنبیہ بھی تھی کہ فطرت غنا یہ ہے کہ وہ طغیان وغیرہ پیدا کرے اور انسان کو اپنے آپے سے باہر کر دے۔" (۲۳۶و۲۳۷)

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مولانا محمد میاں صاحب نے امت کے جانے پہچانے مفسرین اور علماء کو چھوڑ کر اپنے خیالات وقیاسات کے لئے کونسا مصدر ومنبع تلاش کر لیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ سے ایسے ایسے معانی ومفاہیم نکالتے ہیں جن کی مفسّرین سلف وخلف کو ہوا تک نہیں لگی۔

یہ کلّا ان الانسان الآیۃ سورۃ اقراء (علق) کی آیت ہے' اس سے قبل کی پانچ آیتیں (اقراء سے یعلم تک) "غارِ حرا" میں اتری ہیں' یہ سب سے پہلی وحی تھی جو بشکل قرآن نازل ہوئی' اس کے بعد کلّا اِنّ الا نسان سے سورت کے خاتمے تک کی آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ ابو جہل اپنی دولت پر اکڑتا تھا اور حضور ﷺ سے اسے بڑا بیر تھا' حافظ ابن کثیرؒ کی صراحت کے مطابق "بخاری" میں ہے کہ ایک دن ابو جہل بڑے طرارے میں آکر بولا کہ دیکھتا ہوں محمد ﷺ اب کعبے میں نماز کیسے پڑھتا ہے' پڑھتا دیکھ لوں گا تو اب کے اسکی گردن ہی ناپ دوں گا' پھر ایک دن یہ شقی آپ ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کے ارادے سے بڑھا جب کہ آپ سجدے میں تھے' مگر لوگوں نے دیکھا ہڑبڑا کے واپس لوٹ رہا ہے' پوچھا کیا معاملہ ہے' بولا کیا بتاؤں اپنے اور محمد ﷺ کے بیچ میں ایک آگ کا گڑھا نظر آیا اور اس میں اور بھی خوفناک چیزیں تھیں۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی موضح القرآن میں یوں رقمطراز ہیں:

> "سچ ہے کہ بے شک آدمی یعنی ابو جہل ہر طرح سے باہر گیا ہوا ہے تکبری میں یعنی حد سے زیادہ تکبری کرتا ہے ان راہ استغنٰی اس سبب سے جو دیکھتا ہے وہ اپنے تئیں دولتمند"
>
> (ص ۶۲۸)

اس شانِ نزول کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتایا جائے کہ میاں صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟ اور اگر شانِ نزول کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ سوال بہر حال پیدا ہو گا کہ اس آیت میں یہ بشارت آخر کہاں موجود ہے کہ غریب صحابہؓ کا فقر غناء سے بدلے گا۔ غربت اور امارت' افلاس اور زرداری دونوں ازل سے چلے آرہے ہیں' اس آیت میں اگر کوئی بات کہی گئی ہے تو یہ کہ دولت پاکر انسان عموماً تکبر اور خدا فراموشی کی راہ اختیار کرتا ہے' اس میں کسی قسم کی بشارت نہیں ہے' میاں صاحب ان اہل بصیرت میں سے دوچار ہی کا نام لیں جنھوں نے اس آیت میں بشارت کا نظارہ کیا

ہو' ہمارے مفسرین سلف و خلف اگر میاں صاحب کے نزدیک "اہل بصیرت" کہلانے کے قابل ہیں تو انہیں ایک دو حوالے ضرور ان کے دینے چاہئیں' یہ کیا اسلوب ہے کہ جو بھی بات میاں صاحب کے دماغ میں آجائے اسے اہل بصیرت کی طرف منسوب کر دیں' حالانکہ اہل بصیرت نے کبھی اس کا تصور بھی نہ کیا ہو' ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ قدیم و جدید مفسرین کی تفسیریں معدوم نہیں ہو گئیں' حوالہ دیا جائے کہ کن مفسرین نے یہ بات کہی ہے کہ اس آیت میں فاقہ مستوں کے لئے تونگری اور فقیروں کے لئے غنا کی بشارت ہے۔

رہا وہ محل جہاں میاں صاحب نے اس آیت کو بطور استدلال پیش کیا ہے تو وہ اور بھی تعجب خیز ہے' قابلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں اگر دولت کی وجہ سے سلگی ہیں تو ہم میاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا دولت بجائے خود کوئی ذی روح و ذی اختیار شے ہے جو انسانی واسطے کے بغیر اپنا کام کر جائے گی' کھلی بات ہے کہ دولت تو شے جامد ہے' جیسے پتھر اور اینٹ اس کا استعمال انسان ہی کے ہاتھوں ہوتا ہے اور انسان ہی اس کے باب میں مسئول ہے' آپ اگر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قابلیت کی چنگاریاں "دولت مندی" کے نتیجے میں بھڑکیں' تو یہ تو مودودی کی تائید ہوئی نہ کہ تردید' حضرت عثمانؓ اپنی سرشت کے مطابق دولت کے معاملے میں فیاضی برتتے ہیں' فیاضی نہایت عمدہ جذبہ ہے لیکن جب اس کے دور رس نتائج اور مضمرات و عواقب پر کڑی نظر نہ رکھی جائے تو اس کے بطن سے فتنہ اور شر ہی پیدا ہو سکتا ہے' انہوں نے بنو امیہ پر نوازشات کی بوچھار کی تو اس سے غیر "بنو امیہ" میں رشک و حسد کی تخم ریزی ہوئی' جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے عہدوں پر بنو امیہ کے وہ نوجوان فائز کئے جا رہے ہیں جن کا دامن کردار داغ دھبوں سے پاک نہیں ہے اور مروان جیسے شخص کو پانچ لاکھ قیمت کا خمس یوں ہی دے دیا گیا ہے اور تین سو قنطار کی خطیر رقم آل حکم میں بانٹ دی گئی ہے تو قدرتاً وہ خلیفہ کے حسن نیت میں شک کرنے لگتے ہیں۔

میاں صاحب نے یہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ :

"دولت آئی، صرف وہ جماعت اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہی جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے کندن بن چکی تھی، اور جن میں یہ پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی وہ کتاب اللہ کے اس ارشاد کا تماشہ گاہ بن گئی

کلا ان الانسان لیطغی الآیۃ" (ص۲۳۸)

اس سے بھی ظاہر ہے کہ مروان اور عبداللہ بن ابی سرح اور ولید جیسے لوگوں کے پاس جاہ و مال کا آنا فتنے اور تخریب ہی کا پیش خیمہ تھا، کیا کوئی بھی صاحب علم ان حضرات کو بھی ان ہستیوں میں شامل کر سکتا ہے جو حضور ﷺ کے فیض نظر سے کندن بن چکی تھیں؟ ان میں سے ایک ایک کے حال احوال کی مفصل کیفیت حصہ اول میں بھی اور چند ورق ماقبل بھی پیش کی جا چکی، پھر کیا کہا جائے سوائے اس کے کہ میاں صاحب فرط سادہ لوحی میں اپنے ہی قلم سے مودودی کے موقف کی تائید کرتے چلے جا رہے ہیں حالانکہ وہ سمجھ یہ رہے ہیں کہ میں مودودی کے بخیے ادھیڑ رہا ہوں۔

حرفِ آخر :

"شواہد تقدس" کی نہ جانے کتنی خامیاں ابھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں، دراصل جب بنیاد ہی کج ہو گی تو اوپر تک عمارت کج ہی بنتی چلی جائے گی۔ جو درخت ایلوے کے تخم سے پھوٹا ہے اس کی کوئی بھی ٹہنی اور پتی کڑواہٹ سے خالی کیسے ہو سکتی ہے؟

لیکن مزید طول کی ضرورت نہیں، البتہ انبیاء و صحابہؓ کے عنوان سے کچھ لکھنے کا جو وعدہ ہم کر آئے ہیں اس کا ایفاء ابھی باقی ہے کرنے کو ہم اسی اشاعت میں اس کا ایفاء کر سکتے تھے مگر قارئین کی اکتاہٹ کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طے کیا گیا

ہے کہ "تجلی" کے مستقل عنوانات بہر حال شامل اشاعت ہوتے رہیں گے اور تمام صفحات کو ایک ہی بحث کی نذر نہیں کیا جائے گا لہذا زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلی کسی صحبت میں اس قیمتی بحث کو دیکھئے گا۔

"تجدید سبائیت"

یہ کتاب ہمیں مہیا ہو گئی ہے' اس کے جستہ جستہ مطالعہ سے یہ راز منکشف ہوا کہ مولانا محمد میاں صاحب کی "شواہد تقدس" زیادہ تر اسی کا عکس ہے' کہیں کہیں تو اتنی زیادہ یکسانیت ہے کہ جیسے ایک پیڑ کے دو پھل' صاف نظر آرہا ہے کہ مولانا محمد میاں صاحب کے ہاتھ جب یہ کتاب لگی تو انہوں نے موقعہ غنیمت جانا کہ اس میں جو "موتی" بکھیرے گئے ہیں ان میں سے کچھ سمیٹ کر میں بھی ایک کتاب لکھ ڈالوں' واقعہ یہ ہے کہ "تجدید سبائیت" میں بظاہر ایسے علمی "سنگ ریزے" جمع کئے گئے ہیں کہ مولانا محمد میاں جیسی قابلیت کے لوگوں کے لئے ان سے دھوکا کھا جانا بالکل قدرتی ہے' جو شخص ماہر قسم کا جوہری نہ ہو وہ ہر چمکیلے پتھر کو بلا تکلف ہیرا تصور کر ہی سکتا ہے بعض مصنوعی ہیرے تو ایسے ہوتے ہیں کہ بسا اوقات ان سے اچھے خاصے جوہری بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔

لیکن ہم "تجدید سبائیت" کو دیکھ کر خاصے مایوس ہوئے ہیں' مایوسی کی وجہ یہ ہے کہ کتاب کے محترم مصنف "ندوۃ العلماء لکھنو" کے سابق شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں اور ندوۃ العلماء سے ہمیں گہرا تعلقِ خاطر ہے' پھر ان کے نامِ نامی کے ساتھ ناشر نے "مفکر اسلام" کا لقب بھی زیب لوح کیا ہے' ان خصوصیات کا حاصل یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان کے فرمودات سے گہرے اور متوازن علم و تبحر کی کرنیں پھوٹتی نظر آتیں' ان کے دلائل میں حقیقی وزن اور افکار و آراء میں عدل و دیانت کا نور جھلکتا' مگر ہمیں دلی رنج ہے کہ انہوں نے تحقیق حق کو مقصد اصلی بنانے کے بجائے مولانا مودودی کی تردید کو مقصد اصلی بنا کر خامہ فرسائی کی ہے

جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جن بے شمار علماء سلف امت کو سواد اعظم معتبر اور محترم مانتا آیا ہے وہ سب ان کے قلم سے بری طرح مجروح اور بے آبرو ہو گئے ہیں۔ ''حمایت صحابہ'' کے نام پر انہوں نے کم وبیش وہ کام کیا ہے جو منکرین حدیث ''حمایت قرآن'' کے نام پر کرتے ہیں۔

ہمارے لئے یہ تو مشکل ہے کہ ۴۱۶ صفحات کی اس کتاب کا ایسا ہی مفصل جائزہ لیں جیسا شواہد تقدس کا لیا ہے تاہم جس طرح ہم نے اسی شمارے میں ''امارت و صحابیت'' کی کچھ جھلکیاں دکھائی ہیں اسی طرح اس کتاب کے بعض مندرجات پر بھی روشنی ڈالیں گے اور واضح کریں گے کہ صاحبِ علم ہونے کے باوجود محترم مصنف کس طرح محض ایک رخ پر بہے چلے گئے ہیں۔ واللہ المعین۔

☆

ضمیمہ نمبر ۱

امارت وصحابیت

بجواب

خلافت وملوکیت

کسی خشک موضوع پر بار بار خامہ فرسائی سے خود ہمیں کوفت ہوتی ہے پھر قارئین کو کیوں نہ ہوگی، لیکن فرض کی ادائیگی وہ چیز ہے جس کے لئے بعض اوقات کوفت بھی قبول کرنی ہی پڑتی ہے۔

"خلافت وملوکیت" کے رد میں لکھی ہوئی کتاب "امارت وصحابیت" پر کچھ لکھنے کا اعلان ہم پچھلی اشاعت میں کر چکے ہیں لہذا اس اعلان کو نبھانے کی خاطر تھوڑے سے اوراق سیاہ کرنے ہی پڑیں گے، "نبھانے" کا لفظ ہم نے اس لئے بولا کہ فی الحقیقت یہ کتاب اس درجے کی ہے ہی نہیں کہ سنجیدہ علمی توجہ کی مستحق ہو لیکن آفت یہ ہے کہ عوام کم علم ہیں اور کتاب میں بڑی بڑی کتابوں کے حوالوں سے "خلافت وملوکیت" پر چاند ماری کی گئی ہے' اب عوام کو کیا معلوم کہ ان حوالوں کی حقیقت کیا ہے اور محترم مصنف نے علم کے نام پر خیانت اور بددیانتی کے کیا گل کھلائے ہیں؟۔

ویسے "شواہد تقدس" کے مفصل ومدلل جائزے کے بعد تو عام سے عام

قاری بھی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ محض یک طرفہ بات سن کر کبھی رعب میں نہیں آنا چاہئے خواہ یہ بات بظاہر کتنی ہی سجابنا کر پیش کی گئی ہو' آپ نے دیکھا کہ مولانا محمد میاں صاحب نے "شواہد تقدس" میں کتنی بلند آہنگی اور طمطراق کے ساتھ مولانا مودودی کو ملزم قرار دیا تھا' حتیٰ کہ ان پر خیانت' فریب دہی اور کم عقلی تک کے اتہامات رکھنے میں تکلف نہیں فرمایا' مگر جب ہم نے علم و تحقیق کی سطح پر ان کے فرمودات کا جائزہ لیا تو آپ نے یہ بھی دیکھا کہ قصور وار مولانا مودودی نہیں ہیں خود الزام دینے والے بزرگ ہیں' خیانت و فریب کاری کا ارتکاب "خلافت و ملوکیت" میں نہیں کیا گیا ہے بلکہ "شواہد تقدس" ہی ان اوصافِ رزیلہ کا شاہکار ہے۔

ٹھیک یہی عالم "امارت و صحابیت" کا بھی ہے لیکن ہم بہت زیادہ بسط میں نہیں جائیں گے بلکہ صرف چند نمونے دکھا کر نقد ختم کر دیں گے تاکہ ہمارے عام بھائی ان نمونوں پر باقی کتاب کو قیاس کر لیں۔

"امارت و صحابیت" کے مصنف ہیں "حضرت مولانا علی احمد صاحب بنارسی" وہ مسلک کے اعتبار سے ان لوگوں میں ہیں جو یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھتے ہیں چنانچہ کتاب کی عین لوح پر ہی "امیر یزید" کا نام "رح" کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

کمال یہ ہے کہ حضرت موصوف نے اپنی کتاب کا آغاز "پاکستان" کے اس الیکشن سے کیا ہے جس میں "جماعت اسلامی پاکستان" نے ایوب خاں کے مقابلے میں مس فاطمہ جناح کی تائید کی تھی' گویا مقصود صرف "خلافت و ملوکیت" ہی کارد نہیں' بلکہ مولانا مودودی کو ہر رخ سے مجروح کرنا ہے' ہم "تجلی" میں اس موضوع پر اتنا کچھ لکھ چکے ہیں کہ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں' مس فاطمہ جناح کو شکست دینے کے لئے "عورت کی سربراہی" کا شوشہ ایوب خاں نے چند سرکاری' درباری مولویوں کے ذریعے چھڑ دلایا تھا' اور پھر اس کے چکر میں بعض مخلص علماء بھی آ گئے' لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں امام ابو حنیفہؒ امام بخاریؒ' امام ابن

حنبلؒ 'اور امام ابن تیمیہؒ جیسے اساطین کے خلاف ان کے زمانوں میں بعض کم فہم اور فریب خوردہ علماء نے جب بعض اعتراضات اٹھائے 'تو بہت سے وہ اہلِ حق بھی مغالطہ کھا گئے 'جو حقیقتاً نیک نیت اور مخلص تھے 'متعلقہ کتابوں میں آج تک یہ کہانیاں محفوظ ہیں 'عبرت کیجئے کہ امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ جیسے حضرات امام ابو حنیفہؒ کو حدیث کے باب میں "ضعیف" کہتے ہیں 'یہ ایسا ہی ہے جیسے سونے کو پیتل اور چاندی کو رانگ کہدیا جائے 'لیکن غلط فہمیاں اور مغالطے اچھے اچھے سمجھداروں کو بہکادیتے ہیں ٹھیک اسی طرح مس فاطمہ جناح کی تائید کا مسئلہ تھا کہ علم و تحقیق اور عقل و دراست کے لحاظ سے اس پر حرف گیری اور انگشت نمائی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی 'مگر سیاست کی بازیگری نے حدیثِ رسول ﷺ کو اسی طرح غلط محل میں ناپاک مقاصد کے تحت استعمال کیا 'جس طرح خوارج آیتِ قرآنی کو حضرت علیؓ کی توہین و تکفیر کے لئے استعمال کرتے تھے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جب دو برائیوں میں سے ایک ناگزیر ہو تو عقل کا کھلا تقاضا یہ ہے اور اسلام بھی اسی کی تعلیم دیتا ہے کہ چھوٹی برائی کو منتخب کرلو 'بڑی سے بچ جاؤ 'پاکستانی الیکشن میں مقابلہ ایک عورت اور ایک خلیفہ صالح کا نہ تھا بلکہ آمریت اور جمہوریت کا تھا 'فاطمہ جناح تو صرف ایک نشان تھیں جمہوریت کا 'ایک علامت 'اور ایوب خاں مطلق العنانی کا عنوانِ جلی تھے 'وہ مطلق العنانی جس نے تمام علماء کی چیخ پکار کو نظر انداز کر کے بالجبر "اسلامی پرسنل لا" میں من مانی تحریفات کی تھیں 'اور قرآن و سنت کے متعدد قوانین پر خطِ تنسیخ پھیرا تھا 'جماعتِ اسلامی پاکستان" کے سامنے دو ہی راستے تھے 'یا تو آمریت کے دوبارہ مقتدر ہونے کی حمایت کرے یا جمہوریت کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالے 'ایک عورت کا سربراہِ حکومت ہونا بلاشبہ اسلامی آئین کی رو سے پسندیدہ شے نہیں ہے 'جس کا جی چاہے اسے گناہ کہہ لے 'مگر ایک مستبد جابر اور قرآن و سنت سے نابلد حاکم کا تختِ اقتدار پر متمکن رہنا ظاہر ہے کہ اس سے کہیں بڑھ کر قبیح اور

ضرر رساں تھا' لہذا جماعت نے چھوٹی برائی کو منتخب کیا' اور بڑی برائی سے لڑائی لڑی۔

قرآن کہتا ہے لا تقف مالیس لك به علم۔ (اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمھیں علم نہ ہو) ہمیں حیرت ہے کہ جو "مولانا بنارسی" پاکستانی سیاست کی ابجد تک سے واقف نہیں' وہ کس بے تکلفی سے ایوب خان اور فاطمہ جناح کے الیکشن پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں' یہی ایک بات اہلِ عقل کو یہ تاثر دینے کے لئے کافی ہے کہ مولانا موصوف کی عقل اور احساسِ ذمہ داری کا حال کیا ہے۔؟

اس موضوع پر مزید کچھ کہتے ہوئے ہمیں انقباض ہو تا ہے لہذا اصل بحث کی طرف آتے ہیں۔

نقل وانتساب کی خیانت :

صفحہ ۳۵ و ۳۶ پر مولانا نے متعدد حوالوں سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضرت معاویہؓ صحابی تھے' ہمیں نہیں معلوم اس خامہ فرسائی سے انھوں نے کیا حاصل کیا؟ کیا مولانا مودودی نے حضرت معاویہؓ کی صحابیت سے انکار کیا تھا؟ اگر نہیں اور ہر گز نہیں تو "خلافت وملوکیت" پر تنقید میں اس اضاعتِ وقت سے حاصل؟ مولانا محمد میاں صاحب کی طرح انھوں نے بھی غیر ضروری باتوں کے لئے کتابوں کے حوالے اور اقتباسات دے کر نفسِ بحث کو الجھادے میں ڈالا ہے' مثلاً آپ نے "بخاری" کا حوالہ اس بات کے لئے دیا کہ حضرت معاویہؓ نے خود اپنے صحابی ہونے کا تذکرہ کیا ہے' یا مثلاً "صحیح مسلم" کا حوالہ یہ بتانے کے لئے دیا کہ حضور ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو اپنا کاتب بنایا تھا' بھلا کیا حاصل ہوا اس طول کلامی سے جبکہ مولانا مودودی نہ تو حضرت معاویہؓ کی صحابیت کے منکر ہیں نہ کاتب وحی ہونے کے' ہمارا خیال ہے کہ مولانا نے جگہ جگہ متفق علیہ اور مسلم امور کو زیب قرطاس اس لئے کیا ہے تاکہ اس طرح وہ قارئین کو اپنے صدق پر مطمئن کر دیں اور پھر اسی طول کلامی کے درمیان کچھ غلط باتیں بھی ان کے دماغ میں

اتار دیں' مثلاً یہیں دیکھئے جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہؓ "فتح مکہ" کے دن ایمان لائے' یعنی وہ "طلقاء" میں سے تھے' ہم خلافت و ملوکیت' نمبر حصہ اوّل میں صفحہ ۸۳ سے ۸۶ تک "طلقاء" کی بحث کر چکے ہیں' اسے پھر سے ملاحظہ کر لیجئے' اس میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ نے اپنی "ازالۃ الخفاء" میں جو روایت نقل کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی حضرت معاویہؓ کا "طلقاء" میں سے ہون[illegible]م تھا' گویا خود صحابہؓ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت معاویہؓ "فتح مکہ" کے موقع پر ایمان لائے ہیں' لیکن مولانا ہماری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ "طلقاء" میں سے نہیں تھے بلکہ "فتح مکہ" سے قبل ایمان لا چکے تھے' بات اگر یہیں تک رہتی تو ہم صرف یہ کہہ سکتے تھے کہ بعض اور علماء کی طرح مولانا ہماری بھی علمی دھوکا کھا گئے ہیں بلاشبہ کچھ غیر معتبر روایات ایسی موجود ہیں جن سے بعض اہلِ علم یہ سمجھے ہیں کہ حضرت معاویہؓ پہلے ایمان لا چکے تھے' اگر جمہور علماء کو چھوڑ کر کوئی شخص ان معدودے چند اہل علم کے خیال کو قوی سمجھے تو یہ بددیانتی نہ ہوگی بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک علمی و فکری قصور ہوگا۔

مگر مولانا موصوف اسی قصور کی حد تک نہیں رہ گئے' بلکہ انھوں نے دیدہ و دانستہ خیانت اور فریب دہی کا بھی ارتکاب کر ڈالا' تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں:

> "اصابہ" میں ہے انه اسلم بعد الحديبية وكتم اسلامه حتىٰ اظهر (ص ۱۱۲ ج ۲) یعنی حضرت معاویہؓ حدیبیہ ۶ھ کے بعد ایمان لے آئے اور پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ ظاہر کیا' مزید تشفی کے لئے ملاحظہ ہو "اصابہ ص ۴۳۲ جلد ۳۔" (یہ ہے مولانا کا ارشاد)

اب دیکھئے "اصابہ" حافظ ابن حجرؒ کی کتاب ہے' صاف ظاہر ہے کہ مولانا

ہمارے قارئین کو یہ بتا رہے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ بھی حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں میں نہیں سمجھتے جو "فتح مکہ" کے موقعہ پر ایمان لائے' بلکہ انکے نزدیک وہ فتح مکہ سے قبل "صلح حدیبیہ" کے عین بعد ہی ایمان لاچکے ہیں' قارئین کو اسی کا یقین دلانے کے لیے انہوں نے "اصابہ" جلد ثالث اور "اصابہ" جلد ثانی کے حوالے عطا فرمائے' لیکن ہم سے سنئے کہ وہ کس قسم کی افسوسناک خیانت اور فریب دہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

"اصابہ" جلد ۲ ص ۳۰۴ سے جو عربی عبارت انھوں نے نقل کی اس سے قبل کا یہ فقرہ انھوں نے چھپالیا کہ وحکی الواقدی' یعنی حضرت معاویہؓ کے "فتح مکہ" سے قبل ایمان لانے کی جو بات انھوں نے "اصابہ" کے مصنف ابن حجرؒ سے منسوب کی ہے' وہ حقیقت میں ابن حجر کی بات نہیں ہے بلکہ ابن حجر یہ فرمارہے ہیں کہ ایسا "واقدی" نے بیان کیا' پھر "مزید تشفی" کے لئے مولانا نے "اصابہ" کی جلد ۳ کا جو حوالہ دیا وہاں بھی ٹھیک یہی صورتِ حال ہے کہ ابن حجر واقدی کا قول نقل کر رہے ہیں۔

مزید سنئے کہ یہ قول نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجرؒ اس کی تردید بایں طور کرتے ہیں کہ وھذا یعارضہ ما ثبت بالصحیح عن سعد ابن ابی وقاصؓ (اور حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کی اس روایت سے جو بسند صحیح ثابت ہے واقدی کا یہ قول رد ہو جاتا ہے) پھر ابنِ حجر نے وہ صحیح روایت بیان کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ "عمرۃ القضاء" کے وقت بھی کافر ہی تھے جو "صلح حدیبیہ" سے ایک سال بعد ۷ھ میں ہوا ہے۔

نیز ان دو مقامات کے علاوہ حافظ ابن حجرؒ کی رائے ان کی شہرۂ آفاق کتاب "تہذیب التہذیب" جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۷ میں بھی درج ہے کہ معاویۃ بن ابی سفیان اسلم یوم الفتح (ابو سفیان کے بیٹے معاویہ "فتح مکہ" کے دن ایمان لائے) رہی قبل فتح ایمان لانے کی روایت تو اس کیلئے انھوں نے یہ الفاظ

لکھے ہیں وقیل قبل ذلک (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "فتح مکہ" سے قبل ایمان لائے)
مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ قیل کہہ کر قولِ ضعیف کو بیان کیا جاتا ہے۔

اب اہلِ انصاف فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ بد دیانتی اور دھوکا وہی نہیں ہے کہ "اصابہ" کے مصنف ابن حجرؒ کی اپنی رائے تو مولانا نے غائب کر دی؟ اور "واقدی" کی اس رائے کو ابن حجرؒ سے منسوب کر دیا، جس کی تردید خود ابن حجر ایک روایتِ صحیح کے ذریعے فرما رہے ہیں، یہ کم وبیش ایسا ہی ہے جیسے کوئی فتنہ گر قرآن سے ایک آیت نقل کرے، جس میں اللہ تعالیٰ نے کسی اور کا (مثلاً شیطان یا فرعون یا نمرود یا مشرکین کا) قول نقل کیا ہو مگر، یہ شخص قائل کا نام حذف کر کے اس قول کو اللہ سے منسوب کر دے۔

دوسرا لطیفہ یہ سنئے کہ مولانا نے صفحہ ۲۷ پر خود ہی واقدی کو جھوٹا اور قطعاً ناقابلِ اعتبار تحریر فرمایا ہے، اب اگر ان میں ذرا بھی دیانت ہوتی تو اپنے دعوے اور خیال کے مطابق "واقدی" کے اس بیان کو بھی ناقابلِ اعتبار سمجھتے، جو حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے، خصوصاً جب حافظ صاحب ایک روایتِ صحیحہ بھی اس کی تردید میں پیش کر رہے ہیں، لیکن سچائی، انصاف اور علمی متانت کا تصور ہی جس شریف آدمی کے دماغ میں نہ ہو، وہ کیوں علمی دیانت اور عدل کا پاس کریگا، مولانا مودودی کی زبان پر اگر واقدی کا نام آجائے تو دفعتاً وظیفہ شروع کر دیا جاتا ہے کہ واقدی جھوٹا ہے، غیر ثقہ ہے، وضاع ہے، مگر اپنے کسی خیال کے ثبوت میں بلا تکلف "واقدی" کا بیان نقل کر دیا جاتا ہے۔

خیر واقدی کا نام لے کر نقل کرتے تو کوئی تاویلِ حَسَن بھی کر لی جاتی، مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ وحکی الواقدی کے الفاظ حذف کر دیئے گئے، اور جو بات "واقدی" نے کہی تھی اسے ابن حجر کی طرف منسوب کر دیا گیا، اہلِ انصاف فیصلہ فرمائیں کہ یہ کھلی بد دیانتی اور دغابازی کے سوا کیا ہے؟ اور جو مولانا صاحب اس طرح کی شرمناک حرکت کے مرتکب ہوں،

کیاان کی کتاب کے کسی بھی مضمون کے بارے میں اطمینان کیا جاسکتا ہے کہ اسمیں جو کچھ کہا گیا ہے وہ فریب ودجل سے خالی ہوگا؟ خیانتِ نقل سے ہٹ کر اس پر بھی غور کیا جائے کہ اگر یہ بات واقعتاً بھی پیش آئی ہوتی کہ معاویہؓ "قبل فتح" مسلمان ہو گئے 'مگر اپنے اسلام کو چھپائے رہے اور "فتح مکہ" کے موقعہ پر ظاہر کیا 'تو آخر واقدی کو کم وبیش دوسو سال بعد اس راز کا کیسے پتہ چل گیا' ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جو "واقدی" کا نام سنتے ہی تالی پیٹ دیں کہ روایت جھوٹی ہے 'لیکن یہ روایت تو صریحاً خلاف عقل ہے 'جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ جو ایمان حضرت معاویہؓ نے "فتح مکہ" تک اپنے قلب میں چھپائے رکھا تھا' اس کا سراغ تقریباً دوسو سال بعد کے واقدی کو کیسے چلا' اس وقت تک اس روایت کو شمہ برابر اہمیت نہیں دی جاسکتی 'مگر واہ رے رد مودودی کا جوش 'مودودی کو بخو بنانے کے لئے تو واقدی غریب کو کذاب اور وضاع سب کچھ بلا تکلف کہا جائے 'مگر اپنی مطلب براری کے لئے واقدی کی ایسی روایات سے بھی حجت پکڑی جائے جو نہ تو کسی متصل سند سے آئی ہوں 'نہ عقلاً اور درایتاً لائقِ قبول ہوں۔

جہل اور مغالطہ انگیزی:

جب سے مولانا مودودی کی "خلافت وملوکیت" شائع ہوئی ہے یہ انتہائی المناک اور فتنہ پرور کھیل بڑی دیدہ دلیری سے کھیلا جارہا ہے کہ عالم اور نیم عالم قسم کے حضرات اٹھتے ہیں اور تاریخ اسلام کی ان رفیع الشان کتابوں کو ناقابلِ اعتبار قرار دینا شروع کردیتے ہیں 'جن کی رفعت وعظمت صدیوں سے اہلِ اسلام میں مسلم ہے 'جنھیں علمائے اسلام عرصے سے تاریخ اسلام کے مصادر و مآخذ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں 'جن کے پایہء ثقاہت پر نقد وتنقیح کے بعد اساطین فن نے مہر تصدیق لگادی ہے 'جن کے مصنفین امتِ مسلمہ کے مایہ نازائمہ میں شمار ہوتے ہیں 'یہ "ابن سعدؒ" یہ ابن جریر طبریؒ' یہ ابنِ اثیرؒ' یہ ابنِ خلدونؒ' یہ ابنِ

عبدالبرؒ' یہ ابن کثیرؒ' یہ ابنِ حجرؒ' یہ حافظ ذہبیؒ کیا انکی عظمت' مرتبت' علمیت اور ماہرانہ حیثیت میں اہلِ علم کے کسی قابلِ لحاظ طبقے کو کلام ہے ؟ اور کیا ان کی جلیل القدر کتابیں امتِ مسلمہ کا سرمایہ جاں نہیں ہیں ؟

مگر افسوس کہ بہتیرے کم عیار' کم فہم اور کم استعداد حضرات ہی نہیں' بلکہ شیخ الحدیث قسم کے لوگ بھی "خلافت وملوکیت" کے رد میں ان تمام اکابر اور ان کی مہتم بالشان کتابوں کے ساتھ وہ سلوک کررہے ہیں کہ مستشرقین اور یہود و نصاریٰ کے علماء بھی مشکل ہی سے اس کی جرأت کرسکتے ہیں۔

"شواہد تقدس" میں آپ اس کے نمونے بہ افراط دیکھ چکے' "تجدید سبائیت" کا بھی یہی حال ہے اور "امارت وصحابیت" کے مصنف بھی یہی کھیل کھیل رہے ہیں۔

چند نمونے پیش خدمت ہیں :

الرّیاض النّضرہ :

اس کتاب کا نام آپ "جائزے" میں پڑھ چکے ہیں' اس کا پورا نام ہے الرّیاض النضرہ فی مناقب العشرہ۔ اس میں ان دس بلند پایہ صحابہؓ کے محاسن و مناقب بیان کئے گئے ہیں جنھیں اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی' اس کے مصنف ساتویں صدی کے ایک معروف نیک نام عالم محب الدین طبریؒ ہیں' جو اور بھی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور علمائے سلف وخلف میں انھیں کافی احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

ان کے تعارف میں جمع وتعدیل کے امام حافظ ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں یہ الفاظ لکھے ہیں :

"امام' محدث' مفتی' فقیہ حرم' محب الدین
ابو العباس احمدبن عبداللہ بن محمد۔" مزید وہ

لکھتے ہیں۔ "کان اماماً صالحاً زاھداً کبیرالشان۔"
(جلد ۴ صفحہ ۲۵۵)

ظاہر بات ہے کہ صدیوں پیشتر کے کسی بزرگ کا مرتبہ و مقام اسی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم ماہرینِ فن حضرات کی رائے پر اعتماد کریں' حافظ ذہبیؒ جیسے شہرۂ آفاق ماہر فن کا اپنی "تذکرۃ الحفاظ" میں کسی شخصیت کا ذکر کرنا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخصیت ممتاز شخصیتوں کے زمرے میں ہے' پھر وہ اس شخصیت کے زہد' علوئے شان' امامتِ علمی اور حدیث وافتاء میں عبور کی تصدیق بھی کریں' تو اس سے بڑھ کر توثیق و تحسین اور کیا ہو گی؟

اور یہی نہیں' ابو الفلاح عبدالحی (متوفی ۱۰۸۹ھ) اپنی مشہورِ زمانہ کتاب شذرات الذھب میں فرماتے ہیں:

> "محب الطبری نے کثیر لوگوں سے حدیث وفقہ کی سماعت کی' فتوے دیئے' مسندِ درس سجائی' فقاہت کا ثبوت دیا اور احکامِ دینیہ کی غایت پر ایک مبسوط کتاب لکھی جو چھ جلدوں میں ہے' نیز ان کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں جو انتہائی عمدہ ہیں' جیسے "الریاض النضرہ" اور ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربی اور "السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین" وغیرہا۔ (جلد ۵ صفحہ ۴۲۵ و ۴۲۶)

ان کتابوں کے ناموں ہی سے ہر شخص اندازہ فرما سکتا ہے کہ محب الطبری کو صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ اور حضور ﷺ کے رشتہ داروں سے کیسا دلی تعلق اور ان کے ذکر وبیان سے کیسا شغف تھا۔

مولانا مودودی نے "خلافت وملوکیت" میں غالباً صرف ایک مقام (ص ۳۳۳) پر ان بزرگ کی کتاب الریاض النضرہ سے خود ان کا نہیں' بلکہ

مشہور تابعی اور شیخ حضرت سعید بن المسیبؒ کا ایک ارشاد نقل کر دیا ہے یہ ارشاد اس رائے اور موقف کی تائید میں ہے جو مولانا مودودی نے اختیار کیا ہے اور جس کی تائید امام زہری' ابنِ جریر' ابنِ اثیر' ابن خلدون' ابنِ کثیر' ابن سعد' ابنِ حجر' مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب کر رہے ہیں' اب چونکہ "خلافت وملوکیت" کے "ناقدین" نے طے کر رکھا ہے کہ اس کتاب کو غلط ثابت کرنے کے لئے کسی بھی سلفِ صالح اور مفسر و محدث اور مؤرخ و فقیہ کی پگڑی اچھالے بغیر نہیں رہیں گے لہٰذا یہ کام مولانا ہارسی کیوں نہ کرتے' فرمایا جاتا ہے :

"ریاض النضرہ" کے مصنف محبّ الدین طبری ہیں
جن کو حافظ عسقلانی نے "صواعقِ محرقہ" میں فرمایا ہے انه
کثیر الوھم۔" (امارت و صحابیت صفحہ ۲۹)

گویا صرف اس قصور پر کہ محبّ الطبری کی کتاب سے مولانا مودودی کو اپنے موقف کی تائید میں ایک قول کیوں ملا' یہ ضروری سمجھا گیا کہ محبّ الطبری پر کچھ نہ کچھ کیچڑ اچھالی جائے' چنانچہ یہ منقولہ عبارت زیبِ قرطاس کی گئی اور سمجھ لیا گیا کہ اتنی ہی عبارت سے محبّ الطبری کا کام تمام ہو گیا۔

اب ہم آپ کو اس کا تجزیہ کر کے دکھاتے ہیں۔

یہ بات تو ایک عام قاری بھی دیکھ سکتا ہے کہ مولانا نے کتاب کا نام لے دینے کے سوا نہ باب کا حوالہ دیا ہے نہ صفحے کا' حالانکہ اکثر جگہ وہ حوالوں کا اہتمام کرتے گئے ہیں' اس سے صاف ظاہر ہوا کہ "دال میں کچھ کالا ہے" ہم اسے سہو پر محمول کر سکتے تھے' لیکن ایک ایسی بات سہو کے امکان کو خارج کر رہی ہے جو عام قارئین تو نہیں پکڑ سکتے' مگر پڑھے لکھے لوگ فوراً پکڑ لیں گے' وہ یہ ہے کہ مولانا نے "صواعق محرقہ" کے مصنف کا نام غلط لکھا ہے۔

ذرا سی تفصیل میں جانا پڑے گا' ابن حجر نام کی تین شخصیتیں اہل علم میں

معروف ہیں ابن حجر مکیؒ' ابن حجر ہیتمی(۱) 'ابن حجر عسقلانیؒ ۔

ابن حجر عسقلانی ہی وہ بزرگ ہیں جو "فتح الباری شرح بخاری" اور "تہذیب التہذیب" وغیرہ کے شہرہ آفاق مصنف ہیں' یہی فن "اسماء الرجال" کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اور انھیں کو مختصراً کبھی "حافظ" کبھی "حافظ عسقلانی" کہدیا جاتا ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ "صواعق محرقہ" کے مصنف حافظ عسقلانی نہیں بلکہ ابن حجر ہیتمی ہیں یہ ابن حجر عسقلانی سے تقریباً سوا سو سال بعد کی شخصیت ہیں' ابن حجر کا انتقال ۸۵۲ھ میں ہوا ہے جب کہ ہیتمی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے ہیتمی کا انتقال ۹۷۳ھ میں ہوا ہے۔

ملاحظہ ہو ("ابجد العلوم" ص ۸۴۳ اور "شذرات الذہب" جلد ۸ ص ۳۷۰) ان کی کتاب کا پورا نام ہے الصواعق المحرقة علی اہل الرفض والزندقة یہ "اسماء الرجال" کی نہیں بلکہ علم کلام کی کتاب ہے۔ اس توضیح سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ مولانا ہارسی کی دیانت علمی اور صداقت نقل کا کیا عالم ہے ؟ ہم اپنی طرف سے اسے نہ فریب دہی کہہ سکتے ہیں نہ جہالت نہ کچھ اور مولانا ہی جانیں وہ کیا کر کے بیٹھے ہیں' چلئے ہم اس بے تکے پن کو نظر انداز کر کے چند منٹ کے لئے مانے ہی لیتے ہیں کہ "صواعق محرقہ" حافظ عسقلانیؒ کی تصنیف ہے مگر کیا مولانا اتنا بھی نہیں جانتے کہ فلاں شخص کثیر الوہم ہے کس موقع پر کس فن میں بولا جاتا ہے ......؟

یہ دراصل الفاظ جرح ہیں' ان کا استعمال فن "اسماء الرجال" میں ہوتا ہے۔ "اسماء الرجال" کی کتابوں میں جب کوئی استاد فن کسی راوی کا ترجمہ لکھتا ہے تو وہاں اس طرح کی جرحیں نقل ہوتی ہیں' ایسی جرح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راوی نقل روایت میں زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے یا فلاں شیخ کی بعض حدیثوں میں

(۱) یہ لفظ ہیتمی بعض اہل علم میں بھی تین نقطوں والی ث سے مشہور ہوگیا ہے' یعنی "ہیثمی" لیکن فی الحقیقت "ہیتمی" ہے۔ (دو نقطوں والی ت سے)

کثرت وہم کی بناء پر کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔

محبّ الطبری اصطلاحی مفہوم میں "راویانِ حدیث" کے زمرے کے آدمی نہیں بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم ہیں (متوفی ۶۹۴ھ) انھوں نے حضرت سعید بن المسیب کا قول محض اپنی اسناد سے نہیں بلکہ دوسرے بزرگوں کی کتابوں سے نقل کیا ہے' ایسی صورت میں "صواعق محرقہ" سے مولانا بنارسی کا یہ نقل کر دینا کہ انہ کثیر الوھم سراسر بے محل اور بے نتیجہ بات ہے' بس یہ شوق انھوں نے ضرور پورا کر لیا کہ جس بزرگ سے بھی مولانا مودودی نے اپنے موقف کی تائید میں کچھ نقل کر دیا ہے اس کی طرف ایک آدھ ڈھیلا ضرور پھینک دو' اسے عوام کی نظروں میں داغدار ضرور بنا دو' ابن حجر ہیثمی نے کس موقعہ پر کس سلسلے میں مذکورہ الفاظ لکھے ہیں اس کا جائزہ تو اس وقت لیا جاتا' جب مولانا بنارسی نے صفحے کا حوالہ دیا ہوتا' ابھی آپ "اصابہ" میں ان کے ہاتھ کی صفائی دیکھ ہی چکے لہٰذا کیا امید ہو سکتی ہے کہ یہاں بھی نقل عبارت میں کوئی کاریگری نہ کی گئی ہو گی' لیکن اگر مان ہی لیا جائے کہ ہیثمی نے محبّ الطبری کے لئے واقعی ایسا لکھدیا ہے تو کون معقول آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس لکھ دینے سے محبّ الطبری کا وہ مقام و مرتبہ ختم ہو گیا جس کی نشاندہی تذکرۃ الحفاظ اور شذرات الذھب جیسی کتابوں میں کی گئی ہے

ابن جریر طبری: مولانا لکھتے ہیں کہ :

"علامہ مودودی کا استدلال نوے فیصد "تاریخ طبری" کی روایتوں پر ہے۔" (ص ۲۶)

ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا نے سفید جھوٹ بولا' "خلافت و ملوکیت" میں تقریباً ۲۵۷ حوالے ہیں' (تقریباً کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا کہ ممکن ہے ہم سے شمار میں ایک دو کی غلطی ہو گئی ہو) اس میں "طبری" کے وہ حوالے

جن کیساتھ کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں صرف ۱۵ ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ تین فیصد بھی نہیں' اب ہمیں بتایئے کہ تقریباً دو فیصد کو نوے فیصد کہنے والا کس پائے کا کذاب کہلائیگا' اور اگر ہم "طبری" کے ان حوالوں کو بھی شمار کر لیں جن کے ساتھ دوسری کتابوں کے حوالے ہیں (اگرچہ یہ شمار غلط ہوگا کیونکہ جب وہی بات "طبری" کے علاوہ بعض اور کتابوں میں بھی آگئی' تو مدارِ استدلال تنہا "طبری" پر نہ رہا) تب بھی کل حوالے ۶۵ ہیں' گویا کم و پیش ۹ فیصد' تو کیا نو فیصد کو نوے فیصد مشتہر کرنے والا صادق و امین کہلائے گا؟۔

اے دوستو! ان خوش کرداریوں اور فنکاریوں کا ادراک عام لوگ بھلا کیسے کر سکتے تھے' اگر ہم ہی کھول کر نہ بتائیں' آگے چلئے' فرماتے ہیں :

"ہر ذی علم واقف ہے کہ ابن جریر "طبری" "شیعہ تھے"۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ ذی علم مولانا ہنارسی ہی جیسے ذی علم ہوں گے' ورنہ امت کا سوادِ اعظم جن سلفِ صالحین کو ذی علم اور استادِ فن مانتا ہے وہ تو ہرگز نہیں کہتے کہ ابن جریر طبریؒ شیعہ تھے' ڈھٹائی اور ظلم کی انتہا ہے کہ جس "خلافت و ملوکیت" پر مولانا ہنارسی تنقید فرما رہے ہیں اسی کے صفحہ ۳۱۲ اور ۳۱۳ پر ابن جریر طبری کے بارے میں ان مسلمہ اساتذہ اور ماہرینِ فن کی آراء نقل کی گئی ہیں جن کی آراء پر تمام فن روایت کا مدار ہے' ان آراء کا خلاصہ ہم جائزہ حصہ دوم کے ص ۵۴ پر بھی نقل کر آئے ہیں' احتیاطاً پھر کچھ نقل کر دیں۔

(۱) امام ابن خزیمہؒ کہتے ہیں :..... "میں اس وقت روئے زمین پر ان سے بڑے کسی عالم کو نہیں جانتا۔"

(۲) حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں :..... "وہ کتاب و سنت کے علم اور اس کے مطابق عمل کے لحاظ سے ائمہ اسلام میں سے تھے۔"

(۳) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں :..... "وہ بہت بڑے اور قابلِ اعتماد ائمہ اسلام میں سے تھے۔"

(۴) محدث خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں : ..... "وہ ائمہ علماء میں سے ہیں' ان کے قول پر فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے علم و فضل کے لحاظ سے اس لائق ہیں' علوم میں ان کی جامعیت ایسی تھی کہ ان کے ہم عصروں میں کوئی ان کا شریک نہ تھا۔"

(۵) ابن اثیرؒ کہتے ہیں : ..... "وہ تاریخ نگاروں میں سب سے زیادہ بھروسے کے قابل ہیں۔"

یہی "ابن اثیر" اپنی تاریخ "الکامل" کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ 'اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے مشاجرات کے معاملے میں میں نے ابن جریر طبریؒ پر ہی دوسرے تمام مؤرخین کی بہ نسبت زیادہ اعتماد کیا ہے' کیونکہ وہ بلاشبہ صاحبِ اتقان امام ہیں' علم کے جامع ہیں' صحیح العقیدہ ہیں' سچے ہیں' (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو' "لسان المیزان" جلد ۵' ص ۱۰۰ سے ۱۰۳ تک)

اب یا تو یوں کہئے کہ یہ سارے اساتذہ اور ماہرین "ذی علم" نہیں تھے بلکہ "ذی علم" فقط آج پیدا ہو رہے ہیں' یا پھر یوں کہیئے کہ مولانا مودودی کی ضد میں معترضین نے طے کر رکھا ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے شیخ اور امام پر پتھر برسائے بغیر نہ رہیں گے۔

بے محل نہ ہوگا اگر علامہ شبلیؒ کی رائے بھی "طبری" کے بارے میں سن لیں (مولانا بنارسی نے اپنی کتاب میں بعض مقامات پر سیرت النبی ﷺ سے استدلال کیا ہے لہذا یہ کتاب تو ان کے نزدیک بھی کچھ معتبر معلوم ہوتی ہے) علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں :

"تاریخی سلسلے میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی "تاریخ کبیر" ہے "طبری" اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال' ثقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں' ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے'

محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو ان سے
بڑھکر عالم نہیں جانتا۔"(سیرت النبی جلد اول۔ ص ۱۹ اسب سے
پہلا ایڈیشن۔ ۱۳۳۶ھ۔ ۱۹۱۸ء)

یہ تھے ابن جریر طبریؒ' اب بھی اگر کچھ لوگ انھیں "شیعہ" کہہ کر اپنی جہالت اور بے عقلی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں تو ان کی مثال چاند پر خاک اڑانے والوں کی سی ہے' آج کل جب کہ "شیعہ" کا لقب "سنی" کا مقابل بن چکا ہے ابن جریرؒ جیسے امام کو شیعہ کہنا صرف ابن جریر ہی کی شان میں بدترین گستاخی نہیں ہے بلکہ ان تمام بزرگان دین اور علماء محققین کی صریح تجہیل و تحقیر ہے جو ابن جریر کو وہ غیر معمولی ہدیہ نیاز پیش کرتے آئے ہیں جس کی جھلکیاں ابھی آپ نے دیکھیں۔

مولانا سنبھلی نے مزید ارشاد فرمایا:

"علامہ ذہبیؒ نے گو ان کا مضر ہونا نہیں بتلایا ہے تاہم ان کے
اندر تشیع کے پائے جانے کا اقرار وہ بھی کرتے ہیں' لکھتے ہیں
فیه تشيع وموالاة لا تضر (میزان الاعتدال ص ۳۵ ج ۲)
"(امارت و صحابیت ص ۲۶)

پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب ابن حجرؒ' ابن کثیرؒ' ابن اثیرؒ ابن خزیمہؒ اور خطیبؒ جیسے اساتذہ طبریؒ کی جلالت شان اور امامت و صالحیت اور علم و فضل پر متفق ہیں تو اکیلے حافظ ذہبیؒ کا مجملاً یہ کہہ دینا کہ ان میں تشیع پایا جاتا تھا' آخر کسی معقول آدمی کے لئے وحی آسمانی کیسے ہو گیا؟ ہو سکتا ہے ذہبیؒ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ذہبیؒ جب خود ہی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ان کا تشیع مضر نہیں ہے' تو پھر کسی ذمہ دار عالم کے لئے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ذہبی کے حوالے سے انکو مجروح و مشکوک بنانے کی کوشش کرے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ تشیع کسی ایسے "جرثومے" کا تو نام نہیں ہے جو آنکھوں سے نظر نہ آتا ہو' ابن جریر کی ضخیم تفسیر ہر دار المطالعہ میں موجود ہے اگر

وہ شیعہ تھے تو ان کی تفسیر میں لازماً ایسی چیزیں ملنی چاہئیں جو اہل سنت کے مسلمات سے متصادم اور شیعوں کے مخصوص عقائد وافکار سے ہم آہنگ ہوں، لیکن ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اگر مولانا بنارسی یا ان کے کوئی ہمنوا بزرگ ایسا ثابت کر سکیں تو بے شک ہم مان لیں گے کہ تشیع کے الزام میں کوئی صداقت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ "طبری" کو شیعہ کہنا بہت بڑا افترا ہے' رہا حافظ ذہبی کا ارشاد کہ ان میں تشیع تھا تو اس کی حقیقت آپ اسی زیر دست شمارے میں صفحہ ۶۸ (۱) کھول کر ملاحظہ فرمالیں' پہلے "تشیع" کا یہ مفہوم تھا ہی نہیں جو آج ہے' چنانچہ وہاں آپ دیکھ لیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور بخاریؒ کے شیخ ابن المدینیؒ تک کی طرف بعض بزرگوں نے تشیع کی نسبت کردی ہے' اگر اب سے چھ سات صدی قبل کسی بزرگ کی طرف تشیع کی نسبت کردینا بال برابر بھی ان کی عظمت و ثقاہت میں فرق ڈال سکتا تو پھر ابو حنیفہؒ اور ابن المدینیؒ ہی کب بے داغ رہتے ہیں، آج "تشیع" جس چیز کا نام ہے وہ تو اہل سنت کے نقطۂ نظر سے مضر ہی مضر ہے، اگر حافظ ذہبیؒ کے زمانے میں بھی "تشیع" اسی چیز کا نام ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ "طبری" کی طرف تشیع کی نسبت بھی کرتے اور یہ بھی کہتے کہ یہ تشیع ایسا ہے جو ذرا بھی مضر نہیں۔

آگے صفحہ ۶۷ سے صفحہ ۷۰ تک "الزام تشیع کی حقیقت" کے زیر عنوان آپ اس بحث کو مفصل دیکھ سکتے ہیں' وہاں جتنا کچھ کہا گیا ہے اس پر مزید اضافہ ہم یہاں ایک مثال کے ذریعے کرتے ہیں۔

عبدالرزاق بن ہمامؒ مشہور محدث گذرے ہیں (متوفی ۲۱۱ھ) ان کی کتاب "مصنفُ عبدِ الرَّزاقِ" کے نام سے موسوم ہے' ان کے بارے میں شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا یہ ارشاد "بستان المحدثین" میں ملاحظہ فرمائیے کہ "ان میں

(۱) اس کتاب میں یہ حقیقت ص: ۵۵۰ پر ملاحظہ فرمائیں (مرتب)

فی الجملہ تشیع تھا البتہ زیادہ غلو نہ تھا"، یہ کم وبیش ایسی ہی بات ہے جیسی حافظ ذہبیؒ نے "طبری" کے بارے میں کہی، تو کیا کوئی صاحب علم بتا سکتا ہے کہ اس تشیع کی بنا پر کسی نے انھیں ساقط الاعتبار قرار دیا ہو' امام احمد ابن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، اور یحییٰ بن معینؒ جیسے ارباب کمال ان کے شاگرد ہیں، "صحاح ستہ" میں بھی ان کی روایت موجود ہے، اہل علم جہاں ضرورت ہو دوسرے محدثین کی طرح ان کی حدیثوں سے بھی حجت پکڑتے ہیں، دور نہ جایئے ابو الحسنات مولانا عبد الحی لکھنوی جیسا سنی، حنفی، شہرۂ آفاق عالم حسب ضرورت ان سے استشہاد کرتا ہے (نمونے کے لئے ملاحظہ ہو الموطا الامام محمد مع التعلیق الممجد ص ۳۶۱ مطبوعہ ۱۲۹۷ھ، مطبع مصطفائی)

اہل علم کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ مصنف عبد الرزاق اب "ہندوستان" میں بھی چھپ رہی ہے، اس کی طباعت کے اہتمام میں محدث شہیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی بیرون ملک گئے ہوئے ہیں، غالباً "بیروت" میں طباعت ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو لوگ مولانا مودودی کے عناد میں طبریؒ جیسے امام و علامہ اور شیخ وقت کو شیعیت کے خود ساختہ تیر سے مجروح کر دینا چاہتے ہیں وہ علم کے ساتھ تمسخر اور فن کے ساتھ استہزاء کر رہے ہیں۔

کھلی خیانتیں:

"اصابہ" کے حوالوں میں بددیانتی کی دستاویزی شہادت آپ دیکھ چکے، یہاں بھی کچھ نمونے دیکھئے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> "محدث حافظ احمد بن علی سلیمانیؒ ان کے بارے میں (یعنی "طبری" کے بارے میں) لکھتے ہیں کہ کان یضع للروافض یعنی یہ رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے، یہ وضو میں پیروں پر مسح کے قائل تھے دھونا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

(البدایہ ص ۱۴۸ ج ۱۱) ' (امارت و صحابیت ص ۲۶)

ان چند سطور میں ایک نہیں دو نہیں تین ایسی خیانتیں ہیں جنھیں دیکھ کر دل لرز جاتا ہے کہ یااللہ اہل علم کو کیا ہو گیا' ان کی متاعِ دین و اخلاق کس نے لوٹ لی۔

پہلی خیانت یہ ہے کہ سلیمانی کا جو قول مولانا نے نقل کیا ہے وہ "البدایہ" میں ہرگز نہیں ہے بلکہ اسی "میزان الاعتدال" میں ہے جس سے انھوں نے ذہبی کا یہ قول نقل کیا تھا کہ "لابن جریر میں تشیع ہے مگر مضر نہیں" اور ٹھیک اسی جگہ ہے جہاں سے یہ قول نقل کر رہے ہیں یعنی جلد دوم صفحہ ۳۵ پر، اب بتایئے "میزان الاعتدال" کا حوالہ دینے کے بجائے "البدایہ" کا حوالہ دینا خیانت نہیں تو کیا ہے؟ اور اگر خیانت نہیں تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نہ "میزان الاعتدال" دیکھی نہ "البدایہ" بلکہ کسی اور خوش فکرے کی اردو کتاب سے یہ غلط سلط حوالے لے لئے ہیں۔

دوسری خیانت یہ ہے کہ ذہبیؒ نے جہاں محدث سلیمانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے وہیں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:

"یہ سراسر جھوٹی بدگمانی ہے، ابن جریرؒ تو اسلام کے بڑے بڑے معتمد علیہ ائمہ میں سے ہیں۔"

ذہبی کی اصلی عبارت آپ آگے ص ۶۸ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

جو لوگ عربی کتابوں تک نہیں پہنچ سکتے' وہ ہماری اس وضاحت کا ثبوت علامہ شبلیؒ کی سیرت النبی جلد اول کے مقدمے میں بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ علامہ شبلیؒ نے حافظ ذہبیؒ کی "میزان الاعتدال" ہی سے محدث سلیمانی (۱) کا مذکورہ واہی قول نقل کر کے حافظ ذہبیؒ کا یہ ریمارک بھی سامنے رکھ دیا ہے۔

(۱) ملحوظ رہے کہ یہ وہی محدث سلیمانی ہیں جنہوں نے اعمش اور شعبہ اور ابن ابی حاتم اور امام ابو حنیفہؒ کو بھی شیعہ کہا ہے (میزان الاعتدال جلد دوم ص ۱۱۶ ترجمہ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم) اور یہی بزرگ ہیں جنہوں نے مسعر بن کدام اور حماد اور ابو حنیفہ جیسے بہتیرے علماء کو فرقہ "مرجیہ" میں شامل کیا ہے (میزان الاعتدال جلد سوم صفحہ ۱۶۳ ترجمہ مسعر بن کدام۔

گویا حافظ ذہبی نے سلیمانی کی جو لغو تہمت تراشی اس لئے ذکر کی تھی کہ اسکی لغویت پر متنبہ کردیں، اسے مولانا ہنارسی نے "البدایہ" کے غلط حوالے سے بایں طور پیش کردیا کہ گویا یہ ایک تاریخی صداقت ہے اور حافظ ذہبیؒ کی تردید و تکذیب کو چھپا گئے، یہ کس قسم کا ایمان ہے جو لوگوں کو اتنی پست حرکتوں سے بھی نہیں روکتا، یہ تو کم و پیش ایسا ہی ہوا جیسے کوئی قرآن سے وہ تہمت تو نقل کردے جو نعوذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگائی گئی تھی مگر اس تردید کو چھپایا جائے جو قرآن نے اسکی کی ہے۔ فیا حسرتا۔

تیسری خیانت یہ ہے کہ وضو میں پیروں کے مسح کا قائل نہ ہونا' انھوں نے "البدایہ" کے حوالے سے پیش فرمایا' گویا قارئین کو یہ بتا رہے ہیں کہ "البدایہ" کے محترم مصنف ابن کثیر نے تصدیق کی ہے کہ "طبری" مسح کے قائل نہ تھے۔

لیکن حقیقت کیا ہے اسے سنکر آپ دنگ رہ جائینگے۔

"البدایہ" میں ابن جریر کا تعارف جلد ۱۱ میں صفحہ ۱۴۵ سے ۱۴۷ تک کرایا گیا ہے، اس تعارف کے ضروری اجزا تو ہم آگے نقل کریں گے، اس مسح والے قول کی حد تک ملاحظہ کیجئے کہ "البدایہ" میں کیا کہا گیا ہے۔

> "اور ابن جریر کی طرف یہ بات منسوب کردی گئی ہے کہ وہ وضو میں پیروں کا دھونا واجب نہیں سمجھتے تھے 'بلکہ مسح کو کافی سمجھتے تھے اور یہ بات کافی مشہور ہوگئی، حالانکہ جو اہل علم ہیں جانتے ہیں کہ ابن جریر دو تھے، ایک ان میں کا شیعہ تھا۔ یہ مسح والی بات دراصل اسی کی طرف منسوب ہے، اور یہ اہل علم مفسر ابن جریر کو اس قسم کی باتوں سے پاکدامن قرار دیتے ہیں۔" (البدایہ ج ۱۱ ص ۱۴۷)

جس کا جی چاہے ابن حجر کی "لسان المیزان" جلد پنجم کو صفحہ ۱۰۰ سے صفحہ

۳۰۱ تک دیکھ لے اسے تفصیل مل جائے گی کہ مفسر ابن جریر ہی کے زمانے میں ایک اور شخص محمد بن جریر الطبری پایا جاتا تھا جو شیعہ تھا' ظاہر ہے اس صورت میں اس شخص کے بعض عقائد و خیالات کا مفسر ابن جریر کی طرف غلط طور پر منسوب ہو جانا نا ممکن نہ تھا۔

ابن کثیر آگے فرماتے ہیں:

"آیت قرآنی کے تحت پیروں کے دھونے اور مسح کرنے کے متعلق ابن جریر نے اپنی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ پیروں کا دھونا تو واجب سمجھتے ہی تھے' اس کے ساتھ یہ بھی واجب سمجھتے تھے کہ پانی بہاتے ہوئے ہاتھوں کو بھی پیروں پر پھیرا جائے (یہ نہیں کہ یونہی پانی بہادیا اور ہاتھ نہ پھیرا) مسح کا لفظ انھوں نے "دلک" کے مفہوم میں استعمال کیا ہے یعنی دھونے کے ساتھ ساتھ پیروں کو ہاتھ سے ملنا بھی ضروری ہے کہ گرد و غبار صاف ہوتا چلا جائے، بہت سے لوگوں نے ان کی مراد نہیں سمجھی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، مگر جنھوں نے مراد سمجھی انھوں نے ان سے نقل کیا ہے کہ وہ دھونے اور ہاتھ پھیرنے دونوں کو واجب کہتے تھے۔"

دیکھا آپ نے' "البدایہ" میں کیا لکھا جا رہا ہے اور مولانا بنارسی وہی صفحہ کھولے بیٹھے ہیں مگر اس میں سے کیا نقل کر رہے ہیں؟ ایک ایسا ٹکڑا جس کے بارے میں خود ابن کثیر وضاحت فرما رہے ہیں کہ وہ غلط طور پر ابن جریر کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

ہے اس حق پوشی اور فریب دہی کا کوئی جواب ؟

لطف یہ ہے کہ ابن جریر کی تفسیر عنقا تو نہیں ہو گئی' آیت فاغسلوا

وجوھکم "سورۂ مائدہ" کے آغاز میں آئی ہے، تفسیر ابن جریر جلد ششم اٹھاکر جس کا جی چاہے ص ۷۱ سے ۷۳ تک دیکھ لے، امام طبریؒ آیت کے متصل بعد تقریباً پندرہ ایسی حدیثیں پیش فرماتے ہیں جن میں صریح طور پر موجود ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا واجب ہے، صرف ایک حدیث نمونتاً ملاحظہ ہو:

ان رسول الله ﷺ یتوضاء وھو یغسل رجلیه فقال بھذا امرت.

رسول اللہ ﷺ وضو کررہے تھے اور آپ نے اپنے پیر دھوئے اور فرمایا کہ مجھے ایسا ہی حکم کیا گیا ہے۔

ان حدیثوں کے بعد البتہ وہ ان حضرات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن کا خیال یہ تھا کہ وضو میں پیروں کا صرف مسح کافی ہے، قدیم اہل علم کا طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ کسی مسئلے میں اگر ایک سے زائد آراء موجود ہیں تو وہ دیانت علمی کے تحت ان سب آراء کا ذکر کردیتے ہیں تاکہ یہ آراء دوسروں کو بھی معلوم ہوجائیں۔

خود ابن جریر کا مسلک تو اسی سے واضح ہوگیا کہ انھوں نے مقدم ان حدیثوں کو کیا، جو دھونے کے وجوب پر دال تھیں، پھر صراحتاً بھی اپنا مسلک وہ درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"اور صحیح بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس طرح (تیمم میں) چہرے پر مٹی بھرا ہاتھ پھیرنا مقرر کیا گیا اسی طرح وضو میں پانی کے ساتھ پیروں کا مسح (دلک) ضروری قرار دیا گیا۔"

مسح سے مراد "دلک" (یعنی صفائی کے لئے ہاتھ پھیرنا یا رگڑنا) اس سے بھی واضح ہے کہ یہیں انھوں نے یہ تمثیل دی ہے کہ مثلاً ایک شخص تالاب یا حوض میں پیر ڈال دیتا ہے مگر پیروں کو ہاتھ نہیں لگاتا تو اس نے حکم کی ناقص تعمیل کی، اسے چاہیئے کہ ہاتھ بھی استعمال کرے، اندازہ فرمایئے، جو بزرگ اہل سنت کے عام مسلک سے بھی زیادہ محتاط مسلک اختیار کئے ہوئے ہیں اور پیروں کو

دھونے کے ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں کہ ہاتھ استعمال کر کے ان کا گرد و غبار صاف کر دیا جائے ان کے بارے میں مولانا بنارسی یہ تہمت تراشی فرمار ہے ہیں کہ وہ پیروں کا دھونا ضروری نہیں سمجھتے تھے اور فریب در فریب یہ کہ اس تہمت کو ابن کثیرؒ کے ذمہ ڈال رہے ہیں۔

حق یہ ہے کہ ابن جریر نے سات طویل صفحات میں مذکورہ آیت قرآنی کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے اس سے زیادہ جامع اور عالمانہ و محققانہ تفسیر کا تصور بھی مشکل ہے۔

خیانتیں تو آپ نے دیکھ لیں، اب ہم ایک منٹ کو یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ چلئے ابن جریر کا خیال یہی تھا کہ وضو میں پیروں کا صرف مسح واجب ہے، دھونا واجب نہیں' تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس رائے کی بناء پر وہ شیعہ کیسے ہو گئے؟ اس رائے کا قول نقل کرنے والے تو سلف میں بہت ہیں، وجہ یہ ہے کہ آیت قرآنی میں اس کا امکانی پہلو موجود ہے' وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین۔ اس سے پیروں کے دھونے کا حکم صرف اسی صورت میں نکلتا ہے کہ "ارجلکم" کے لام پر فتح پڑھا جائے، لیکن اہل علم نے صراحت کی ہے کہ بہت سے علماء نے لام پر کسرہ (زیر) بھی پڑھا ہے' اس صورت میں دھونے کا نہیں صرف مسح کا حکم نکلتا ہے کیونکہ "عطف رُئوسِکُم" پر ہو جاتا ہے اور رئوس (سروں) کے لئے مسح ہی کا حکم دیا جارہا ہے۔

بے شک جمہور علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ لام پر فتح ہی ہے اور مسح نہیں بلکہ دھونا واجب ہے، لیکن کسی مستند عالم نے آج تک ان لوگوں کو کافر نہیں کہا جو مسح کو کافی سمجھتے رہے ہیں' اگر آیت میں مسح کی قطعاً کوئی گنجائش نہ ہوتی تو مسح کو کافی سمجھنا قرآن سے انکار قرار دیا جاتا' اور قرآن سے انکار کفر ہی ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ بہتیرے علماء ہیں جو اپنی بعض آراء میں "تفرد" اختیار کرتے ہیں یعنی جمہور علماء کی رائے سے مختلف اپنی خاص رائے رکھتے ہیں،

مثلاً امام ابن تیمیہؒ کے "تفردات" کافی ہیں، مگر ان تفردات کی بنا پر کبھی کوئی مستند عالم دوسرے عالم کو گمراہ یا شیعہ یا رافضی یا اہل سنت سے خارج نہیں کہتا، اگر ابن جریر کا مسلک یہ ہوتا بھی کہ مسح کافی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا تھا کہ ان کا مسلک غلط ہے، ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، آخر چاروں ائمہ میں سے ہر ایک کے مقلدین دوسرے ائمہ کی اختلافی آراء کو غلط ہی بتاتے ہیں، لیکن کیا ان اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو گمراہ بھی کہتے ہیں۔؟

یہ عجیب مسخرہ پن ہے کہ طبری پر الزام تو لگایا جارہا ہے تشیع کا، لیکن دلیل میں ایک ایسی بات پیش کی جارہی ہے جو اگرچہ خلاف واقعہ ہے مگر مطابق واقعہ بھی مان لیں تو اس کا کوئی تعلق فرقہ شیعہ سے نہیں ہے، اگر شیعہ حضرات وضو میں پیروں کے مسح ہی کے قائل ہوں تب بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ "مسح" کا ہر قائل شیعہ ہوگیا، اگر ایسی جزئی مماثلتیں موثر ہوسکتی ہوں تو پھر تو ہر آدمی گدھا بھی قرار پاسکتا ہے، لومڑی بھی، کوا اور خرگوش بھی، کیونکہ متعدد جزئی مماثلتیں تو تمام جاندار مخلوقات میں موجود ہیں۔

مزید خیانتیں : یہیں مولانا "طبری" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بغداد" میں جب ان کا انتقال ہوا تو حنبلیوں نے انھیں قبرستان میں دفن ہونے نہیں دیا، ونسبوالی الرفض اور ان کو رافضی بتلایا"۔ (البدایہ ص ۱۴۶ ج ۱۱)

اب دیکھئے "البدایہ" کی پوری بات کیا ہے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"وہ اپنے گھر میں دفن کیے گئے کیونکہ حنبلیوں کے کم علم و کم عقل اور بازاری(۱) لوگوں نے ان کے دفن میں رکاوٹ پیدا کی اور افواہ پھیلائی کہ وہ رافضی ہیں اور جاہلوں نے تو یہاں تک

(۱) ابن کثیر کے الفاظ ہیں عوام الحنابلۃ ورعاعہم۔ رعاع کا ترجمہ کسی بھی عربی اردو لغت میں دیکھ لیا جائے۔ کمینے اور رذیل لوگ۔

شرارت پھیلائی کہ ان کی طرف "الحاد" کی نسبت کردی،
حالانکہ وہ ان ساری افترا پردازیوں سے بالاتر تھے، وہ تو
قرآن و سنت کے علم اور عمل کے اعتبار سے اسلام کے
اماموں میں سے ایک امام تھے۔" (ص ۱۴۶)

ملاحظہ فرمایا آپ نے' یہ سب ٹھیک اسی صفحہ پر ہے جس سے مولانا ہاشمی نے چند فقرے چن لئے ہیں' بتایئے، جو بزرگوار دیدہ و دانستہ یہ سب کررہے ہوں ان کے بارے میں کون آخر یہ تصور کرلے گا کہ خدا کا خوف، دیانت کا احساس اور شرافت کا پاس انھیں کسی بھی درجے میں ہے۔

پورا نقشہ یوں سمجھئے کہ "البدایہ" کے تین بڑے صفحوں میں ابن کثیرؒ نے "طبری" کا تعارف کرایا ہے، اس میں خطیب بغدادیؒ اور امام ابن خزیمہؒ کی وہ آراء بھی انھوں نے نقل کی ہیں جنھیں ہم پیچھے پیش کر آئے، ان کا اپنا کہنا یہ ہے کہ ابن جریرؒ کی تفسیر اور ان کی دوسری تصانیف بے مثل ہیں، بے حد نافع ہیں، مزید وہ کہتے ہیں کہ ابن جریر طبری عبادت گذاروں اور زاہدوں اور متقیوں میں سے تھے، حق کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے، بہت اونچے صالحین میں سے تھے، وہ ان بلند مرتبہ محدثین میں سے ایک تھے کہ ابن طولون کے زمانے میں تمام اہل مصر جن کی پیروی کرتے تھے، "حنابلہ" نے ان پر بڑا ظلم ڈھایا، یہ حنابلہ پروپیگنڈے کرکر کے لوگوں کو انکی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتے تھے، ایک مرتبہ خلیفہ مقتدر نے یہ ارادہ کیا کہ ایک ایسی کتاب لکھواؤں جس کے مندرجات سے تمام علماء متفق ہوں، باخبر حضرات نے خلیفہ کو بتایا کہ سوائے ابن جریر کے اس عظیم کام کا اور کوئی اہل نہیں، چنانچہ خلیفہ نے انھیں بلایا، ان سے استدعا کی، انھیں مقرب خاص بنایا اور کہا کہ آپ کو جو حاجت ہو بیان فرمائیں، انھوں نے کہا مجھے کوئی حاجت نہیں' خلیفہ نے اصرار کیا کہ جناب یوں نہ ہوگا، آپ کچھ تو مجھ سے مانگیں، انھوں نے اصرار سے مجبور ہوکر یہ

فرمائش کی کہ "اے خلیفہ آپ سپاہیوں کو حکم دیجئے کہ جمعہ کے دن جو بھیک مانگنے والے مسجد جامع میں گھس کر دست سوال دراز کرتے ہیں انھیں روکا جائے' بس۔" دیکھا آپ نے' یہ ہے وہ تعارف جو "البدایہ" میں ابن جریر کا کرایا گیا ہے، انصاف فرمائیے کیا مولانا بنارسی کا طرز عمل ٹھیک اس آدمی جیسا نہیں ہے جو طے کر چکا ہو کہ میں چاہے جہنم میں جھونک دیا جاؤں مگر مولانا مودودی کی تردید کر کے رہوں گا اور ہر اس عالم کے اینٹ ماروں گا جس سے مولانا مودودی نے استناد کیا ہے۔

غضب در غضب :

یہیں مولانا بنارسی مولانا مودودی کے بارے میں لکھتے ہیں :

> "حضرت علامہ نے آخر خود کبھی آنکھیں کھول کر انکی تاریخ کو پڑھا ہوتا (یعنی ابن جریر کی۔ تجلی) تو دیکھتے کہ ص ۲۴ پر حضرت امیر معاویہؓ کے نام کے ساتھ یہ طبری صاحب لعنۃ اللہ کہتے ہیں' اسی طرح ص ۲۹ پر لکھتے ہیں فی خلافۃ یزید بن معاویۃ لعنھما اللہ۔" (امارت وصحابیت ص ۲۷)

خیر مولانا مودودی کی "آنکھوں" سے تو کیا مولانا محمد میاں اور کیا مولانا محمد اسحاق سندیلوی سب ہی کو بڑی ہمدردی ہے کہ برابر کھولے چلے جاتے ہیں، لیکن تماشا یہ ہے کہ مولانا بنارسی نے حوالوں کی خیانت سے ترقی کر کے اب سفید جھوٹ ہی شروع کر دیا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ انھوں نے "طبری" کے ص ۲۴ اور ص ۲۹ کے حوالے دیئے، انھیں کیا یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ "طبری" گیارہ جلدوں میں ہے (اور اگر عریب بن سعد القرطبی کے اضافے کو ملالیا جائے تو بارہ جلدوں میں) مگر یہ بالکل نہیں بتاتے کہ کونسی جلد کے صفحات دے رہے ہیں، بتائیں کیسے، منقولہ الفاظ کہیں موجود ہوں تو بتائیں یہ یکسر دروغ بافی

ہے کہ "طبری" نے حضرت معاویہؓ پر کہیں لعنت بھیجی ہو۔

ترجمے میں خیانت :

مولانا مودودی نے جن کتابوں سے روایتیں لی ہیں ان میں مولانا بنارسی نے "کتاب العقد" کا نام بھی دیا ہے' تعجب ہے اس کتاب کے حوالے انھوں نے "خلافت وملوکیت" میں کہاں دیکھے، "خلافت وملوکیت" میں تو خاتمے پر حروف تہجی کی ترتیب سے ان کتابوں کی فہرست بھی موجود ہے جن کے حوالے کتاب میں آئے ہیں، جس کا جی چاہے اس پر ایک نظر ڈال لے۔

خیر۔ کتاب العقد کو پایہ ثقاہت سے گرانے کے لئے فرمایا جاتا ہے:

"ابن ربہ کی کتاب ہے جن کے بارے میں "کشف الظنون" میں ہے قال ابن کثیر یدل من کلامہ علی تشیعہ یعنی ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کا کلام اس کے رافضی ہونے کی دلیل ہے۔" (امارت وصحابیت ص ۲۹)

ترجمے کی صریح خیانت یہ ہے کہ تشیع کے معنی "رفض" کئے گئے، حالانکہ ہر شیعہ رافضی نہیں ہوتا۔ "تشیع" تو جیسا آپ نے دیکھا ایک ایسی اصطلاح تھی جسے علمائے سلف بہت ہلکے معنی میں بولتے تھے، کسی عالم میں تشیع کا پایا جانا گمراہی کے مترادف نہیں تھا' لیکن "رفض" اس سے آگے کی چیز ہے، یہ لفظ علمائے سلف اس وقت استعمال کرتے تھے جب کسی کی گمراہی کی نشاندہی مقصود ہوتی، منقولہ عربی عبارت میں تشیع کا ذکر ہے لیکن مولانا نے "رافضی" ترجمہ فرمادیا۔

اس خیانت کے علاوہ یہ بھی دیکھئے کہ جلد اور صفحے کا حوالہ سرے سے غائب ہے، اگر مولانا نے "کشف الظنون" خود دیکھی ہوتی تو مفصل حوالہ بھی ضرور دیتے۔

پھر ابن کثیرؒ کی تو بہت سی کتابیں ہر جگہ دستیاب ہیں' اگر ابن کثیرؒ نے "کتاب العقد" کے مصنف کے بارے میں کوئی اظہار رائے کیا ہے تو اسے "ابن

کثیر" ہی کی کسی کتاب میں دکھانا چاہئے۔

عامیانہ مغالطہ اندوزی :

مروان کون تھا کیا تھا؟ اس کا خاصہ جغرافیہ آپ جائزہ حصہ دوم میں پڑھ آئے، لیکن مولانا محمد میاں کی طرح مولانا بنارسی پر بھی "عشق مروان" کا دورہ کیوں نہ پڑتا فرماتے ہیں:

> "تعصب نے مولانا مودودی کی کہیں کہیں سمجھ زائل کر دی ہے مروان اگرچہ کبار صحابہؓ سے نہیں تاہم ان کا صحابی ہونا تو مسلم ہے، حافظ ابن حجر "ہدی الساری" میں لکھتے ہیں له روية یعنی ان کا آنحضرت ﷺ کو دیکھنا محقق ہے۔" (ص ۳۲)

معلوم نہیں تعصب بھی کیا بلا ہے کہ پڑھے لکھے بھی کھلی جہالت پر اتر آتے ہیں، مولانا بنارسی بھی اس معلوم حقیقت سے ناواقف نہ ہوں گے کہ "مسلم" اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں قابل لحاظ حضرات کا اختلاف نہ ہو بلکہ تمام قابل ذکر علماء اسے تسلیم کرتے ہوں، لیکن مروان کی "صحابیت" مسلم ہونا تو دور کی بات ہے، اونچے درجے کے محدثین اور محققین کی اکثریت اسے صرف تابعی مانتی ہے صحابی نہیں، خود مولانا نے ابن حجر کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اشارہ کرتے ہیں کہ ابن حجر کے نزدیک وہ صحابی نہیں ہے، انھوں نے وله روية کہا وله صحبة نہیں کہا، حالانکہ اگر صرف دیکھنا ان کے نزدیک مروان کو "صحابہ" میں داخل کر دیتا تو وہ وله صحبة کہتے۔

مولانا نے "بخاری" کی تاریخ صغیر سے نقل کیا ہے کہ مروان ہجرت سے ۱۸سال قبل پیدا ہوئے لیکن تمام ثقہ مورخین اور محققین اس پر متفق ہیں کہ "بخاری" کو غلط اطلاع ملی، مروان حضورؐ کے جیتے جی ہر گز بالغ نہیں ہوا تھا، چنانچہ ابن عبد البرؒ، ابن کثیرؒ، ابن اثیرؒ، ابن حجرؒ، سب کی کتابوں میں اسکی وضاحت موجود

ہے، خود مولانا بنارسی نے "تاریخ خمیس" سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں وھو صبی کے الفاظ ہیں یعنی مروان اس وقت بچہ تھا۔

جس جگہ مولانا نے یہ لکھا ہے کہ:

"کثیر جماعت محدثین کے نزدیک مروان صحابی تھے۔"

(البدایہ ص ۲۵۷ ج ۸)

ٹھیک اسی جگہ ابن کثیر کے یہ الفاظ موجود ہیں، وکان عمره ثمان سنين حين توفي النبي وذكره ابن سعد في الطبقة الاولىٰ من التابعين (جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو مروان آٹھ سال کا تھا اور ابن سعدؒ نے اس کا ذکر تابعین کے طبقہ اولیٰ میں کیا ہے۔)

اگر ہم مزید کچھ نہ لکھیں تب بھی ظاہر ہے کہ مروان کی صحابیت کو مسلّم کہنا غلط نظر آرہا ہے مگر ہم تھوڑی سی وضاحت کریں گے۔

صحابیت کی تعریف:

صحابی کسے کہتے ہیں، اس میں اہل علم مختلف الرائے ہیں' مشہور فقیہ و محدث تابعی سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ ہم صحابی صرف اس شخص کو قرار دیتے ہیں جو سال دو سال حضورؐ کی صحبت میں رہا ہو 'اور اس نے ایک دو جہاد آپکی معیت میں کئے ہوں۔

واقدیؒ کہتے ہیں کہ اہل علم کو ہم نے یہ کہتے دیکھا ہے کہ جس آدمی نے حضورؐ کو دیکھا اور بالغ ہو کر اسلام لایا' اور دین کی بات سمجھنے کا اہل ہوا' اور دین کو اس نے پسند کر کے اختیار کیا' وہ ہمارے نزدیک صحابی ہے، خواہ اس نے چند ہی ثانیئے آپ کی صحبت پائی' امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب وہ حضرات ہیں جنھوں نے کچھ وقت آپؐ کی صحبت اٹھائی یا آپؐ کو دیکھا۔

قاضی ابو بکرؒ کہتے ہیں کہ جس نے بھی حضورؐ کی صحبت اٹھائی خواہ زیادہ وقت

یا کم وقت لغتاً وہ صحابی ہے، لیکن امت میں یہ اصطلاح قرار پاچکی ہے کہ صحابی کا اطلاق اسی پر کرتے ہیں جو کثیر الصحبت ہو، جن لوگوں نے گھڑی بھر آپؐ سے ملاقات کی' ان کے لئے "صحابی" کی اصطلاح جائز نہیں سمجھی گئی۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے تو صحابی ہر وہ شخص ہے جس نے گھڑی بھر بھی حضور کی صحبت اٹھائی ہو، لیکن عرف و اصطلاح میں اس کا اطلاق اس شخص پر ہوگا جس کی صحبت زیادہ ہو۔ (یہ تمام تفصیلات ابن اثیر کی "اسد الغابہ" جلد اول کے آغاز میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں) اب ان تفصیلات کی روشنی میں فیصلہ فرمایئے کہ جس مروان کی عمر حضورؐ کی وفات کے وقت آٹھ سال سے زیادہ نہ ہو'اس کی صحابیت کا کیا حال ہے، پھر ماہ گذشتہ "جائزہ حصہ دوم" میں آپ دیکھ چکے کہ مروان جب پیدا ہوا تو دوسرے بچوں کی طرح اسے بھی حضور ﷺ کے سامنے حصول برکت کی خاطر لایا گیا تھا' حضور ﷺ نے اس پر لعنت بھیجی۔ اس کے بعد آپؐ اس کے باپ "حکم" کو جلاوطن کردیتے ہیں اور یہ بھی اسی کے ساتھ چلاجاتا ہے'اور پھر خلافت عثمانیہ میں "مدینے" لوٹتا ہے۔

ایک نوزائیدہ بچے کا دیکھنا سراسر سطحی معنیٰ میں تو "دیکھنا" کہلایا جاسکتا ہے، شاید اسی لئے ابن حجر نے "رؤیۃ" کا اقرار کیا ہے' لیکن صحبت سے اس کا کیا تعلق؟ فی الاصل تو یہ "رویت" بھی نہیں۔ ہے چہ جائیکہ صحبت، عہد طفولیت کی اس بے مصرف اور شعور و تمیز سے خالی "رویت" کا لحاظ کرکے بے شک ان محدثین نے مروان کو "صحابی" کہدیا ہے جو زیادہ تر سطح پر رہنے کے قائل ہیں تہہ میں اترنے سے انھیں دلچسپی نہیں' لیکن اکابر محدثین اور کبار فقہاء میں سے کوئی ایسا نہیں جو مروان کو صحابی کہتا ہو۔

اس کے باوجود اگر مولانا ہارسی یہ فرماتے ہیں کہ "مروان کا صحابی ہونا مسلم ہے" تو خود سوچ لیجئے کہ وہ جہل و خود رائی کی کس وادی میں بھٹک رہے ہیں۔

عجیب احترام صحابہؓ:

دیگر معترضین کی طرح مولانا بنارسی کے بارے میں بھی ناشر کتاب نے یہ بتایا ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے صحابیت کی محبت و احترام میں لکھا ہے، مگر یہ احترام کس قسم کا ہے اس کا اندازہ فقط ایک فقرے سے کر لیجئے، صفحہ ۴۴ پر فرمایا:

> "جس وقت حضرت عثمان غنیؓ پر مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے' حضرت علیؓ نے "زبانی جمع خرچ" کے سوا ان کی ذرہ برابر بھی مدد نہیں کی، اور نہ ان کے جنازے میں شرکت کی بلکہ بعد میں انھیں ظالم قاتلین کو اعلیٰ ترین عہدے گورنری وغیرہ کے عطا کر دیئے' ہے کوئی تاویل اس کے لئے؟"

تاویل تو سب کے علم میں ہے کہ خود حضرت عثمانؓ شورش کاروں کے مقابلے میں تلوار اٹھانے اور طاقت استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے، پھر حضرت علیؓ یا کوئی اور عملاً کیا مدد کرتا، نیز اس عبارت میں جو کچھ کہا گیا ہے اسکے ایک ایک جز کا شافی جواب "خلافت و ملوکیت" میں موجود ہے بشر طیکہ اس کا مطالعہ مخالفانہ ذہن سے نہیں' بلکہ طلب حق کے ارادے سے کیا جائے' مگر ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ صرف اتنا سوال مولانا بنارسی اور ان کے ناشر سے کرنا چاہتے ہیں کہ کیا احترام کے مستحق صرف وہ صحابہ ہیں جن کا دفاع آپ مولانا مودودی کی ضد میں کر رہے ہیں' یا باقی صحابہ بھی کسی احترام و عقیدت کے مستحق ہیں، اگر ہیں تو پھر یہ کیسا احترام ہے جو آپ نے حضرت علیؓ کا کیا ہے؟ "زبانی جمع خرچ" کا طعنہ جس انداز میں آپ نے دیا ہے وہ تو صریحاً توہین انگیز ہے' حالانکہ حضرت علیؓ کا پایہ متفقہ طور پر حضرت معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اور مروان وغیرہ سے بلند ہے، حضرت علیؓ کا استخفاف کرنے والا بھی اگر احترام صحابیت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ محض نمائش ہے' صاف کہیئے آپ کو اصلاً صحابیت

وغیرہ کے احترام سے کوئی مطلب نہیں بلکہ مطلب صرف اس سے ہے کہ جس طرح بھی ہو مولانا مودودی کے چہرے پر سیاہی مل جائے، حضرت علیؓ کی تحقیر کا ایک اور انداز بھی مولانا نے اختیار کیا ہے، "ازالۃ الخفاء" کے حوالے سے انھوں نے شاہ ولی اللہؒ کی طرف یہ بات منسوب کی:

"خلافت حضرت مرتضیٰؓ قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت ان سے نہیں کی۔"

اس حوالے کا دجل تو بعد میں دیکھیے، اس سے یہ تو بہر حال ظاہر ہو گیا کہ مولانا بہارسی حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد تو کجا سرے سے خلیفہ ہی نہیں جانتے، بتایئے پھر اہل سنت والجماعت سے خارج مولانا بہارسی ہیں یا مولانا مودودی حضرت علیؓ کے چوتھے خلیفہ راشد ہونے پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

حوالے کا معاملہ یہ ہے کہ "ازالۃ الخفاء" کے جس صفحے کا مولانا نے حوالہ دیا ہے وہاں آس پاس بھی یہ عبارت موجود نہیں، البتہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے تمام خلفاء کی خلافت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے ان کے فروق پر بحث کی ہے، وہیں حضرت علیؓ کی خلافت کا پورا نقشہ کھینچا ہے، اس کا یہ مطلب دور دور نہیں کہ شاہ صاحب کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی، اس دعوے کے ثبوت میں ہم "ازالۃ الخفاء" سے شاہ صاحب کا ایک واضح اعتراف پیش کریں گے۔

مقصد اول، فصل پنجم میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

پس حضرت مرتضی بصفات کاملۂ خلافت خاصہ اتصاف داشتند و خلافت ایشان شرعاً منعقد شد.

"پس حضرت علی مرتضیٰ خلافت خاصہ کی کامل صفات سے متصف تھے اور انکی خلافت شرعاً منعقد ہوئی۔"

ویسے بھی عام دخاص سب جانتے ہیں کہ شاہ ولی اللہؒ اہل سنت کے اکابرین میں ہیں، ان کا احترام اور اعتراف عظمت ہر حلقے میں کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں افواہاً بھی کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت سے انکاری تھے، پھر آخر اسے ابلہ فریبی اور دھوکے کے سوا کیا کہیں گے کہ مولانا عباسی "ازالۃ الخفاء" کی مفصل بحثوں میں سے ایک ایسا جملہ اٹھا لیتے ہیں جو بے چارے کم علم عوام کو یہ یقین دلائے کہ حضرت علیؓ کی خلافت شاہ ولی اللہ کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوئی۔

اپنی پوری کتاب میں جگہ جگہ مولانا عباسی نے حضرت علیؓ کے بارے میں وہ توہین انگیز اور عامیانہ لب و لہجہ اختیار کیا ہے کہ کیا کہیئے، جو بد نصیب اس کتاب کو پڑھے گا اسے قدم قدم پر اس کا ادراک ہو جائے گا۔

دارالمصنفین (اعظم گڑھ) توجہ کرے:

جتنا کچھ ہم نے پیش کر دیا اس کے بعد "امارت و صحابیت" کے مندرجات پر مزید گفتگو کی ہرگز کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، جن لوگوں کے پاس یہ کتاب ہے وہ ہماری واضح کردہ خیانتوں اور مغالطہ انگیزیوں سے اندازہ کرلیں کہ بقیہ مندرجات میں بھی اسی فنکاری کا استعمال کیا گیا ہوگا۔

تاہم خاتمہ کلام پر ہم ایک ایسے جز پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی "سیرت النبی" جلد ثالث میں ایک عجیب غلطی رہ گئی ہے، حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ خلافت تیس سال ہے پھر بادشاہی ہے 'امت کے خواص و عوام سب میں معروف ہے مگر مولانا عباسی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غیر معتبر ہے دلیل یہ دیتے ہیں:

> "اول تو اس کے ایک راوی حشرج بن نباتہ الکوفیؒ ہیں جو ضعیف اور منکر الحدیث ہیں' دوسرے اس کے راوی سعید بن جمہان روایت کرتے ہیں حضرت سفینہؓ سے اور ان سے ان کا

لقا ثابت نہیں ہے۔" (ص ۲۱)

اہلِ علم خیال فرمائیں کہ مولانا نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ حدیث کس کتاب میں آئی ہے' آخر کیوں نہیں کیا؟ شاید اس لئے کہ اگر کر دیں گے تو اپنے قارئین کو یہ یقین دلانا مشکل ہو جائے گا کہ یہ حدیث غیر معتبر ہے "ترمذی شریف" کا نام عام لوگ بھی جانتے ہیں اور اکثر یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ حدیث کی چھ صحیح کتابوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے' راویوں کے بارے میں جو جرح فرمائی ہے وہ بھی اس لئے غیر علمی ہے کہ انھوں نے حدیث کی سند بیان نہیں کی' حالانکہ سند کے بغیر راویوں پر جرح چہ معنی؟ پھر جرح کے ساتھ انھوں نے کسی بھی صاحبِ فن یا کتابِ فن کا حوالہ نہیں دیا' حالانکہ کسی راوی کے ضعف وغیرہ کا ثبوت کتبِ فن ہی سے مل سکتا ہے نہ کہ یونہی زبان چلادینے سے 'سعید بن جمہان کی ملاقات اگر حضرت سفینہؓ سے ثابت نہیں ہے تو مولانا کو ان اساتذہ کا نام بتانا چاہئے تھا جو یہ کہتے ہوں کہ ملاقات کا ثابت نہ ہونا روایت کو غیر معتبر بنادیتا ہے' حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے "صحیح مسلم" پڑھی ہے انھیں خوب معلوم ہے کہ امام مسلمؒ اپنے مقدمے میں کس شدومد سے اس شرط کو رد کرتے ہیں اور مثالیں دے دے کر بتاتے ہیں کہ اگر ثبوت ملاقات نہ ہونے سے حدیث غیر معتبر ٹھیر جائے تو بے شمار صحیح احادیث رد ہو جاتی ہیں' چنانچہ "مسلم شریف" میں اس شرط کو انھوں نے قطعاً نظر انداز کر دیا..... تو کیا مولانا بنارسی اب "مسلم شریف" کو بھی ساقط الاعتبار قرار دیدیں گے۔

راویوں کی براہِ راست بحث سے ہٹ کر یہ بات سوچنے کی ہے کہ حدیث کی صحت و سقم اور ضعف و قوت کو صاحبِ "ترمذی" زیادہ جانتے تھے یا مولانا بنارسی زیادہ جانتے ہیں' ابو عیسےٰ ترمذیؒ امام بخاریؒ کے مشہور شاگردوں میں ہیں' "مسلم" "ابو داؤد" اور ان کے شیوخ سے بھی انھوں نے روایت لی ہے' ان کی کتاب "ترمذی" کو چار اعتبار سے دوسری تمام کتب پر فوقیت دی گئی ہے' ایک یہ کہ اس

میں تکرار نہیں ہے' ترتیب بہت نفیس ہے' دوسرے یہ کہ اس میں فقہاء کے مذاہب اوران کے دلائل بھی ایجاز کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں' تیسرے یہ کہ اس میں ہر حدیث کے بارے میں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ وہ کیسی ہے' صحیح ہے' حسن ہے' غریب ہے' ضعیف ہے یا معلّل ہے' چوتھے یہ کہ اس میں راویوں کے ناموں اور کنیتوں کے علاوہ بعض ایسے فوائد بھی بیان کیئے گئے ہیں جن کا تعلّق "علم الرّجال" سے ہے۔

جس حدیث کو مولانا بنارسی غیر معتبر فرمارہے ہیں اس کے بارے میں "ترمذی" کا کہنا ہے ھذا حدیث حسن قدرواہ غیر واحدعن سعیدبن جمھان (یہ حدیث حسن ہے اسے سعید بن جمھان سے متعدد راویوں نے روایت کیا ہے' جلد ۲۔ ص ۴۵ (باب ماجاء فی الخلافہ)

کیا مولانا بنارسی نہیں جانتے کہ "حدیثِ حسن" حدیث مقبول کے اقسام میں داخل ہے اور اس سے حجت پکڑی جاتی ہے' لطف یہ ہے کہ جس "ازالۃ الخفاء" سے مولانا جگہ جگہ استناد کرتے جارہے ہیں اسی میں شاہ ولی اللہؒ نے اس کو متعدد جگہ ذکر کیا ہے' فی الوقت دو حوالے ہم دے سکتے ہیں (۱) "ازالۃ الخفاء" مقصد اوّل۔ فصل چہارم' "مسند سفینہ" کی پہلی ہی حدیث (۲) مقصد اوّل۔ فصل پنجم ۔بیانِ فتن' یہاں شاہ صاحب نے ابوبکرہ ثقفی والی سند لی ہے۔

توکیا شاہ صاحبؒ صرف اسی وقت قابلِ اعتماد ہوتے ہیں جب مولانا بنارسی اپنے مطلب کے فقرے انکی کتابوں سے اٹھائیں' اور جب شاہ صاحبؒ کوئی ایسی روایت پیش فرمائیں جو مولانا مودودی کی تائید کرتی ہو' تو ان کا اعتماد ختم ہوجاتا ہے' ہم کہتے ہیں کہ "ترمذی" یا "بخاری" و "مسلم" بے شک قرآن نہیں ہیں' ان کی کسی روایت سے اگر کوئی انکاری ہو تو اسے دو طرح کی دلیلیں دینی ہوں گی' ایک فنی دوسرے نقلی' فنی سے مراد وہ اصولی طریقِ تنقید ہے جو ارباب فن میں مستند مانا گیا ہے' یہ نہیں کہ اطفالِ مکتب کی طرح کوئی جرح مبہم نقل کردی' یا کسی اور

بچکانے انداز میں راوی کو ساقط الاعتبار قرار دیدیا۔

اور نقلی سے مراد یہ ہے کہ سلف میں صدہا ناقدینِ حدیث اور حفّاظ گذرے ہیں جنھوں نے ان چوٹی کی کتابوں کو کئی کئی بار الف سے یا تک پڑھا ہے اور اپنے قیمتی خیالات ان کے بارے میں ظاہر کیئے ہیں تاکہ اخلاف ان سے فائدہ اٹھا سکیں' اگر ان کتابوں میں کوئی حدیث ایسی ہے جسے آج کا کوئی شیخ الحدیث غیر معتبر قرار دے رہا ہے تو لازمی بات ہے کہ پچھلے ناقدین حدیث میں بھی کچھ نہ کچھ بزرگ ایسے ملنے چاہئیں جنھوں نے ایسی ہی رائے ظاہر کی ہو' اگر نہیں ملتے تو اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں' یا تو یہ سب فن حدیث میں ناقص تھے کہ اس نقص کو نہ پکڑ سکے جسے آج کے شیخ الحدیث صاحب پکڑ رہے ہیں' یا پھر آج کے شیخ الحدیث فن سے نابلد ہیں' پہلی شکل کو تو کوئی نادان ہی قابلِ قبول تصور کر سکتا ہے لہٰذا دوسری شکل کو تسلیم کیئے بغیر چارہ نہیں۔

واضح رہے کہ یہ حدیث "ابوداؤد" "نسائی" "المستدرک" اور "سننِ بیہقی" میں بھی آئی ہے' علاوہ ازیں "شرح عقائد نسفی" میں اسے بطور عقیدۂ اساسی ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم یصیر بعدها ملکاً عضوضاً۔
(حضور ﷺ نے فرمایا) خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر اس کے بعد کٹکھنی بادشاہت ہے۔ (ص ۱۰۵ مطبع نظامیہ کانپور)

مولانا بہاری نے ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ یہ حدیث "مسلم" کی فلاں حدیث کے خلاف ہے' یہ دلیل دراصل ایک دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت عقلی و نقلی موجود نہیں' لیکن ہم اسکی بحث میں پڑ کر خواہ مخواہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتے' البتہ وہ عبارت نقل کریں گے جو مولانا بہاری نے "سیرت النبیؐ" سے پیش فرمائی ہے۔

"علمائے اہلِ سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا

مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ اشخاص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی ہے' اور وہ متقی تھے' حافظ ابن حجرؒ "ابو داؤد" کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت میں تمام امت کا اجتماع رہا' یعنی حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ' امیر معاویہؓ' یزید' عبدالملک' سلیمان' عمر بن عبدالعزیز' یزید ثانی ہشام۔"

مولانا بنارسی نے اس کے لئے "سیرۃ النبی" جلد ثالث صفحہ ۶۴۱ کا حوالہ دیا' ہمارے سامنے ۱۹۲۶ء والا ایڈیشن ہے' اس میں یہ عبارت صفحہ ۷۰۳ پر ملی' مولانا کی نقل میں باریک خیانت یہ ہے کہ "سیرۃ النبی" میں "یزید" پر رحمتہ اللہ علیہ کا مخفف "رح" نہیں ہے مگر مولانا کی نقل میں موجود ہے' یہ نازک سا فرق ان کے قارئین کو اس غلط نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی یزید کو "رحمتہ اللہ علیہ" لکھا کرتے تھے' حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے' سید صاحب مرحوم کی رائے یزید کے بارے میں صرف سات ہی صفحات بعد ملاحظہ کر لی جائے' وہ ذکر یزید کا عنوان ہی یہ دیتے ہیں :

"یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر" :

پھر لکھتے ہیں :

"امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی' مذہبی' اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولیں شب ہے۔" (ص ۷۰۹)

اور آگے کئی سطروں تک وہی خیالات ظاہر فرماتے ہیں جو یزید کے متعلق عام مسلمانوں کے ہیں۔

ہمارا خطاب اس "سیرۃ النبی" کے ناشر یعنی دارالمصنفین (اعظم گڑھ) کے موجودہ ارباب حلّ وعقد سے ہے' جو عبارت ابھی ہم نے نقل کی وہ بلاشبہ موجود ہے' لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ سیدّ صاحب مرحوم نے اس کے لئے حوالہ "سیوطی" کی تاریخ الخلفاء کے مقدمے کا دیا ہے' ہماری ناقص فہم میں نہیں آیا کہ یہ معاملہ کیا ہے' "تاریخ الخلفاء" کا مقدمہ ہم نے حرف حرف پڑھ ڈالا' وہاں تو مضمون یوں نہیں ہے' نہ تو قاضی عیاض ہی کا قول سیدّ صاحبؒ کی عبارت میں ٹھیک نقل ہو' نہ حافظ ابن حجرؒ کا' اہلِ علم جائزہ لے کر دیکھیں یہ ہوا ہے تو کیا ہوا ہے۔؟

دوسری بات ہم بصد ادب یہ عرض کریں گے کہ اثنا عشر خلیفۃ والی حدیث پر بارہ سطروں میں سیدّ صاحبؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی شانِ بلند سے ہم آہنگ نظر نہیں آتا' حدیث کی قابلِ فہم شرح تو ان سطور میں ہے نہیں' البتہ غلط فہمیاں پیدا کرنے کا سامان خاصا ہے جیسا کہ منقولہ عبارت سے ظاہر ہے' پتہ ہی نہیں چلتا کہ سیدّ صاحبؒ کیا کہنا اور کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔

ہمارا فدویانہ مشورہ یہ ہے کہ اگلے ایڈیشن میں اس پر ایک مفصّل حاشیہ ناشر کی طرف سے دیا جائے' جس میں حدیث کی مناسب تفہیم ہو' اس کے لئے امام نوویؒ کی شرح "مسلم" اور حضرت محدث مبارکپوریؒ کی "تحفۃ الاحوذی" کا مطالعہ کافی ہوگا' "شرح عقائد نسفی" بھی سامنے رہے تو بہتر ہے۔

تمت بالخیر:

باوجود کوششِ اختصار کے "امارت وصحابیت" کا تعارف قدرے طویل ہو گیا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے قلم کو بڑی مشکل سے لگام دینی پڑی ہے ورنہ جوں جوں اس کتاب کو پڑھا عجیب عجیب فن پارے نظر آتے چلے گئے۔

اللہ ان تمام حضرات پر اپنا رحم فرمائے جو مولانا مودودی کے تعصب میں آخرت کو' اخلاقی قدروں کو اور اپنے آپ کو بھول گئے ہیں۔

ضمیمہ نمبر ۲

تجدید سبائیت

حضرت مولانا محمد اسحٰق سندیلوی شیخ الحدیث کی تصنیفِ مبارک

"تجدید سبائیت" اس کتاب کا نام ہے جو مولانا محمد اسحٰق سندیلوی شیخ الحدیث نے مولانا مودودی کی "خلافت وملوکیت" کے رد میں تصنیف فرمائی ہے' یہ کتاب ہمیں بعد میں ملی ورنہ پہلے مل جاتی تو ہم مولنا محمد میاں کی "شواہد تقدس" کا جائزہ لینے کے بجائے اسی کا جائزہ لیتے کیونکہ مولانا محمد میاں صاحب نے اپنی کتاب میں جو جواہر پارے جمع کیئے ہیں ان میں سے اکثر وبیشتر اسی سے اٹھائے ہوئے ہیں' اب جبکہ "شواہد تقدس" کا سیر حاصل جائزہ لیا جاچکا' اس کتاب کے جائزے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

البتہ اس کتاب کی تمہید میں حضرت شیخ الحدیث نے مولانا مودودی کی "تفہیم القرآن" کی ایک عبارت پر جو شدید اعتراض کیا ہے اس پر ہم علم و تحقیق کی روشنی ضرور ڈالیں گے، تاکہ جن کم علم عوام کو اس اعتراض نے مولانا مودودی کے متعلق سوء ظن میں مبتلا کیا ہو' ان کی آنکھیں کھل جائیں' اور وہ اندازہ فرمالیں کہ ایسے بڑے بڑے مولانا اور شیخ الحدیث بھی غصے اور جوش سے مغلوب ہو کر کیسی کیسی ناانصافیاں دوسرے کے ساتھ کر گزرتے ہیں۔

حضرت موصوف نے اس پوری ہی کتاب میں جو روش اختیار فرمائی ہے وہ اہلِ علم کی سنجیدگی اور احساسِ ذمہ داری سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی‘ اہلِ علم کا معروف طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی عالم کی بعض آراء سے انھیں اختلاف ہوتا ہے تو وہ تہذیب و متانت کے دائرے میں رہ کر ان دلائل کو غلط ثابت کرتے ہیں جن کی بناء پر یہ آراء قائم کی گئی ہیں اور پھر ان دلائل کی وضاحت کرتے ہیں جن کی بناء پر خود انھوں نے کچھ آراء قائم کی ہیں‘ ایسا وہ ہرگز نہیں کرتے کہ فریق ثانی کو بلا تکلف بدنیت‘ خائن‘ فتنہ پسند‘ گمراہ‘ بددین‘ دشمنِ حق اور منافق و زندیق قرار دیتے چلے جائیں‘ اگر اہلِ علم کا یہ شیوہ ہوتا تو آج حنفیہ‘ شافعیہ‘ مالکیہ‘ اور حنبلیہ میں کوئی فقیہ‘ عالم اور امام ایسا نہ بچتا جسے گمراہی‘ بددینی اور بددیانتی کا خطاب نہ مل چکا ہوتا‘ کیونکہ عقائد‘ اصول اور مسائل فقہیہ میں ان کے شدید اختلافات قدم قدم پر موجود ہیں‘ اور صدیوں سے ان اختلافات کے میدانوں میں بحث و نظر کا سلسلہ جاری ہے‘ لیکن ہمارے زمانے کی بدترین بدعتوں میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ اچھے خاصے اہلِ علم اور شیوخ علمی مباحث کے میدانوں میں سنجیدگی‘ جذبہ عدل اور احساسِ ذمہ داری کو بالائے طاق رکھ کر اترتے ہیں اور براہِ راست علمی و تحقیقی دلائل سے سروکار رکھنے کے عوض وہ مدمقابل کی نیت پر شدومد سے حملہ آور ہوتے ہیں‘ اس کے ایمان و دیانت پر کیچڑ اچھالنے میں ذرہ برابر پس و پیش نہیں کرتے‘ اسے گمراہ اور بددین ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیتے ہیں‘ یہ اسلوب ثقہ اہلِ علم میں نہ پہلے کبھی مقبول رہا ہے نہ آج اس کی کوئی قیمت ہے۔

مولانا مودودی کی ”خلافت وملوکیت“ میں اگر شیخ الحدیث کو بعض ایسی چیزیں نظر آئی تھیں‘ جنھیں وہ اپنی دانست میں غلط سمجھتے تھے‘ تو انھیں یقیناً یہ حق پہنچتا تھا کہ عقل و نقل کے دلائل سے ان غلطیوں کی نشاندہی کر دیتے‘ اور مزید قوی دلائل دیتے ہوئے وضاحت فرماتے کہ صحیح کیا ہے؟ علمی تنقید کے اس مخلصانہ عمل میں اس کی ضرورت بالکل نہیں تھی کہ وہ شروع سے لے کر آخر تک

بار بار اپنے قارئین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کریں کہ مولانا مودودی کا ایمان معتبر نہیں، انھیں انبیاء سے بد عقیدگی اور صحابہؓ سے دشمنی ہے، وہ علمی یا فکری خطا کے طور پر نہیں، بلکہ مکمل بدنیتی کے ساتھ غلط آراء کا اظہار کر رہے ہیں، وہ "عبداللہ بن سبا یہودی" کی شیطانی ذہنیت کے علمبردار ہیں، وہ شیعہ ہیں، وغیر ذلک۔

ہمیں افسوس ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نے انتہائی جرأت اور بے باکی کے ساتھ یہی اسلوب اختیار کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا مطمحِ نظر محض علمی کوتاہیوں اور فکری لغزشوں کی نشاں دہی نہیں، بلکہ وہ مولانا مودودی کی آبرو اور نیک نامی اور عزت کو داغدار بنانے کا تہیہ کر کے کتاب لکھنے بیٹھے ہیں کتاب کے نام ہی سے ان کی ذہنیت کا اندازہ فرمالیجئے "سبائیت" کا لفظ "عبداللہ ابن سبا" کی نسبت سے بنا ہے وہ یہودی تھا، اس کی طرف جو کہانیاں منسوب ہیں وہ جس درجہ میں بھی سچی ہوں، بہر حال وہ بدترین کہانیاں ہیں، امت اس یہودی کو ایک ایسے فتنے کی حیثیت سے جانتی ہے جس کا مشن تھا انہدامِ دین، افتراق بین المسلمین، تخریب عقائد، ترویج کفر و زندقہ۔

حضرت شیخ الحدیث نے بہت ہی اطمینان اور بے تکلفی کے ساتھ مولانا مودودی کی طرف "سبائیت" کی نسبت کر دی، اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ خلافت و ملوکیت کوئی علمی کتاب نہیں ہے، بلکہ وہ تو ایک حربہ ہے یہودیت پھیلانے کا، اور مولانا مودودی حقیقتاً مسلمان نہیں ہیں بلکہ زندیق اور دشمن دین ہیں۔

جب نام ہی سے حضرت مصنف کی ذہنیت ظاہر ہو گئی، تو پھر کتاب کے اندر کیوں نہ یہ ذہنیت کھل کر سامنے آتی، چنانچہ ورق ورق پر اس کے مظاہر موجود ہیں اور حضرت شیخ نے صحابہ دشمنی، حق بیزاری، رفض و شیعیت اور خیانت و جہالت کے تمغے اس فراخدلی سے مولانا مودودی کو عطا کئے ہیں کہ شاید فرشتے بھی اس فیاضی پر حیرت زدہ رہ گئے ہوں۔

کمال یہ ہے کہ جوش تردید میں حضرت شیخ یہ سامنے کی بات بھی ملحوظ نہیں رکھ سکے، کہ مولانا مودودی کے جس خیال یا دعوے کو وہ صحابیت دشمنی یا انبیاء بیزاری یا شیعیت یا سبائیت کی گالی سے نواز رہے ہیں، کم سے کم اتنا تو دیکھ لیں کہ وہ خیال یا دعویٰ امت کے بہت سے ان اکابر نے بھی پیش کیا ہے، جن کی عظمت امت میں مسلم ہے، جنھیں امت مقتدا مانتی ہے جن کے امام اور علامہ ہونے میں دورائیں نہیں ہیں' اب مثلاً ولید بن عقبہ کا معاملہ ہے، مولانا مودودی نے تحریر کیا تھا کہ قرآن کی......ان جائکم فاسق بنباء والی آیت ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اگر حضرت شیخ الحدیث کے نزدیک یہ دعویٰ علمی اعتبار سے قابل اعتماد نہیں تھا' تو انھیں اس کی تردید سے قبل یہ ضرور دیکھ لینا چاہئے تھا کہ قدیم مفسرین نے اس سلسلہ میں کیا کہا ہے؟ اگر قدیم مفسرین نے ایسی کوئی بات نہ کہی ہوتی تب تو حضرت موصوف کو بے شک اس گرم گفتاری کا حق مل سکتا تھا کہ مولانا مودودی مفتری ہیں' صحابہ دشمن ہیں' شیعہ ہیں' انھوں نے اپنی طرف سے ایک دعویٰ گھڑ کر صحابی کی توہین کر دی ہے۔

لیکن اگر بڑے بڑے مفسرین ایسا ہی کہتے آئے ہیں تو حضرت موصوف کو زیادہ سے زیادہ جو حق پہنچتا تھا ' وہ یہ تھا کہ متانت اور شرافت کے ساتھ وہ اتنا کہہ دیں کہ ہمارے نزدیک یہ دعویٰ درست نہیں' اور اس کے نادرست ہونے کے یہ یہ دلائل ہیں۔

ہم ستمبر ۱۹۷۱ء کے "تجلی" میں صفحہ ۳۵ سے ۴۷ تک (۱۳ صفحات میں) بہت سے ان بزرگوں کے نام مع ان کی کتابوں اور عبارتوں کے پیش کر آئے ہیں جنھوں نے ٹھیک وہی بات کہی ہے جس کے کہنے پر حضرت موصوف مولانا مودودی کو سب و شتم اور طعن و تشنیع کے گرزوں سے زمین کی تہہ میں اتار دینا چاہتے ہیں' اگر "تجلی" کا یہ شمارہ قریب نہ ہو تو ان بزرگوں کے نام ہم یہاں لے دیں۔

(۱) قاضی ثناء اللہ صاحب "تفسیر مظہری" (۲) "امام بغوی" (۳) "طبرانی"

(۴) ابن جریر الطبری صاحب تفسیر (۵) علامہ ابو محمد عبدالحق صاحب "تفسیر حقانی" (۶) حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تفسیر "بیان القرآن" (۷) علامہ آلوسی صاحب تفسیر "روح المعانی" (۸) حضرت ابن عباس صحابی رسولؐ (۹) حافظ ابن کثیر صاحب تفسیر ابن کثیر (۱۰) قتادہ (۱۱) ابن ابی یعلیٰ (۱۲) یزید بن رومان (۱۳) "ضحاک" (۱۴) "مقاتل" ابن حبان (۱۵) صدیق بن حسن القنوجی البخاری صاحب تفسیر "فتح البیان" (۱۶) امام رازی صاحب "تفسیر کبیر" (۱۷) علامہ ابن السعود صاحب "تفسیر ابن السعود" (۱۸) "تفسیر خازن" (۱۹) تفسیر "فتح القدیر" (۲۰) "تفسیر بیضاوی" (۲۱) "الصاوی" علی الجلالین (۲۲) حضرت قطب شہید کی تفسیر "فی ظلال القرآن" (۲۳) "الجمل علی الجلالین" (۲۴) تفسیر جامع البیان (۲۵) ابن اثیر کی "اسد الغابہ" (۲۶) ابن عبد البر کی "الاستیعاب" (۲۷) حافظ ابن حجرؒ کی "الاصابہ" (۲۸) ابن تیمیہ کی "منہاج السنہ" (۲۹) حضرت عبدالقادر محدث دہلوی کی تفسیر "موضح القرآن"۔

یہ ۲۹ نام ہوئے، پھر ان میں سے بعض اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایک متفق علیہ بات ہے' اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔

اب اہل انصاف منصفی فرمائیں کہ جو بات اتنے کثیر اہل علم اور ائمہ واتقیاء نے قطعیت کے ساتھ کہی ہے وہی اگر مولانا مودودی دہرا دیتے ہیں تو کیا کوئی بھی ذمہ دار عالم ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ وہ طرز اختیار کر سکتا ہے جو حضرت شیخ الحدیث نے اختیار کیا ہے، اور موصوف نے تین چار صفحات میں ایسی عجیب و غریب تنقید اس موضوع پر کی ہے کہ جن لوگوں کو حقیقت حال کا پتہ نہ ہوگا وہ یہی تاثر لیں گے کہ مولانا مودودی نے دل سے گھڑ کر ایک الزام ولید بن عقبہ پر لگادیا ہے، اور مستند اہل علم میں سے کوئی بھی اس الزام کا ذکر نہیں کرتا' حضرت موصوف کی تنقید سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک "ابن کثیر" کے یہاں یہ روایت آئی ہے، بس، اور پھر آپ نے بہت تلخ و تند لہجے میں یہ بتایا ہے کہ

ابن کثیر کا بھی مطلب وہ نہیں تھا جو مولانا مودودی نے نکالا، بلکہ مودودی صاحب کی سمجھ نے ٹھوکر کھائی ہے، وہ ولید بن عقبہ کو فاسق کا مصداق قرار دے کر خود فسق کے مرتکب ہوئے، وہ زعم باطل میں مبتلا ہیں، وغیر ذلک۔

اے انصاف پسندو! ہے اس شان انصاف اور دیانت علمی کا کوئی جواب!

دوسری روایت ولید کے بارے میں مولانا مودودی نے یہ بیان کی تھی کہ انھوں نے شراب کے نشہ میں صبح کی چار رکعات پڑھادیں، اس روایت پر بھی ہم ستمبر ۷۱ء کے "تجلی" میں صفحہ ۴۷ سے ۵۵ تک روشنی ڈال چکے ہیں' اسے امر واقعہ ماننے والوں میں سے ہم نے درج ذیل بزرگوں کے نام پیش کئے تھے۔

(۱) حافظ ابن حجر شارح بخاری (۲) علامہ عینی حنفی شارح بخاری (۳) ابن عبدالبر صاحب "الاستیعاب" (۴) شیخ اسمٰعیل حنفی صاحب تفسیر "روح البیان" (۵) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب "تحفہ اثنا عشریہ"۔

مزید یہ کہ حضرت عثمانؓ نے خلیفہء وقت کی حیثیت سے ولید پر شراب نوشی کی حد جاری کی، شارح مسلم امام نووی کہتے ہیں کہ صحابہ نے بالاتفاق ولید کو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا تھا، ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ چونکہ علماء صحابہ اور اکابر صحابہ کی موجودگی میں ہوا تھا اس لئیے اس پر اجماع ہے، حضرت شیخ الحدیث اس سے انکار نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود وہ شدومد اور قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ولید نے شراب ہرگز نہیں پی تھی' ان پر جھوٹا الزام لگایا گیا اور صحابہ نے اس الزام کو جھوٹا ہی تصور کیا' سزا تو اس لیئے دینی پڑی کہ قانون کے مطابق گواہی کے ذریعہ جرم ثابت ہوگیا تھا، اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ حضرت عثمانؓ و علیؓ وغیرہ نے جرم کو سچا بھی سمجھا ہو۔

حضرت موصوف نے گواہوں کے جھوٹا ہونے کے لیئے کچھ عقلی دلائل بھی پیش فرمائے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ان واضح دلائل کی وجہ سے گواہوں کا جھوٹا ہونا اظہر من الشمس ہے' اب ہم اہل انصاف سے اس علم کلام کے مضمرات

و نتائج پر توجہ کرنے کی التجاء کریں گے' اس کا ایک مطلب تو یہ نکلا کہ جن گواہوں کی شہادت پر حضرت عثمان اور حضرت علی جیسے اکابر صحابہ نے ولید کی شراب نوشی کو امر واقعہ مان کر حد شرعی جاری کی' ان کا جھوٹا ہونا ایسے روشن دلائل سے واضح تھا کہ ہر صاحب عقل انھیں باآسانی سمجھ سکتا تھا، لیکن یہ صحابہ معاذاللہ معمولی عقل بھی نہ رکھتے تھے کہ ان دلائل کا ادراک کر سکتے۔

دوسرا مطلب یہ نکلا کہ صحابہ میں سوجھ بوجھ نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی تھی، حتیٰ کہ وہ حدود شرعیہ کے اجراء میں بھی محتاط نہیں تھے۔

تیسرا مطلب یہ نکلا کہ وہ بڑے بڑے ائمہ اور فقہاء نادان ہی تھے' جنھوں نے اسی واقعے پر یہ اجتہاد کیا ہے کہ جو شخص شراب کی "قے" کرے، اس پر شراب نوشی کی حد جاری ہوگی، ضروری نہیں کہ اسے پیتے ہوئے دیکھا جائے بلکہ "قے" میں شراب کا پایا جانا ہی پینے کی دلیل قطعی ہے۔

اگر حضرت شیخ کے دعوے کے مطابق گواہیاں سرے سے جھوٹی ہی تھیں تو پھر ولید نے شراب کی "قے" کی ہی نہیں تھی، جب کی ہی نہیں تھی تو امام مالک یا امام شافعی یا کسی اور امام فقہ کا اس واقعے سے استدلال کوئی معنی نہیں رکھتا، استدلال کے صریح معنی یہ ہیں کہ یہ اکابر اس واقعے کو درست سمجھتے تھے کہ ولید نے شراب کی "قے" کی، اب آیئے ذرا یہ کمال بھی دیکھ لیجئے کہ ولید کی صفائی کے لیئے حضرت شیخ کے پاس تاریخی دلیل کیا ہے؟ دلیل "طبری" کی ایک روایت ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے انتقاماً ولید کے خلاف سازش کی اور انھیں شراب نوشی کا مجرم ٹھہرایا' بس' اسی ایک روایت کو منجملہ "وحی" قرار دے کر حضرت موصوف پورے جزم ووثوق اور زور و شور سے دعویٰ کیئے چلے جارہے ہیں کہ ولید نے شراب نہیں پی تھی، انھیں سزا صحیح نہیں دی گئی۔

اور جس "طبری" کی یہ روایت ہے اس کے بارے میں حضرت موصوف کی رائے کا اندازہ ان کے فقط ایک جملے سے کر لیجئے کہ:

" "طبری" جیسا مورخ جس میں خاصا تشیع ہے اور جو حتی الامکان صحابہ کی تنقیص کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہے۔" (ص ۳۱۳)

حضرت نے "طبری" کو پکا شیعہ اور تقیہ باز اور دشمن صحابہ ثابت کرنے کے لیئے اپنی کتاب میں خاصی لمبی بحث کی ہے' یہ بحث ہمارے نزدیک تو مغالطوں اور کج فکریوں کے مجموعے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، لیکن موصوف بہر حال اس کے مدعی ہیں کہ ابن جریر طبری ہرگز ہرگز لائق استناد نہیں۔

مگر اپنی ضرورت کے وقت وہ سب بھول کر اس پر مصر نظر آتے ہیں کہ "طبری" کی اس روایت کو لازماً درست مانا جائے، جس کے ذریعہ ابن حجر اور عینی اور ابن عبد البر اور شاہ عبد العزیز وغیرہم کو جھٹلانا آسان ہو جاتا ہو، اور جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ نے گواہوں کے صدق و کذب کی جانچ کیئے بغیر ولید پر حد بادہ خواری جاری کر دی۔

پھر لطف یہ ہے کہ "طبری" کی اس روایت سے حقیقتاً کسی بھی سچائی کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہو رہی ہے، اگر کچھ لوگ ولید کے دشمن تھے اور ان سے بدلہ لینا چاہتے تھے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ ولید کی شراب نوشی کا واقعہ غلط تھا، دشمن ہمارے خلاف سچے اور جھوٹے سبھی طرح کے شواہد لاتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ اگر کچھ لوگ ہمارے دشمن ہوں تو وہ صرف جھوٹی ہی گواہیاں لائیں' بلکہ ہمارے کسی حقیقی عیب و جرم کو بھی وہ منظر عام پر لا سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا محمد میاں صاحب کی طرح حضرت شیخ الحدیث کے یہاں بھی روایتوں کے صدق و کذب کا کوئی ٹھوس اور علمی معیار نہیں ہے' بلکہ ان کے اپنے مفروضات اور خواہشات اور مزعومات معیار بن گئے ہیں، جب چاہے یہ حضرات حافظ ذہبی، ابن حجر، ابن عبد البر، ابن سعد اور جس بزرگ کو بھی چاہے یکسر ناقابل اعتبار قرار دیدیتے ہیں، اور جب چاہے ان ہی حضرات کی سند

سے اپنے مطلب کی کوئی روایت اس طرح اٹھالاتے ہیں، جیسے آسمان سے آیت اتار لائے ہوں' یہی اگر علمی طریقہ ہے تو پھر ہمیں تسلیم ہے کہ علم کی ہمیں ہوا بھی نہیں لگی۔

بہر حال اس تمہید کے بعد ہم اس اعتراض کو لیتے ہیں جس پر ہمیں شرح و بسط سے گفتگو کرنی ہے' حضرت شیخ نے کتاب کے صفحہ ۲۵ سے ۲۷ تک مولانا مودودی اور ان کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے تعلق سے درج ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے:

"میں موصوف کے حالات سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ لیکن اس کتاب کو نیز ان کی اسی قسم کی سابق تحریروں کو دیکھ کر میرا اندازہ یہ ہے کہ موصوف کا بچپن شیعی ماحول میں بسر ہوا ہوگا' اور سبائیت کے ایمان خوار جراثیم ان کے قلب و دماغ میں اسی وقت سے داخل ہو چکے ہیں' بزرگوں کے ساتھ موصوف کے رویہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دامن عصمت کو بھی داغدار بنانے کی سعی لاحاصل کی ہے' چنانچہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"تاہم قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونسؑ سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں، اور غالباً انھوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا، اس لیئے جب آثار عذاب دیکھ کر آشوریوں نے توبہ و استغفار کی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا۔"

(تفہیم القرآن ۲۰۷سورۂ یونس ص ۹۹)

اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں کوتاہی کرنا کتنا بڑا جرم اور گناہ ہے، اس کی تصریح کی ضرورت نہیں، مودودی صاحب یہ جرم ایک نبی معصوم کی طرف منسوب کر رہے ہیں، کیا یہ جرم عصمت کے منافی نہیں؟ کیا اس کی نسبت کسی نبی کی طرف کرنا، سخت بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے؟ شیعہ کہتے ہیں کہ خلافت علیؓ کا اعلان کرنا نبی کریم ﷺ پر فرض تھا۔ مگر آپؐ نے بخوف شیخین اس کا صاف صاف اعلان نہیں کیا، اس طرح گویا معاذ اللہ آپ نے ایک فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کی، مودودی صاحب بھی باطناً شیعہ ہیں، لیکن ظاہری سنیت کی وجہ سے صاف صاف اس عقیدے کا اظہار نہیں کر سکتے، اس لیئے انھوں نے حضرت یونس کی طرف اس جرم کو منسوب کر کے ذہن کو شیعوں کے مندرجہ بالا عقیدے کے لیئے تیار کرنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ اگر ایک نبی ادائیگی فرض میں کوتاہی کر سکتا ہے تو دوسرے انبیاء کے متعلق بھی یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے۔"

حضرت نے اپنے اندازہ و قیاس سے مولانا مودودی کے بارے میں یہاں جس "حسن ظن" کا اظہار فرمایا ہے اس پر تو ہمیں کچھ کہنا نہیں، آخرت میں اللہ تعالیٰ خود فیصلہ فرمائے گا کہ مولانا مودودی سبائی تھے' یا شیعہ' یا دشمن دین وایمان' اور حضرت شیخ نے ان پر قیاس و تخمین کے تیر چلا کر انصاف کیا تھا یا ظلم؟ ہم صرف اس اقتباس پر علم و تحقیق کی روشنی ڈالتے ہیں جسے "تفہیم القرآن" سے اٹھا کر ہدف اعتراض بنایا گیا ہے۔

اعتراض کا حاصل وصول اچھی طرح ذہن نشین فرمالیں' حضرت شیخ نے اس اعتراض میں صاف طور پر تین دعوے کیئے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ حضرت یونس علیہ السلام سے اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں ہرگز کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔

(۲) دوسرا یہ کہ فرض منصبی میں کسی بھی قسم کی کوتاہی کرنا عقیدۂ عصمت کے خلاف ہے، جو شخص یہ کہتا ہے کہ کسی نبی سے اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں کوئی کوتاہی ہوئی وہ عصمت انبیاء کے عقیدے سے منحرف ہے اور اس کا یہ قول انبیاء کے دامن عصمت کو داغدار بنانے والا ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ فرض منصبی میں کوتاہی کے جرم کا انتساب حضرت یونسؑ کی طرف مولانا مودودی ہی کی طباعی اور جدت ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کو شیعوں کے ایک غیر صحیح عقیدے کے لئے تیار کیا جائے، وہ اس حرکت سے شان نبوت میں بے ادبی اور گستاخی کے مجرم بنے ہیں۔

ناظرین بغور حضرت شیخ کی منقولہ تحریر پڑھنے کے بعد فیصلہ کریں کہ ہم نے ان کی طرف کوئی دعویٰ غلط طور پر تو منسوب نہیں کیا۔؟

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن حضرت یونسؑ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتا ہے۔

قرآن کی چار سورتوں میں حضرت یونس کا واقعہ بیان ہوا ہے' سورۂ یونس، سورۂ الانبیاء، سورۂ الصافات اور سورۂ القلم (نون)۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ جس قوم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے' اس نے عرصہ تک آپ کی دعوت حق پر کان نہیں دھرے اور کفر و شرک پر جمی رہی، آپ کا مذاق اڑاتی' آپ کو ایذائیں پہنچاتی اور دعوت حق سے ٹھٹول کرتی، آپ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا' غضبناک ہو کر قوم کے لیئے عذاب الٰہی کی بددعاء کی اور مارے غصے کے شہر سے نکل گئے، دریا کے کنارے پہنچتے ہیں تو ایک کشتی آپ دیکھتے ہیں جو مسافروں سے لبالب ہے، آپ بھی اس میں بیٹھ گئے اور کشتی چل دی' راہ میں طوفان آیا، تند ہواؤں نے کشتی کو گھیر لیا مسافروں کو یقین ہو گیا کہ اب ڈوب جائیں گے، اس

وقت ان لوگوں نے اپنے عقیدے کے مطابق یہ بات کہی کہ ضرور ہماری کشتی میں کوئی آقا سے بھاگا ہوا غلام آ گھسا ہے، جب تک اسے نہ نکالا جائے گا کشتی ڈوبنے سے نہ بچے گی۔

حضرت یونس نے یہ بات سنی تو معاً ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ میں اللہ کی اجازت کے بغیر قوم سے بھاگ کھڑا ہوا ہوں' یہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں ہی وہ غلام ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہے، یہ خیال آتے ہی آپ نے اہل کشتی سے کہا کہ مجھی کو کشتی سے پھینکو، میں ہی مفرور غلام ہوں، اہل کشتی نے اسے نہ مانا کیونکہ وہ آپ کو پاکباز تصور کرتے تھے، پھر انہوں نے باہم طے کر کے قرعہ ڈالا کہ جس کا نام نکلے اسی کو کشتی سے پھینکا جائے، اب قرعہ ڈالتے ہیں تو حضرت یونس ہی کا نام نکلتا ہے، اس کے بعد مجبوراً انھوں نے انھیں دریا میں ڈالا، اور اسی وقت ایک مچھلی نے اللہ کے حکم سے انھیں سموچا نگل لیا، مچھلی کے پیٹ میں انھیں اور زیادہ احساس ہوا کہ "وحی الٰہی" کا انتظار کیئے بغیر میرا قوم سے خفا ہو کر نکل بھاگنا بڑا قصور تھا، اسی کی سزا میں مجھے یہاں قید کیا گیا ہے، اس وقت انھوں نے اس طرح دعاء کی کہ لا اله الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین (اے معبود تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں بے شک تو پاک ہے اور میں خود ہی ظلم کرنے والوں میں ہوں) اس دعاء پر اللہ تعالیٰ نے انھیں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر چٹیل زمین پر ڈالا، اور ان پر سائے کے لیئے ایک بیل دار درخت لگادیا۔

پھر حالت ٹھیک ہو جانے پر انھیں "وحی" کے ذریعہ حکم ملا کہ واپس قوم میں جائیں اور اس کی رہنمائی کریں، قوم کا حال یہ تھا کہ جب حضرت یونسؑ اسے چھوڑ کر چل دیئے تو اسے خیال ہوا کہ یونس اللہ کے پیغمبر تھے اور ہم نے ان کی دعوت کو ٹھکرا کر غلطی کی ہے' چنانچہ وہ انتظار میں رہی کہ کب یونسؑ واپس لوٹیں اور کب ہم ان کے ہاتھ پر حق کی بیعت کریں۔

یہ ہے حضرت یونس علیہ السلام کا وہ قصہ جسے ہم نے تفسیری بحثوں اور

تفصیلوں سے قطع نظر کر کے صرف قرآن سے نقل کیا ہے اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اس میں حضرت یونسؑ کے کردار کے چند پہلو بالکل واضح ہیں۔

(۱)وہ قوم کی سرکشی اور نافرمانی پر اس صبر و تحمل کا مظاہرہ نہ کر سکے جو انبیاء کے لیئے ضروری ہے، ان کا فرض منصبی تھا کہ جب تک اللہ ہجرت کا حکم نہ دیتا قوم میں دعوت حق کا کام کیئے جاتے خواہ قوم کتنی ہی سرکشی کرتی، مگر انھوں نے حکم الٰہی کا انتظار نہیں کیا بلکہ غصے ہو کر اور گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس وقت کے لیئے اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

وذا لنون اذ ذهب مغاضبا فظن ان لن نقدر عليه (الانبیاء آیت ۸۷)

اور (یاد کرو قصہ یونسؑ کا) جب وہ جوش غضب میں نکل کھڑا ہوا، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اسے۔

یہ قرآن کی نص ہے، حضرت یونسؑ کو غصہ کس پر تھا یہ تو ایک تفسیری بحث ہے جسے بقدر ضرورت آگے لیا جائے گا، یہ بہر حال قرآن کا بیان ہے کہ وہ سخت غصے میں تھے، اور اس حالت غیض میں قوم سے بھاگتے ہوئے ان کا ذہن کچھ اس قسم کا تھا کہ گویا اب وہ اللہ کی پکڑ سے باہر ہوئے، ظاہر ہے فی الحقیقت حضرت یونسؑ ایسے کفریہ خیال میں گرفتار نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ بھاگ کر اللہ کی دسترس سے نکل سکتے ہیں، لیکن اللہ نے ان کی شدید ہیجانی کیفیت اور غیظ و غضب کے لیئے یہی ارشاد فرمانا مناسب سمجھا کہ ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ گمان کر رہے ہوں کہ اب انھیں ہم نہ پکڑ سکیں گے۔

اندازہ فرمایئے کہ اس طرح کا غصہ اور ایسی ذہنی کیفیت اس شان تحمل اور صبر و طاعت کے خلاف ہے یا نہیں جو انبیاء کے شایان شان ہے۔

(۲) خود حضرت یونسؑ معترف ہیں کہ بے شک مجھ سے غلطی ہوئی یہ جو مچھلی کے پیٹ میں مجھے قید کیا گیا ہے یہ میرے ہی قصور کی منصفانہ سزا ہے، اس

موقعہ کے لیئے قرآن کے الفاظ ہیں۔

فالتقمه الحوت وهو مليم

پھر نگل لیا اسے مچھلی نے اور اس وقت وہ ملیم تھا۔

ملیم کا ترجمہ مختلف اردو تفسیروں میں جدا جدا کیا گیا ہے۔(۱)وہ الزام کھایا ہوا تھا(۲)وہ قابل ملامت تھا(۳)وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا۔

ہر حالت میں یہ بیان قرآن ہی کا ہے کہ جس وقت مچھلی نے اسے نگلا' اس وقت اس سے ایک ایسا فعل صادر ہو چکا تھا جو قابل ملامت تھا، اور قرآن ہی یہ بتاتا ہے کہ اگر وہ اپنے قصور پر اللہ سے گڑگڑا کر معافی نہ چاہتا اور اعتراف قصور نہ کرتا تو مچھلی کے پیٹ سے نہ نکالا جاتا۔

فلولا انه كان من المسبحين للبث فى بطنه الى يوم يبعثون (الصفت)

اگر نہ ہوتا وہ تسبیح کرنے والا تو رہتا اسی مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک۔

(۳)جس بے صبری اور جلدبازی کا صدور' حضرت یونسؑ سے ہوا وہ قصور اور خامی ہی کے دائرے کی چیز تھی، وحی الٰہی کے بغیر قوم کو چھوڑ جانا اور نامناسب غیظ و غضب میں مبتلا ہونا فرائض نبوت کے باب میں ایک ایسی کوتاہی تھی جس کو اللہ نے صریحاً قصور ٹھہرایا اور اس کی سزا دی، "سورۂ القلم" میں اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو پیغمبرانہ استقلال اور تحمل کی تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فاصبر لحكم ربك ولا تكن كصاحب الحوت اذ نادىٰ وهو مكظوم۔

اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کی اور مت ہو جا مچھلی والے کی طرح، جب پکارا اس نے اور وہ غصے میں بھرا ہوا تھا۔

دیکھا آپ نے، حضرت یونسؑ کا عمل ہجرت کتنا جلد بازانہ اور ناپسندیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر کو خصوصیت کے ساتھ اس سے دامن کش اور بالاتر رہنے کی تاکید فرما رہا ہے، اس آیت کا اسلوب بہت ہی ابھرے ہوئے انداز میں محسوس کرا رہا ہے کہ حضرت یونس (صاحب الحوت) کی بے صبری اور عدم برداشت فرائض نبوت کی ادائیگی میں ایسی کھلی کوتاہی تھی' جسے اللہ تعالیٰ مثالی انداز میں پیش فرما رہا ہے' چنانچہ علامہ شبیر احمد جیسا محتاط اور شائستہ مفسر اس آیت کی تفسیر میں یہ الفاظ لکھتا ہے۔

"یعنی مچھلی کے پیٹ میں جانے والے پیغمبر (حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرح مکذبین کے معاملہ میں تنگدلی اور گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجئے۔"

اور لفظ مکظوم کے تحت یہ سپرد قلم کرتا ہے:

"یعنی قوم کی طرف سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے۔ جھنجھلا کر شتابی عذاب کی دعاء بلکہ پیشین گوئی کر بیٹھے۔"

یہ ہے حضرت یونس علیہ السلام کا وہ قصہ جو خود قرآن میں محفوظ ہے، آیئے چند اکابر علماء کا حال بھی دیکھیں کہ وہ اس باب میں کیا کیا کہہ رہے ہیں؟۔

تفسیر "روح المعانی" کے شہرۂ آفاق مفسر آلوسی اذ ابق الی الفلك المشحون کے تحت لکھتے ہیں:

"ابق کے معنی غلام کا آقا سے فرار ہو جانا ہے حضرت یونسؑ چونکہ اپنے خدا کی اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اس لیئے یہ لفظ ان پر صادق آیا۔" (روح المعانی جلد ۲۳، صفحہ ۱۳۰)

"سورۂ انبیاء" کی جو آیت ہم اوپر نقل کر آئے اس کے تحت علامہ آلوسی رقمطراز ہیں:

"حضرت یونس کا قوم سے خفا ہو کر چلا جانا "ہجرت" کا فعل تھا لیکن یہ ہجرت انھوں نے اللہ کی اجازت کے بغیر کی"

(جلد ۷ صفحہ ۷۷)

اس کے بعد وہ حضرت یونسؑ کی دعاء کے فقرے انی کنت من الظلمین کا مطلب یوں بیان فرماتے ہیں:

"میں بے شک خطاوار تھا کہ طریق "انبیاء" کے خلاف، خدا کا حکم ملنے سے قبل نکل کھڑے ہونے میں عجلت سے کام لیا، یہ حضرت یونسؑ کی طرف سے اپنے گناہ کا اعتراف بھی تھا اور توبہ کی طلب بھی، تاکہ خدا ان کی مصیبت دور کر دے۔"

(جلد ۷ صفحہ ۷۸)

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں "سورہ الصافات" کی تشریح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"حضرت یونسؑ کی قوم کو ہلاک کرنے کا وعدہ اللہ نے فرمایا تھا لیکن حضرت یونسؑ نے غلطی سے یہ سمجھا کہ یہ عذاب لازماً نازل ہوگا' اور اسی لیئے دعوت کا کام چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے، صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا، ان پر واجب تھا کہ اللہ کی طرف سے حکم ہجرت جب تک نہ آتا اپنا کام کیئے جاتے' کیونکہ یہ امکان بہر حال موجود تھا کہ قوم سنبھلے اور عذاب اس سے ہٹالیا جائے۔" (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۵۸)

حکیم الامۃ مولانا اشرف علی "بیان القرآن" میں فرماتے ہیں:

"وہ اپنی قوم پر جبکہ وہ ایمان نہ لائی خفا ہو کر چل دیئے اور قوم پر سے عذاب ٹل جانے کے بعد بھی خود واپس نہ آئے اور اس سفر کے لیئے ہمارے حکم کا انتظار نہ کیا۔" (بیان القرآن' تفسیر الانبیاء)

ان چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے ہم ہر صاحب فہم سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ایک بار پھر پلٹ کر مولانا مودودی کی "تفہیم" والی عبارت اور اس پر حضرت شیخ الحدیث کا شدید اعتراض پڑھ لے اور فیصلہ دے کہ حضرت معترض کا اعتراض درست ہے یا مولانا مودودی نے جو کچھ کہا ہے وہ عین قرآن ہے۔

حضرت یونسؑ کا اللہ کی اجازت کے بغیر قوم کو چھوڑ کر نکل جانا قرآن ہی کا صریح بیان ہے اور یہ بھی قرآن ہی نے بیان کیا ہے کہ یہ فعل بے صبری اور جلد بازی پر مبنی تھا، اسے لائق تعزیر اللہ ہی نے ٹھہرایا اور اسکی سزا میں مچھلی کے پیٹ کو حضرت یونسؑ کا قید خانہ بنایا، "انبیاء" علیہم السلام کی مستند تاریخوں میں آپ کہیں نہیں پائیں گے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی کسی نبی نے اللہ کی اجازت کے بغیر تبلیغ سے ہاتھ اٹھاکر فرار کی راہ اختیار کی ہو، قوموں کی سرکشی، ایذاء رسانی، تضحیک اور عداوت سے سابقہ کون سے نبی کو نہیں پڑا، کیا ہمارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا حضرت نوحؑ ، کیا حضرت لوطؑ ، کیا حضرت عیسیٰؑ سبھی انبیاء کو ان شدید ابتلاؤں سے گذرنا پڑا ہے، لیکن ایک مثال موجود نہیں کہ وہ جھنجھلا کر، طیش میں آکر بلا اذن الٰہی قوم سے بھاگ نکلے ہوں، یہ فعل تنہا حضرت یونسؑ ہی سے سرزد ہوا تھا اور اسی لیئے اسے فرائض نبوت کے خلاف، شان نبوت کے منافی اور پیغمبرانہ صبر و تحمل سے دور قرار دیتے ہوئے اللہ نے انھیں سزا دی اور پھر اپنے آخری پیغمبر کو سخت ترین حالات میں خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرمایا کہ خبردار یونسؑ جیسی جلدبازی مت کر بیٹھنا۔

"کوتاہی" کا لفظ گناہ، ذنب، اثم، قصور، خطا سب سے ہلکا لفظ ہے، ابھی ہم حوالہ دیں گے کہ بعض اکابر علمانے حضرت یونسؑ کے قصور کو "گناہ" سے تعبیر کیا ہے اور صاف کہا ہے کہ انھوں نے ایک ایسے طریقے کو ترک کیا جو ان پر واجب تھا، لیکن مولانا مودودی نے صرف "کوتاہی" پر اکتفا کیا، اس کے باوجود اگر حضرت شیخ وہ اعتراض فرماتے ہیں جو آپ پڑھ چکے، تو خدارا انصاف فرمایئے کہ

عدل، دیانت، سنجیدگی اور شرافت کس کونے میں جاکر منہ چھپائیں، کیا حضرت یونسؑ کی طرف کوئی کوتاہی مولانا مودودی کی منسوب کردہ ہے یا صریح الفاظ قرآنی اس کی خبر دے رہے ہیں، غیر ضروری طور پر غصہ کرنا، متعین طور پر عذاب کی پیشین گوئی کرنا، اجازت خداوندی کے بغیر دعوت کا کام چھوڑ کر بستی سے چلا جانا اور قوم کے حق میں دوسرے "انبیاء" کی طرح مسلسل دعاء کرنے کے بجائے بددعاء کرنا' یہ سب افعال قرآن ہی کے بیان فرمودہ ہیں، تو کیا ان پر کوتاہیوں کا اطلاق نہیں ہوتا' کیا یہ لائق تعریف کارنامے تھے ؟ اگر لائق تعریف تھے اور ان پر فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیوں کا اطلاق نہیں ہوتا تو پھر خدا کی ڈانٹ ڈپٹ، سزا ہی اور حضرت یونسؑ کا اعتراف خطا اور توبہ سب نعوذ باللہ افسانے ہی ہوں گے، اور یہ جو اللہ نے حضورؐ سے فرمایا کہ خبردار یونسؑ جیسے مت ہو جانا یہ بھی مذاق ہی ہوگا نعوذ باللہ من ذلك۔

حضرت شیخ کے یہ الفاظ بار بار پڑھیے:

> "اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں کوتاہی کرنا کتنا بڑا جرم اور گناہ ہے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں، مودودی صاحب یہ جرم ایک نبی معصوم کی طرف منسوب کر رہے ہیں کیا یہ جرم عصمت کے منافی نہیں۔"

اور سوچئے کہ قرآن کے بتائے ہوئے سچے واقعات کے علاوہ کون سا جرم ہے جسے مولانا مودودی نے نبی معصوم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

فرض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی چھوٹا جرم ہو یا بڑا، اسے ہلکا گناہ کہیے، یا شدید، مولانا مودودی پر اس سے اعتراض کا موقعہ کہاں پیدا ہوتا ہے' حضرت یونسؑ سے جو کچھ سرزد ہوا اس کی اطلاع مودودی نے نہیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے بتایا ہے کہ یونسؑ نے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کی، ہماری اجازت کے بغیر جوش غضب میں نکل کھڑا ہوا، قوم کے لیئے

عذاب کی پیشین گوئی کردی' حالانکہ یہ عذاب لازماً واقع ہونے والا نہیں تھا اور ہم نے اسے واقع نہیں کیا۔

اب اگر حضرت شیخ کے نزدیک قرآن کی دی ہوئی یہ خبریں "عصمت انبیاء" کے منافی ہیں' تو "عصمت انبیاء" کو داغدار کرنے کا الزام مولانا مودودی پر کیسے لگ سکتا ہے جبکہ خبریں تو قرآن نے دی ہیں، کیا مولانا مودودی یہ کرتے کہ قرآن جو کچھ صاف الفاظ میں بیان کر رہا ہے اس کے برخلاف یہ تفسیر لکھتے کہ حضرت یونس سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی؟ انھوں نے کوئی بے صبری نہیں دکھائی؟ وہ تو بس تفریحاً مچھلی کے پیٹ میں جاکودے تھے؟ اور کچھ روز سیر فرماکر لوٹ آئے اور یہ جو اللہ انھیں ملیم اور مکظوم اور آبق (آقا سے فرار شدہ غلام) کہہ رہا ہے اور حضور کو تنبیہ کر رہا ہے کہ یونسؑ جیسے مت ہو جانا یہ سب نعوذ باللہ بے معنی باتیں ہیں؟۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مودودی کے عناد اور تعصب نے حضرت شیخ کے علم، ادراک، شعور، فہم سب پر حجاب ڈال دیا ہے' انھیں کچھ یاد نہیں رہا کہ "عصمت انبیاء" کے کیا معنی ہیں' قرآن نے کتنی جگہ "انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں" واضح کی ہیں؟ مفسرین اور محدثین کیا کچھ ارشاد فرماتے آئے ہیں؟ گستاخی اور بے ادبی کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور کسی عالم دین کو محض قیاس و گمان اور لچر دلائل کے ذریعہ شیعہ اور سبائی اور دشمن صحابہؓ اور بد دین قرار دینا کتنا شدید اور مبین ظلم ہے۔؟

نموںتاً یہ بھی دیکھتے چلئے کہ حضرت یونس کے سلسلہ میں بعض اور جلیل القدر مفسرین نے کیا کچھ کہا ہے؟ الفاظ آپ دیکھ ہی چکے کہ کلام الٰہی کے یہ ہیں وذا النون اذ ذهب مغاضباً (اور یاد کرو جب یونس غصہ کی حالت میں نکلا)

سوال یہ پیدا ہوا کہ کس پر غصہ؟

اہل علم کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد حضرت یونسؑ کا اپنی قوم پر

غصے ہوتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ بادشاہ ''حزقیل'' پر غضبناک تھے ''بادشاہ حزقیل'' کا قصہ امام بغویؒ نے تفسیر ''معالم التنزیل'' میں یوں بیان کیا ہے کہ ''فلسطین'' میں حضرت یونس اپنی قوم کے ساتھ بود و باش رکھتے تھے کہ ایک بادشاہ نے حملہ کیا اور نو خاندانوں کو قیدی بنا کر لے گیا، اللہ نے نبی حضرت ''شعیاء'' کو وحی کی کہ شاہ ''حزقیل'' کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ حملہ آور بادشاہ سے لڑنے کے لئے ایک طاقتور نبی کو بھیج دے، حضرت ''شعیاء'' اس وحی کی تعمیل میں جب شاہ ''حزقیل'' کے پاس پہنچے' تو انھوں نے حضرت ''شعیاء'' ہی سے مشورہ تاپوچھا' کہ آپ کی رائے میں کون مناسب ہے؟ حضرت ''شعیاء'' نے جواب دیا کہ یونسؑ مناسب ہیں وہ طاقتور بھی ہیں اور امانت دار بھی' شاہ ''حزقیل'' نے حضرت یونس کو بلا کر کہا کہ جاؤ جہاد کے لیئے نکلو، اس پر حضرت یونس متأمل ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا خدا نے تمہیں یہی حکم دیا ہے کہ مجھی کو بھیجو، ''حزقیل'' نے کہا نہیں ایسا تو نہیں' حضرت یونس نے کہا کہ جب خدا نے خاص میرا ہی نام نہیں لیا ہے تو یہاں اور بھی تو قوت والے نبی موجود ہیں انھیں کس لیئے نہیں بھیجتے، ''حزقیل'' نے پھر حضرت یونس ہی سے اصرار کیا تو وہ بگڑ گئے اور سخت غصے کی حالت میں نکلے۔ (معالم التنزیل جلد ۴ صفحہ ۲۵۸)

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ حضرت شعیا' شاہ حزقیل اور قوم سبھی پر بگڑے ہوئے تھے۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ مغاضباً سے مراد یہ ہے کہ حضرت یونسؑ خدا پر غصے ہو کر اپنی قوم کو چھوڑ بیٹھے اور بستی سے نکل گئے۔

دیکھا آپ نے چوتھے گروہ نے کتنی سخت بات کہی' خدا پر غصہ ہونا ایک عام مسلمان کے لئے بھی سخت گناہ کی بات ہے' سوچا جائے کہ ایک نبی ایسا کرے' پھر یہ نہ سمجھئے کہ اس گروہ میں گرے پڑے لوگ ہیں' جی نہیں! اس میں عروہ بن زبیرؓ

اور سعید ابن جبیرؒ اور حسن بصریؒ جیسے بزرگ ہیں۔

امام بغوی بیان کرتے ہیں کہ :

''عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور ایک جماعت کی رائے میں حضرت یونسؑ خدا سے بگڑ کر قوم سے بھاگ پڑے تھے' خدا پر انھیں غصہ اس لئے تھا کہ انھوں نے تو قوم کو نزولِ عذاب کی دھمکی دیدی تھی' مگر خدا نے قوم سے عذاب ہٹا لیا۔

حسن بصریؒ کے نزدیک خدا پر غصہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ انھیں خدا نے حکم فرمایا تھا کہ قوم کے پاس جاؤ اور اسے عذاب سے ڈراؤ' ان پر دعوتِ حق پیش کرو اس پر حضرت یونس نے اللہ سے مہلت مانگی تاکہ اس مہلت میں کچھ تیاری کریں' اللہ نے کہا کہ نہیں مہلت کی گنجائش نہیں معاملہ جلدی کا ہے' آپ نے کہا اے اللہ اتنی مہلت تو دیجئے کہ میں جوتے پہن آؤں' اللہ نے کہا نہیں' اتنی بھی نہیں' بس اس پر حضرت یونس بگڑ گئے۔''

حسن بصریؒ کے الفاظ امام بغویؒ نے یہ نقل کیئے ہیں :

وکان فی خلقه ضیق فذهب مغاضباً (کیونکہ حضرت یونس کے مزاج میں تنگی تھی اس لیئے طیش کھا کر چلے گئے)

اور وہب بن منبہؒ سے امام بغویؒ نے یہ قول منسوب کیا ہے

''یونس اگر چہ خدا کے صالح بندے تھے مگر مزاج وطبیعت میں تنگی بھی تھی' جب نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ ان پر ڈالا گیا تو وہ اس بوجھ سے ایسے دب گئے جیسے اونٹ کا کمزور سا بچہ بھاری بوجھ سے دب جاتا ہے' لہذا انھوں نے نبوت کا یہ بار وہیں اتار پھینکا اور بھاگ نکلے' اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے ان کا

نام بھی اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست سے خارج کردیا' اور رسول اللہ ﷺ سے قرآن میں فرمایا کہ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر و تحمل سے کام لو اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کی طرح مت ہو جاؤ۔" (تفسیر معالم التنزیل ج ۴۔ ص ۲۵۸)

علامہ آلوسیؒ کے الفاظ یہ ہیں :

وكان ذهابه هذا منهم هجرة عنهم لكنّه لم يومر به ـ

اور حضرت یونسؑ کا قوم کو چھوڑ کر جانا گو کہ بطور ہجرت تھا لیکن اللہ سے انھیں اس کی اجازت نہیں ملی تھی۔ (روح المعانی ج۱' ص ۸۳)

امام رازیؒ حضرت یونس کے قصور کی وجوہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

والا قرب فيه وجهان الاول ان ذنبه كان لان الله وعده انزال الا هلا ك بقومه فظن انه نازل لا محالة فلاجل هذا الظّن لم يصبر علىٰ دعا ئهم فكان الوا جب عليه ان يّستمرّ على الدعاء (تفسیر کبیر جلد ۷' صفحہ ۱۵۸)

ترجمہ : زیادہ قرینِ قیاس اس میں دو وجہ ہیں' اول یہ کہ حضرت یونسؑ کا گناہ یہ تھا کہ ان سے اللہ نے ان کی قوم کو مبتلاءِ عذاب کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اس کے بارے میں انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ عذاب ہر حال میں نازل ہو کر رہے گا' پس اسی گمان کی وجہ سے انھوں نے بے صبری دکھائی کہ دعوت کا کام چھوڑ بیٹھے' حالانکہ ان پر واجب تھا کہ دعوت کے کام میں برابر لگے رہتے۔

دیکھ رہے ہیں آپ 'امام رازی جیسا شہرۂ آفاق علامہ کوتاہی یا قصور یا لغزش جیسا کوئی لفظ نہیں لکھ رہا بلکہ صاف "ذنب" لکھ رہا ہے جس کے معنی مسلّم طور پر "گناہ" کے ہیں' یہ بھی آپ دیکھ رہے ہیں کہ امام رازیؒ کی تعبیر کے مطابق

حضرت یونسؑ ایک واجب کے تارک تھے' ترکِ واجب ظاہر ہے کہ "کوتاہی" سے آگے کی چیز ہے' یہ بھی آپ نے دیکھا کہ حسن بصریؒ جیسے بزرگ معاضا کا یہ مطلب بیان کرر ہے ہیں کہ حضرت یونسؑ اپنے خدا پر غضبناک ہوئے۔

یہ بھی آپ نے دیکھا کہ حضرت وہب بن منبہ نے کتنی سخت بات کہی' ان کے اپنے ہی الفاظ ملاحظہ فرمالیجئے۔

> ان یونس کان فی خلقه ضیق فلما حمل علیه اثقال النبوة تفسح تحتها تفسح الربع تحت الحمل فقذ فها بین یدیه وخرج هارباً (حضرت یونسؑ کی سرشت (مزاج طبیعت) میں تنگی تھی' جب ان پر بارِ نبوت ڈالا گیا تو وہ اس کے نیچے اس طرح دب گئے' جیسے اونٹ کا ناتواں بچہ بھاری بوجھ تلے دب جاتا ہے' پس انھوں نے اس بوجھ کو وہیں اتار پھینکا اور بھاگ نکلے۔"

یہ بھی آپ نے دیکھا کہ جب حکم خداوندی کے تحت شاہ "حزقیل" حضرت یونسؑ سے جہاد کے لیئے کہتا ہے تو وہ اسے ماننے میں پس و پیش کرتے ہیں' ان کے پس و پیش کا ماجرا مفسرین نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔

> فقال هل سمّانی ؟ هل امرك الله باخراجی؟ فههنا غیری انبیاء اقویاء (یعنی شاہ "حزقیل" کے جواب میں انھوں نے جزبز ہو کر کہا کہ کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ کیا اس نے تمہیں خاص طور پر مجھی کو جہاد کے لئے نکالنے کا حکم دیا ہے؟ میں ہی آخر کیوں نکلوں جبکہ یہاں اور بھی طاقت والے نبی موجود ہیں)۔ (معالم التنزیل جلد ۴ ص ۲۵۸)

اور یہ صراحت بھی آپ ملاحظہ فرما چکے کہ اللہ نے حضرت یونسؑ کی تنگدلی' بے صبری' جلدبازی اور عدم تحمل کے باعث ان کا نام اولوالعزم انبیاء کی

بہرست سے نکال دیا' اور رسول اللہ ﷺ کو تاکید کی کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار صبر کے ساتھ کرو اور خبر دار مچھلی والے (یونسؑ) کی طرح بے صبری نہ کرنا اور جلدباز نہ ہو جانا۔

تو اے اہلِ انصاف! ارشاد فرمایئے کہ اگر مولانا مودودی صرف اس خطاء پر "شیعہ" اور "عصمتِ انبیاء" کے منکر اور بے ادب و گستاخ قرار پاسکتے ہیں' کہ انھوں نے یہ کہدیا تھا کہ حضرت یونسؑ سے فریضہء رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں' تو امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ اور حضرت حسن بصریؒ اور حضرت وہب ابن منبہ اور امام بغوی اور عروہ بن زبیر اور سعید بن جبیر اور امام شعبی اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور مولانا اشرف علی اور مولانا شبیر احمد عثانی اور دیگر بے شمار علماء و ائمہ کو کن خطابات کا مستحق سمجھا جائے گا' جنھوں نے صرف کوتاہی جیسے ہلکے لفظ پر بس نہیں کیا' بلکہ حضرت یونسؑ کو تنگدل بھی کہا' سخت مزاج بھی بتایا' جلدباز اور بے صبرا کہنے میں بھی نہیں چوکے' ان کے فعل کو صریحاً گناہ اور ترکِ واجب بھی قرار دیا' یہاں تک کہدیا کہ وہ بارِ نبوت اتار کر بھاگ کھڑے ہوئے' یہ چند نام جو ہم نے لیئے ہیں ان میں سے کوئی نہیں جس نے کھل کر یہ نہ کہا ہو کہ حضرت یونسؑ سے کوتاہیاں ہوئیں' انھوں نے خطا کی' وہ رسالت کی ذمہ داریوں کو نباہ نہیں سکے' اور اسی غلطی کی سزا میں انھیں مچھلی کے پیٹ میں قید کیا گیا' پھر اگر توبہ اور اعترافِ گناہ سے اللہ ان کا قصور معاف نہ کر دیتا تو وہ قیامت تک اس قید سے نہ نکالے جاتے۔

اے دینی بھائیو! بتانا کیا کبھی تم نے سنا ہے کہ کسی عالم نے مذکورہ بالا شخصیتوں پر اس طرح کا لعن طعن اور تبرا کیا ہو جیسا شیخ الحدیث' مولانا مودودی پر کر رہے ہیں؟ غور کرو یہ صورتِ حال کس قدر عجیب ہے' ہم نے جن چند تفسیروں کے حوالے دیئے ہیں وہ وہی ہیں جو علماء کے یہاں عام طور پر زیرِ مطالعہ رہتی ہیں' اور جس قرآن کی آیات نقل کی ہیں وہ وہی ہے جو آپ سب کے گھروں

میں پایا جاتا ہے' کیا ایک معروف شیخ الحدیث کے بارے میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ جب انھوں نے "تفہیم القرآن" میں مولانا مودودی کی وہ عبارت دیکھی ہو جس پر انھوں نے شدومد سے اعتراض کیا ہے' تو انھیں نہ تو یہ یاد ہوگا کہ قرآن میں حضرت یونسؑ کے احوال و کوائف کیا آئے ہیں؟ اور نہ یہ یاد ہوگا کہ مستند ترین مفسرینِ سلف و خلف نے اپنی تفاسیر میں کیا کہا ہے۔؟

اگر تصور کیا جاسکتا ہے تو پھر کم سے کم یہ فریضہ تو ان پر عائد ہوتا ہی تھا' کہ بلا تائل اعتراض جڑنے اور مولانا مودودی کو سبائی و شیعہ بنانے سے پہلے تکلیف فرمالیتے کہ قرآن پڑھ لیں اور ضروری تفسیریں دیکھ لیں۔

اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اعتراض کرتے وقت انھیں قرآن بھی یاد تھا اور تفسیریں بھی' تو پھر بہت دکھ کے ساتھ سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے' کہ انھوں نے اپنی جلالتِ شان کے باوجود ایک ایسے بے ضمیر اور بے کردار آدمی کا پارٹ ادا کیا ہے جو جانتے ہوئے بھی کہ اعتراض کی مطلق گنجائش نہیں ہے اعتراض ضرور کرتا ہے؟ تاکہ ناحق طور پر حریف کو رسوا کرے' حضرتِ شیخ جانتے تھے کہ عوام کم علم ہیں' انھیں بس اتنا معلوم ہے کہ حضرت یونسؑ نبی تھے اور مجملاً انھوں نے یہ سن رکھا ہے کہ "انبیاء معصوم" ہوتے ہیں ان سے گناہ صادر نہیں ہوتے' اس سے زیادہ انھیں کچھ خبر نہیں' لہٰذا شیخ نے خود ہی یہ وضاحت فرمادی کہ کوتاہی بہت بڑا جرم و گناہ ہے اور عوام کو بھڑکایا کہ دیکھو مودودی صاحب ایک نبی کی طرف جرم و گناہ کی نسبت کررہے ہیں' وہ کس قدر گستاخ اور بے ادب ہیں' وہ کس طرح "عصمتِ انبیاء" کے پاکیزہ عقیدے کو داغدار بنارہے ہیں؟۔

یہ کھلی مجرمانہ تکنیک' یہ صریح مغالطہ دہی' یہ صاف حق پوشی یہ واشگاف مکر' کیا کسی بڑے عالم کے تو کیا کسی معمولی مسلمان کے بھی شایانِ شان سمجھا جاسکتا ہے؟ اور کیا کوئی ہوشمند توقع کرسکتا ہے' جو شیخ الحدیث کتاب کے آغاز ہی میں انصاف' صدق گوئی' حق پسندی اور دیانت کے ساتھ یہ سلوک کررہے ہیں

وہ آگے چل کر دوسرے مباحث میں امانت وعدل اور دیانتِ علمی کا لحاظ رکھیں گے...... ؟ناممکن......! ۔

اسی لیئے مولانا مودودی نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ ایسے حضرات کی کسی گالی، کسی طعن کسی تبرا اور کسی اعتراض کا جواب نہیں دیتے، اعتراض کا جواب وہاں مفید ہوتا ہے جہاں علمی تصریحات پر غیر جانبدارانہ سنجیدگی اور جذبہ حق پذیری کے ساتھ التفات کی گنجائش موجود ہو، شاید اسی لیئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فذ کّر ان نّفعتِ الذّکریٰ (نصیحت اور تذکیر وہاں کیجئے جہاں اس سے فائدے کی توقع ہو) بھلا ان لوگوں کے لیئے معقول علمی جوابات کیا نافع ہوں گے، جو عناد و تعصب کی زد میں بہہ رہے ہوں اور ایسے ایسے اعتراضات اٹھا رہے ہوں جن کا سر ہے نہ پیر؟ جو اعتراضات نہیں بلکہ گھٹیا قسم کے اتہامات ہیں۔

خلاصے کے طور پر ایک بار پھر لوٹ کر دیکھ لیجئے کہ اعتراض کے تحت حضرت شیخ نے کیا دعوے فرمائے تھے۔

ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت یونسؑ سے فرض منصبی ادا کرنے میں ہر گز کوئی کوتاہی نہیں ہوئی، مگر آپ نے دیکھا کہ ان کی تردید خود اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ خود بتا رہا ہے کہ فرض منصبی کی حیثیت سے جو صبر و تحمل حضرت یونسؑ پر واجب تھا، اسے انھوں نے چھوڑ دیا اور غلط طور پر غصہ کر کے خدا کی بلا اجازت قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ان کا دوسرا دعویٰ تھا کہ نبی کا فرض منصبی میں کوتاہی کرنا معصومیت کے خلاف ہے، جو شخص ایسا کہتا ہے وہ مجرم ہے بد عقیدہ ہے، مگر دیکھ لیجئے کہ فرض منصبی میں کوتاہی کی اطلاع خود اللہ تعالیٰ دے رہے ہیں کوئی اور نہیں، اب تین ہی شکلیں ہیں، یا تو یوں کہئے کہ اللہ کی دی ہوئی اطلاع ہی غلط ہے، یا یوں کہیئے کہ اطلاع تو درست ہے لیکن "عصمت انبیاء" کا عقیدہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر "انبیاء معصوم" ہوتے تو حضرت یونسؑ سے ایسی کوتاہیاں کیونکر سرزد ہوتیں، یا پھر یوں کہئے کہ اطلاع بھی درست ہے اور "انبیاء معصوم" بھی ہوتے ہیں لیکن

عصمت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "انبیاء" سے کبھی کسی قسم کا گناہ اور قصور سر زد ہی نہیں ہوتا' ہوتا ہے اور یقیناً ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس پر تنبیہ بھی فرماتا ہے اور اسی لئے انبیاء کی کسی تعلیم میں یہ احتمال باقی نہیں رہتا کہ ممکن ہے وہ غلط کہہ رہے ہوں' اگر ان سے قول یا عمل کی غلطی کسی موقعہ پر ہوئی ہے تو اللہ نے اس موقعہ کا تعین بھی فرمادیا ہے تاکہ ان کے دیگر افعال و اقوال میں احتمالِ قصور باقی نہ رہے۔

ان تین شکلوں میں پہلی شکل تو صریحاً خارج از بحث ہے' دوسری شکل بھی علمی حیثیت سے لائقِ قبول نہیں' کیونکہ عصمت انبیاء کے عقیدے پر اہل سنت کا اتفاق ہے' لہذا تیسری ہی رہ گئی جو تمام اہلِ علم میں ہمیشہ سے مسلم ہے' چنانچہ پچھلے ماہ "انبیاء و صحابہ" کے زیرِ عنوان آپ اونچے درجے کے علمائے اصول و عقائد کی توضیحات "عصمت" کے مسئلہ پر ملاحظہ فرماچکے' یہ توضیحات بجائے خود حضرت شیخ کے اس من گھڑت اور غیر علمی دعوے کی شافی تردید ہیں کہ نبی کا کوتاہی کر جانا عقیدہ "عصمت" کے خلاف ہے' جاہل آدمی تو بے شک اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ "انبیاء" بالکل فرشتوں جیسے تھے کہ گناہ اور قصور ان سے سر زد ہو ہی نہ سکتا تھا' لیکن صاحبِ علم آدمی کبھی ایسی بے بنیاد' خلافِ واقعہ اور غیر معقول' غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا' اب یہ قوم کی بد نصیبی ہے کہ بعض مولانا اور شیوخ تک کسی کے عناد اور تعصب میں جہلاء کی سطح پر اتر آئیں' اور علمی مسائل میں نادانوں اور بے خبروں جیسی خامہ فرسائی کریں۔

تیسرا دعویٰ حضرت شیخ کا یہ تھا کہ فرضِ منصبی میں کوتاہی کرنے کی نسبت حضرت یونسؑ کی طرف مولانا مودودی کی حرکت ہے' مگر آپ نے دیکھا کہ اس دعوے کی حیثیت "تہمت تراشی" سے زیادہ نہیں' حضرت یونسؑ کی طرف جو بھی کوتاہیاں منسوب ہیں وہ قرآن نے منسوب کی ہیں اور مستند مفسرین نے ان "کوتاہیوں" کو قصور' خطا' گناہ' ترکِ واجب' تنگدلی سبھی کچھ کہا ہے۔

اہل خرد بتائیں کیا اس نمونے کے بعد بھی کوئی ضرورت حضرت شیخ کی پوری کتاب پر وقت ضائع کرنے کی باقی رہ جاتی ہے۔

تتمہ

اب تک جو خطوط ملک اور بیرون ملک سے آئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ الحمد للہ ہمارے ''جائزے'' نے قلوب واذہان پر بڑا گہرا اور وسیع اثر ڈالا ہے' اگر اپنی مدح و تحسین کے خطوط شائع کرنا ہماری عادت ہوتی' تو یقیناً اب تک کی ڈاک ''تجلی'' کے بیسیوں صفحات پر کر دیتی۔

ویسے معدودے چند خطوط دوسری نوع کے بھی آئے ہیں' دوسری نوع سے مراد ہے تنقیص و تردید' ان میں ہماری کسی علمی غلطی کی تو نشاندہی کی نہیں گئی' البتہ صلواتیں خوب سنائی گئی ہیں' صلواتیں بھی بے مزا نہیں ہوتیں بشرطیکہ ان میں سلیقہ' ذہانت اور ہنر ہو لیکن افسوس کہ ایسا کوئی مکتوب ہمیں نہیں ملا ورنہ اسے ضرور شائع کرتے' ہماری مادرِ علمی ''دارالعلوم'' سے دو طلبائے عزیز کے دو عنایت نامے ایسے آئے جو خفگی اور مخاصمت سے لبریز تھے' لیکن صدمہ ہوتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ الفاظ و معانی دونوں اعتبار سے یہ اتنے پست تھے کہ ان کی اشاعت کا قطعاً کوئی جواز نہیں' البتہ ایک گرامی نامہ ''امارت و صحابیت'' کے فاضل مصنف مولانا علی احمد بنارسی کا ایسا ضرور نظر آیا ہے کہ اس کے بعض مطالب پر گفتگو کی جائے' پچھلے شمارے میں ہم نے اعلان کیا تھا کہ ''امارت و صحابیت'' نامی کتاب پر

بھی روشنی ڈالیں گے' اسی اعلان کو پڑھ کر مولانا موصوف نے ہمیں خط لکھا ہے' خط چونکہ جوابی تھا اس لئے مختصر جواب ڈاک سے بھی دیا گیا لیکن اس ایک اعتراض کی بنا پر جو اس خط میں مولانا مودودی پر کیا گیا ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں اس پر مفصل بحث کریں۔

مولانا نے ارشاد فرمایا ہے :

> "مولانا مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" جب شائع ہوئی تو میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی لیکن جب شیعہ حضرات نے اسی کتاب کو دکھا دکھا کر حضرت عثمانؓ و امیر معاویہؓ پر لعن طعن کا سلسلہ شروع کیا' اور آپ جیسے اہل قلم زمانہ حال کے "ملٹن" و "شیکسپیئر" حضرات کو بھی مولانا مودودی کا غالی عقیدت مند پایا گیا تو دشمنانِ صحابہؓ کی تبرا بازیوں کو برداشت نہ کر کے ناچار مجھے قلم اٹھانا ہی پڑا۔"

ہم جواب عرض کریں گے کہ یہ ایک بہت ہی سطحی بات ہے جو آنجناب کے قلم سے نکلی ہے، آپ غور فرمائیں کہ اگر کوئی غیر مسلم "سورۂ نور" کے حوالے سے یہ طعن کرنے لگے کہ لیجئے صاحب آپ اپنے رسول ﷺ کے جن صحابیوں کو آسمان پر چڑھاتے ہیں، ان میں تو ایسے ایسے بھی پائے گئے ہیں جنھوں نے اپنے پیغمبرؐ کی بیوی اور تمام امت مسلمہ کی ماں عائشہ صدیقہؓ کے خلاف تہمت زنا میں شرکت کی، یہاں تک کہ انھیں اس کی سزا بھی دی گئی تو کیا اس طعن کا جواب آپ یہ کہہ کر دیں گے کہ "سورۂ نور" کی یہ آیات قابل اعتبار نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ پر لگائی گئی تہمت میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوا، کسی صحابی یا صحابیہ پر "حد قذف" جاری نہیں کی گئی۔

یا اگر یہ طعن کرے کہ لیجئے صاحب آپ تو اپنے پیغمبروں کے گن گاتے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ آپ کے حضرت موسیٰؑ نے غصے میں آکر وہ تختیاں ہی زمین پر

دے پٹخیں جن میں کلام الٰہی درج تھا، اور اپنے بھائی ہارون کی داڑھی کھینچ ڈالی، تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ "سورۂ اعراف" اور "سورۂ طٰہٰ" کی یہ آیات ناقابل اعتبار ہیں پیغمبر ہرگز ایسا نہیں کر سکتے ؟۔

یا اگر یہ طعن کرے کہ لیجئے صاحب' آپ کے پیغمبر حضرت یونسؑ نے منشائے الٰہی کے خلاف کیسی بے صبری کا ثبوت دیا جس پر انھیں آپ کے خدا نے قابل ملامت ٹھہرایا اور سزا کے طور پر مچھلی کے پیٹ میں بند کر دیا، تو کیا آپ یہ کہہ کر طعن کرنے والے کی تشفی کریں گے کہ "سورۂ یونس" اور "سورۂ صافات" کی یہ آیتیں کمزور راویوں سے مروی ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

کھلی بات ہے کہ کسی معترض کی تشفی کے لئے حقائق ثابتہ کا انکار یا مسخ معقول طریقہ نہیں ہے، بلکہ معقول طریقہ یہ ہے کہ ان کی مناسب تاویل کی جائے، آپ دیکھتے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ نے "منہاج السنۃ" اور شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" جیسی ضخیم کتابیں شیعوں اور رافضیوں کی تردید میں لکھیں، مگر انھوں نے آپ جیسا یا مولانا محمد میاں اور مولانا اسحٰق سندیلوی جیسا غیر دانشمندانہ اور غیر حق پرستانہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ ثابت شدہ سچائیوں کو جھٹلائیں یا ان کا حلیہ بگاڑیں، بلکہ دونوں ہی نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ صحابہؓ معصوم نہیں تھے، ان سے گناہ ہوئے ہیں، ان کی ہر خطا اور ہر گناہ کا ہمیں انکار نہیں، البتہ جو غلط باتیں تم ان کی طرف منسوب کرتے ہو انھیں ہم نہیں مانتے۔

اگر آنکھ کھول کر "خلافت و ملوکیت" پڑھی جائے تو اس میں حضرت عثمانؓ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ ثابت نہیں کیا گیا کہ ان سے فکر و اجتہاد کی غلطی ہوئی، اگر اس نوع کی غلطیوں پر بھی کوئی شیعہ یا رافضی طعنہ زن ہے تو بشوق ہوا کرے، اہل حق کی شان یہ نہیں ہے کہ طعنوں سے ڈر کر حقائق کی تکذیب کریں اور ان صحابہؓ کو جو فرشتے نہیں تھے فرشتہ باور کرانے پر تل جائیں۔

پھر حیرت یہ ہے کہ شیعہ حضرات تو ابوبکرؓ و عمرؓ تک کو غاصب خلافت اور

بد دین وغیرہ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، بھلا ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کی صفائی پیش کرنے سے کیا ہوگا؟ یہ ایک فضول کام ہے جس کی خاطر سچائیوں کو جھٹلانا اور واقعات ثابتہ کی الٹی سیدھی تاویلیں کرنا وقت اور انرجی کی بربادی ہے، آنجناب نے اپنی کتاب میں اپنی استعداد اور ذہنی سطح کے مطابق جو کوشش حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے دفاع میں کی ہے وہ فی الحقیقت بچکانے پن سے آگے نہیں بڑھی، ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی ایک بھی شیعہ آپ کی سعی نامشکور کے نتیجے میں اپنے کسی خیال وعقیدے پر نظر ثانی کرسکے گا، ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اپنی کتاب میں جس سطح پر آپ نے گفتگو کی ہے وہ اس سطح سے بہت نیچی ہے جس کا تقاضا علم و تحقیق کرتے ہیں' دشمنان صحابہؓ کے خلاف اور صحابہؓ کی حمایت میں آپ بے شک ہزار صفحے کی کتاب لکھیے، مگر یہ نہ بھولئے کہ سب سے مقدس چیز ہے حق، سچائی، دیانت، صحابہؓ تو کیا چیز ہیں اگر کسی پیغمبر کی بھی کسی لغزش یا خطا کا علم مضبوط ذرائع سے ہوگیا ہے تو اس کا انکار اہل حق کا کام نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضورؐ نر اور مادہ کھجور کے پیوند کو ایک کار عبث سمجھ کر صحابہؓ کو اس سے روک دیتے ہیں، پھر فصل اچھی نہیں آتی تو آپ اس ممانعت کو ختم کرکے فرماتے ہیں کہ اپنے دنیاوی معاملات میں تم ہی خود بہتر سمجھ سکتے ہو، میں تو ایک بشر ہوں، جب دین کے معاملے میں تمہیں کوئی حکم دوں تو بے شک اسے لے لو۔

آپ بتائیے "تابیر نخل" کے اس قصے کی صحت سے کیا کسی بھی محدث اور فقیہ نے اس لئے انکار کیا کہ اس سے تو خدا کے سب سے بڑے پیغمبرؐ کی ایک قیاسی واجتہادی خطا کا اثبات ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی متعدد خطاؤں اور فکر واجتہاد کی لغزشوں کے قصے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں محفوظ کردیئے ہیں، کیا معترضین کے طعن واعتراض کا صحیح جواب ان قصوں کو جھٹلا دینے سے ہوسکتا ہے، حقیقت میں احترام انبیاء یا احترام صحابہؓ اس کا نام نہیں ہے کہ ہم واقعات ثابتہ کی تکذیب یا تحریف کریں،

بلکہ اس کا نام ہے کہ ان کی صحیح توجیہ و تاویل سامنے لائیں، جیسا کہ تمام علمائے سلف کرتے رہے ہیں، آپ حضرات (یعنی کیا آپ کیا میاں صاحب کیا مولانا اسحاق سندیلوی) یہ المناک طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں کہ معلوم حقائق کو جھٹلاتے ہیں، اور جھٹلانا چونکہ ثقہ اور مشہور مورخین اسلام کو پایہ ثقاہت سے گرائے بغیر ممکن نہیں، اس لئے ان سب کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مہم چلاتے ہیں، "طبری" اور "ابن سعد" اور "ابن عبد البر" اور "ابن اثیر" جیسے اساطین کو ساقط الاعتبار گردانے کے لئے آپ حضرات نے جس طرح کی کج بحثیاں کی ہیں وہ علم و منطق کی تاریخ کا بڑا دردناک باب ہیں، آپ نے منکرین حدیث کے لئے بڑی آسانیاں مہیا کردی ہیں، کیونکہ جس ٹائپ کے دلائل سے آپ مذکورہ مورخین اور ان کی روایات کو رد کرتے ہیں اسی ٹائپ کے دلائل بلا شبہ "بخاری" و "مسلم" کی روایات کا بھی حلیہ بگاڑ سکتے ہیں۔

آپ نے مولانا مودودی پر بددیانتی کا جو الزام لگایا ہے اس کا بھی جواب سنیئے، آپ نے تحریر فرمایا ہے:

> "یہی حال آپ کے علامہ مودودی کا ہے، مثلاً انھوں نے "البدایہ والنہایہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ "مال غنیمت" میں سے چاندی سونا ان کے لئے الگ کرلیا جائے، حالانکہ "ابن کثیر" کے الفاظ ہیں کہ سونا چاندی کو "بیت المال" کے لئے الگ کرلیا جائے، علامہ صاحب نے یجمع کله من هذه الغنيمة لبيت المال کے بجائے لکھدیا کہ ان کے لئے الگ کرلیا جائے۔"

پہلی شکایت تو آپ سے یہ ہے کہ ایک اتنے بڑے آدمی پر بددیانتی کا الزام عائد کرتے ہوئے آپ نے علمی وقار اور سنجیدگی کو بالائے طاق رکھدیا، یہ "آپ کے علامہ مودودی" کیا طرز گفتار ہے، طنز و طعن کا ایک محل ہوا کرتا ہے، یہاں

آپ دنیائے اسلام کے ایک شہرۂ آفاق عالم، داعی اور مفکر پر خیانت جیسا شدید الزام عائد کر رہے ہیں مگر بسم اللہ کرتے ہیں گھٹیا قسم کے طعن سے، مولانا مودودی ہمارے رشتہ دار نہیں، پیر نہیں، استاد نہیں، حتیٰ کہ ہم تو جماعت اسلامی کے رکن بھی نہیں' ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ دلائل و شواہد کے اسلحہ سے ان کا دفاع کرتے ہیں، کیا اسی قصور کی سزا آپ یہ طنز کر کے دے رہے ہیں کہ "آپ کے علامہ مودودی!"

دوسری شکایت یہ ہے کہ "مثلاً" کا لفظ آپ نے غلط جگہ استعمال کیا، "خلافت و ملوکیت" میں مولانا مودودی نے سات سو سے زیادہ حوالے دیئے ہیں، اگر ان میں پانچ سات جگہ بھی آپ کو خیانت کا ثبوت مل گیا ہوتا تو بے شک ان میں سے ایک دو مقامات کی نشاندہی "مثلاً" کہہ کر کی جا سکتی تھی، لیکن فی الحال آپ صرف ایک "خیانت" تلاش کر سکے ہیں، (حالانکہ یہ بھی محض مغالطہ ہے جس کا تجزیہ ابھی ہم کرنے والے ہیں) پھر کیا جواز ہے "مثلاً" کہنے کا۔؟

تیسری شکایت یہ ہے کہ آپ نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ مولانا مودودی نے کس صفحہ پر معترض فیہ بات لکھی ہے، حالانکہ احساس ذمہ داری کا تقاضا یہ تھا کہ "خلافت و ملوکیت" کا صفحہ تحریر فرماتے۔

ازراہ اخلاص ان شکایات کو پیش کرنے کے بعد اب ہم اعتراض کا جواب دیتے ہیں، جو خیانت آپ نے مولانا مودودی سے منسوب کی' اس کا تعلق "خلافت و ملوکیت" کے صفحہ ۱۷۴ سے ہے، یہاں مولانا مودودی نے اپنی بات کے لئے پانچ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، "طبقات" "طبری" "الاستیعاب" "ابن اثیر" اور "البدایہ"۔ آپ کی جرات قابل داد ہے کہ چار کو آپ نے قطعاً نظر انداز کر دیا اور صرف پانچویں کا ذکر اس طرح کیا جیسے صرف اسی ایک کا حوالہ دیا گیا ہو' آپ کی عبارت ہم نے ابھی نقل کی ہے، اسے آپ بھی پڑھئے' اور جملہ قارئین بھی پڑھیں، کیا یہ صریح طور پر ایسی ہی نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

مولانا مودودی نے کوئی بات "البدایہ" کے حوالے سے لکھی تھی اور یہی حوالہ درست نہیں ہے، کیسے تصور آسکتا ہے کہ وہاں چار اور حوالے بھی موجود ہوں گے۔

فرمایئے کیا یہی طریقہ ہے اہل علم کا ؟

اب جہاں تک آپ کے اعتراض کا تعلق ہے تو وہ بھی غلط ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو آپ مطالعہ میں پوری سنجیدگی اختیار کرتے ہیں نہ اعتراض کرنے میں، سنجیدگی اختیار کرتے تو حضرت معاویہؓ کا وہی حکم جس کا مولانا مودودی نے ذکر کیا ہے "البدایہ" میں بھی آپ کو صاف نظر آجاتا اور بطور اعتراض وہ فقرہ آپ نقل نہ کرتے جو حضرت معاویہؓ کا حکم نہیں بلکہ کسی اور کی طرف سے اس کی من مانی تشریح ہے' ہم اپنے قارئین کو صورت حال سمجھانے کی غرض سے قدرے تفصیل میں جائیں گے۔

صورت یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کے گورنر زیاد کے ایک سوتیلے بھائی حکم بن عمرو ہی ہیں جو صحابی تھے، انھیں "خراسان" کا حاکم بنایا گیا' جب کہ انھیں جاہ و مال کی کوئی آرزو نہیں تھی، انھوں نے کفار سے جہاد کیا اور بہت سا "مال غنیمت" ہاتھ لگا، اب گورنر زیاد کا ایک خط ان کے پاس پہنچتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے لکھا ہے کہ "مال غنیمت" میں سے سونا چاندی ان کے لئے الگ کر لیا جائے۔

یہ حکم چونکہ قانون قرآنی کے خلاف تھا اس لئے خدا ترس حکم بن عمرو نے زیاد کو لکھ بھیجا کہ آپ نے جو معاویہؓ کے حکم کا ذکر کیا ہے تو سن لیجئے کہ اللہ کی کتاب معاویہ کی تحریر سے مقدم ہے، خدا کی قسم! اگر زمین و آسمان سب کسی کے دشمن بن جائیں اور وہ آدمی اللہ سے ڈرنے والا ہو تو اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راہ عافیت نکال ہی دیتا ہے۔

یہ خط روانہ کر کے انھوں نے مجاہدین سے کہا کہ تم لوگ "مال غنیمت" کو ہدایت قرآنی کے مطابق تقسیم کر لو۔

چنانچہ پانچواں حصہ "بیت المال" کے لئے الگ کر کے باقی مال مجاہدوں میں بٹ گیا۔

یہ قصہ "طبقات ابن سعد"، "طبری"، "الاستیعاب" "الکامل" اور "البدایہ" سب میں موجود ہے، اگر مزید دیکھنا ہو تو حاکم کی "المستدرک" میں یہ بھی تصریح مل جائے گی کہ جب حکم نے ایسا کیا تو امیر معاویہؓ ان سے خفا ہو گئے، اپنا ایک آدمی بھیج کر انھیں قیدی بنایا اور اسی حال میں وہ مر گئے ("المستدرک" جلد ۳، صفحہ ۴۴۲) مستزاد یہ کہ امام الجرح والتعدیل حافظ ذہبی نے یہی پورا قصہ "المستدرک" کی تلخیص میں درج کیا ہے۔

اب اُس اعتراض کی نوعیت ملاحظہ فرمایئے جو مولانا بنارسی نے "البدایہ" کا ایک فقرہ نقل کرتے ہوئے "بد دیانتی" کے عنوان سے کیا ہے۔

"طبقات ابن سعد" "طبری" "الاستیعاب" اور "الکامل" چاروں میں ابن زیاد کے الفاظ یہ ہیں کہ امیر المومنین معاویہ نے تحریری حکم بھیجا ہے کہ غنیمت میں سے سونا چاندی ان کے لئے الگ کر لیا جائے۔ (اصطفی لہ الصفراء والبیضاء "طبقات" جلد ۷ ص ۲۸،۲۹) "طبری" جلد ۴ ص ۱۸۷۔ "الاستیعاب" ج ۱ ص ۱۱۸"۔ "الکامل" ج ۳ ص ۲۳۳) اور "بیت المال" کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں ہے، رہی "البدایہ والنہایہ" تو بلا کسی ابہام کے اس میں بھی امیر معاویہؓ کا یہی حکم جوں کا توں موجود ہے، لیکن فرق اتنا ہے کہ اس حکم کے ذیل میں "یعنی" کہہ کر ایک تشریح کی گئی ہے، ملاحظہ ہو پوری عبارت یوں ہے۔

> فکتب الیه زیاد ان امیر المومنین قد جاء کتابه ان یصطفی له کل صفراء وبیضاء۔ یعنی الذهب والفضة۔ یجمع کله من هذه الغنیمة لبیت المال (جلد ۸ ص ۲۹)
>
> زیاد نے حکم بن عمرو کو لکھا کہ امیر المومنین کا خط آیا ہے کہ ان کے لئے "صفراء" اور "بیضاء" الگ کر دیا جائے 'یعنی سونا اور

چاندی' یہ سب مال غنیمت میں سے "بیت المال" کیلئے جمع کیا جائے گا۔

محترم ہنارسی مولانا! بتایئے کیا یہ عبارت حرف بہ حرف "البدایہ والنہایہ" میں موجود نہیں ہے؟ ہے اور یقیناً ہے، تو کیا اس میں امیر معاویہؓ کا وہ آرڈر جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے ٹھیک وہی نہیں ہے جس کا حوالہ مولانا مودودی نے دیا ہے اور جو باقی چاروں کتابوں میں موجود ہے؟ آنجناب نے ذرا سا جو فقرہ اٹھا کر پیش فرما دیا ہے کہ لو بھئی مودودی نے اس کا ترجمہ غلط کر دیا، کیا آپ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ فقرہ حضرت معاویہؓ کے آرڈر کا نہیں ہے بلکہ وہ تو اس تشریح کا ہے جو "یعنی" کے ذیل میں کی گئی ہے، ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ کسی قول یا فقرے کے بعد "یعنی" کہہ کر جو بات لکھی جاتی ہے وہ اصل قول یا فقرے کا جزو نہیں ہوا کرتی بلکہ تشریح ہوتی ہے شارح کی طرف سے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ "یعنی" کے ذیل میں جو شرح کی گئی ہے وہ بھی معاویہؓ ہی کی طرف سے ہے تو یہ بے دلیل اور خلاف قیاس دعویٰ دو وجوہ سے رد ہو جاتا ہے، ایک یوں کہ اگر یہ شرح خود معاویہؓ کی طرف سے ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ائمہ تاریخ اسے نقل نہ کرتے' جن کا زمانہ "البدایہ" کے مصنف ابن کثیر کے مقابلے میں امیر معاویہؓ سے زیادہ قریب ہے، ابن سعد ۲۳۰ھ میں مرے ہیں' طبری ۳۱۰ھ میں ابن عبدالبر ۴۶۳ھ میں اور ابن اثیر ۶۳۰ھ میں جبکہ ابن کثیر بعد میں آئے اور ۷۷۴ھ میں انتقال فرمایا ہے، تاریخ دماغ سے تو نہیں گھڑی جاتی، اگر پچھلوں نے زیر بحث روایت میں "بیت المال" والی تشریح روایت نہیں کی، تو کم و بیش سات سو سال بعد "ابن کثیر" کے پاس یہ روایت کہاں سے آگئی۔ صاف ظاہر ہے کہ تشریحی فقرے یا توضیح کے کسی راوی نے ازراہ عقیدت بڑھا دیئے ہیں اور "ابن کثیر" نے انہیں جوں کا توں نقل کر دیا یا پھر خود ابن کثیر نے بطور عقیدت اس تشریح کا اضافہ کر دیا ہے، بہر حال اضافہ جس نے بھی

کیا ہو وہ اس کا فعل ہے نہ کہ معاویہؓ کا حکم۔

دوسرے یوں کہ شاہی خطوط غیر ضروری الفاظ سے عموماً خالی ہوتے ہیں، اگر یہ تشریحی فقرے معاویہؓ ہی لکھواتے تو آخر کیوں لکھواتے، انھیں تو قدرتاً یوں لکھنا چاہئے تھا کہ اصطفی لبیت االمال کل ذھب وفضة (بیت المال کے لئے سب سونا چاندی الگ کردو)۔ بھلا یہ کیا تک تھی کہ پہلے تو وہ یہ فقرہ لکھتے کہ...... "ہمارے لئے صفراء وبیضاء الگ کر لئے جائیں" پھر اسکی شرح کرتے کہ "صفراء" کہتے ہیں سونے کو اور "بیضاء" کہتے ہیں چاندی کو اور یہ سب "بیت المال" میں جمع کرنا ہے، ظاہر ہے کہ اسے لغویت کہیئے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ تشریح خود حضرت معاویہؓ کی تو نہیں مگر ان کے گورنر زیاد کی ہے تو یہ بھی صریحاً معقولیت سے بعید ہے، اول تو یوں کہ چھ سو برس تک مورخین نے زیاد کے جس خط کو نقل کیا ہے اس میں اس تشریح کا وجود نہیں، اگر یہ واقعی زیاد کی ہوتی تو اسے خط میں موجود ہونا تھا اور موجود ہوتی تو ثقہ مورخین و محدث ایسا کیسے کرسکتے تھے کہ اسے حذف کرجائیں، ان کی روایات میں اس کا نہ پایا جانا قطعی دلیل ہے اس بات کی کہ "یعنی" والا اضافہ بعد کے کسی صاحب کا ہے، یا پھر "ابن کثیر" کا ذاتی خیال ہے۔

دوسرے یوں کہ زیاد حکم معاویہ کی شرح کرتا تو وہ صفراء اور بیضاء جیسے صاف الفاظ کے بعد ذھب اور فضہ کا غیر ضروری اضافہ نہ کرتا، خط اہل زبان کی طرف بھیجا گیا تھا نہ کہ اناڑیوں کی طرف، سب جانتے تھے کہ "صفراء" اور "بیضاء" کا مطلب کیا ہوتا ہے، علاوہ اس کے وہ پہلے یوں کیوں لکھتا کہ "امیر المومنین نے سونے چاندی کو اپنے لئے الگ کردینے کا حکم دیا ہے" ایسا لکھنے کے بعد "یعنی" سے تشریح کرنے کا حاصل تو کھلا ہوا یہ تھا کہ حکم میں کمزوری آجائے، مکتوب الیہ یہ سمجھ لے کہ اصل حکم کچھ اور ہے اور تشریح گورنر صاحب اپنی طرف سے کچھ اور کررہے ہیں، اگر واقعتاً معاویہؓ کا حکم یہی ہوتا کہ سونا چاندی

بیت المال کے لئے الگ کر لیا جائے تو زیاد قدرتاً اسی سیدھے سادھے جملے پر اکتفا کرتا، اس کا کوئی منطقی جواز نہیں کہ پہلے تو له (معاویہ کے لئے) لکھے اور پھر "لبیت المال" سے اس کی شرح کرے۔

اس تجزیہ و تحلیل کے بعد آپ ہمیں بتائیں کہ خیانت مولانا مودودی نے کی ہے یا آپ اپنی نافہمی اور شوق تردید کا نام خیانت رکھ رہے ہیں، ایک بار پھر "البدایہ" پر نظر ڈال لیجئے، کیا اس میں زیاد نے یہی نہیں کہا ہے کہ قد جاء كتابه ان يصطفى له كل صفراء و بيضاء (امیر المومنین کا خط آیا ہے کہ سب سونا چاندی ان کے لئے چھانٹ لیا جائے) اگر کہا ہے اور یقیناً کہا ہے تو مولانا مودودی نے "البدایہ" کا حوالہ دے کر کونسی غلطی کی، کیا آپ اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے کہ "ان کے لئے الگ کر لیا جائے"۔ اس فقرے کا ترجمہ نہیں جو آپ نے "یعنی" کے بعد والی عبارت میں سے اٹھا کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ مودودی نے اس کا یہ ترجمہ کر دیا بلکہ وہ ترجمہ ہے مذکورہ بالا فقرے کا جس میں لبيت المال نہیں بلکہ له ہے یعنی لمعاوية ' آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ خواہ مخواہ کے تعصب نے آپ کو کہاں لا کھڑا کیا ہے، یہ کونسا تاریک مقام ہے جہاں آپ کو کھلی صداقتیں نظر نہیں آتیں، جہاں آپ صاف عبارتیں نہیں دیکھ سکتے جہاں آپ بڑی بڑی ہستیوں کو مجروح کرتے ہوئے اور ایک جلیل الشان داعی حق کو زبردستی خائن بناتے ہوئے خدا کے خوف سے نہیں لرزتے۔ یا حسرتا۔ واویلاہ۔

جب سامنے رکھی ہوئی عبارتیں بھی آپ کو صاف نظر نہیں آتیں تو ظاہر ہے کہ یہ باریکیاں آپ کیسے محسوس فرما سکتے ہیں کہ اگر مان ہی لیا جائے کہ سونا چاندی بیت المال کے لئے طلب کیا گیا تھا، تب بھی حضرت معاویہؓ کا یہ حکم قانون شرعی سے مطابقت نہیں رکھتا، شریعت بیت المال کا حصہ غنیمت میں خمس (۱/۵)، مقرر کرتی ہے، سونے چاندی کے بارے میں ابھی کچھ معلوم نہیں کہ وہ کتنا ہے مگر حضرت معاویہؓ حکم دیتے ہیں کہ اسے بیت المال کا حصہ قرار دو، گویا وہ

قیمت کے لحاظ سے "مال غنیمت" کا نصف ہو یا تہائی یا چوتھائی، مگر امیر المومنینؓ کا آرڈر اسے خزانہ عامرہ کا حصہ بنادینا چاہتا ہے، ہے کوئی تاویل آپ کے پاس اس کی؟

تماشا یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض حضرات جہاں چاہے "اجتہادی غلطی" کا عنوان دے کر ہر خطا کو دائرہ شریعت میں لے آنے کا کرتب دکھاتے ہیں، ایسے لوگ تو شاید یہاں بھی کہدیں کہ یہ حضرت معاویہؓ کی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے اور مجتہد خطا بھی کرے تو ایک ثواب کا مستحق ہے، لیکن جو حضرات ٹھوس علم اور خدا کا خوف رکھتے ہیں وہ ایسی جسارت نہیں کر سکتے، وہ جانتے ہیں کہ اجتہاد کی سرحدیں کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہو جاتی ہیں، کھلی نص قرآنی اور احادیث متواترہ کے خلاف کوئی رائے یا عمل اجتہادی غلطی نہیں معصیت اور اثم ہوا کرتا ہے، معاویہؓ پیغمبر نہیں تھے کہ گناہوں سے معصوم ہوں' صحابیت کی عظمت میں کوئی بال نہیں آتا اگر کسی صحابی کا مرتکب گناہ ہونا ثابت ہو جائے۔

خیانت اور بددیانتی کسے کہتے ہیں اس کے متعدد نظائر "شواہد تقدس" کے جائزے میں دیکھئے اور بن پڑے تو ان کی کوئی تاویل نکالئے، پھر اسی شمارے میں ہم نے آپ کی کتاب "امارت و صحابیت" سے بھی کچھ نمونے ایسے دیئے ہیں جنھیں ہم بددیانتی پر محمول کرتے ہیں، آپ اگر دلائل سے یہ ثابت کر دیں کہ انھیں فلاں وجہ سے بددیانتی کے خانے میں نہیں رکھا جا سکتا تو ہمیں خوشی ہو گی۔

آپ کا یہ بھی اصرار ہے کہ تم محض چند خیانتوں کی نشاندہی پر بس مت کرو بلکہ پوری کتاب کا بھرپور جائزہ لو، آپ لکھتے ہیں:

> "کہ اگر آپ میری مذکورہ درخواست کو منظور نہ فرما کر اپنے اعلان کے مطابق محض چند باتوں کا جواب شائع فرما کر گلوخلاصی چاہتے ہوں تو کم از کم اتنی مہربانی فرمائیں کہ اپنی صفائی میں جو کچھ میں کہنا چاہوں اسے بھی دیانت داری کے ساتھ "تجلی" میں شائع کرنے کا وعدہ فرمائیں۔"

"گلو خلاصی" کے لفظ پر ہنسی آئی، آپ کو شاید یہ حسن ظن ہے کہ آپ کی کتاب نے "خلافت و ملوکیت" کی ثقاہت و عظمت کو داغدار بنا دیا ہے لہذا عامر عثمانی آپ کی کتاب کو عقیدت مودودی کے باعث اپنے "گلے کا طوق" سمجھتا ہے، اسی لئے آپ کا گمان یہ ہے کہ وہ آپ کی کتاب پر کچھ لکھنا ضروری خیال کر رہا ہے۔

خدا معاف کرے آپ نے اپنے مقام کو سمجھنے میں بڑے حسن ظن سے کام لیا، حالانکہ "خلافت و ملوکیت" علم و استدلال کی جس سطح پر لکھی گئی ہے وہ سطح آنجناب کے طریق بحث اور علم و خبر کی سطح سے بہت بلند ہے، اتنی بلند کہ یہاں سے اڑائی ہوئی گرد کے چند ذرے بھی شاید وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے، ہم نے اگر آپ کی کتاب پر کچھ لکھنا ضروری سمجھا تو صرف اس لئے کہ عامۃ الناس کو "علمی دیانت" کے کچھ نمونے دکھلا دیں تاکہ وہ چوکنے ہو جائیں ورنہ جہاں تک پڑھے لکھے حلقے کا تعلق ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ "امارت و صحابیت" کے انداز بحث کی ناپختگی اور کم عیاری وہ خود ہی محسوس نہ فرما لیں گے۔

بہر حال جہاں تک آپ کو صفائی کا موقع دینے کا تعلق ہے بخوشی آپ اپنی بات کہہ سکتے ہیں "تجلی" کے صفحات حاضر ہیں، نہ صرف "امارت و صحابیت" پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دینے کی آپ کو اجازت ہے بلکہ آپ چاہیں یا اور جو صاحب چاہیں "شواہد تقدس" کے جائزے پر بھی نقد و نظر فرما سکتے ہیں، لیکن ہر حال میں ذیل کی شرطیں ملحوظ رکھنی ہوں گی۔

(۱) ایک یہ کہ غیر متعلق باتوں سے کلام کو طول نہ دیا جائے' آپ ہوں یا میاں صاحب' دونوں نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ بحث تو چل رہی ہے کسی خاص واقعے سے متعلق مگر راگ چھیڑ دیا گیا ہے غیر متعلقہ مناقب کا، مثلاً اگر حضرت عثمانؓ یا حضرت معاویہؓ کے کسی فعل کی بحث چل رہی ہے تو اس کے دائرے تک محدود رہنے کے بجائے آپ حضرات باب مناقب کھول بیٹھتے ہیں، بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت معاویہؓ کے مناقب میں فلاں فلاں حدیثیں آئی

ہیں، اور انھوں نے فلاں فلاں کارنامے انجام دیئے ہیں لہذا فلاں گناہ ان سے کیسے سرزد ہو سکتا ہے، یہ طرز صفائی دنیا کی کسی عدالت میں مسموع نہیں ہو سکتا' جب امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابی معصوم نہیں، ان سے گناہ ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں تو کسی خاص واقعے کی بحث میں ان کے فضائل و مناقب کی داستان سرائی کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتی' لہذا فضول حواشی سے پرہیز کیجئے اور نقطۂ بحث تک محدود رہیئے۔

(۲) دوسرے یہ کہ جو بات کہیں دلیل در حوالے سے کہیں' اگر آپ کسی عقیدے کا تذکرہ فرماتے ہیں تو یہ بھی صراحت کیجئے کہ معلوم و مستند علمائے عقائد میں سے کس نے یہ عقیدہ کہاں بیان کیا ہے، اگر فن حدیث کے باب میں کچھ کہتے ہیں تو کتاب فن کا مفصل حوالہ ساتھ ہو مثلاً آپ کی "امارت و صحابیت" میں متعدد جگہ ایسے فقرے نظر آئے جن کا مطلب یہ ہے کہ جس راوی یا عالم کو کسی نے "شیعہ" کہدیا ہے وہ ساقط الاعتبار ہے، ہم کہتے ہیں ایسا دعویٰ نہایت لغو ہے جب تک ائمہ فن اور سلف صالحین کے حوالوں سے یہ نہ ثابت کیا جائے کہ شیعیت سے کیا مطلب ہے، اس کے کیا حدود ہیں؟ کس درجے کے شیعہ ساقط الاعتبار مانے گئے ہیں؟ اور کس درجے کی شیعیت آدمی کو پایہ اعتبار سے نہیں گراتی؟ حیرت کے ساتھ آپ کے یہاں بھی اور میاں صاحب اور مولانا اسحٰق صاحب کے یہاں بھی یہ منظر ہم دیکھ رہے ہیں کہ پہلے تو آپ حضرات قطعاً واہی دلائل کے ساتھ کسی راوی یا عالم کو "شیعہ" قرار دینے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور پھر بلا تکلف کہہ ڈالتے ہیں کہ شیعہ کی بات کا تو اعتبار ہی نہیں' اس غیر علمی اور غیر فنی ادعا کے ساتھ جو کچھ کہا جائے گا اسے ہم قابل اشاعت نہیں سمجھیں گے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متاخرین علماء میں ہم سب کے ممدوح ہیں' ان کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" اردو میں موجود ہے' اس میں شیعوں کے تمام فرقے مع عقائد گنوائے گئے ہیں' آپ اگر کسی راوی یا عالم سلف کو "شیعہ" کہیں

''گلو خلاصی'' کے لفظ پر ہنسی آئی۔ آپ کو شاید یہ حسن ظن ہے کہ آپ کی کتاب نے ''خلافت و ملوکیت'' کی ثقاہت و عظمت کو واغدار بنادیا ہے لہذا عامر عثمانی آپ کی کتاب کو عقیدت مودودی کے باعث اپنے ''گلے کا طوق'' سمجھتا ہے، اسی لئے آپ کا گمان یہ ہے کہ وہ آپ کی کتاب پر کچھ لکھنا ضروری خیال کر رہا ہے۔

خدا معاف کرے آپ نے اپنے مقام کو سمجھنے میں بڑے حسن ظن سے کام لیا، حالانکہ ''خلافت و ملوکیت'' علم واستدلال کی جس سطح پر لکھی گئی ہے وہ سطح آنجناب کے طریق بحث اور علم و خبر کی سطح سے بہت بلند ہے، اتنی بلند کہ یہاں سے اڑائی ہوئی گرد کے چند ذرے بھی شاید وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے، ہم نے اگر آپ کی کتاب پر کچھ لکھنا ضروری سمجھا تو صرف اس لئے کہ عامۃ الناس کو ''علمی دیانت'' کے کچھ نمونے دکھلادیں تاکہ وہ چوکنے ہو جائیں ورنہ جہاں تک پڑھے لکھے حلقے کا تعلق ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ''امارت و صحابیت'' کے انداز بحث کی ناپختگی اور کم عیاری وہ خود ہی محسوس نہ فرمالیں گے۔

بہر حال جہاں تک آپ کو صفائی کا موقع دینے کا تعلق ہے بخوشی آپ اپنی بات کہہ سکتے ہیں ''تجلی'' کے صفحات حاضر ہیں، نہ صرف ''امارت و صحابیت'' پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دینے کی آپ کو اجازت ہے بلکہ آپ چاہیں یا اور جو صاحب چاہیں، ''شواہد تقدس'' کے جائزے پر بھی نقد و نظر فرما سکتے ہیں، لیکن ہر حال میں ذیل کی شرطیں ملحوظ رکھنی ہوں گی۔

(ا) ایک یہ کہ غیر متعلق باتوں سے کلام کو طول نہ دیا جائے' آپ ہوں یا میاں صاحب' دونوں نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ بحث تو چل رہی ہے کسی خاص واقعے سے متعلق مگر راگ چھیڑ دیا گیا ہے غیر متعلقہ مناقب کا، مثلاً اگر حضرت عثمانؓ یا حضرت معاویہؓ کے کسی فعل کی بحث چل رہی ہے تو اس کے دائرے تک محدود رہنے کے بجائے آپ حضرات باب مناقب کھول بیٹھتے ہیں، بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت معاویہؓ کے مناقب میں فلاں فلاں حدیثیں آئی

ہے اس حسن خیال کا کوئی جواب!

پھر وہ فرماتے ہیں کہ "شواہد تقدس" سے مولانا مودودی کے دعووں اور دلائل کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اسکی رو سے میاں صاحب کا جواب نہایت وقیع اور بلند پایہ ہے۔

وقیع اور بلند پایہ کیا' لاجواب' بے مثال اور اسی طرح کے ایک ہزار توصیفی الفاظ لکھ دیتے تو کون ان کا قلم پکڑ لیتا؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حسن ظن ہمیں مولانا عتیق صاحب کے علم و تفقہ کے بارے میں تھا' اسے اس تبصرہ سے بڑا دھکا لگا ہے، کیا واقعی علم کی یتیمی کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات بھی خانہء دماغ میں کچھ محفوظ نہیں رکھتے، اور کسی کتاب کی موٹی موٹی خامیاں اور علمی بد عنوانیاں بھی ان کی نظر بالکل نہیں پکڑتی، ہم نے اپنے جائزے میں جن بے شمار خامیوں کی مدلل نشاندہی کی ہے ان میں متعدد خامیاں اتنی واضح اور ابھری ہوئی ہیں کہ جس شخص کا علم و مطالعہ ذرا بھی وسیع ہو' وہ چاہے مولانا مودودی کا سخت مخالف ہی کیوں نہ ہو' مگر ان خامیوں کا احساس کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا، لیکن مولانا عتیق الرحمٰن کے تبصرے سے اندازہ ہوا کہ ہمیں ان کے بارے میں خوش فہمی ہی تھی۔

تبصرہ نگار یہ بھی لکھتے ہیں کہ ۔۔۔"جوابی حیثیت سے قطع نظر کر کے اس لحاظ سے تو کتاب بلا شبہ بہت ہی قیمتی ہے کہ اس کے مباحث کی روشنی میں حضرت عثمانؓ مظلوم کی شخصیت اتنی ہی بے داغ نظر آنے لگتی ہے جتنا اسے نصوص کتاب و سنت کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔"

یہ اس کتاب کی تعریف ہے جس کا ورق ورق کتاب و سنت کی ہدایت اور علم و تفقہ کی حرمت کا مذاق اڑا رہا ہے، اگر فاضل تبصرہ نگار کے "کتاب و سنت" کچھ مخصوص قسم کے ہوں تو اور بات ہے لیکن اگر اسی قرآن اور اسی دفتر حدیث کی طرف ان کا اشارہ ہے جو امت کے ہاتھوں میں ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ

انھوں نے یہ بات حالت ہوش و حواس نہیں کہی ہے، جائزے میں ہم دکھلا چکے کہ مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو علمائے سلف اور اکابر امت نے نہ کہی ہو' تب تو یوں کہیئے کہ سارے مفسرین، محدثین، مورخین، فقہاء اور اساتذہ کتاب و سنت سے نابلد رہے، اور کتاب و سنت کو اگر کسی نے سمجھا ہے تو صرف میاں صاحب اور ان کے تبصرہ نگار نے زندہ باش! دوستو۔ اگر خوبی کی بات یہی ہے کہ کسی صحابی کی سیرت ایسی لکھی جائے جو اسے ہر خطا سے معصوم دکھلاتے ہوئے فرشتوں کی صف میں شامل کردے تو پھر آخر تاریخی مصادر و مآخذ کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ ناول اور افسانے کی طرح جو چاہے لکھتے چلے جائیے، عجیب ہے یہ عقیدت صحابہ کہ مسلمہ واقعات کو جھٹلاؤ تو واہ واہ، سچائی کو چھپاؤ تو سبحان اللہ، مسخ و تحریف سے کام لو تو جزاک اللہ، اگر تاریخ نگاری اسی کا نام ہے تو لایئے ہم جس بزرگ کی آپ چاہیں ایسی سوانح حیات قلم برداشتہ لکھدیں کہ ملائکہ اس سے شرما جائیں اور انبیاء اس پر رشک کریں' تبصرہ نگار مزید فرماتے ہیں "بڑے عرصہ سے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی ایک حد تک اس کتاب نے اس کو پورا کر دیا ہے"۔

یا اللہ! کیا یہ وہی عتیق الرحمٰن بول رہے ہیں جن کے بارے میں ہمارا خیال تھا کہ صاحب علم بھی ہیں اور فہیم بھی، حقیقت یہ ہے کہ ایک فحش ناول بھی اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتا جتنا "شواہد تقدس" پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہے، فحش کو عوام فحش تو جانتے ہیں، گناہ کا گناہ ہونا تو معلوم ہے مگر جو باطل عقائد و خیالات تقدس کا جامہ پہن کر دل و دماغ کی دنیا میں داخل ہوں اُن سے توبہ اور رجوع کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا، وہ ایسا خطرہ ہیں جنھیں آدمی خطرہ نہیں "سرمایہ جاں" سمجھ بیٹھتا ہے، ظاہر ہے اس کا نتیجہ فکر و نظر کی تباہی اور آخرت کی خرابی کے سوا کیا نکل سکتا ہے؟۔

تبصرہ نگار ہی جانتے ہوں گے کہ وہ کونسی "طلسماتی" ضرورت تھی جسے "شواہد تقدس" نے پورا کیا ہے سوائے اس کے کہ "علمائے دیوبند" کے دامن

ثقاہت میں اس نے ایک بد نما اور متعفن دھبے کا اضافہ اور کر دیا۔

خیر سے موصوف نے اپنا تبصرہ ان لفظوں پر ختم کیا ہے: "اس قلم سے اگر ایک "سیرت عثمان" نکل جائے تو امید ہے کہ یہ ضرورت بھرپور طریقے سے پوری ہو جائے گی"۔

یعنی موصوف کو "شواہد تقدس" اتنی پسند آئی کہ میاں صاحب ہی کے قلم سے وہ ایک عدد سیرت عثمانؓ کے بھی متمنی ہیں خدا ان کے حسن مذاق میں ترقی دے، تمناؤں پر کوئی پابندی نہیں، وہ چاہیں تو یہ تمنا بھی کر سکتے ہیں کہ:

مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں......

لیکن انھیں یہ سن کر مایوسی ہوگی کہ نئی کتاب لکھنا تو درکنار "تجلی" کے جائزے کی ملک گیر گونج نے شاید میاں صاحب کو اس قابل بھی نہیں چھوڑا ہے کہ "شواہد تقدس" کا مجوزہ حصہ دوئم ہی پریس میں لا سکیں، ہمیں ان سے بھی اور تبصرہ نگار سے بھی دلی ہمدردی ہے۔

ویسے یہ تبصرہ ہمارے جائزے سے قبل کا لکھا ہوا ہے "تجلی" "الفرقان" کے تبادلے میں برابر جاتا ہے، مولانا عتیق صاحب اگر ہمارا جائزہ دیکھ لینے کے بعد بھی اپنی تبصرے والی رائے پر قائم ہیں تو بڑا اچھا موقعہ ہے کہ وہ ہمارے جائزے کی خامیاں اپنے والد محترم مولانا منظور نعمانی کو بتائیں اور والد محترم بلا تکلف ہمارے خلاف فیصلہ دیں، ججوں کی "جیوری" میں ہم نے انھیں بھی شامل کر رکھا ہے لہٰذا ہم دل و جان سے ان کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔

تجلیات صحابہؓ' عامر عثمانی' مرتب: سید علی مطہر نقوی امروہوی۔ ناشر: مکتبہ الحجاز' اے ۲۱۹' بلاک سی' شمالی ناظم آباد' حیدری' کراچی۔ صفحات: ۶۶۱۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

صحابہ کرامؓ کی حیات مقدسہ پر لکھنا ایک سعادت ہے۔ تاہم' سیرت صحابہؓ پر لکھنے کے لیے ایمان و ایقان کی نعمت کے ساتھ ساتھ علمی دیانت کی دولت بھی ضروری ہے۔ مزید برآں فکر ونظر کا وہ زاویہ بھی جو حقائق اور حکایات وقصص میں تفریق کر سکے۔ گذشتہ چودہ سو برس کے دوران بہت سے اہل ایمان اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر انھیں بارہا سوقیانہ حملوں' حتیٰ کہ کفر کے فتووں کا سامنا کرنا پڑا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایسی فتوے بازیوں میں مگن حضرات' جیسی تحقیقات پر اپنے قبیلے کے لوگوں کو معاف کرتے رہے ہیں' ویسی تحقیقات پر دوسروں کو زندیق قرار دے کر ان پر سب وشتم کے تیر چلاتے رہے۔ اس ضمن میں نشانہ ستم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو بھی بنایا گیا۔

زیرنظر کتاب مولانا محمد میاں کی تصنیف شواہد تقدس کا ایک بے لاگ جائزہ ہے۔ یاد رہے کہ شواہد تقدس مولانا مودودی کی خلافت و ملوکیت کے رد میں لکھی گئی تھی۔ مولانا عامر عثمانی مرحوم' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حقیقی بھتیجے' مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید اور فاضل دیوبند تھے۔ عامر عثمانی مرحوم نے' مولانا محمد میاں کی مذکورہ بالا کتاب (اور آخر میں تجدید سبائیت از مولانا محمد اسحاق سندیلوی) کو علمی سطح پر جانچتے ہوئے اپنے رسالے ماہ نامہ تجلی دیوبند کے دو خصوصی شمارے شائع کیے تھے۔ یہ معرکہ خیز تحریر تجلی میں دب کر رہ گئی تھی' جس کی بازیافت کر کے سید علی مطہر نقوی نے اسے تجلیات صحابۃ کے نام سے کتابی شکل دی ہے اور استفادہ عام کا ذریعہ بنایا ہے۔

تجلیات صحابۃ کا مطالعہ بعض علما کی' مخالفت برائے مخالفت اور حقائق کو مسخ کرنے کی پے در پے کوششوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اونچی مسندوں پر جلوہ افروز بعض سکہ بند لوگ کس طرح غصے اور نفرت سے مغلوب ہو کر عدل و انصاف کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ دوسری جانب مولانا مودودیؒ کے متوازن اسلوب کی پرتیں کھلتی ہیں اور مقصدیت کی کرنیں روشنی بکھیرتی دکھائی دیتی ہیں۔

اس موضوع پر مطالعہ کرتے ہوئے اگر تجلیات صحابۃ کے ساتھ دو اور کتابیں بھی پڑھ لی جائیں تو مسئلے کی تفہیم کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے: پہلی خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا علمی جائزہ از جسٹس ملک غلام علی اور دوسری عادلانہ دفاع اور علماے اہل سنت از جمیل احمد رانا---مولانا عامر عثمانی

بڑے تاسف سے سوال اٹھاتے ہیں: ''آخر چاروں طرف سے [مولانا] مودودی پر یلغار کیوں؟ کیوں ایک امر قطعی میں کیڑے ڈالے جا رہے ہیں، کیوں قلم انگارے اُگل رہے ہیں اور زبانیں گولیاں برسا رہی ہیں؟ اس کی وجہ پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اس کے سوا کوئی بات تہہ سے نہیں نکلے گی کہ اصل محرک اس شوروغل کا 'حسد وتعصب' ہے''۔ (ص ۱۹۵-۱۹۶)

تجلیات صحابہ میں حقائق کی کھوج کاری کے دوران عامر عثانی مرحوم نے سنگ بدست کرم فرماؤں کی طرزِ ادا کا جواب دیتے وقت بعض مقامات پر مناظرانہ رنگ بھی اختیار کیا ہے مگر اس رنگ نے ان کے تفقہ فی الدین اور تحقیقی اسلوب کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ انھوں نے سیرت، تاریخ اور تفسیر کے ہزاروں صفحات کا مطالعہ کیا اور غیر جذباتی انداز سے تجلیات صحابہؓ کے مضامین سپردِ قلم کیے۔ (سلیم منصور خالد)

ماہنامہ ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۰۱ء

کتاب نما

تجلیات صحابہؓ

تبصرہ: حاذق ضیائی سہسرامی

کتاب: تجلیات صحابہؓ	مصنف: مولانا عامر عثانیؒ (فاضل دیوبند)	مرتب: سید علی مطہر نقوی امروہوی
صفحات: ۶۶۱	قیمت: ۲۵۰/- (مجلد)	
ناشر: مکتبہ الحجاز، پاکستان ۱۔ے/۲۱۹، بلاک سی، شمالی ناظم آباد، کراچی		

مرحوم مولانا عامر عثانی مدیر تجلی دیوبند، ایک بیباک صحافی، عالم دین، جدید الفکر ادیب وشاعر، محقق، نقاد، طنزیات کے امام سب کچھ تھے۔ پھر بھی دینی نظر پختہ اور جرأت مندانہ تھی۔

مظلوم جماعت اسلامی اور مولانا مودودیؒ کے دفاع میں زورِ قلم صرف کرنے والوں میں شورش کشمیری مدیر 'چٹان' اور ماہر القادری مدیر 'فاران' کے ساتھ ساتھ مدیر 'تجلی' مولانا عامر عثانی نے غیر معمولی شہرت پائی، خدا ہر ایک کو بخشے!

عامر نے مولانا مودودیؒ کی معرکۃ آرا کتاب خلافت و ملوکیت ــــ سیاست اسلامی کی بے مثال اور لازوال کتاب کے خلاف شائع شدہ مواد کا ایسا علمی، غیر جانب دارانہ محاکمہ کیا کہ ایوب خاں کی فوجی سیاست کی پاکستان میں ہوا اکھڑ گئی اور علماء کا ایک خاص حلقہ بے وقار ہو گیا! اصل اور نقل دونوں کے سبب!

زیر نظر ''تجلیات صحابہؓ'' سے پہلے جماعت اسلامی کا جائزہ نامی کتاب منظر عام پر آ چکی ہے۔ جس کا تعارف، مبصر عارف اقبال، مدیر اردو بک ریویو، نئی دہلی کے قلم سے اس کتاب کے آخری سرورق پر دیکھا جا سکتا ہے۔

عامر صاحب کی نگارشات تجلی کے صفحات میں میری نظروں سے بھی گزرتی رہیں۔ اب ان کی کاوش کو کتابی صورت میں شائع کر کے امروہوی صاحب نے ایک بڑی علمی خدمت انجام دی جو لائق ستائش ہے۔

مذکورہ کتاب کا سرورق شعاع ریز اور اس کا انتساب مصنف ''علم دین کی آبرو کے نام'' اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا

سہائیت'' مرقوم ہے۔

عامر عثمانی صاحب نے سیرۃ النبی از سید سلیمان ندوی جلد ثالث صفحہ ۶۴۱ کا حوالہ دے کر جو کچھ لکھا میں نے اسے طبع دوم ۱۳۱۶ھ / ۱۹۲۸ء کے ایڈیشن سے ملا کر دیکھا تو ''اشخاص کی جگہ'' نظر آیا اور خلفائے راشدین پر '''' کی علامت ہے، اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں، البتہ اس کے حاشیہ میں تاریخ خلفاء سیوطی، کا ذکر ہے مگر متن میں اس کا نمبر نہیں، چند صفحہ بعد صرف حافظ سیوطی ایک جگہ مرقوم ہے۔ آگے عامر صاحب نے ۱۹۶۶ء کے ایڈیشن کا ذکر کیا ہے اور جو دوسری بات، حدیث اثنا عشر خلیفہ کے ذیل میں لکھی، وہ عبارت سیرت النبی ۱۹۲۸ء کے ایڈیشن میں نہیں، ناشر سیرت النبی کے لیے ہنوز قابل غور ہے۔□□

پتہ: نورن گنج، سہسرام۔821115، ضلع روہتاس (بہار)

اردو بک ریویو' نئی دہلی' بھارت۔ نومبر، دسمبر ۲۰۰۱ء

☆☆☆

نام کتاب	تبلیغی جماعت کا جائزہ
مصنف	مولانا عامر عثمانی ''(فاضل دیوبند) مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند
مرتب	سید حق مطہر نقوی امروہوی
صفحات	288 قیمت =/140 روپے
ناشر	مکتبہ الحجاز پاکستان

اے 219' بلاک سی الحیدری شمالی ناظم آباد کراچی 74700

اردو کا مشہور عالم ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند بھارت سے شائع ہوتا تھا اور اپنے وقت کا کثیر الاشاعت ماہنامہ تھا جو مولانا عامر عثمانی کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا' جن کا نام تو امین الرحمٰن تھا اور عامر تخلص۔ وہ اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے مگر ان کی شہرت صاحب قلم جید عالم دین کی تھی۔ ان کے دادا مولانا فضل الرحمٰن دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔ شہرۂ آفاق مجموعہ ''مجموعہ فتاوی دارالعلوم'' کے مشہور صدر مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن اور [illegible] کے تایا۔ پاکستان کے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی [illegible] چچا اور والد مولانا مطلوب الرحمٰن جو مشہور پیر طریقت تھے۔ مولانا عامر خود مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد تھے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ تحریک اسلامی پر ہونے والے ناروا حملوں کا دفاع انہوں نے جس طرح کیا وہ بے نظیر تھا اور حق ہے کہ انہوں نے حمایت حق کا حق [illegible]

سید حق مطہر نقوی امروہوی ''تجلی'' کی فائل میں دفن ان مباحث کو کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ پہلے جماعت اسلامی کا جائزہ' تجلیات صحابہ' تفہیم القرآن پر اعتراضات کی علمی کمزوریاں' مقام صحابہ شائع کر چکے ہیں۔ یہ اس سلسلے کی پانچویں کتاب ہے جس میں تبلیغی جماعت کے متعلق آنے والے سوالات کے جوابات اور دوسرے مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں جو مولانا عامر عثمانی کی ژرف نگاہی اور علم کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور انہوں نے ان جوابات میں کہیں بھی توازن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور دینی نقطۂ نظر سے ان کی وضاحت قرآن وسنت کو مدنظر رکھ کر احسن طریقے سے کی ہے' جو انشاءاللہ ان کے لئے توشۂ آخرت ثابت ہوگی۔

سید حق مطہر نقوی امروہوی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک اکیڈمی کا کام اکیلے کر دیا اور ان مباحث کو محفوظ کر دیا جو آنے والے دینی تاریخ کے مؤرخوں کے لئے قابل اعتبار ماخذ کا کام دیں گے۔

کتاب خوبصورت ٹائپ اور سفید کاغذ پر اہتمام سے شائع کی گئی ہے۔○○